

إهداء من المؤلفين والناشرين إلى المسلمين في كل مكان

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي جعل في كل شيء
دلالة على عظمته وجلاله

عَقِيدَةُ جَمْعِ النُّبُوَّةِ

مجلد ششم

الناشر

الإمامة الإسلامية الشافعية الإسلامية

كرامات باكستان





أنا خاتم النبيين ﷺ لا نبي بعدي

عقيدة وحيات
علمائنا
التي تحققت
كثير من رسائل
الأنبياء
عليهم السلام



الإدارة لتدقيق الحقائق الإسلامية



مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

الآية ٤٠ سورة الاحزاب

محفوظات جميع الحقوق

عقيدة ختم النبوة

نام کتاب

حضرت امام محمد باقر (ع) و علی (ع) رضی اللہ عنہما

ترتیب و تحقیق

ششم

جلد

2007 / 1428ھ

سن اشاعت

225/-

قیمت

ناشر

الإدارة لتحفظ العقائد الإسلامية

آفس نمبر 5، پلاٹ نمبر Z-111، عالمگیر روڈ، کراچی

www.khatmenabuwat.com

www.khatmenabuwat.net



الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّينَ



فہرست

صفحہ نمبر

تفصیل

نمبر شمار

① افادۃ الإہتمام (حصہ دوم) 9

② انوار الحق 335

③ حضرت مولانا مآظ محمد ضیاء الدین رحمہ اللہ علیہ 459

④ معیار المسیح 465

قصیدۃ بردۃ شریف

از: شیخ العربیہ رحمہ اللہ محمد شرف الدین بھیری مصری ذابین رحمہ اللہ علیہ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اے میرے مالک و مولیٰ درود و سلام تو روزی ہمیشہ میرے پیارے حبیب پر تمام مخلوق میں افضل ترین ہیں۔

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالْثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ بَعَثِهِمْ

محمد رسول اللہ سرور اور عالم ہیں دنیا و آخرت کے اور جن و انس کے اور عرب و عجم دونوں جماعتوں کے۔

فَأَقِ النَّبِيِّنَ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ
وَلَسَوْ يَدَاؤُهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

آپ اللہ نے تمام انبیاء و رسولوں پر جن و انسانیات میں فوقیت پائی اور وہ آپ کے مراتب علم و کرم کے قریب ہی نہ پہنچ سکے۔

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُولِ اللَّهِ مُلْتَمِسِينَ
عَرَفْنَا مِنَ الْبُحْرَىٰ وَرَشَقًا مِنَ الدِّيَارِ

تمام انبیاء و رسول اللہ آپ کے دربار میں ملحق ہیں آپ کے دربار سے کرامت و شرف و برکت سے ایک چارواں دین و ملت سے ایک گھر کے۔

وَكُلُّ أُنْثَىٰ آتَىٰ الرَّسُولَ الْكَرَامُ بِهَا
فَوَيْلٌ لَّكَ إِذَا تَصَلَّيْتَ مِنْ تَوْبَةٍ بِهِمْ

تمام عورات جو انبیاء ﷺ لائے اور اصل حضور ﷺ کے توبی سے انہیں حاصل ہوئے۔

وَقَدْ مَتَّكَ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ بِهَا
وَالرَّسُولُ لَقَدْ يُمِخُّ عَنْهُمْ عَلَى خَدِّهِ

تمام انبیاء ﷺ نے آپ ﷺ کو (سہرا نہیں میں) مقدم لیا، یا مقدم کو خدا دوسرا پر مقدم کرنے کی ش۔

بُشْرَىٰ لَنَا مَعَشَرَ الْإِسْلَامِ إِنَّ لَنَا
مِنَ الْوَعَايَةِ رُكْنًا غَيْرَ مَنُهِدٍ

اے مسلمان! بڑی خوشخبری ہے کہ اللہ ﷻ کی مرہال سے امارے لئے ایسا ستون عظیم ہے جو کبھی گرنے والا نہیں۔

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَّتْهَا
وَمِنْ عُلُومِكَ عَلَمُ الْوُجُوحِ وَالْقَلَمِ

اور رسول اللہ ﷺ آپ کی بخششوں میں سے ایک بخشش دنیا و آخرت ہیں اور علم لوح و قلم آپ ﷺ کے علم کا ایک حصہ ہے۔

وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُولِ اللَّهِ نُصْرَتُهُ
إِنْ تَلَقَّهِ إِلَّا سُدْفَىٰ أَحَابِمَا تَجِمِ

اور جسے آگائے اور جو آپ ﷺ کی مدد حاصل ہو اسے اگر جنگ میں شریک نہیں ہو گا تو غامضی سے بچ جائے گا۔

لَبَّادَعَا اللَّهَ دَاعِيَتَا لِرِطَاعَتِهِ
بِأَكْرَمِ الرَّسُولِ كُنَّا أَكْرَمَ الْأُمَمِ

جب اللہ ﷻ نے اپنی دعوت کی طرف بلائے دے محبوب کو اکرم اور اسل فرمایا تو ہم بھی سب امتوں سے اشراف قرار پائے۔

سَلَامُ رَحْمَا

از: امام اہلسنت محمد بن جریر نے حضرت علامہ نور الدین عظیمی قاری حفظہ
امام احمد رضا محقق محدثی ذی بزرگانی جعفری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مُصْطَفَىٰ جَانِ رَحْمَتٍ بِهَ لَاحُوْنِ سَلَامٍ
شَمْعُ بَزْمِ هِدَايَتٍ بِهَ لَاحُوْنِ سَلَامٍ

مہر چرخ نبوت پہ روشن درود
گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام

شب اسری کے دولہا پہ دھم درود
نوشہ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

صَاحِبِ رَجْعَتِ شَمْسِ وَشَقِ الْقَمَرِ
نَايِبِ رَسْمِ قُدْرَتٍ بِهَ لَاحُوْنِ سَلَامٍ

حجر اسود و کعبۃ جنان و دل
یعنی مہر نبوت پہ لاکھوں سلام

جِسْ كَمَا تَقِي شَفَاعَتِ كَاسِ سَهَرِهَا
اِسْ جَبِينِ سَعَادَتٍ بِهَ لَاحُوْنِ سَلَامٍ

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
ختم دور رسالت پہ لاکھوں سلام

تُجِّهِ سَے خِدْرَتِ كَے قُدْسِ کہیں ہاں خُدا
مُصْطَفَىٰ جَانِ رَحْمَتٍ بِهَ لَاحُوْنِ سَلَامٍ



إِفَادَةُ الْإِفْهَامِ

(جِصَّة دُوم)

تَصْنِيفُ لَطِيفٍ

الْوَارِثُ لِمَوْشَى الْإِسْلَامِ عَافَ بِالله
مَوْلَانَا فَاطِمَةُ مُحَمَّدٍ الْوَارِثَةُ حَبِيبَتِي حَبِيبَةُ اللهِ عَلَيْهِ
صَفَرْتُ لَطِيفَاتِ جَنَابِ اسْتَاذِ سَالَمِيْن رَكْنِ دِيْنِي حَامِدُ الْكَافِي
(حيدرآباد دکن)

فہرست مضامین

إِفَادَةُ الْإِفْہَامِ (حصہ دوم)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
7	عدلی نبوت کی تدبیر	1
11	اجماع صحابہ سے متعلق بحث مسئلہ نزول عیسیٰ علیہ السلام میں	2
23	مرزا صاحب کا تفسیروں پر حملہ	3
34	مرزا صاحب کے دلائل اپنی عیسویت پر	4
57	مرزا صاحب کفار کی تقلید کرتے ہیں	5
73	نبی اکرم ﷺ پر افتراء	6
76	مرزا صاحب کی طرف سے قرآن میں غلطی	7
77	مرزا صاحب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کا موازنہ	8
84	مرزا صاحب کا الہام جھوٹا ثابت ہوا	9
92	قرآن کی غلط تاویلیں اور خدا کی تکذیب	10
102	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی علامتیں	11
117	نمرود کی طرح مرزا صاحب کی تاویلیں	12
121	دجال کا قتل..... دم مسیح علیہ السلام سے کفار کا مرجانا	13
125	دجال کا حلیہ جسمانی	14
131	نبی اکرم ﷺ پر غلط بیانی	15

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب اس لحاظ سے کہ خود معجزے نہیں دکھلا سکتے عقلی معجزے اختراع کئے جس کی وجہ سے ان کو حقیقی معجزات کی توہین کی ضرورت ہوئی اور ان معجزات کو ایک قسم کا سحر اور انبیاء کو ساحر قرار دیا اور خدائے تعالیٰ نے جو اپنے کلام قدیم میں ان کی تعریفیں کیں اور فصائل بیان کئے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اسی طرح احادیث بھی چونکہ ان کے دعوؤں کو ثابت نہیں ہونے دیتے تھے اس لئے مشکل اور فرقی باطلہ کے انہوں نے احادیث کو بھی ساقط الاعتبار بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا۔ چنانچہ ازمانۃ الادہام صفحہ ۵۳۰ میں ایک طولانی تقریر کے بعد لکھتے ہیں۔ ”کیوں جائز نہیں کہ انہوں (راویوں) نے عمداً یا سہواً بعض احادیث کی تبلیغ میں خطا کی ہو؟“ ہم یہاں تھوڑا سا حال احادیث کے اہتمام کا بیان کرتے ہیں جس سے خود معلوم ہو جائیگا کہ علماء و مہتمم اللہ نے کس قدر جان فشائیاں کر کے سرمایہ حدیث ہمارے لئے فراہم اور محفوظ کر رکھا ہے اور وہ کس قدر قابل اعتبار ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تقریب میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ تبلیغ احکام سے فارغ ہو کر عالم جاودانی کو جب تشریف لے گئے اس وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے۔ اہل اسلام پر صحابہ کی حالت پوشیدہ نہیں کہ اشاعت دین میں کیسے ساعی تھے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ اس راہ میں جان دین ان کے نزدیک پوری کامیابی اور سعادت ابدی تھی جو ان کے کارناموں سے اظہر من الشمس ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ہمارا دین وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے ارشادات فرمائے ہیں اور اس حیثیت سے کہ یہ دین ناسخ ادیان ہے سوائے قرآن و احادیث کے ان کو نہ کسی کتاب سے تعلق تھا، نہ کسی علم سے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ مقتضائے طبیعت انسانی ہے کہ جس قوم میں کوئی بزرگ جلیل القدر

فہرست مضامین اِفَادَةُ الْإِسْلَامِ (حصہ دوم)

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
16	امام مہدی کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہونا	136
17	امام مہدی سے متعلق احادیث	137
18	حدیث لا مہدی الا عیسیٰ اور اس کے معنی	140
19	حدیث کو اپنے پرچوں پر چسپاں کرنے کیلئے واؤچ	149
20	امام بخاری پر افتراء..... غلط بیانی	151
21	چندہ کی غرض سے حدیث کو بگاڑا	159
22	مسئلہ معراج	173
23	معراج بیداری میں ہوئی	178
24	معراج میں کئی امور مقصود بالذات تھے	212
25	قیامت کا اثبات	225
26	محشر میں پسینہ کی حالت	229
27	حدیث شفاعت	234
28	مش کافروں کے مرزا صاحب کا شبہ قیامت کے باب میں	245
29	مرزا صاحب آیتوں میں زبردستی تعرض پیدا کرتے ہیں	251
30	حدیث سے جن مردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے	292
31	تونی کے معنی حقیقی لیں یا مجازی ہمارا مطلب ثابت ہے	318
32	قرآن کے ایک حرف کا منکر بھی کافر ہے	324

ہو اس کی ادنیٰ ادنیٰ بات اس قوم میں شہرت پاتی ہے۔ اسی وجہ سے سلاطین و امراء نامدار کی ہر بات تمام ملک میں مشہور ہو جاتی ہے۔

جب عوامیہ حال ہو تو سردار کو مین کے اقوال و افعال و حرکات و سکنات کو ان عشاق جان باز نے اسلامی دنیا میں کیا کچھ شہرت نہ دی ہوگی۔ پھر جب حاضرین کو بار بار حکم و لیلغ الشاهد الغائب ہوا کرتا تھا یعنی جو کچھ دیکھو اور سناؤ گاہوں کو پہنچا دیا کرو، اس حکم صریح نے تو ان حضرات پر اشاعت کو فرض ہی کر دیا۔ پھر اس زمانے میں سوائے قرآن و حدیث کوئی علم ہی نہ تھا اور علم کے فضائل میں جو احادیث بکثرت وارد ہیں پوشیدہ نہیں، جن سے ثابت ہے کہ وہ تمام عبادات بلکہ جہاد سے بھی افضل ہے۔ تو قیاس کیا جائے کہ وہ حضرات جو تحصیل کمالات اخروی پر جان دیتے تھے تعلیم و تعلم قرآن و حدیث پر کس قدر حریص اور اس میں ساعی ہوں گے۔ الغرض متعدد قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ اس زمانے میں احادیث نبویہ مثل قرآن متداول تھیں اور تقریباً پوری قوم ان کی حفاظت میں مصروف اور سرگرم تھی اور جہاں جہاں اسلام اپنی روز افزوں ترقیوں سے قدم بڑھاتا اور پہنچتا گیا اس کے ساتھ ساتھ علم بھی پہلو پہ پہلو ترقی کرتا رہا اور نزدیک اور دور والے اس صحابہ جان بخش سے یکساں سیراب تھے۔ تقریباً ایک صدی تک ان اکابرین کے سینے اس گنجینہ بے بہا کے صندوق بنے رہے۔ جب تابعین کا زمانہ صحابہ کے انوار و فیوض سے خالی ہو گیا تو یہ رائے قرار پائی کہ ان علوم نبویہ کی حفاظت کا طریقہ اب یہی ہے کہ قید کتابت میں لائے جائیں۔ چنانچہ اس وقت سے کتابتیں تصنیف ہونے لگیں یہ زمانہ وہ تھا کہ غیر اقوام کے لوگ اسلام میں بہت کچھ داخل ہو چکے تھے اور مذاہب باطلہ کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اور جس طرح خود غرض بے دینوں کی عادت ہے بہت سے شریر انفس اس تاک میں لگے ہوئے تھے کہ اگر کوئی داخل ہو جائے تو اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد عیدہ کر کے مقتدا بن بیٹھیں چنانچہ بہت سے

مقتدا ان کے دام میں پھنس گئے جس کا حال تواریخ سے ظاہر ہے اس لئے علماء نے یہ التزام و اہتمام کیا کہ جب تک پورے طور سے راویوں کی دیانت و تقویٰ ثابت نہ ہو ان سے روایت نہ لی جائے اور اگر لائے سے کوئی روایت بھی لی جائے تو جب کوئی بے دین ثابت ہو جائے تو اس کی کل روایتیں ساقط الاعتبار کر دی جائیں اور تحقیق کی یہ کیفیت کہ جب کوئی دو شخص ہم مشرب ملتے تو جرح و تعدیل ہی میں بحث رہتی اور اپنے اپنے تجربوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ایک دوسرے کو خبر دے دیتے جس سے ایک بڑا فن رجاں کا مدون ہوا جس میں ہر راوی کی جرح و تعدیل سے متعلق چشم دید واقعات مذکور ہیں۔ غرض کہ اس تحقیق و تنقیح سے گو بعض صحیح روایتیں جو اس قسم کے لوگوں سے مروی تھیں، متروک ہو گئیں۔ لیکن بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ بنائی ہوئی روایتوں کی قلعی کھل گئی اور ساقط الاعتبار کر دی گئیں اور یہی طریقہ علماء میں جاری رہا اگرچہ ایسے لوگوں کی روایتیں متروک کر دی جائیں تھیں مگر بعض روایات جو راوی کے غیر متدین ہونے پر دلیل تھیں وہ زباں زبانی مثلاً "قندریب الراوی" میں امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محمد ابن سعید شامی نے یہ روایت کی عن حمید عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ۔ چونکہ اس شخص کو نبوت کا دعویٰ کرنا منظور تھا اس لئے اس نے اس حدیث میں الا ان یشاء اللہ بڑھا دیا اور اس کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا مگر اس زمانے میں ایسی زیادتیاں اور داؤد کب چسکتے تھے آخر وہ سولی چڑھایا گیا اور اس کی روایتیں موضوعات میں شامل کی گئیں۔ اسی طرح وہ روایات جو قبل تحقیق کتابوں میں درج ہو چکی تھیں وہ باقی رہ گئی تھیں، ایسی احادیث کے لئے محدثین رحمہم اللہ نے خاص خاص کتابیں تصنیف کیں اور سب موضوعات کو ان میں داخل کر دیا۔ چنانچہ یہ بھی ایک فن جداگانہ مدون ہو گیا۔ فن اصول حدیث کے دیکھنے سے یہ بات مبرہن اور منکشف ہو جاتی ہے کہ اگر محدثین رحمہم اللہ نے یہی

کیسی جان فشانیاں اور مویشیاں کر کے آخری زمانے والوں کے لئے ان کے دین کا سرمایہ محفوظ رکھا ہے۔ ان کی محنت کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے جو شرح الاشباہ والنظائر صفحہ ۳۹۷ میں منقول ہے۔ ذکر البزازی فی المناقب عن الامام البخاری الرجل لا یصیر محدثاً کاملاً الا ان یکتب اربعاً مع اربع کتارب مع اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لا ربع وهذه الرباعیات لا تتم الا باربع مع اربع فاذا تمت له کلها هانت علیه اربع وابتلی باربع فاذا صبر اکرمه الله تعالی فی الدنیا باربع واثابه فی الآخرة باربع اما الاولی فاخبار الرسول ﷺ وشرائعه و اخبار الصحابة و مقادیرهم والتابعین و احوالهم و سائر العلماء و تواریخهم مع اربع اسماء رجالهم و کتابهم و امکنتهم و ازمنتهم کارب التحمید مع الخطب و الدعا مع التوسل و التسمیة مع السورة و التکبیر مع الصلوة مع اربع المسندات و المرسلات و الموقوفات و المقطوعات فی اربع فی صغره فی ادراکه فی شبابه فی کھولته عند اربع عند شغلہ عند فراغه عند فقره عند غناه باربع بالجمال بالبحار بالبراری بالبلدان علی اربع علی الحجارة علی الاحزاف علی الجلود علی الاکتاف الی الوقت الذی یمکن نقلها الی الاوراق عن اربع عمن هو فوقه و دونه و مثله و عن کتابه ابیه اذا علم انه خطه لاربع لوجه الله و رضاه و للعمل به ان وافق کتاب الله تعالی و لنشرها بین طالبیها و لا حیاء ذکره بعد موته ثم لا یتم له هذه الاشياء الا باربع من کسب العبد و هو معرفة الکتاب و اللغة و الصرف و النحو مع اربع من عطاء الله تعالی الصحة و القدرة و الحرص و الحفظ فاذا تمت له هذه الاشياء هانت علیه اربع

الاهل و الولد و المال و الوطن و ابتلی باربع بشماتة الاعداء ملامة الاصدقاء و طعن الجهال و حسد العلماء فاذا صبر اکرم الله تعالی فی الدنیا باربع بعز القناعة و هيبة النفس و لذة العلم و حیوة الابد و اثابه فی الآخرة باربع بالشفاعة لمن اراد من اخوانه و بطل العرش حیث لا ظل الا طله و الشرب من الکوثر و جوار النبیین فی اعلى علیین فان لم یطوq احتمال هذه المشاق فعلیه بالفقه الذی یمکنه تعلمه الخ۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ آدمی کامل محدث نہیں ہو سکتا جب تک کہ امور ذیل پر پورے طور سے واقف اور باہر نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کے اخبار اور جواہر حکام حضرت نے مقرر فرمائے ہیں اور نیز صحابہ کے اخبار و حالات اور تابعین اور جمیع علماء کے احوال اور تواریخ اور ہر ایک کا نام اور کنیت اور وطن اور زمانہ اور احادیث کی اقسام کہ کوئی حدیث مسند ہے اور کوئی مرسل اور مقطوع اور موقوف وغیرہ ہے اس کے سوا رسم الخط اور صرف و نحو اور لغت کا بھی ماہر ہو اور عمر بھر خالصاً لوجہ اللہ اسی کام میں لگا رہے۔

فمن رجال کے واقفین پر یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ جتنے اکابر محدثین تھے وہ سب ان صفات کے ساتھ متصف تھے اور یہ سب باتیں ان کو از بر تھیں۔ اگرچہ بقا ہر یہ امر کسی قدر مستبعد معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے یہ استبعاد رفع ہو سکتا ہے۔ آخر قوت حافظہ کے مدارج ہیں بعض حافظے ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جو چیز انہوں نے دیکھی یا سنی وہ کنقش الحجو ہو گئی جیسے عکس تصاویر میں ہوتا ہے اور اس کے نظائر من بعد اس زمانے میں بھی موجود ہیں مثلاً بعض وکلاء کوکل قانونی کتابیں ایسی از بر ہوتی ہیں کہ جو مضمون پوچھے اس کی دفعہ وغیرہ بتلا کر صد بانٹاؤ اور فیصلوں کے پورے پورے مضامین پیش کر دیتے ہیں۔ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس دین کی حفاظت منظور ہے جو قولہ تعالیٰ وانا له

لحافظوں سے ظاہر ہے اس لئے ایسے افراد منتخب روزگار پیدا کر کے ان سے یہ کام لیا ان حضرات نے وہ وہوشگافیاں کیں کہ فن حدیث ایک سوفنون پر مشتمل ہو گیا جس کی تصریح امام سیوطی رحمہ اللہ نے "الدریب الراوی" میں کی ہے اور ان حضرات نے بفضلہ تعالیٰ ان میں اعلیٰ درجے کی ترقی کر کے ان سب کو کمال پر پہنچ دیا۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیا ان حضرات کے رد پر کسی کے داؤچ اسلام میں چل سکتے تھے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کسی کی بنائی ہوئی حدیث ان کی غامض نظروں سے چھپ کر صحت کے پیرائے میں آسکتی تھی؟ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہمارے یہاں کی ضعیف حدیث دوسری ملتوں کی قوی اور صحیح روایتوں سے بدرجہا قوی ہوگی۔

اول ما آخر ہر ملتیں آخر ما جیب تمنا تہی

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راویوں نے عدا یا سہو خطا کی ہوگی سو یہ ظہر درست ہے کیونکہ امکان کا دائرہ ایسا وسیع ہے کہ جس چیز کا نہ کبھی وجود ہوا ہو، نہ ہوگا وہ بھی اس میں داخل ہے مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان حضرات نے نہ عدا خطا کی ہو، نہ سہو۔ پھر اس کی کیا وجہ کہ خطا کا امکان پیش کر کے وہ اکابر دین نشا نہ ملاست بنائے جائیں۔ قرآن مذکورہ بالا پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ ہزار ہا اکابرین اور متدین علماء نے جب فن حدیث کا اس قدر اہتمام کیا ہے تو صرف ایک خفیف سا احتمال اس قابل نہیں کہ اس کے مقابل پیش ہو سکے۔ یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اکابر محدثین جنہوں نے نہ سلاطین و امراء کی صحبت اختیار کی جس سے یہ احتمال ہو کہ ان کی خاطر سے کوئی حدیث بنائی ہو اور نہ اشاعت علوم پر ماہوار یا کسی قسم کا چند مقرر کیا جس سے یہ خیال ہو کہ کثرت احادیث کی ضرورت سے کچھ حدیثیں بنائی ہوں ان حضرات نے تو اشاعت علوم میں جان دینے میں بھی دریغ نہیں کیا۔ چنانچہ امام نسائی رحمہ اللہ کا حال مشہور و معروف ہے کہ حضرت علی کریمؓ

وہ کے فضائل کی حدیثیں شائع کرنے کی غرض سے شام تشریف لے گئے جہاں حضرت علی کریمؓ وہ کی سخت منقصت ہوا کرتی تھی اور جان کی کچھ پروا نہ کی چنانچہ اسی جرم میں شہید کئے گئے۔ ایسے حضرات کی روایات میں تو اقسام کے احتمال پیدا کئے جائیں اور مرزا صاحب عیسویت اور وحی کی وجہ سے لاکھوں روپے حاصل کریں ان کی خبروں میں احتمال بھی قائم نہ کیا جائے، عجیب بات ہے۔ اگر عقل سے تھوڑا بھی کام لیا جائے تو معاملہ بالعکس ثابت ہو جائے گا۔ فن اصول حدیث وفقہ میں یہ بحث نہایت مبسوط ہے کہ احادیث صحیحہ قابل تصدیق اور واجب العمل ہیں۔ انہیں احادیث پر اکثر مسائل فقہ کا دار و مدار ہے اگر وہ بے اعتبار قرار دیئے جائیں تو تمام مذاہب حقد درہم و برہم ہو جائیں گے اور بے دینوں کو آیات قرآنیہ میں تصرف کا موقع ہاتھ آجائے گا چنانچہ ملاحد نے یہی کام کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو چیز تواتر سے ثابت ہو اس کا علم یقینی اور ضروری ہوتا ہے اور احادیث غیر متواتر کا علم ظنی ہے مگر شریعت نے اس ظن غالب کو اعتبار کر لیا ہے دیکھ لیجئے دو گواہوں کی خبر سے جملہ حقوق ثابت ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دو گواہوں کی گواہی سے مسلمان کا قتل قصاص میں مباح ہو جاتا ہے۔ اب دیکھئے کہ دو شخصوں کی خبر کسی طرح متواتر نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے صرف ظن غالب ہو جاتا ہے باوجود اس کے شریعت نے اس کا اعتبار کر لیا ہے۔ اسی طرح ثبوت نسب صرف باپ کے اقرار پر ہو جاتا ہے اگر اس کے لئے تواتر شرط ہو تو یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اپنے آباء و اجداد کی میراث اور جائداد کا مالک بنے۔ پھر باپ جوڑ کے کے نسب کا اقرار کرتا ہے اس کا مدار صرف ظن غالب پر ہے جو اپنی زوجہ کے بیان اور قرآن خارجیہ مثل عفت وغیرہ کے لحاظ سے اس کو حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس ظن غالب کا اعتبار نہ کر کے کسی غیور شخص کے نسب میں ناشائستہ احتمال پیش کئے جائیں تو کیا ان احتمالوں کو وہ قہر تسلیم سمجھے گا یا کسی اور طریقے سے پیش آئیگا جو دشنام کے جواب میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی

طرح جہاں قبلہ مشتبہ ہو جائے تو ظن غالب پر عمل لازم ہو جاتا ہے گو وہ خلاف واقع ہو اور اسی طرف نماز صحیح بھی ہو جاتی ہے اگرچہ سمت قبلہ کی خلاف پڑھی ہو۔ غرض کہ جو چیز ظن غالب سے ثابت ہوتی ہے شرعاً عرفاً عقلاً قابل تصدیق سمجھی جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب جو احتمال ضعیف پیش کر کے احادیث کو بے اعتبار بنانا چاہتے ہیں اہل اسلام اس کو ہرگز جائز نہیں رکھ سکتے کیونکہ یہ بات گویا فطرتی ہے کہ ہر قوم اپنے مقتدا اور پیشوا کی باتیں جو ان کے اسلاف نے ان تک پہنچائی ہیں ان کو قابل قبول اور ان کے مخالفین کتنے ہی احتمال پیدا کریں ان کو لغو سمجھتی ہے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کی کوئی بات نہ نصاریٰ میں فروغ پائی، نہ آریہ وغیرہ میں۔ باوجودیکہ براہین احمدیہ میں انہوں نے اقسام کے احتمال ان کے مذاہب میں پیدا کر دیے۔ پھر مسلمانوں پر یہ آفت کیوں آگئی کہ جس نے جیسا کہہ دیا اسی کی چل گئی اور ایسے شخص کے مقابلے میں کل اسلاف جن میں فقہاء و محدثین اور اولیاء اللہ شریک ہیں سب جھوٹے سمجھے جائیں۔ مرزا صاحب ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ "اکثر احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں والظن لا یعنی عن الحق شیناً"۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت کفار کی شان میں ہے۔ ان کی عادت تھی کہ جب قیامت وغیرہ امور حقہ کا ذکر سنتے تو اس کے خلاف میں انکل کی باتیں بناتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ أَنْ نَنْظُرَ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمَسْتَطِقِينَ" یعنی جب قیامت کا ذکر سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا ظن ہے یقین نہیں ہے اور ارشاد ہے "أَنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَأَنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ" یعنی صرف وہ گمان پر چلتے ہیں اور وہ صرف انکل باتیں بناتے ہیں۔ اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی ارشاد ہے "وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا أَنْ الظَّنَّ لَا يَعْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا"۔ یعنی اکثر کفار صرف گمان پر چلتے ہیں اور گمان حق کے مقابلے میں

کام نہیں آتا۔ اہل اصل جس گمان کی توہین ہو رہی ہے وہ وہی گمان ہے جو آیات و احادیث کے خلاف عقل دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کے مرتکب مرزا صاحب ہو رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے جہاں کوئی حدیث وہ اپنے مقصود کے مخالف پاتے ہیں انکل کی باتیں بنانے لگتے ہیں کہ ممکن ہے کہ راوی نے عمداً یا خطاً جھوٹ کہہ دیا ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں وغیرہ۔ اب اہل انصاف غور کریں کہ آیہ شریفہ ہمارے لئے مفید ہے یا ان کے لئے۔ اگر راویوں میں احتمالات پیدا کر کے احادیث بے اعتبار قرار دیئے جائیں تو دین کی کوئی بات ثابت نہ ہو سکے گی۔ دیکھ لیجئے نماز سے زیادہ کوئی حکم ضروری نہیں ہے پھر نہ پانچ وقت کی نماز قرآن سے صراحۃً ثابت ہوتی ہے، نہ اس کے ادا کرنے کا طریقہ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بعض لوگ خصوصاً مرزا صاحب خواجہ احمد علی کو مخالف قرآن قرار دیکر ان کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں یہ ان کی کم فہمی ہے اس لئے کہ اکابر علماء نے جب کسی حدیث کو صحیح مان لیا اور وہ فی الواقع مخالف قرآن ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ ان کو قرآن کا علم نہ تھا۔ پھر ایسے لوگ جو قرآن ہی کو نہ جانیں وہ اکابر دین اور مقتدا کیونکر ہو سکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جو حدیث بظاہر مخالف قرآن معلوم ہو وہ ہمارے فہم کا قصور ہے، درحقیقت مخالفت ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے مجتہدین کی دین میں ضرورت ہوئی جن کا کام یہ تھا کہ قرآن و حدیث کو تطبیق دے کر قول فیصل اور دونوں کا حاصل بیان کر دیں اس کی تصدیق اس سے بخوبی ہو سکتی ہے کہ آدمی جو ظن پڑھتا ہے ہر سبق میں اقسام کے تعارض و تخالف اس کے ذہن میں آتے ہیں مگر استاد کامل ان سب کا جواب دیکر تسکین کر دیتا ہے۔ اسی طرح مجتہدین کا بھی حال سمجھنا چاہیے۔

مرزا صاحب نے احادیث کی توہین تو بہت کچھ کی لیکن ظلف خاص یہ ہے کہ خود ہی ازالۃ الاہام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ اب سمجھنا چاہیے کہ گواجمانی طور پر قرآن شریف

اکمل و اتم کتاب ہے مگر ایک حصہ کثیرہ دین کا اور طریقہ عبادات وغیرہ کا مفصل اور مبسوط طور پر احادیث سے ہم نے لیا ہے ابھی۔ ابھی احادیث کو ان الظن لا یعنی من الحق شینا کے تحت میں داخل کر کے غیر معتد بہ بنا دیا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ جو حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہے وہ لاشی محض ہے اس تقریر میں احادیث کی وقعت جو بیان فرماتے ہیں وہ بھی ایک حکمت عملی ہے وجہ اس کی یہ ہوئی کہ نیچروں نے مرزا صاحب کی میساجی کی بنیاد ہی کو زیر و زبر کر دیا۔

ع عدو شود سبب خیر مر خدا خوابد

چنانچہ ازالۃ الاوبام میں لکھتے ہیں کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں۔ شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعوے کی تحقیق کر کے کسی طرح اس کو باطل ٹھہرایا جائے ابھی۔ چونکہ مرزا صاحب کو عیسویت سے خاص قسم کی دلچسپی ہے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے ثبوت کا دار و مدار احادیث کے ثبوت پر ہی تھا اس لئے انہیں احادیث کی توثیق کی ضرورت ہوئی، ورنہ ان کو اس سے کیا تعلق؟ دیکھ لیجئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر جب کوئی حدیث نہ ملے تو انجیل موجودہ کو پیش کر دیا کہ اس سے ان کا سولی چڑھایا جانا ثابت ہے پھر اس کی توثیق میں کہہ دیا کہ بخاری سے ثابت ہے کہ انجیل میں کوئی تحریف لفظی نہیں ہوئی جس کا حال آئندہ معلوم ہوگا اور اس کی کچھ پردہ اندکی کہ حق تعالیٰ بصرت و مافیلوہ فرما رہا ہے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کسی نے سولی پر نہیں چڑھایا۔ اب غور کیا جائے کہ جیسے مرزا صاحب اپنی مضر حدیثوں کو رد کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ راویوں نے عمد یا سہو اخطا کی ہوگی اسی طرح نیچری بھی اسی احتمال سے اپنی غواہش پوری کریں گے۔ کیا وجہ کہ مرزا صاحب تو

اس احتمال سے نفع اٹھائیں اور نیچری اس سے روکے جائیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے باب میں جو حدیثیں وارد ہیں ان کی اس قدر توثیق کی کہ حد تو اتر کو پہنچا دیا۔ چنانچہ ازالۃ الاوبام میں فرماتے ہیں کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح ابن مریم کے آنے کی پیش گوئی ایک اول درجے کی پیش گوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کر لیا ہے، تو اتر کا اول درجہ اس کو حاصل ہے ابھی۔ دوسرے مقام میں ازالۃ الاوبام میں لکھتے ہیں غرض یہ بات کہ مسیح جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور اسی جسم کے ساتھ اترے گا نہایت لغو اور بے اصل بات ہے۔ صحابہ کا ہرگز اس پر اجماع نہیں بھلا اگر ہے تو کم سے کم تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیجئے جو اس بارے میں اپنی شہادت ادا کر گئے ورنہ ایک یا دو آدمی کا نام اجماع رکھنا سخت بددیانتی ہے ابھی۔ اس تقریر سے ظاہر ہے کہ جسم خاکی کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا ایک دو صحابہ کے قول سے ثابت ہے جس کو اجماع نہیں کہہ سکتے اور اوپر کی تقریر سے ثابت ہے کہ کل صحابہ نے مسیح ابن مریم کے آنے پر اتفاق کیا ہے اور وہ اعلیٰ درجے کے تو اتر کو پہنچ گیا ہے چونکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کل صحابہ کا اس مسئلہ میں اتفاق تھا اور مرزا صاحب اس کو قبول نہیں کرتے تو ان کو چاہیے کہ کوئی ایسی روایت پیش کر دیں کہ اس مسئلہ میں صحابہ کے دو فرقے ہو گئے تھے دو صحابی جسم کے ساتھ اترنے کے قائل تھے اور باقی کل صحابہ نے بغیر جسم کے روحانی طور پر اترنے کی تصریح کی ہے اور اگر کل نہیں تو جیسا کہ فرماتے ہیں تین سو یا چار سو صحابہ کا نام لیں اور جب تک یہ اختلاف ثابت نہ کیا جائے انہیں صحابہ کی تصریح پر اجماع سکوتی کل صحابہ کا واجب التسلم ہوگا۔ اگر اہل انصاف غور کریں تو یہی قول فیصل ہو سکتا ہے اور یہ بات یاد رہے کہ وہ ہرگز کسی صحابی کا یہ قول پیش نہیں کر سکتے کہ مسیح روحانی طور پر اتریں گے۔

مرزا صاحب نے جو ابھی فرمایا ہے کہ ایک حصہ کثیرہ دین کا احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ معلوم نہیں اس میں بخاری کی تفصیص کیوں نہیں کی وہ تو اس حدیث کو قائل اعتبار

نہیں سمجھتے جو بخاری میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ ازالۃ الاوبام میں لکھتے ہیں یہاں تک مضمون اس حدیث کا نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہیں ملی کہ مسیح ابن مریم دمشق کے شرقی کنارے میں منارہ کے پاس اترے گا اہی۔ اور لکھتے ہیں یہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں امام مسلم صاحب نے لکھی ہے۔ جسکو ضعیف سمجھ کر رئیس المحدثین امام محمد اسماعیل بخاری نے چھوڑ دیا اہی۔ ان دونوں تقریروں سے ظاہر ہے کہ جو حدیث بخاری میں نہیں ہوتی ان کے نزدیک وہ حدیث ہی نہیں اور اگر ہے بھی تو ضعیف جو قابل اعتبار نہیں کیونکہ جو حدیث رئیس المحدثین کو نہ ملی ہو وہ دوسرے کسی محدث کو کہاں سے مل گئی اور اگر وہ حدیث ہو بھی تو اس کو ضعیف سمجھ کر انہوں نے اپنی صحیح میں داخل نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اب مرزا صاحب سے پوچھنا چاہیے کہ ضرورتاً امام میں آپ جو تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے امام کو شاخت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی ہوتی ہے۔ جاہلیت کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بدبختی باہر نہیں اور وہ صحیح حدیث یہ ہے عن معاوية قال قال رسول الله ﷺ من مات بغير امام مات ميتة جاهلية (کذا فی مسند امام احمد و ترمذی و ابن جریر و ابن حبان) اور نیز ضرورتاً امام میں لکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ امام الزمان کے لفظ میں نبی رسول محدث مجدد سب داخل ہیں مگر جو لوگ ارشاد اور ہدایت خلق اللہ کے لئے مامور نہیں ہوئے اور نہ وہ کمالات ان کو دیئے گئے وہ گویں ہوں یا ابدال امام الزمان نہیں کہلا سکتے۔ میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ وہ امام الزمان میں ہوں اہی۔ حدیث موصوف تو بخاری میں نہیں ہے پھر وہ صحیح کیسے ہو گئی۔ اگر یہ روایت ہمارے طرف سے پیش ہوتی تو مرزا صاحب ضرور فرماتے کہ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو شخص بغیر امام کے مرے وہ مردار موت مرا اس لئے ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ مرتے وقت امام کو لے مرے اور ظاہر ہے کہ قتل

عقد شرعاً ناجائز ہے۔ اس سبب سے یہ حدیث موضوع ہے اور بڑی دلیل اس کے موضوع ہونے پر یہ ہے کہ اس کا مضمون یہاں تک نادر اور قلیل الشہرت رہا کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو یہ حدیث نہ ملی اور اگر ملی ہو تو ضعیف سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اب انصاف کیا جائے کہ ایسی حدیث کو خود اپنے استدلال میں کیوں پیش فرماتے ہیں اور اگر قابل استدلال سمجھتے ہیں تو مسلم کی دمشق والی حدیث نے کیا قصور کیا حالانکہ مسلم کی روایتیں ہنسوت مسند وغیرہ کے وثوق میں زیادہ ہیں علاوہ اس کے کل احادیث کو ان الظن لا یغنی عن الحق ضیقاً میں داخل کر کے بے اعتبار کر دیا تھا پھر ایسی حدیث سے آپ کا استدلال کرنا کیونکر صحیح ہوگا پھر استدلال بھی کیسا کہ جو آپ کو امام زمان نہ مانے وہ کافر جہنمی ہے کیونکہ شقاوت جامعہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اب دیکھئے جو سزا اس حدیث کے نہ ماننے پر تجویز کر رہے ہیں وہ اس قدر سخت ہے جو کامل قرآن کے نہ ماننے والے کی ہونی چاہیے حالانکہ وہ حدیث انہیں اصول پر قابل اعتماد نہیں۔ پھر اگر اس حدیث میں ان کا نام مصرح ہوتا تو جب بھی ایک بات تھی گواہی وقت بھی مناظر کی گنجائش تھی کہ اس نام کے بہت لوگ موجود ہیں اور آئندہ بھی ہو سکتے ہیں جب سرے سے اس میں ان کا ذکر ہی نہیں تو اب تو احتمال کو بھی گنجائش نہ رہی باوجود اس کے اپنے منکر کی سزا و سزا جو ٹھہرا رہے ہیں کیسی بیباکی ہے بخلاف اس کے بخاری اور مسلم کی حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تصریح فرمادیا ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ بن مریم آخری زمانے میں آسمان سے دمشق میں اتریں گے اور یہ مجموعہ صفات سوائے عیسیٰ ﷺ کے اور کسی پر صادق نہیں آتا باوجود اس کے مرزا صاحب یہ کہہ کر ہال دیتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے میرانا عیسیٰ بن مریم نبی اللہ رکھ دیا ہے۔ الحاصل مرزا صاحب جب دیکھتے ہیں کہ کوئی حدیث اپنے دعوے کو مضرب ہے تو کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ بخاری میں نہیں ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ صحیح بھی ہو تو اس سے ظن

ثابت ہوگا اور اس کا اعتبار ہی کیا اور جب ان کو استدلال منظور ہوتا ہے تو بخاری و مسلم میں نہ بھی ہو تو وہ حدیث صحیح بھی ہو جاتی ہے اور خود اس کا مصداق بھی بن جاتے ہیں اور نہ ماننے والے کو جہنمی قرار دیتے ہیں۔ کیا کوئی متدین شخص اس قسم کی کارسازیاں اور ناجائز تصرفات احادیث نبویہ میں کر سکتا ہے۔ کیا ایسے قوی قوی قرائن دیکھنے کے بعد بھی عقل کو کسی قسم کی جنبش نہ ہوگی۔ آخر عقل بے کار نہیں پیدا کی گئی۔ مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں خود فرماتے ہیں اسلام اگرچہ خدائے تعالیٰ کو قادر مطلق بیان فرماتا ہے اور فرمودہ خدا اور رسول کو عقل پر فوقیت دیتا ہے مگر پھر بھی وہ عقل کو بیکار اور معطل ٹھہرانا نہیں چاہتا تھا۔ جب خدا اور رسول کے مقابلے میں عقل بیکار نہیں ہوتی تو اس عقل پر افسوس ہے کہ اس قسم کی کارسازیاں دیکھ کر بھی ساکت اور بے حس و حرکت رہے اور کوئی حکم نہ لگائے۔ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ ممکن ہے کہ حدیثوں کے راویوں نے عہد یا سہواً خطا کی ہو یہ ان راویوں کی نسبت فرماتے ہیں جن پر اکابر محدثین و فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور ایک جماعت کثیرہ نے تحقیق کر کے فن رجال میں ان کی توثیق کی ہے اور خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”سلف خلف کیلئے بطور وکیل کے ہیں اور ان کی شہادت آنے والی ذریت کو مانتی پڑتی ہے اہی۔“ باوجود یہ کہ سلف نے ان راویوں کی توثیق کی ہے مگر اقسام کے احتمالات پیدا کر کے ان کو نہیں مانتے اب ان کی روایتوں کو دیکھئے۔ ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں۔ ”کریم بخش روایت کرتے ہیں کہ گلاب شاہ مجذوب نے تمیں برس کے پہلے مجھے کو کہا کہ عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے اور لدھیانے میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔“ پھر کریم بخش کی تعدیل بہت سے گواہوں سے کی گئی جن میں خیراتی بونا، کنہیا لال، مراری لال، روشن لال، کنیشا مل وغیرہ ہیں اور ان کی گواہی یہ کہ کریم بخش کا کوئی جھوٹ کبھی ثابت نہیں ہوا۔ دیکھئے قطع نظر گواہوں کی حیثیت کے ان کی گواہیوں سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کریم بخش سچا آدمی تھا اس

لئے کہ انہوں نے یہی کہا ہے کہ کبھی جھوٹ اس کا ثابت نہ ہوا اعلیٰ درجے کے جھوٹے کی نسبت بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جھوٹ کبھی ثابت نہ ہو سکا یعنی کمال درجے کا چالاک اور بے باک ہے کہ باوجودیکہ عمر بھر جھوٹ کہا مگر اس کو ثابت ہونے نہ دیا اسی وجہ سے کتب رجال میں توثیق کے محل میں یہ لکھتے ہیں کہ فلان صدوق عدل لبس بکاذب وغیرہ جس سے جھوٹا نہ ہونا بتصریح معلوم ہوتا ہے۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو دوراوی مفرد ہے کوئی اس کا متابع نہیں اور روایت کی یہ کیفیت کہ ایک شخص مجذوب کا کلام جس کو خود خبر نہیں کہ بڑھ میں کیا کہہ رہا ہوں پھر اس حدیث کا مضمون کیسا کہ عیسیٰ قرآن میں غلطیاں نکالے گا عجیب قسم کا سلسلہ قائم ہو گیا ہے محدثین کے یہاں سلسلۃ الذہب مشہور ہے معلوم نہیں کہ اس سلسلے کو اگر وہ دیکھیں تو کیا کہیں گے۔

اس روایت کے بعد ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ مکاشفہ مذکورہ بالا کے مؤید ایک روایہ صالحہ ذیل میں بیان کی جاتی ہے جس کو ایک بزرگ محمد نام خاص کے کہنے والے عربی مکی نے دیکھا ہے کہ میں مشرق کی طرف کیا دیکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اتر آیا پھر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے دل میں کہا کہ ان شاء اللہ عیسیٰ میری زندگی میں اتر آئیگا اور میں اس کو اپنی آنکھ سے دیکھ لوں گا اہی۔ یہ بزرگ علم سے بے بہرہ تھے عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھتے ہی سچ سچ عیسیٰ سمجھ لیا اور یہ خیال جمالیا کہ عیسیٰ اپنی زندگی میں اترے گا۔ یہ تو مرزا صاحب بھی ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ ”صد ہا مرتبہ خوابوں میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک چیز نظر آتی ہے اور دراصل اس سے مراد کوئی دوسری چیز ہوتی ہے اہی۔“ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو تعبیر کا علم دیا گیا تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ جو خواب میں دیکھا جاتا ہے وہ تعبیر نہیں ہوتی۔ چنانچہ بادشاہ نے جو خواب دیکھا تھا کہ دہلی گائیوں نے مولیٰ گائیوں کو کھالیا اس کی تعبیر قط سالی دی گئی جس سے ظاہر ہے کہ سنن قحط گائیوں کی شکل

میں دکھائے گئے تھے جن میں نہ صورتِ مہاشمت ہے نہ اسماء۔ اسی طرح تعبیر کی معتبر کتابوں میں مصرح ہے کہ جو کوئی عیسیٰ (علیہ السلام) کو خواب میں دیکھے وہ دور دراز کا سفر کرے گا یا طیب بنے گا یا اطاعت کی اس کو توفیق ہوگی۔ تعجب نہیں کہ اس خواب کے بعد کئی صاحب نے مرزا صاحب کی زیارت کے شوق میں ہندوستان کے سفر دور دراز کی مشقت گوارہ کی ہو۔ جس سے خواب کی تعبیر پوری ہوگئی ہوگی۔ غرض کہ اس خواب کی تعبیر کو نہ عیسیٰ سے تعلق ہے نہ مثیل عیسیٰ سے۔ اگر یورپ کا سفر بھی انہوں نے کیا ہو تو جب بھی تعبیر پوری ہوگی۔ بحر اول تو وہ خواب اور دو بھی ایک مجہول اور جاہل شخص کا جس کو تعبیر کا علم نہیں۔ پھر تعبیر اس کی حسب تصریح، کتب فن ایسی کہ جس کو مرزا صاحب کے مقصود سے کوئی تعلق نہیں۔ اس پر وہ وثوق کہ اپنے عیسیٰ موعود ہونے پر اس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ہزار ہا کتب تفسیر و حدیث سے جو ثابت ہے وہ تو بالائے طاق رکھا رہے اور ایسی روایتوں کی بنیاد پر مرزا صاحب کا نیا کارخانہ قائم ہو جائے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، بجز اس کے کہ آخری زمانے کا مقتضی کہا جائے۔

اور ازالۃ الادہام ۷۴ میں لکھتے ہیں کہ محمد یعقوب صاحب نے میرے پاس بیان کیا کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم سے میں نے سنا ہے کہ آپ کی نسبت یعنی اس عاجز کی نسبت کہتے تھے کہ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کے لئے وہ مامور کئے جائیں گے۔ مجھے یاد نہیں کہ اس وقت کون کون موجود تھے مگر میاں عبداللہ سنوری نے میرے پاس بیان کیا کہ میں اس تذکرے کے وقت موجود تھا اور میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اہی۔ اس روایت کے راوی فقط یعقوب صاحب ہیں اور جس طرح کریم بخش کی توثیق کی گئی تھی ان کی نہیں کی گئی اور روایت جو غزنوی صاحب سے ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس غیب کی خبر کسی نے دی تھی یا مرزا صاحب کی جودت طبع کو دیکھ کر اپنا قیاس انہوں

نے ظاہر کیا تھا۔ پھر عظیم الشان کام کی تعین بھی نہیں اور نہ لغت یا عرف میں اس کے معنی عیسویت کے ہیں۔ غور کرنے کی جگہ ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعین ان متعدد الفاظ سے فرما رہے ہیں کہ وہ کسی دوسرے پر ہرگز صادق نہیں آسکتے یعنی عیسیٰ ابن مریم روح اللہ مسیح آسمان سے اتریں گے وہ تو قابل اعتبار نہ ہو اور غزنوی صاحب کا یہ کہہ دینا کہ مرزا صاحب ایک عظیم الشان کام کے مامور ہوں گے۔ عیسیٰ موعود ہونے کے لئے کافی ہو جائے کس قدر جرات و بیباکی کی بات ہے۔ جس کے دل میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی معمولی عظمت بھی ہو اس سے یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اب اہل انصاف سے ہم پوچھتے ہیں کہ جتنا وثوق و اعتماد مرزا صاحب کو الہی بخش اور یعقوب صاحب اور بوٹا اور کشیال لال اور روشن لال اور کنیش لال پر ہے کیا مسلمانوں کو امام مسلم و نسائی وغیرہ محدثین اور ان کے اساتذہ پر اتنا بھی نہ ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب تو ان لوگوں کی روایت اپنے استدلال میں پیش کریں اور ان کی امت اس کو مان لیں اور اہل اسلام اکابر محدثین کی روایتیں پیش کریں اور وہ قابل وثوق نہ سمجھی جائیں۔ ہمیں مرزائیوں سے شکایت نہیں ان کو ضرور ہے کہ اپنے مقتدا کی بات مان لیں کیونکہ ہر فرقے والے کا یہی فرض منصبی ہے۔ اگر شکایت ہے تو مسلمانوں سے ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی بات نہ مان کر مرزا صاحب کی طرف مائل ہوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ لاکھ سے زیادہ مسلمان مرزائی ہو گئے اور برابر ہوئے جاتے ہیں جس سے ان کو یہ لازم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ہم خیال ہو کر احادیث کو قابل اعتبار نہ سمجھیں۔ مسلمانوں کو نصاریٰ وغیرہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اپنے دین کی روایتوں پر وہ کس قدر وثوق رکھتے ہیں کہ کسی کی تشکیک و جرح کا ان پر اثر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ میں بہت کچھ لکھا مگر کسی نے اس کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور بہت سے مسلمان ازالۃ الادہام کو دیکھ کر اپنے اعتقادوں

سے پھر گئے۔ اگر پہلے ہی سے وہ لوگ برائے نام مسلمان تھے جن پر مرزا صاحب کا افسوس کا رگر ہو گیا تو ہمیں ان میں بھی کلام نہیں ایسے لوگوں کا دین اسلام سے خارج ہو جانا ہی اچھا ہے۔ ہمارا روئے سخن ان حضرات کی طرف ہے جو لاعلمی سے مرزائی دین اختیار کر لئے ہیں ان کو چاہیے کہ ان امور پر اطلاع ہونے کے بعد توبہ کر کے تجدید اسلام کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب ازالۃ الادہام صفحہ ۷۶ میں لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد الہام کیا گیا کہ ان علماء نے میرے گھر کو بدل ڈالا۔ اور چوبہوں کی طرح میرے نبی کی حدیثوں کو کتر رہے ہیں ابھی۔ ابھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے احادیث میں رخنہ اندازی کی کیسی کیسی تدبیریں نکالیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ راویوں نے عمدایا سوا بعض احادیث کے پہنچانے میں خطا کی ہوگی۔ کبھی کہتے ہیں کہ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہیں والظن لا یعنی من الحق شیئاً۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ جو حدیث بخاری میں نہ ہو وہ ضعیف ہے اور قابل اعتبار نہیں۔

بخاری شریف میں کئی قسم کی حدیثیں مذکور ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے افعال واقوال، صحابہ کے اقوال و افعال اور تابعین وغیرہم کے افعال واقوال۔ آنحضرت ﷺ کے اقوال کی حدیثیں بخذف مکدرات اگر اس میں دیکھی جائیں تو دو تین ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ حالانکہ محدثین کی تصریح اور عقل کی رو سے اگر دیکھا جائے تو تینیس (۲۳) سال کی مدت نبوت میں لاکھوں باتیں آپ ﷺ نے کی ہوگی جو کل حدیثیں ہیں۔ مرزا صاحب نے سوائے ان دو تین ہزار حدیثوں کے جو بخاری میں ہیں سب کو ساقط الاعتبار کر دیا۔ پھر بخاری کی حدیثوں میں بھی یہ احتمال کہ راویوں نے خطا کی ہوگی اور معراج کی حدیثیں باوجودیکہ بخاری میں موجود ہیں عقلی احتمالات سے سب کو رد کر دیا اور تمام حدیثوں میں یہ

کلام کہ اگر وہ صحیح بھی ہوں تو مفید ظن ہوگی والظن لا یعنی من الحق شیئاً۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے احادیث میں کیسے کیسے رخنے ڈال دیئے اور ان کے مخالفین کو بھی دیکھ لیجئے کہ ان کا کیا دعویٰ ہے۔ وہ یہی کہتے ہیں کہ معجزات، معراج، علامات قیامت، جسمانی حشر، نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال وغیرہ مباحث مختلف فیہ میں جس قدر احادیث وارد ہیں وہ قابل تسلیم ہیں اور مرزا صاحب کی کونٹیں مانتے۔ اب غور کیا جائے کہ اگر وہ چوبہوں کا الہام صحیح ہے تو مرزا صاحب چوبہوں کی طرح حدیثوں کو کتر رہے ہیں یا اہل سنت؟ مرزا صاحب کو الہاموں کا تو دعویٰ ہے مگر معنی نہیں سمجھتے۔

مرزا صاحب نے جس طرح احادیث کے ساقط الاعتبار کرنے کی فکر کی اس سے زیادہ تفسیروں کے وہ دشمن ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الادہام ص ۲۶ میں لکھتے ہیں۔ ”کتاب الہی کی لفظ تفسیروں نے مولویوں کو بہت خراب کیا ہے اور ان کے دلی اور دماغی قوی پر بہت بُرا اثران سے پڑا ہے اس زمانے میں بلاشبہ کتاب الہی کیلئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے کیونکہ حال میں جن تفسیروں کی تعلیم دی جاتی ہے وہ ناخلاق حالت کو درست کر سکتی ہیں، نہ ایمانی حالت پر اثر ڈالتی ہیں بلکہ فطرتی سعادت اور نیک روشی کے مزاحم ہو رہی ہیں۔“

مرزا صاحب تفسیروں پر نہایت خفا ہیں اور ان کے پہلے سرسید صاحب بھی بہت خفا تھے چنانچہ ”تہذیب الاخلاق“ وغیرہ سے ظاہر ہے اور ان صاحبوں کی کوئی خصوصیت نہیں جتنے مذاہب باطلہ کے فرقے ہیں سب کا یہی حال رہا ہے وہ اس کی یہ ہے کہ تفسیر میں کل احادیث واقوال صحیحہ جو ہر آیت سے متعلق ہیں ان میں پیش نظر ہو جاتے ہیں اس لئے ان لوگوں کو نئی بات تراشنے کا موقع نہیں ملتا اور اگر مل بھی گیا تو کوئی ایماندار اس کونٹیں مانتا اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہر آیت قرآنی میں جو حق تعالیٰ کی اصل مراد ہے اس کو

حضرت نبی کریم ﷺ ہی جانتے تھے اس لئے کہ قرآن حضرت ﷺ پر ہی نازل ہوا ہے اور چونکہ صحابہ ہمیشہ حاضر خدمت رہتے تھے ان کو ہر آیت کے اترنے کا موقع اور شان نزول وغیرہ کے اسباب و قرآن معلوم رہتے تھے جس سے مضمون و مقصود آیت کا خود سمجھ میں آ جاتا اور جب حضرت ﷺ پڑھ کر سنا تے تو جو غوامض معلوم نہ ہوتے پوچھ لیتے تھے یا خود حضرت ﷺ بیان فرما دیتے پھر حضرت ﷺ کی مجلس مبارک میں بلکہ اس زمانے میں سوائے خدا کی باتوں کے کسی چیز کا ذکر ہی نہ تھا خواہ کوئی دنیوی کام ہو یا دینی، وقائع گزشتہ ہوں یا آئندہ۔ سب کی تعلیم حق تعالیٰ اپنے کلام پاک سے فرمادیتا اگر کوئی اعتقاد یا عمل کسی کا خلاف مرضی الہی ہوتا تو فوراً وحی اتر آتی چنانچہ صحابہ کہتے ہیں کہ جب تک آنحضرت ﷺ اس عالم میں تشریف رکھتے تھے ہم اپنی بی بیوں سے مباشرت کرنے سے ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسی بے موقع کوئی بات صادر نہ ہو جس کے باب میں وحی اتر آئے اور قیامت تک مسلمانوں میں اس کا ذکر ہوتا رہے۔ الغرض علاوہ فہم قرآن کے ان کے حرکات سکنتات اعمال، اخلاق، اعتقادات، ہیئت کل مطابق قرآن شریف کے ہو گئے تھے اور فیضانِ صحبت نبوی اور روزمرہ کی مزاولت اور ممارست کی وجہ سے ان کو مضامین قرآنیہ کا ملکہ ہو گیا تھا اور ان کے سینے نور وحی سے منور تھے ان کے دلوں میں قرآن ایسا سرایت کئے ہوئے تھا جیسے روح جسد میں۔ الیٰصل مختلف اسباب اس بات پر گواہی دے رہے ہیں کہ اصل معانی قرآن کا علم صحابہ کو بخوبی حاصل تھا اور چونکہ تفسیر ہارائے کو وہ کفر سمجھتے تھے اس وجہ سے یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ جن آیات کی تفسیریں صحابہ سے مروی ہیں وہی حق تعالیٰ کی مراد ہیں اس کے خلاف کوئی ہندی و پنجابی وغیرہ قرآن کی تفسیر کرنے کو وہ خدائے تعالیٰ کی ہرگز مراد نہیں۔ پھر صحابہ کا کمال علم اور جوش طبیعت اور ترغیب ابلاغ اور ترہیب ستمان علم وغیرہ اسباب کا مقتضا یہی تھا کہ اسلامی دنیا آفتاب علم سے مثل نصف النہار روشن ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جہاں تک

اسلام کی روشنی پھیلتی گئی اس کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کی روشنی بھی پھیلتی جاتی تھی۔ تابعین صحابہ کے علوم سے مالا مال تھے اور ان کے علوم سے تبع تابعین، و علیٰ ہذا القیاس۔ انہیں حضرات نے ان تمام علوم کو اپنی مفید تصانیف میں درج کر دیا جن کی بدولت آج ہم آخری زمانے والے بھی اپنے نبی ﷺ کی صحبت معنوی سے محروم نہیں۔

ان حضرات کے جس قول کو دیکھئے ہزاروں تفاسیر وغیرہ کتب دینیہ میں موجود ہے مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ کوئی قول کسی آیت سے متعلق دیکھا جائے تو ہزاروں کتابوں میں بعینہ وہ قول یا اس کا مضمون مل سکتا ہے اسی طرح صحابہ کرام کے کل اقوال اور احادیث ہزاروں کتابوں میں ملتی ہیں جس سے بتواتر ان کا ثبوت ظاہر ہے۔ گواہانہ میں یہ تواتر نہ تھا مگر جب متدین اور معتمد علیہ اشخاص نے اپنی کتابوں میں ان احادیث و آثار کو ذکر کیا تو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ ان کو اس کے ثبوت کا یقین ضرور تھا پھر جب ہزاروں معتمد علیہ علماء کا یقین ان روایات کے ثبوت پر ہم تک پہنچا تو ہمیں ان کے ثبوت میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں جب تک یقینی طور پر ان کا غلط ہونا یا من جمیع الوجہ نصوص قطعیہ کا معارض ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ چنانچہ مرزا صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب کا منظرہ مسئلہ عرض الحدیث علی القرآن میں جو ہوا ہے اس سے ظاہر ہے کہ کسی معتبر عالم کا کتاب میں لکھ دینا مرزا صاحب اعتماد کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ ازالۃ الاوہام ص ۸۷ میں لکھتے ہیں کہ ”صاحب تلوّح“ نے لکھا ہے کہ وہ حدیث یعنی عرض الحدیث علی القرآن بخاری میں موجود ہے اب اس کے مقابلے میں یہ عذر پیش کرنا کہ نسخہ جات موجودہ بخاری جو ہند میں چھپ چکے ہیں ان میں یہ حدیث موجود نہیں سراسر ناگہی کا خیال ہے جس حالت میں ایک سرگروہ مسلمانوں کا اپنی شہادت رویت سے اس حدیث کا بخاری میں ہونا بیان کرتا ہے تو صاحب تلوّح کی شہادت بالکل نکی نہیں ہو سکتی۔ پس آپ کی بے دلیل نفی بے سود ہے اگر صاحب

تو متوجہ کا ذب ہوتا تو اسی زمانے کے علماء کی زبان سے اس کی تفسیر کی جاتی اور اس سے جواب پوچھا جاتا اور جب کہ کوئی جواب پوچھا نہیں گیا تو یہ دوسری دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت اس کی روایت صحیح تھی اسی سبب سے مقصود یہ کہ وہ حدیث گواہ بخاری میں نہ پائی جائے۔ مگر جب صاحب متوجہ نے صحیح بخاری سے نقل کی ہے تو ثابت ہو گیا کہ وہ بخاری میں ضرور ہے۔ اب دیکھئے کہ ایک جماعت کثیر و ایسے علماء کی جن کے سلسلہ تلامذہ میں صاحب متوجہ جیسے ہزاروں افراد مشہور ہیں۔ احادیث و آثار کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو ان کی اس شہادت کے مقابلے میں اگر کوئی دعویٰ نفی کرے تو کیونکر وہ قائل قبول ہوگا۔ اگر ان کی بات غلط ہوتی تو اسی زمانے کے علماء ان کی تفسیر کرتے اور جبکہ کسی نے ان پر تفسیر نہیں کی تو اب مرزا صاحب کا ازالہ الاولیٰ ص ۴۵ میں یہ لکھنا کہ لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ خود انہی کے قول پر ہرگز قائل سماعت نہیں ہو سکتا۔ الغرض ہر آیت کی تفسیر احادیث و آثار سے جب ہمیں یہ تواتر پہنچے اور یقین ہو گیا کہ وہی معنی حق تعالیٰ کی مراد ہیں تو ایمان داروں کا ایمان اس بات کو کیونکر گوارا کرے گا کہ کسی کے دل سے گھڑے ہوئے معنی کو مان کر عذاب اخروی کا مستحق بنے کیونکہ جو معنی خلاف ان تفسیر کے ہیں وہ قرآن کے معنی ہی نہیں۔ اس معنی کو مان کر قرآن کے اصلی معنی پر ایمان نہ لانا قرآن کے ایک حصے کو چھوڑ دینا ہے جس کی نسبت سخت وعید وارد ہے کَمَا قَالَ تَعَالَى افْتَوُ مَنُؤُونَ بِنُغْصِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرْذَلُونَ اِلَى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ترجمہ کیا تم ایمان لاتے ہو تو حوڑی کتاب پر اور منکر ہوتے ہو تو حوڑی کتاب سے پھر جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اس کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں اس کی رسوائی ہو اور اس کو قیامت کے روز سخت سے سخت عذاب میں پہنچایا جائے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے۔ اب دیکھئے کہ

پورے قرآن پر ایمان لانے کی بجز اس کے اور کوئی صورت ہے کہ ہر آیت کے جو معنی آنحضرت ﷺ اور صحابہ سے مروی ہیں اس پر ایمان لائیں اور یہ بات بغیر کتب تفسیر کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس صورت میں کتب تفسیر کی مسلمانوں میں کس قدر وقعت ہوئی چاہیے اور حضرات مفسرین کے کس قدر شکر گزار ہونا چاہیے کہ قرآن کے اصلی معنی کی حفاظت کر کے مسلمانوں کو کیسی کیسی بلاؤں سے نجات دی، بے ایمانی سے بچایا، خود غرضوں کے داؤچ سے امن میں رہنے کے لئے ایک مضبوط حصار کھینچ دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے معنی میں کوئی شہ ڈالے تو حدیث سے اس کو صاف کر لو کیونکہ اصحاب حدیث جو مفسرین قرآن ہیں ان کو خوب جانتے ہیں چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں دارمی سے یہ روایت نقل کی ہے اخراج الدارمی عن عمر بن الخطاب قال انه سيايتكم ناس يجادلونكم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تمہارے پاس لوگ آکر قرآن کے شبہات میں جھگڑا کریں گے سو ان کو حدیثوں سے الزام دو۔ اس لئے کہ احادیث کو جاننے والے قرآن کو زیادہ جانتے ہیں انہی۔ مفسرین نے یہی کام کیا کہ ہر آیت سے متعلق جو احادیث و آثار صحابہ ہیں سب کو ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ اہل شبہات کو الزام دینے کا سامان اور سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے جس سے مرزا صاحب سخت ناراض ہیں۔ دراصل یہ حق تعالیٰ کا فضل اور اس وعدے کا ایفا ہے جو اپنی کتاب مجید کی ہر طرح حفاظت کا وعدہ لیا ہے، کَمَا قَالَ تَعَالَى اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ یعنی ہم نے قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ اب دیکھئے کہ اگر تفسیر نہ ہوتی تو وہ معنی جو حق تعالیٰ کی مراد ہیں کیونکر محفوظ رہتے اور ہزاروں بے دین اور دجال جن کے نکلنے کی خبریں آنحضرت ﷺ نے بار بار دی ہیں جو شبہات پیدا کر کے اپنے دل سے نئے نئے

معنی گھڑ لیتے ان سے بچنے کی کیا صورت ہوتی اور کونسی تدبیر قرآن کے اصلی معنی سمجھنے کی تھی جس کی نسبت ارشاد ہے اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فَرَاغًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنی قرآن ہم نے عربی میں اتارا تا کہ تم سمجھو۔ غرض مفسرین من جانب اللہ اس کام پر مامور ہوئے کہ قرآن کے نظم و معنی کی پوری پوری حفاظت کریں اور باطل اس میں کسی طرف سے آنے نہ پائے جیسا کہ ارشاد ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ خَمِيدٍ یعنی قرآن میں نہ درود سے باطل آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے۔ اگر تفسیر نہ ہوتی تو علاوہ دوسرے ملاحدہ کے خیالات کے جو سکڑوں اب تک گزرے ہیں مسریزم وغیرہ خرافات بھی قرآن میں داخل ہو جاتے ہر چند لوگ بہت چاہتے ہیں کہ قرآن میں تغیر و تبدل کر دیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُؤْيِدُوْنَ اَنْ يُبَدِّلُوْا كَلَامَ اللّٰهِ یعنی چاہتے ہیں وہ کہ قرآن کو بدل دیں۔ مگر کسی سے کیا ہو سکتا ہے تفسیر نے اس سے سب کو روک دیا اور جب تک حق تعالیٰ کو منظور ہے ایسا ہی روکتی رہیں گی۔ اہل انصاف غور کریں کہ جو لوگ تفسیر میں اپنے دل سے گھڑ کے پیش کرتے ہیں کیا ان کی نسبت یہ حسن ظن ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصود تو علانیہ یہی ہے کہ کلام الہی کو بدل کر ان کو بے ایمان بنادیں۔ اس دعویٰ کی توضیح اس سے بخوبی ہو سکتی ہے جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْمَنَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ یعنی مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت تم پر حرام کیا گیا ہے۔ اگر کوئی اس کے یہ معنی سمجھے گا کہ مینہ اور دم اور لحم خنزیر چند آدمیوں کے نام تھے ان کی حرمت کا حکم اس آیت میں ہے اور یہ کہے کہ مردار اور خون اور گوشت خنزیر سے اس کو کوئی تعلق نہیں یہ سب چیزیں حلال ہیں۔ کیا کوئی مسلمان اس اعتقاد والے کو یہ سمجھے گا کہ اس کا ایمان اس آیت پر ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا شخص بے ایمان کس وجہ سے سمجھا جائیگا۔ اسی وجہ سے گو وہ قسم کھا کر کہے کہ میں اس آیت کو کلام الہی سمجھتا ہوں کہ میں نے

مخالفت ایسے معنی کی کی جو احادیث اور اقوال صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہیں ورنہ ان الفاظ کے معانی قرآن میں کہیں نہیں جن کی مخالفت کا انزام اس پر لگایا جائے غرض یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جو معانی قرآن کی تفسیر میں مذکور ہیں وہی ایمان لانے کے قابل ہیں اور جو معنی اس کے خلاف میں کوئی اپنی طرف سے تراش لے اس کو قبول کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ ابو منصور نے اپنی جماعت کو سمجھا دیا تھا کہ مہینہ وغیرہ کسی کے نام تھے انہیں کی حرمت تھی مردار اور خنزیر کے گوشت سے اس آیت کو کوئی تعلق نہیں دو سب چیزیں حلال ہیں اور فرقہ منصور یہ کا یہی اعتقاد ہے۔ مسلمانو! اگر تم کو خدا اور رسول کی مراد پر ایمان لانا ہے تو اپنے اسلاف کی تفسیروں کو اپنا مقتدی بنا رکھو ورنہ ابو منصور کی طرح جس کا جو جی چاہے گا کہہ کر گمراہ کر دیگا اور تم کچھ نہ سمجھ سکو گے کہ ہم کون سی راہ پر چل رہے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ جو شخص چند آیتوں میں کسی غرض ذاتی کی وجہ سے تصرف کر کے ان کے معنی بدل ڈالے اور دوسری آیتوں کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہ ہونے کی وجہ سے ان میں تصرف نہ کرے تو وہ اتفاقی سمجھا جائے گا کیونکہ چند آیتوں کے معنی بدل دینا اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اس کی طبیعت میں بے باکی اور جرات ہے جب کبھی کسی آیت میں تصرف کرنے کی ضرورت ہوگی تو فوراً تصرف کرے گا جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ عدم تصرف بھی تصرف ہی کے حکم میں ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ چند منافق باوجود حکم کے آنحضرت ﷺ کی ہمراہی میں نہ نکلے ان کی نسبت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ آئندہ ہمراہی کی درخواست بھی کریں تو فرما دیجئے کہ تم لوگ میرے ساتھ ہرگز نہ نکلو گے۔ کَمَا قَالَ تَعَالٰی فَاِنْ رَجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰی طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاَسْتَاذَلُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وہاں کی یہی ہے کہ جب ایک بار ان کی بے باکی معلوم ہوگئی تو ہمیشہ کے لئے ان کا عدم امتثال ثابت ہو گیا اب وہ کتنا ہی

کہیں کہ ہم ہمراہ رکاب چنے کو حاضر ہیں ہرگز اعتبار کے لائق نہیں ہو سکتے۔ صدیق اکبر ؑ کی خلافت میں بعض لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا حالانکہ نماز روزہ وغیرہ احکام شرعیہ کے قائل اور عامل تھے مگر ان کا کچھ اعتبار نہ کیا اور صاف ان کے ارتداد کا حکم دے دیا۔

مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت کی غرض سے کئی ایک آیتوں کے معنی بدل دیئے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور آئندہ بھی ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ تو اب ان کی دو تفسیر کیونکر توبل اعتبار ہو سکتی ہے جس کی نسبت لکھتے ہیں کہ بلاشبہ کتاب الہی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی ایک نئی اور صحیح تفسیر کی جائے اور لکھتے ہیں کہ کتاب الہی کی غلط تفسیروں نے مولویوں کو خراب کیا ہے۔ اس نئی تفسیر میں احادیث و اقوال صحابہ وغیرہم سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اگر یہ پرانی چیزیں بھی اس میں مذکور ہوں تو جدت پسند طبائع اس کو قبول نہ کریں گے اور پھر وہ نئی ہی کیا ہوئی اس سے ظاہر ہے کہ وہ تفسیر صرف ان کی رائے سے ہوگی جس کی ممانعت ہے اور مرزا صاحب بھی تفسیر بالرائے کو کفر بتاتے ہیں اور اگر تھوڑے احادیث و اقوال لکھے جائیں اور تھوڑے نہ لکھے جائیں تو وہ ترجیح بلا مرجح ہوگی پھر مرجح یہ ہوگا کہ مرزا صاحب اپنی اغراض کو پوری کرنے کے لئے جن احادیث و اقوال کو مناسب سمجھیں گے ذکر کریں گے اور جن کو مخالف سمجھیں گے ان کو عقل کے خلاف قرار دے کر رد کر دیں گے اور آیت و نواہین کر کے اپنی طرف کھینچ لیں گے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کلام الہی مرزا صاحب کی غرض کے پیچھے پیچھے رہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ یہ نئی تفسیر جو اکثر احادیث و آثار کے خلاف میں ہوگی مسلمانوں کے کس کام آ سکتی ہے اس کا تو منشا یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے آیات کی تفسیر کی ہے وہ غلط ہے اس لئے اس نئی تفسیر کی ضرورت ہوئی پھر کیا مسلمان لوگ یہ مان لیں گے کہ اپنے نبی کی بات غلط ہے

اور اگر مان لیں گے تو کیا پھر یہ دعویٰ بھی کریں گے کہ ہم امت محمدیہ میں ہیں۔ میری رائے میں کوئی مسلمان کتنا ہی گناہگار ہو اتنا بھی ضعیف الاعتقاد نہ ہوگا۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ احادیث و آثار کو ساقط الاعتبار کر کے صرف قرآن پر اپنے دعاوی کا مدار رکھتے ہیں اور اس کے معنی جو احادیث اور آثار سے ثابت ہیں بدل دیا کرتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ یُؤَيِّدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ عَنِ وَهْلِ لَوْ كَرِهَتْ هَذِهِ بَيْنَ يَدَيْهِمْ أَمْ وَاللَّهِ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُوهُ يَمُرُّونَ بِهِمْ مَبْرُورِينَ ۝ فَمَنْ رَأَاهُم بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقُلْ إِنَّمَا تَشْعُرُونَ بِالنَّفَسِ الدَّنِيَّةِ ۚ إِنَّهُمْ لَا يَجْعَلُونَ الْكِلَابَ وَلَا النَّجَسَ حُجُبًا بَيْنَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ اَلَّذِينَ يَتَّبِعُوهُ يَمُرُّونَ بِهِمْ مَبْرُورِينَ ۝ فَمَنْ رَأَاهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقُلْ إِنَّمَا تَشْعُرُونَ بِالنَّفَسِ الدَّنِيَّةِ ۚ إِنَّهُمْ لَا يَجْعَلُونَ الْكِلَابَ وَلَا النَّجَسَ حُجُبًا بَيْنَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

یعنی کیا اللہ کے دین کے سوا کوئی دوسرا دین چاہتے ہیں وہ اور دوسرے دین کی خواہش کرنے والوں کی نسبت ارشاد ہوتا ہے تو لا تعالیٰ وَمَنْ يُنْتَفِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ كَيْفَ يَهْدِيَ اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ أُولَئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّا عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ترجمہ: جو کوئی سوائے اسلام کے اور دین چاہے سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا اور وہ لوگ آخرت میں نقصان پائیں گے۔ کیونکہ گمراہی کریگا اللہ ایسے لوگوں کو جو منکر ہو گئے ایمان لا کر اور گواہی دی کہ رسول سچا ہے اور سچی باتیں ان کو سنائیں اور اللہ ہدایت نہیں کرتا بے انصاف لوگوں کو ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی۔ پڑے رہیں گے اس میں بلکانہ ہوگا ان پر عذاب اور نہ ان کو مہلت ملے گی بھی۔ اس آیت شریفہ میں سزائیں خاص ان لوگوں کی ہیں جو مسلمان کہا کرو مگر دین اختیار کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے برحق ہونے کی بھی

گواہی دیتے ہیں یہ بات برابر ان لوگوں پر صادق آتی ہے کہ قرآن کے معنی اپنی طرف سے بنا کر نیا دین نکالتے ہیں۔ الحاصل ادنیٰ تا مل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ کتب تفاسیر کو چھوڑنے میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا ہے صرف الدین النصیحة کے لحاظ سے یہ کہنے کی ضرورت ہوئی۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

پہلا حصہ حدیث و تفسیر ہی پر تھا جتنے ملاحذ رہے ہیں سب کا تعلق تفسیر پر ہوا۔ ہر ایک مسئلہ ان کتابوں میں مختلف روایات سے وارد ہونے کی وجہ سے ایسا مصرح اور مفصل ہو جاتا ہے کہ کسی کو کوئی بات بنانے کا موقع نہیں مل سکتا بخلاف اس کے ان کو چھوڑ کر صرف قرآن سے تمسک ہونے لگے تو ہر ایک کو تاویلات کی خوب گنجائش مل جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نمازوں کی تعیین اور تعداد رکعات وغیرہ میں کمی و زیادتی کی گنجائش ان لوگوں کو مل گئی تھی۔ اگر احادیث و تفسیر پر ان کے اتباع کا اعتقاد ہوتا تو اس کا موقع ہی نہ ملتا۔

حق تعالیٰ نے قرآن میں جو کچھ بیان فرمایا ہے موصوفہ ہے مگر پھر بھی سب میں ایک قسم کا اجماع ہے جس کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے کی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی اور کل امور قرآن شریف میں بالتفصیل بیان کئے جاتے تو مَا اَنَّا كُمْ الْمُرْسُولُ فَيُخْلَدُوْهُ یعنی جو کچھ رسول تم کو دیں اس کو لو، فرمانے کی ضرورت ہی نہ رہتی اس سے ظاہر ہے کہ قرآن نے حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے چنانچہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں روایت کی ہے واخرج ابن ابي حاتم من طريق مالك ابن انس عن ربيعة قال ان الله تبارك و تعالي انزل الكتاب و ترك فيه موضعا للسنة یعنی حق تعالیٰ نے قرآن تو نازل فرمایا مگر حدیث کی جگہ چھوڑ رکھی ہے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ حدیث و تفسیر سے مخالفت کرنا چاہتے ہیں ان کا مقصد وہی ہوتا ہے کہ آیات قرآنیہ کو ان کے معنی سے بنا کر دوسرے معنی پر منطبق کر دیں اس کا نام الحاد ہے۔ کیونکہ معنی الحاد کے لغت میں مانع

ہونے اور ناکل کرنے اور حق سے عدول کرنے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب وغیرہ میں
مصرح ہے اور ام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے درمنثور میں روایت کی ہے اخراج ابن ابی حاتم
عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله تعالیٰ ان الذین یلحدون فی ایتنا قال
هو ان یوضع الکلام علی غیر موضع۔ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما ان الذین
یلحدون کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ الحاد کے معنی یہ ہیں کہ کلام کے اسی معنی کو چھوڑ کر
دوسرے معنی لئے جائیں اور نیز درمنثور میں ہے۔ واخرج احمد رحمۃ اللہ علیہ فی
الزهد عن عمر بن الخطاب ؓ قال ان هذا القرآن کلام اللہ فضعوه علی
مواضعه ولا تتبعوا فیه اھواءکم یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے اس کو اس کے مواضع اور
معانی پر رہنے دو اور اپنی خواہشوں کو اس میں دخل مت دو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسرے
معنی لینے میں اسلی معنی کی تکذیب ہو جاتی ہے چنانچہ درمنثور میں ہے واخرج
عبدالرزاق وعبد بن حمید عن قتادۃ ؓ قال الالحاد التکذیب۔ اب دیکھئے
کہ حق تعالیٰ عیسیٰ ؑ کی شان میں فرماتا ہے یحییٰ المومن فی باذن اللہ لغت میں احیاء
کے معنی زندہ کرنے کے ہیں اور احادیث و آثار سے بھی وہی ثابت ہیں مگر مرزا صاحب کہتے
ہیں کہ مسمریزم سے قریب الموت بیماروں کو حرکت دیتے تھے صرف یہ ایک ہی نہیں ہر جگہ وہ
ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔ الغرض ان تمام روایات و آیات سے ثابت ہے کہ ایسے معنی آیہ
شریفہ کے قرار دینا الحاد اور تکذیب قرآن ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ
الَّذِیْنَ یَلْحَدُوْنَ هِیْ اِیْتَانَا لَا یُخْلَفُوْنَ عَلَیْنَا اَقْمُنْ یُلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرًا مِّنْ یَّأْتِیْ
اِمْنَا یَوْمَ الْقِیَمَةِ ترجمہ: جو الحاد کرتے ہیں ہماری آیتوں میں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے کیا
جو والا جائیگا دوزخ میں بہتر ہے یا وہ جو آئیگا اسن سے قیامت کے دن۔ یعنی الحاد کرنے
والے خدائے تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتے وہ قیامت کے روز دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

ہم صرف بلا خیر خواہی کے آیات و احادیث کو پیش کر رہے ہیں۔ اس پر بھی اگر توجہ نہ فرمائیں تو مجبوری ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ انْحَرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ ترجمہ: اس سے زیادہ کون ظالم ہے جس کو آیات اس کے رب کی یاد دلائی جائیں تو ان سے منہ پھیر لیتا ہے ہم گناہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں۔ الحاصل آیات قرآنیہ کے نئے معنی تراشنا ایک قسم کی تحریف و تبدیل ہے جس کی نسبت سخت وعیدیں وارد ہیں اور اس تحریف کی حفاظت صرف کتب تفسیر سے متعلق ہے جیسا کہ خود مرزا صاحب بھی براہین احمدیہ ص ۱۱۰ میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کی تعلیم کا محرف و مبدل ہونا اس لئے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ ہے لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں ہزار ہا اس کی تفسیریں ہیں۔

مرزا صاحب کے تہین و انصاف سے توقع ہے کہ ہرگز اعراض نہ فرمائیں گے۔ افس بصیرت پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ آیات قرآنی میں الحاد کرتے ہیں ان کی غرض یہی ہوتی ہے کہ جھگڑا کر کے اپنے تراشے ہوئے معنی کو ثابت کریں اور معنی حقیقی کو باطل کر دیں یہ کس قدر دیانت کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَاهِدُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابُ ترجمہ: اور مجاہدہ کیا انہوں نے باطل کے ساتھ تاکہ: چیز کر دیں حق کو پھر میں نے پکڑ لیا ان کو تو میرا عذاب کیسا تھا۔ اور درمنثور میں امام سیوطی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے۔ عن ابی ہریرۃ ؓ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اِنْ جَدَا لَافِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ يَتَّبِعُ قُرْآنَ مِثْلِ جَهَنَّمَ كُفْرٌ هُوَ۔ حق تعالیٰ اس بلا سے سب مسلمانوں کو بچائے اور پورے قرآن پر ایمان نصیب کرے۔

اب مرزا صاحب کے دلائل سننے جو اپنی رسالت عیسویت پر قائم کرتے ہیں یہ امر کسی مسلمان پر پوشیدہ نہیں کہ رسالت اور نبوت کا درجہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک تمام

مدارج سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور جن بندگان خاص کو حق تعالیٰ نے اس خدمت کے لئے انتخاب فرمایا ہے ان کو اپنے فضل و کرم سے گناہوں سے محفوظ رکھ کر خلاق میں ایسا نیک نام اور نیک رویہ رکھا کہ کوئی ان کو دیکھنے کے بعد کسی قسم کے ردائیل کا الزام ان پر نہ لگا سکے جو لوگوں کی نگاہ میں ان کو ذلیل و خفیف کرنے والے ہوں مثلاً یہ کسی نبی کی نسبت اثرام نہیں لگایا گیا کہ دعا باز، جھوٹا، بد معاش، مال مردم خوار وغیرہ ہے۔ یوں تو جتنے ردائیل اور بدناما فعال ہیں سب سے انبیاء معصوم اور محفوظ تھے لیکن زیادہ تر اہتمام اس کا رہا کہ مال مردم خور ہونے کا الزام نہ آنے پائے کیونکہ یہ ایسی بری صفت ہے کہ باطن آدمی کو اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور ایسے آدمی کو کوئی اپنے پاس آنے نہیں دیتا اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ پر اور آپ کے اہل بیت پر صدقہ اور زکوٰۃ پہلے ہی حرام فرمادیا اس کے بعد عام حکم ہو گیا کہ ہر مسلمان جس کے پاس تھوڑا بھی مال ہو وہ صدقہ اور ضرورت سے کسی قدر زائد ہو تو وہ زکوٰۃ دیا کرے۔ ایسی حالت میں حضرت ﷺ کو لوگوں کا مال عمومی مصالح کے لئے لینے میں کسی قسم کا اندیشہ نہ رہا اسی وجہ سے خود بخش نفیس صدقے مانگ لیتے اور فقرائے اسلام دینائی وغیرہ کے مصالح میں تقسیم فرما دیتے اور کسی کو اس وہم کا موقع ہی نہ ملتا کہ وہ رقم حضرت ﷺ اپنے ذاتی اغراض میں صرف کرنے کے لئے وصول فرماتے ہوں گے اور حالت ظاہری بھی اسی کو ثابت کرتی تھی کہ حضرت ﷺ کو اس مال سے کوئی ذاتی تعلق نہیں کیونکہ فقر و فاقہ کی یہ کیفیت رہا کرتی تھی کہ دو دو مہینے چوبہا نہیں سلگتا تھا صرف چھوہاروں کے چند دانوں پر اوقات بسری ہوتی اور صدقات وغیرہ کا جس قدر مال آتا فقراء وغیرہ میں صرف ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ وفات شریف کے وقت کسی قسم کا مال و اسباب و مکان عاید شان و رش کے لئے نہیں چھوڑا۔ ان تمام مشاہدات کے بعد کیا ممکن ہے کہ کسی قسم کی بدگمانی ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ اگر مرزا صاحب کو نبوت اور رسالت خدا کی طرف سے ملتی تو خدائے تعالیٰ

ان کو بھی بد نما الزاموں سے محفوظ رکھتا مگر ایسا نہ ہوا جیسا کہ ان کی کاروائیوں سے ظاہر ہے۔
مولوی الہی بخش صاحب جو مرزا صاحب کے قدیم دوست اور سالہا سال ان کے رفیق رہے جن کو مرزا صاحب نے متقی اور پرہیزگار فرمایا ہے وہ اپنی کتاب عصائے موسیٰ میں مرزا صاحب کا حال لکھتے ہیں کہ وہ کیوڑا بید مشک کی سی وزنی گا گرید۔ مسافت دور دراز سے بصرف زر کثیر منگوا کر استعمال فرماتے ہیں۔ خس کی ٹٹیاں لگی رہتی ہیں اور برف ہر وقت مہیا رہتی ہے۔ مرٹی، انڈا، مشک، پلاؤ، زردہ، پشینہ، قالین، لحاف وغیرہ میں مستغرق اور منہمک ہیں اور بادشاہوں کی طرح جائداد و زیور، باغات، محل، مکانات، مقبرے، منار گھنڈہ گھر (کلاک ٹاور) اور منار روشنی (لائٹ ٹاور) وغیرہ غریبوں کے مال سے ہزار ہا روپیہ خرچ کر کے اپنی تفریح اور یادگار بناتے ہیں۔ صرف ایک یادگاری منارۃ المسیح جس میں گھڑی جنگل میں وقت بتانے کو اور لائٹن روشنی جانے کو لگائی جائیگی تعمیر کرنے کے واسطے دس ہزار روپے چندے کے لئے اشتہارات شائع کئے گئے یہ ترفد اور فارغ البالی اور عیش و عشرت عموماً امراء کو بھی نصیب نہیں یہ سب عقلی نبوت کا طفیل ہے جس کا حال ہم نے ابتدائے کتاب میں لکھا ہے۔ جب عقلی معجزات مرزا صاحب صد ہا تراشتے ہیں تو غور کیا جائے کہ خاص مال فراہم کرنے کی تدابیر کس قدر سوچتی ہوگی۔

عصائے موسیٰ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب تصویریں اپنی اور اپنے اہل بیت کی اور خاص جماعت کی اقسام اقسام کی اترواتے ہیں اور اخباروں میں ان کی اشاعت اور خریداری کی ترغیب و تحریص ہوا کرتی ہے۔ جس سے لاکھوں کی آمدنی متصور ہے۔ اس کے سوا ہواری چندے اقسام کے مقرر ہیں جن کا کچھ حال اوپر معلوم ہوا۔ اسکے سوا صاحب

۱۔ گاریم مونت۔ اے پاتے کا نیزا جس میں پانی گرم کرتے ہیں۔ پانی کا گڑا۔ ۲۔ محمد زیر۔

عصائے موسیٰ نے اپنی ذاتی معلومات جو اس میں لکھے ہیں وہ بھی قابل دید ہیں۔ عصائے موسیٰ صفحہ ۴۲۶ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب غور فرمائیں کہ وَاِذَا الْاَوْثَمُنْ خُتَّانِ میں جو روپیہ سراج منیر کا چودہ سو روپے کی لاگت والی براہین کی قیمت میں آیا اس کو دوسری جگہ اپنی خانگی و نفسانی حاجات میں خرچ کرنا داخل ہے یا نہ۔ رسالہ سراج المنیر کے چندہ دینے والے و براہین کے خریدار کئی تو مر گئے اور بہت باقی بھی ہیں جو حسب وعدہ ہائے مرزا صاحب ہر دو کتب کے منتظر و امیدوار ہیں۔ نیز وہ روپیہ جو مرزا صاحب کے حساب میں آپ کو کہہ کر بایں غرض جمع کیا گیا تھا کہ جب رسالہ موعودہ برائے مسٹر الگنڈا روپ امریکہ والا تیار ہوگا تو اس روپیہ سے ترجمہ کرایا جائے گا۔ سو وہ رسالہ تو وعدہ و وعید میں تا بو ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ روپیہ بھی خورد برد ہوا۔ پھر جو روپیہ مسجد کے واسطے جمع ہوا وہ کہاں گیا۔ براہین کی نسبت شاید یہ عذر پیش کریں کہ ہم نے واپسی روپیہ کا اشتہار دیدیا ہے۔ اس لئے بری الذمہ ہو گئے لیکن اس میں یہ غرض ہے کہ اولاً تو پہلے سے ایسی کوئی شرط نہ تھی۔ ثانیاً وہ اشتہار سب روپیہ دہندگان کے پاس کہاں بھیجا گیا ہے۔ فقط اپنے مریدین میں ہی اس کی اشاعت کافی سمجھی گئی تھی۔ ثالثاً اس اشتہار میں بھی ایسا فن حکمت و چالاک کی کہ بچہ رے مظلوم شرم و لحاظ خلق سے مطالبہ روپے کی جرات نہ کریں اور اگر کریں بھی تو مرزا صاحب کے کسی معتبر کا شوقیت پیش کریں۔ ایک آشنا نے مجھ سے پوچھا کہ بقیہ براہین خدا جانے کب آئے میں نے جواب دیا کہ اس کی بظاہر کوئی امید نہیں کیونکہ مرزا صاحب اس کی قیمت واپس کرنے کا اشتہار دے چکے ہیں وہ بولا کہ ہم کو تو خبر ہی نہیں ہوئی بھلا اب روپیہ مل جائیگا۔ میں نے کہا ہاں اگر آپ روپیہ دینے کا سرعقلم دے دیں۔ تب اس نے کہا کہ جس کی معرفت ہم نے روپیہ دے کر کتاب منگوائی ہے وہ تو مر گیا۔ فقط اسی پر دوسرے بے چارے خریداروں کا قیاس کر لینا چاہیے۔ پھر جن لوگوں نے براہین کے واسطے سینکڑوں

روپے دیئے تھے وہ اشتہار ان کے پاس بھی نہیں پہنچا اگر مرزا صاحب کی نیت بخیر ہوتی تو جیسا کہ عاجز کو ایک وفد فرمایا کہ ہم نے روپیہ دہندگان کے نام روپیہ کی کتاب کھولی ہے تو اس کو قلم رکھتے اور اس کے موافق سب کو روپیہ واپس دے دیتے۔ اگر کوئی لینے سے انکار کرتا تو پھر آپ کا مال تھا۔ ویسا اول روپیہ دہندگان و خریداران کو حسب ضابطہ رسید بھی دی ہوتی تا اس کو پیش کر کے روپیہ وصول کر سکتے۔ یہ حق العباد تھا اس کے بارے میں جس قدر سعی و اہتمام ہوتا ثواب و عبادت میں داخل تھا۔ خیر یہ تو براہین کے روپیہ کا حال ہوا۔ باقی سراج المنیر و مسر الگو نذروب والے روپیہ کا کیا عذر ہے۔ علی ہذا القیاس۔ اور بہت رقوم جو کہیں کی کہیں خرچ ہوئیں یہ سب کیوں اِذَا اَوْفَمْنٰ حَاقِیْنِ میں داخل نہیں اِذَا عَاہِدْ غَدْرِ میں جو وعدے نسبت "براہین احمدیہ" جلد اول اعلان سرورق جلد اول و دوم میں ہیں کہ خدمت سوز سے زیادہ ہوگی، قیمت اول پانچ پھر دس پھر پچیس۔ اور اقرار اس کی طبع میں آئندہ کبھی توقف نہیں ہوگا۔ جلد سوم کے سرورق پر فرمایا کہ اب کتاب تین سو جز تک پہنچ گئی ہے اور اخیر صفحے پر اس کی قیمت ایک سو روپیہ قرار دے کر فرمایا کہ اگر اس کے عوض عہدہ تا صغہ روپیہ بھی مسلمان پیشگی نہ دیں تو کام کے انجام سے خود مانع ہونگے (اس فقرہ کی تحریر سے مرزا صاحب کے اپنے رئیس اعظم صاحب چاند ہونے اور ہزار ہا روپیوں کے اشتہارات دینے کی حقیقت و ماہیت بھی خوب ظاہر ہوتی ہے کہ جو کچھ مے پیشگی ملے)۔ جد چہارم میں آخر کار فرمایا کہ اب اس کا متولی ظاہر و باطن رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس انداز و مقدار تک اس کو پہنچادے اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیقت اسلام ظاہر کئے ہیں اتمام حجت کیلئے کافی ہیں زندگی کا اعتبار نہیں وغیرہ۔ انفس راسخی موجب رضائے خداست پر جس کا عاجز و الہاماً ارشاد ہوا ہے خیال کر کے یہ نہ فرمایا کہ مصالحوہ اندوختہ ختم ہو چکا ہے اور جو ہم نے تین سو دلائل کا قید تحریر میں آ کر ضیاء ہونا

کتاب تھا غلط تھا اس لئے آئندہ تولیت سے دست بردار ہوتے ہیں اور روپیہ وصول شدہ حق العباد کی عبادت سے معافی چاہتے ہیں۔ پھر وعدہ رسالہ سراج منیر جس کا چودہ سو روپیہ کے صرف طبع کا اعلان ۱۳۰۰ سرورق "شخصہ حق" پر ہوا تھا جس کے لئے کئی مقامات سے خاطر خواہ چندہ آگیا تھا اور جس کی نسبت خاکسار نے جب مرزا صاحب انہالہ میں تشریف رکھتے تھے ہزار بیعہ خط وعدہ خدائی کی شکایت کی تھی تو مرزا صاحب اس پر درہم برہم ہو کر خفا ہوئے تھے یہ ۱۸۸۶ء کا ذکر ہے جب "سرمہ چشم آریہ" چھپا تھا اور اس کے سرورق پر اس کی قیمت عظیم رعام سے اور خاص ذی استطاعت سے جو بطور امداد دیں اس شرط و وعدے پر مقرر کی کہ سراج منیر اور براہین کے لئے اس قسم سے سرمایہ جمع ہو کر اس کے بعد رسالہ سراج منیر پھر اس کے بعد پنجم حصہ براہین احمدیہ چھپنا شروع ہوگا۔ پھر وعدہ اجرائے رسالہ ماہواری قرآنی طاقتوں کا جوہر گاہ آخر جون ۱۸۸۷ء کی تاریخ سے وہ ہماہ لکھا کریگا۔ نیز رسالہ تجدد دین یا افیضۃ القرآن پھر ۲۸ مئی ۱۸۹۲ء جس کو سات برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ نشان آسمانی کے صفحہ ۴۳ اور ۴۴ میں ضروری گزارش باہمت دوستوں کی خدمت میں امداد کے لئے کی اور اس کی سرخی اے مرداں بوشید و برائے حق بجوشید لکھ کر فرمایا کہ پختہ ارادہ و خواہش ہے کہ اس رسالہ (نشان آسمانی و شہادۃ المہمین) کے چھپنے کے بعد رسالہ دافع الوسوس طبع کرنا شروع کیا جائے۔ سو "آئینہ کمالات اسلام" کا دوسرا نام "دافع الوسوس" رکھ کر مرزا صاحب اس سے بری الذمہ ہو گئے اور بعد اس کے جا تو وقف رسالہ "حیات النبی و ممات المسیح" جو یورپ و امریکہ کے ملکوں میں بھی بھیجا جائے گا شائع اور اس کے بعد جا تو وقف حصہ پنجم براہین احمدیہ جس کا دوسرا نام "ضرورت قرآن" رکھا گیا ایک مستقل کتاب کے طور پر (یہ مطلب ہے کہ اس کی قیمت علیحدہ ہوگی براہین کی قیمت دینے والے اس پر اپنا حق قائم نہ سمجھیں) چھپنا شروع ہو لیکن اس سلسلے کے قائم رکھنے کے لئے یہ احسن انتظام

خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک رسالہ جو میری طرف سے شائع ہو میرے ذی قدرت دوست اس کی خریداری سے مجھ کو بدلہ و جان مدد دیں۔ پھر فرمایا اگر میری جماعت میں ایسے احباب ہوں جو بوجہ املاک و اموال و زیورات وغیرہ کے زکوٰۃ فرض ہو تو ان کو سمجھنا چاہیے کہ اس وقت دین اسلام جیسا غریب اور یتیم اور بے کس کوئی نہیں اور زکوٰۃ دینے میں جس قدر تہدید شرع وارد ہے وہ بھی ظاہر ہے اور غریب ہے جو منکر زکوٰۃ کا فر ہو جائے۔ پس فرض ہے جو اسی راہ میں اعانت اسلام میں زکوٰۃ دی جائے۔ زکوٰۃ میں کتابیں خریدی جائیں اور مفت تقسیم کی جائیں اور میری تالیفات، جبران رسائل کے اور بھی ہیں جو نہایت مفید ہیں جیسے رسالہ ”احکام القرآن“، ”اربعین فی علامات المنقربین“ اور ”سراج منیر“ اور ”تفسیر کتاب عزیز“۔ لیکن چونکہ کتاب براہین احمدیہ کا کام از بس ضروری ہے اس لئے بشرط فرصت کوشش کی جائے گی کہ یہ رسائل بھی درمیان طبع ہو کر شائع ہو جائیں۔ آئندہ ہر ایک امر اللہ جل شانہ کی اختیار میں ہے۔

کیفیت جلسہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۲ء کے صفحہ ۲۳ پر درخواست چندہ (قابل توجہ احباب) میں کہا کہ تین قسم کی جمعیت کی ہمیں سخت ضرورت ہے جس پر ہمارے کام اشاعت حقانی معارف دین کا سارا مدار ہے۔ اول دو پریس، دوم ایک خوش خط کاپی نویس، سوم کاغذات۔ ان تینوں مصارف کے لئے (۲۵۰ روپے) ماہواری کا تخمینہ لگایا گیا ہے ہر ایک دوست بہت جلد بلا توقف اس میں شریک ہو اور چندہ ہمیشہ ماہواری تارنخ مقررہ پر پہنچ جانا چاہیے۔ یہ تجویز ہوئی کہ بقیہ براہین اور ایک اخبار جاری ہو اور آئندہ حسب ضرورت وقتاً فوقتاً رسائل نکلتے رہیں۔ اب مرزا صاحب نے عذر داری نہیں میں (۵۰ روپے) سالانہ آمدنی کا جس کے (۱۰۰ روپے) سے کچھ زیادہ ماہوار ہوئی تو بان کیا ہے اور اوسط سالانہ آمدنی جو چار ہزار قبول کی ہے اس کی ماہواری بھی (۲۲ روپے) سے کچھ زیادہ ہوتا ہے اس کے علاوہ مرزا

صاحب کی اپنی زمین و باغ وغیرہ کی آمدنی میحدہ ہے۔ پریس بھی کئی موجود ہیں۔ دوسری جو کتاب نکلتی ہے اس کی قیمت بھی اس قدر بڑھ کر ہوتی ہے کہ لاگت سے تنہا چوگنا منافع ہو۔ اب فرمائیں کہ یہ سب وعدے اس وعید اذا عاہد خلف میں کیوں داخل نہیں ہیں۔ اور اسی عصائے موسیٰ ۱۶۲ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب طرح طرح کے اقرار مدار وعدے کر کے روپے قیمت کتب و قبولیت دعائے عطاءے فرزند وغیرہ کے نام و اعتبار پر پیشگی حاصل کر کے اپنے قبضے و تصرف میں لے آیا اور پھر وعدہ وغیرہ کو ہالائے حاق رکھ کر پیچھے مریدین سے مشتہر کر دی کہ امام وقت و خلیفۃ اللہ کو بیوں، بھانوں، تنگ دلوں، زر پرستوں کے حساب کتاب سے کیا کام۔ روپیہ حاصل کرنے کی یہ تدبیریں ہیں دعا کی اجرت تک لی جاتی ہے اور زکوٰۃ جو حق فقراء ہے وہ بھی نہیں چھوڑی جاتی اور پھر یہ کس قدر خوش منظر کہ دین اسلام جیسا غریب و یتیم اور بے کس کوئی نہیں۔ اس کے سوا ان کا جھوٹ کہنا داؤ پیچ، فتنہ انگیزی، خدائے تعالیٰ کی تکذیب اور اس پر افتراء، الحاد، انبیاء مہربان کی تنقیص شان اور ان کو ساحر قرار دینا اور ان پر اپنی فضیلت وغیرہ امور ”عصائے موسیٰ“ میں متعدد مقامات میں ثابت کئے گئے ہیں جن کا ذکر اس کتاب میں بھی آگیا ہے یہ امور ایسے ہیں کہ کوئی مسلمان ان کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا تو مسلمان نہیں سمجھا جاتا۔ اب اہل ایمان غور کریں کیا ممکن ہے کہ مرزا صاحب ان تمام اوصاف کے جامع بھی ہوں اور تقرب الہی اور نبوت اور عیسویت کے ساتھ بھی متصف ہوں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو مسیمہ بن کذاب سے آج تک جتنے نبوت کے مدعی گزرے ہیں (معد اللہ) سب پر ایمان لانے کی ضرورت ہوگی حالانکہ کوئی ایماندار اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد مرزا صاحب کے وہ دلائل جو اپنی نبوت اور عیسویت پر پیش کرتے ہیں ان کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی مگر سرسری طور پر اگر ذکر کر لئے جائیں تو بے موقع بھی نہیں۔ ایک دلیل یہ ہے کہ کریم بخش نے کہا کہ گلاب

شاہ مجذوب نے کہا تھا کہ ”مسیح کدھیا نے میں آ کر قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔“

محمد یعقوب نے کہا کہ عبداللہ صاحب غزنوی نے کہا کہ ”مرزا صاحب عظیم الشان کام کے لئے مامور کئے جائیں گے۔“

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ”مسیح آسمان سے اترے گا۔“

پیشین گوئیاں، استجابات، فصاحت و بلاغت زبان عربی، عقلی معجزات ان دلائل کا حل اوپر معلوم ہو چکا ہے، اعادے کی حاجت نہیں۔

اب مرزا صاحب کے وہ دلائل پیش کئے جاتے ہیں جو مرزا صاحب نے از لہ الاوہام میں لکھا ہے۔ ایک دلیل یہ ہے جو ابھی معلوم ہوئی کہ کریم بخش نے گواہی دی کہ گلاب شاہ مجذوب نے خبر دی تھی کہ ”عیسیٰ جو ان ہو گیا ہے اب قرآن میں غلطیاں نکالے گا۔“ (سبحان اللہ عیسیٰ اور قرآن میں غلطیاں نکالنا) اور ایک دلیل یہ پیش کرتے ہیں جو از لہ الاوہام صفحہ ۶۹۲ میں ہے۔ ”مجملہ ان علامات کے جو اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہیں یہ ہے کہ مسیح اس وقت یہودیوں میں آیا تھا کہ جب توریت کا مغز اور وطن یہودیوں کے دلوں پر سے اٹھا لیا گیا تھا اور وہ زمانہ حضرت موسیٰ سے چودہ سو (۱۴۰۰) برس بعد تھا جو مسیح یہودیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا۔ ایسے ہی زمانے میں یہ عاجز آیا کہ جب قرآن کا مغز اور وطن مسلمانوں کے دلوں پر سے اٹھا لیا گیا ہے اور وہ اور یہ زمانہ بھی حضرت مثیل موسیٰ کے زمانے سے اسی زمانے کے قریب قریب گزر چکا ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیانی زمانہ تھا“ اسی۔

موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کے مابین جو مدت بتلائی جا رہی ہے اس سے غرض یہ ہے کہ موسیٰ سے چودہ سو برس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجنے کی ضرورت ہوئی تھی اسی طرح مثیل موسیٰ یعنی نبی کریم سے اب تک اسی قدر مدت گزر گئی ہے اس لئے مثیل عیسیٰ بھیجا گیا یعنی خود

مرزا صاحب نے مسلم شریف کی روایت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا تھا اس وجہ سے کہ وہ بخاری میں نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور یہ روایت جو اپنی عیسویت کے استدلال میں پیش کرتے ہیں اس کا پتا تو کسی موضوعات کی کتاب میں بھی نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو اس کا نام ضرور لکھتے جس سے اتنا تو معلوم ہوتا کہ یہ بات مرزا صاحب کی بتائی ہوئی نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کسی حدیث کی کتاب سے یہ روایت ثابت نہیں کر سکتے اس لئے محققین نے تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت تک سترہ سو سولہ (۱۷۱۶) برس گزرے تھے جیسا کہ ”تنبیہ الاذکیاء فی قصص الانبیاء“ میں علامہ ظاہر بن صالح جزائری نے لکھا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مرزا صاحب میں اعلیٰ درجے کی جرات ہے کبھی کسی قسم کا خیال ان کو مانع نہیں ہوتا کہ میں نے مخالفوں کے مقابلے میں کیا کہا تھا اور اب کیا کہہ رہا ہوں اور لوگ کیا کہیں گے۔ یہ بھی مرزا صاحب کا ایک عقلی معجزہ ہے کہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو ضرور شرم مانع ہوگی جس کو مرزا صاحب الحیاء یمنع الوردی کا مصداق قرار دیں گے۔ جب تک مرزا صاحب اپنے اس بیان کو کسی کتاب سے مدد نہ کریں یہی سمجھا جائے گا کہ انہوں نے اس مدت کو اپنے دل سے گھڑ لیا۔

حاصل ان کی تقریر کا یہ ہوا کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں مستقل نبی اور ہمارے نبی کریم ﷺ اور مرزا دونوں کے مثیل ہیں یعنی مرزا عیسیٰ کے مثیل اور آنحضرت ﷺ موسیٰ کے مثیل کیونکہ صاف لفظوں میں حضرت ﷺ کو موسیٰ کا مثیل کہہ رہے ہیں چونکہ مرزا مثیل ہونے کی وجہ سے اپنے کو ظلی اور حجتا نبی کہتے ہیں اسی قیاس پر آنحضرت ﷺ بھی ان کے نزدیک ظلی نبی ہوئے۔ مگر مسلمانوں کا اعتقاد ایسا نہیں وہ بحسب احادیث صحیحہ نبی کریم ﷺ کو سید المرسلین سمجھتے ہیں جن میں موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام وغیرہا سب داخل ہیں۔ احادیث

سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آرزو اور دعائیں کرتے تھے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی امت میں داخل ہوں۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے خاص کبریٰ میں کئی روایتیں بڑی بڑی نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے صرف محل استدلال نقل کیا جاتا ہے۔

اخرج ابو نعیم عن عبد الرحمن المعافری. فلما عجب موسى من الخير الذي اعطاه الله محمدا وامته قال يا ليتني من امة احمد واخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ اوحى الله الى موسى نبی بنی اسرائیل انه من لفینی وهو جاحد باحمد ادخلته النار. قال اجعلنی من امة ذلك النبی وفی رواية ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال یارب فاجعلنی من امة احمد. اب مرزا صاحب ہی غور فرمائیں کہ خود موسیٰ علیہ السلام ہمارے پیارے نبی ﷺ کے امتی ہونے کی آرزو کرتے تھے۔ تو کسی یہودی کا قول اس کے خلاف میں کیونکر قابل توجہ ہو گا۔ اور آیہ شریفہ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (الانبیاء) سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام گویا آنحضرت ﷺ کے نائب تھے پھر حضرت کو کسی نبی کا مثیل اور نبی قراریہ کیسی بے ادبی ہے۔

مسلمانو! مرزا صاحب نے تمہارے نبی افضل الانبیاء علیہم السلام کو موسیٰ کا مثیل قرار دیا کیا اب بھی کسی اور کا مثیل سننے کا انتظار ہے کیا تمہارے اور تمہارے اسلاف کے کان ایسے ناملائم الفاظ سننے کے آشنا تھے۔ کب تک مرزا صاحب کی ایسی باتیں سنا کر دے تو یہ کرو اگر نجات چاہتے ہو تو ان کی ایک نہ سنو اور اپنے اسلاف کا اتباع کرو۔

مسلمانوں اور یہودی وجہ شبہ میں جو فرماتے ہیں کہ مغز اور بطن کلام الہی کا ان دونوں کے دلوں سے اٹھایا گیا ہے اس میں یہ کلام ہے کہ یہودی کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا بَيْنَكُمْ

وَفَرِقْنَا بَيْنَكُمْ د. جس سے ظاہر ہے کہ وہ انبیاء کی تکذیب اور ان کو قتل کیا کرتے تھے اور توریت و انجیل سے ثابت ہے کہ انہوں نے بیت المقدس کو ڈھایا اور قربانی کے مقام پر خنزیر ذبح کئے بت خانے آباد کئے اسکے سوا اور بہت سی ان کی خرابیاں ہیں جن کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ بفضلہ تعالیٰ مسلمانوں میں ان باتوں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ مسجدیں آباد بلکہ ہمیشہ نئی نئی بنائی جاتی ہیں۔ حج کی وہی دھوم دھام ہے کہ ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا مجمع ہوتا ہے۔ رمضان شریف میں عبادت کی وہی گرم جوشیاں ہیں۔ غرض کہ شعار اسلام بفضلہ تعالیٰ ہندوستان میں بھی قائم ہیں۔ رہا یہ کہ بعض مخلوط نفسانی میں گرفتار اور بدعتوں میں مبتلا ہیں سوال کی بھی یہ حالت ہے کہ جب قرآن وحدیث سنتے ہیں تو اپنے افعال اور تقصیر پر نادم ہوتے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ عمر بھر قرآن وحدیث سنتے اور پڑھتے ہیں مگر کسی کی چادو بیانی کے اثر سے ضروریات دین کے اعتقادات سے پھر جاتے ہیں سو وہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں ایسے لوگ تو خود نبی کے وقت میں گمراہ اور مخالف ہو جاتے تھے ان کے حسب حال یہ شعر ہے۔

ع عمر ہا دیدند قوم دوں ز موسیٰ مجزات

آں ہمہ شد گدو خورد از بانگ یک گو سالہ

غرض کہ جس طرح یہود نے توریت کو چھوڑ دیا تھا مسلمانوں نے اب تک قرآن کو نہیں چھوڑا البتہ مرزا صاحب کی تعلیم سے اب اس کی بنیاد پڑ گئی ہے۔ جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا کہ صد با آیات قیامت اور احیائے اموات وغیرہ ابواب میں جو وارد ہیں ان کا ایمان اس تعلیم سے بعض لوگوں کے دلوں سے اٹھایا گیا ہے۔ مثلاً جب یہ مسلم ہو جائے کہ مرتے ہی آدمی ایک سوراخ کی راہ سے جنت میں یا دوزخ میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نہیں نکلتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو قیامت اور حشر اجساد کا خود ابطال ہو

گیا۔

قرآن کا مغز اور وطن جو مرزا صاحب فرماتے ہیں اگر اس سے وہی مراد ہے جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے وہ بفضلہ تعالیٰ کتب تفسیر وحدیث میں تمام محفوظ اور موجود ہے۔ مغز اور وطن جو کچھ پوشیدہ اور ادراک سے غائب ہے سب کچھ حضرت نے فرمادیا کیونکہ حضرت کو ان امور میں بخل نہ تھا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَبِينٍ یعنی آنحضرت ﷺ غیب کی باتیں بیان کرنے میں بخلی نہیں کیا کرتے اور اشارات قرآنیہ کو جو بزرگان دین نے مجاہدات ومکاشفات کے بعد معلوم کیا ہے وہ بھی تفاسیر اور کتب تصوف میں موجود ہیں غرض مسلمانوں کو ان کے نبی اور پیشوایان دین نے سب سے مستغنی کر دیا ہے۔ کسی کی من گھڑت باتوں سے ان کو کچھ کام نہیں اور اگر مغز و وطن کچھ اور ہے جو مرزا صاحب پیش کرتے ہیں سو اس کو قرآن سے کچھ تعلق نہیں۔ الی صلی مرزا صاحب مسلمانوں کو یہودیوں کے برابر کر کے اپنی ضرورت جو تیار ہے ہیں وہ خلاف واقع ہے بلکہ معاملہ بالعکس کہ یہودی کی اکثر صفات مرزا صاحب میں موجود ہیں۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ ﷺ سولی چڑھائے گئے، مرزا صاحب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہود کا عقیدہ نحن ابناء الله ہے مرزا صاحب بھی اپنے کو خدا کے بیٹے کے برابر کہتے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ﷺ کو ساحر کہا تھا مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں جس طرح بولس صاحب جو یہودیوں کے بادشاہ تھے عیسائیوں کو ان کے قبلے سے منحرف کر دیا، مرزا صاحب بھی مسلمانوں کو ان کے قبلے سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔

موسیٰ ﷺ کے بعد عیسیٰ ﷺ تک بہت سے نبی گزرے ہیں مثلاً یوشع، یسویئیل، ایاس، الیسع، ارمیا، دانیال، داؤد، سلیمان اور عزیر وغیرہ علی بن ابی طالب و اسودہ و اسلام پھر سب کو

چھوڑ کر ہمارے پیارے نبی ﷺ کو جو مثیل موسیٰ بنا رہے ہیں اس کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوئی۔ اگر بت پرستی موقوف کرا کے توحید کی طرف بلانے میں تشبیہ ہے تو کل انبیاء اسی کام کیلئے تھے اگر نادر معجزات کے لحاظ سے ہے تو عیسیٰ ﷺ کے معجزات اسی قسم کے تھے اور اگر بنی اسرائیل کی ہدایت کے خیال سے ہے تو داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے ان کی بت پرستی بالکل موقوف کرا دی تھی غرض کوئی وجہ تخصیص کی معلوم نہ ہوگی سوائے اس کے کہ تیرہ سو برس کی جو زمانہ مقصود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اپنی غرض ذاتی کے واسطے سید المرسلین کی کسر شان کی کچھ پروا نہ کی۔

اور ایک دلیل ازالۃ الادبام صفحہ ۲۲۳ میں یہ لکھتے ہیں کہ روحانی طور پر عالم میں کون و فساد وغیرہ امور ہو گئے تب وہ آدم جس کا دوسرا نام ابن مریم ہے بغیر وسیلہ ہاتھوں کے پیدا کیا جائیگا اسی کی طرف وہ الہام اشارہ کر رہا ہے جو براہین میں درج ہو چکا ہے اور وہ یہ ہے اودت ان استخلف فخلقت ادم۔ ہر منصف کو نہنا پڑے گا کہ وہ آدم اور ابن مریم بھی عاجز ہے کیونکہ ایسا دعویٰ اس عاجز سے پہلے کبھی کسی نے نہیں کیا اور اس عاجز کا یہ دعویٰ دس برس سے پہلے شائع ہو رہا ہے اور 'براہین احمدیہ' میں مدت سے چھپ چکا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کی نسبت فرمایا کہ یہ آدم ہے۔ اور اس نزاع کے وقت سے دس برس پہلے اس عاجز کا نام آدم اور عیسیٰ کہہ دیا۔ اس حکیم مطلق نے اس عاجز کا نام آدم اور خلیفۃ اللہ رکھ کر انی جاعل فی الارض خلیفۃ کی کھلی کھلی طور پر براہین احمدیہ میں بشارت دے کر لوگوں کو توجہ دلائی کہ تا اس خلیفۃ اللہ آدم کی اطاعت کرنے والی جماعت سے باہر نہ رہیں اور انہیں کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور من شد شد فی النار کی تہدید سے بچیں۔ اس تقریر سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔۔۔ براہین احمدیہ کلام الہی ہے جس میں حق تعالیٰ نے ان کے خلیفہ ہونے کی بشارت دی

ہے۔

۲..... مرزا صاحب نبی ہیں جن پر وہ کتاب نازل ہوئی۔

۳..... مرزا صاحب آدم خلیفۃ اللہ ہیں۔

۴..... جو مخالفت کرے گا وہ گویا ملیں اور دوزخی ہے۔

۵..... دس برس پہلے الہام شائع ہونے کی وجہ سے وہ قطعی ہو گیا۔

حق تعالیٰ نے تیر سو برس پہلے اپنے کلام قدیم میں یہ بات شائع کر دی تھی کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا کما قال تعالیٰ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ اب اس کے بعد کوئی دعویٰ نبوت کرے تو وہ میلہ کذاب و اسود غشی وغیرہا کی قطار میں داخل ہے جس کے جنمی ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ کیونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمادیا ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سے دجال نکلیں گے جو رسول ہونے کا دعویٰ کریں گے جیسا کہ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کی ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَهْجُوتَ دَجَالُونَ كَذَابُونَ فَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ كُلَّهُمْ بِزَعَمِ انہ رسول اللہ۔

مرزا صاحب کو کمالات و فضائل کے ساتھ کمال درجے کی دل چسپی ہے وہ ہمیشہ تلاش میں لگے رہتے ہیں جہاں کوئی کمال پیش نظر ہو جاتا ہے بے دھڑک اس کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان تصریحات سے ظاہر ہے ازالۃ الاہام صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں ہر صدی پر ایک مجدد کا آنا ضرور ہے۔ بتائیں کس نے اس صدی کے سر پر خدا سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر یہ عاجز نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا ہے کس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جیسا کہ اس عاجز نے۔ اور لکھتے ہیں جس زمانے میں آنحضرت ﷺ کا کوئی نائب دنیا میں

پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں دلی اور دماغی بڑی تیزی سے اپنا کام کرتی ہیں اور اس نیابت کے اختیارات ملنے کے وقت تو وہ جنبش نہایت تیز ہو جاتی ہے خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو بھیجا ہے یعنی نائب کر کے۔

اور ازالۃ الاہام صفحہ ۹۷ میں لکھتے ہیں حدیث میں جو وارد ہے کہ حارث جو ایک شخص ماوراء النہر کا ہوگا جو آل رسول کو تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی الہامی طور پر مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز ہے۔ نبی کریم ﷺ کو خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ حارث امام مہدی کی تائید کو جائیگا۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے جیسا کہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے مگر مرزا صاحب کے ملہم نے ان کی خبر دی کہ یہ غلط ہے حارث امام مہدی عیسیٰ ایک ہی شخص ہے یہ ہم خدا و رسول کا مخالف ہے جب ہی تو ایب الہام کیا۔

ازالۃ الاہام صفحہ ۴۱۳ میں لکھتے ہیں وہ مسیح موعود جس کا آنا انجیل اور احادیث صحیحہ کی رو سے ضروری طور پر قرار پا چکا ہے وہ تو اب اپنے وقت پر اپنی نشانیوں کے ساتھ آ گیا ہے اور آج وعدہ پورا ہو گیا۔

اور نیز ازالۃ الاہام صفحہ ۶۴۸ میں لکھتے ہیں خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کو آدم صلی اللہ کا مثیل قرار دیا پھر مثیل نوح کا پھر مثیل یوسف کا پھر مثیل داؤد کا پھر مثیل موسیٰ کا پھر مثیل ابراہیم کا قرار دیا اور بار بار احمد کے خطاب سے مخاطب کر کے ظلی طور پر محمد مصطفیٰ ﷺ قرار دیا۔

اور اسی کے صفحہ ۶۷۳ میں لکھتے ہیں کہ آیہ شریفہ مبشرا برسول یاتنی من بعدی اسمہ احمد سے خود مراد ہیں۔ رسالہ عقائد مرزا میں اشتہار معیار الاخیار سے مرزا

صاحب کا قول نقل کیا ہے میں مہدی ہوں اور بعض نبیوں سے افضل ہوں۔ اور اسی میں اشتہار دفع البلاء سے ان کا قول نقل کیا ہے میں امام حسین علیہ السلام سے افضل ہوں اور اسی سے ان کا یہ بھی قول نقل کیا ہے۔

ع ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے

اور اسی سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے میں اللہ کی اولاد کے رہنے کا ہوں میرا الہام ہے کہ انت منی بمنزلہ اولادی۔ اور الحکم سورہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۵ء میں مرزا صاحب کا الہام لکھا ہے انما امرک اذا اردت شینا ان تقول له کن فیکون یعنی تم جس چیز کو پیدا کرنا چاہو جب کن کہہ دو گے تو وہ پیدا ہو جائیگی۔ اور توضیح المرام سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں اور کشتی نوح سے ان کا یہ قول بھی نقل کیا ہے میرے معجزات انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں۔ از لہ الا وہام صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں جی وحی اپنے پر نازل ہوتی ہے۔ ضرورۃ الامام صفحہ ۱۳ میں لکھتے ہیں خدا تعالیٰ ان سے بہت قریب ہو جاتا ہے اور کسی قدر پردہ چہرے سے اتار دیتا ہے اور نہایت صفائی سے مکالمہ کرنا ہے اور دیر تک سوال و جواب ہوتے رہتے ہیں اور یہ اس واسطے ہوتا ہے تاکہ ان کے الہام دوسروں پر حجت ہوں۔ رسالہ عقدہ کد مرزا میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ طاعون ملک میں میری تکذیب کی وجہ سے خدا نے بھیجا اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ میرا منکر کافر اور مردہ ہے اسکو ضرور مواخذہ ہوگا۔ اس قسم کی اور بہت سی باتیں ان کی تصانیف میں موجود ہیں اور اب تو آپ کرشن جی بھی ہو گئے ہیں جیسا کہ متعدد اخباروں سے ظاہر ہے۔ مرزا صاحب عیسویت وغیرہ کا جو مرکب دعویٰ کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ غرر النصاب صفحہ ۷۵ میں علامہ وطواط رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ معتد کی خلافت میں ایک شخص سواد کو فے میں نکالتا تھا جس

کو کر میہ کہتے تھے یہ شخص پہلے نہایت زہد و عبادت کے ساتھ مشہور ہوا جب لوگ معتقد ہو گئے تو ان سے کہا کہ مسیح علیہ السلام نے آدمی کی صورت میں ظاہر ہو کر مجھ سے کہا کہ تو داعیہ ہے اور جنت ہے اور ناقہ ہے، روح القدس ہے، یحییٰ بن زکریا ہے۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ میں مسیح ہوں، عیسیٰ ہوں، مکہ ہوں، مہدی ہوں، محمد ابن الحنفیہ ہوں، جبرئیل ہوں۔ جب دس ہزار آدمی اس کے تابع ہو گئے تو ان میں سے بارہ شخصوں کا انتخاب کر کے کہا کہ تم میرے حواری ہو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے مرزا صاحب کو اس شخص کی رائے پسند آئی اور عقل کا مقتضا بھی یہی ہے کہ جب دس بیس دعوے کر دیئے جائیں گے تو کم سے کم ایک تو ضرور ثابت ہو جائیگا پھر مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ ایک بھی کم نہیں۔ کر میہ نے مرزا صاحب کے اس دعوے کو بھی باطل کر دیا جو فرماتے ہیں کہ سوائے میرے کسی مسلمان نے عیسیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ الغرض آپ نے اس بات کا ٹھیکہ لے لیا ہے کہ کوئی فضیلت چھوٹے نہ پائے اور کوئی فرقہ ہندوستان میں ایسا نہ رہے جس کے وہ مقتدا اور معبود نہ بنیں مگر کسی فرقے پر ان کا افسوس نہ چلا۔ چونکہ مسلمانوں میں آج کل یہ صلاحیت بڑھی ہوئی ہے کہ ہر کسی کا افسوس ان پر اثر کر جاتا ہے چنانچہ ہزاروں نیچری وغیرہ بن گئے اور بنتے جاتے ہیں اس لئے رخصتاری وغیرہ کو ذریعہ ہنا کر ان کی طرف توجہ کی چنانچہ کسی قدر کامیابی بھی حاصل کی اور جب روپیہ چندہ وغیرہ کا بخوبی آنے لگا تو ایک رسالہ بنام فتح الاسلام لکھا جس کے نام سے ظاہر ہے کہ اسلام کو تو انہوں نے فتح کر لیا۔ اس فتح سے بڑی غرض یہ تھی کہ روپیہ حاصل ہو اس لئے اپنی رعایا پر اقسام کے ٹکسوں لگائے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور مال گزاری کا دستور العمل اسی میں شائع کیا جس کا ایک فقرہ یہ ہے اسلام کے ذی قدرت لوگو! آپ لوگوں کو پہنچا دیتا ہوں اپنی ساری دل اور ساری توجہ اور ساری اخلاص سے مدد کرنی چاہیے جو شخص اپنی حیثیت کے موافق کچھ ماہواری چندہ دینا چاہتا ہے وہ اس کو حق واجب اور دین لازم کی طرح سمجھ کر خود

بخود ماہوار اپنی فکر سے ادا کرے اور ادائیگی میں سہل انگاری کو روانہ رکھے اور جو شخص ایک مشت دینا چاہتا ہے وہ اسی طرح امداد کرے یہی ملے۔ اور اس رسالے میں بڑی تاکید یہ کی گئی کہ کوئی اس کاروائی پر بدگمانی نہ کرے اور اخبار البدر میں شائع کر دیا گیا جیسا کہ عقائد مرزا میں لکھا ہے کہ ان کے فعل پر اعتراض کرنا بھی کفر ہے۔ اب کس کی مجال کہ کوئی اعتراض یا بدگمانی کر سکے مگر یہ احتمال تھا کہ یہ روپیہ جس قدر وصول ہوتا ہے مرزا صاحب کے تقدس اور رواداری کی وجہ سے ہے آئندہ لوگ ہاتھ روک لیں گے اور متفقہاً بشریت بھی تھا کہ اپنی اولاد کی کچھ فکر کی جائے اس لئے اس کا بندوبست یوں کیا گیا جو ازالۃ الاولیاء ص ۱۵۵ میں الہام تحریر فرماتے ہیں خدائے تعالیٰ ایک قطعی اور یقینی پیش گوئی میں میرے پر خاہر کر رکھا ہے کہ میری ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کئی باتوں مسیح سے مشابہت ہوگی وہ آسمان سے اترے گا۔ اور اسی میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا خدا تیری مجد کو زیادہ کرے گا اور تیری ذریت کو بڑھا دیگا اور من بعد تیرے خاندان کا تجھ سے ہی ابتدا قرار دیا جائیگا۔ جو شخص کہہ کی بنیاد کو ایک حکمت الہی کا مسئلہ سمجھتا ہے وہ بڑا عقلمند ہے کیونکہ اس کو اسرار ملکوتی سے حصہ ہے ایک اولیٰ العزم پیدا ہوگا وہ حسن اور احسان میں تیرا نظیر ہوگا وہ تیری نسل ہی سے ہوگا فرزند دلہند گرامی وار ہند مظہر الحق والاعلا کان اللہ نزل من السماء اہی۔ اور دوسرے مقام ازالۃ الاولیاء ص ۱۶۸ میں لکھتے ہیں اس مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت میں ہے جس کا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے کیونکہ اس عاجز کو براہین میں مریم کے نام سے بھی پکارا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو لاکھ روپیہ ماہوار چاند ملتا تھا تو ان کے فرزند دلہند کو دولاکھ سے کم نہ ملنا چاہیے آخر باپ بیٹوں میں فرق ضرور ہے۔ مرزا صاحب کی شان میں تو کان عیسیٰ نزل من السماء تھا۔ صاحبزادے کی شان میں کان اللہ

نزل من السماء ہے الغرض جب دیکھا کہ چند اشخاص بطور رعایا رقم مال غزاری داخل کرنے لگے ہیں اسی کا نام فتح اسلام رکھ کر یہ خیال جمایا کہ یہ سلطنت تو اپنے اور اپنی اولاد کے لئے قائم ہوگئی اب ہنود کی طرف توجہ کرنی چاہیے چنانچہ ان میں جا کر دعویٰ کیا کہ میں کرشن جی ہوں تعجب نہیں کہ اپنی پختہ تدابیر سے اس میں بھی کامیاب ہو جائیں مگر بقا ہر کسی قدر بعید معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ اہل مسلمانوں کا دشمن ہے ہنود کا نہیں۔ ہمیں اس کا کچھ خیال نہیں کہ مرزا صاحب کو اس قدر روپیہ کیوں ملتا ہے اس لئے کہ آخر تدابیر کے نتائج حاصل ہوا ہی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا چنانچہ ارشاد ہے۔ وَمَنْ كَانَ يُرِيدْ خُرُوجَ الدُّنْيَا فَلُوْهُ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ مَّكَرًا مَّا دُورے حصے میں ہے جو دین سے متعلق ہے کیونکہ قابل اہتمام و غنوار ہے تو یہی حصہ ہے جس کا ارشاد الہی یاد رہنے والا ہے۔ اب ہم اہل انصاف کو توجہ دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب جو الہامات خلیفۃ اللہ وغیرہ ہونے کے بیان کرتے ہیں باوجود ایسے قوی قرائن کے کیا اب بھی قابل تصدیق سمجھے جائیں اور عقل بیکار کر دی جائے۔ اگر صرف مجددیت یا محدثیت کا دعویٰ ہوتا تو بھی مضائقہ نہ تھا جب انہوں نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہے تو اب اس حدیث شریف کو اہل اسلام مانیں جو بخاری اور مسلم وغیرہ سے بھی نقل کی گئی کہ مدعی رسالت و جالوں سے ایک دجال ہے یا مرزا صاحب کے یہ تمام دعوے اس کے خلاف میں مانے جائیں ہر مسلمان کو اپنا ایمان عزیز ہے خود ہی فیصلہ کر لے۔

مرزا صاحب نے دجال کے استدراج میں یہ کلام کیا اس سے تو اس کا کن فیکون کا رتبہ ثابت ہوتا ہے اور سوچا کہ ایسا بڑا رتبہ اس کو دیا جائے اور خود محروم رہ جائیں تو ایک اعلیٰ درجے کا کمال فوت ہوئے جاتا ہے تکمیل کے لئے کرشن جی بتکلف بننے کی ضرورت ہوئی یہ مرتبہ تو مسلمانوں میں مسلم اور بننا بنایا ہے اس لئے دعویٰ کیا کہ مرتبہ کن

فیکون مجھ کو حاصل ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ازمانہ الاولیاء ص ۲۸ میں یہ کیوں فرماتے اگر ہم اس دمشق حدیث کو (جو مسلم شریف میں ہے) اس کے ظاہری معنوں پر عمل کر کے اس کو صحیح اور فرمودہ خدا و رسول مان لیں تو ہمیں اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائیگی اور زمین و آسمان اس کا کہنا مانیں گے اور خدائے تعالیٰ کی طرح فقط اس کے ارادے سے سب کچھ ہوتا جائیگا۔ غرض جیسا کہ خدائے تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول له کن فیکون اسی طرح وہ بھی کن فیکون سے سب کچھ کر دکھائے گا اسی۔ حاصل یہ کہ حدیث مسلم شریف جس میں دجال کے استدراج سے اس کا پانی برسانا اور زمین سے سبزیاں اگانا وغیرہ امور مذکور ہیں، غلط ہے۔ اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت میں خدا کا شریک ہو جائے گا۔ غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کو جب یہ بات حاصل ہو گئی کہ بحسب الہام انما امرک اذا اردت شیئا ان تقول له کن فیکون صرف لفظ کن کہہ کر سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں تو بڑے دجال سے وہ چند امور جن کی تصریح نبی کریم ﷺ نے بحسب اطلاع باری تعالیٰ کر دی ہے ظہور میں آئیں تو کون سے کفر و شرک کی بات ہوگی بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور ہے کہ تمام انبیاء و دجال کے فتنے سے ہمیشہ اپنی اپنی امت کو ڈرایا کئے۔ جس سے ظاہر ہے کہ اس کا فتنہ معمولی نہ ہوگا اگر اس قسم کی باتیں اس سے ظہور میں نہ آئیں تو اس سے خوف ہی کیا دنیا میں بڑے بڑے فتنے ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں کسی سے انبیاء نے اپنی امتوں کو نہیں ڈرایا اور نہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بیان کا اہتمام فرمایا بخلاف فتنہ دجال کے کہ ہر نماز میں اس سے پناہ مانگنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ الغرض بلحاظ فتنہ و آزمائش امور مذکورہ احادیث کا ظہور میں آنا مستبعد نہیں بخلاف اس کے مرزا صاحب جو یہ دعویٰ کرتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی بہر حال مرزا صاحب نے جس لحاظ سے حدیث مسلم شریف کا انکار کر دیا تھا اب

ان کو اس الہام کے لحاظ سے بڑے دجال کی نسبت ان امور کا مان لینا ضروری ہوا کیونکہ جب وہ خود مدعی ہیں کہ کن سے سب کچھ کر دکھاتا ہوں تو بڑا دجال بحسب احادیث صحیحہ کچھ کر دکھائے تو کیا تعجب اس تقریر سے وہ تمام تقریریں باطل ہو گئیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے پرندوں کو زندہ کرنے کے باب میں لکھی ہیں جن میں ایک یہ ہے جوازمانہ الاولیاء ص ۲۹ میں لکھتے ہیں وہ آیات جن میں ایسا لکھا ہے قش بہات میں سے ہیں اور ان کے یہ معنی کرنا کہ گویا خدائے تعالیٰ نے اپنے ارادے سے اور اذن سے حضرت عیسیٰ کو صفات خالقیت میں شریک کر رکھا تھا صریح الحاد اور سخت بے ایمانی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ اپنی صفات خاصہ الوہیت بھی دوسروں کو دے سکتا ہے تو اس سے اس کی خدائی باطل ہوتی ہے اور موجد صاحب کا یہ عذر کہ ہم ایسا اعتقاد تو نہیں رکھتے کہ اپنی ذاتی طاقت سے حضرت عیسیٰ خالق طیور تھے بلکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ طاقت خدائے تعالیٰ نے اپنے اذن اور ارادے سے ان کو دے رکھی تھی اور اپنی مرضی سے ان کو اپنی خالقیت کا حصہ دار بنادیا تھا اور یہ اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے اپنا مثیل بنادے قادر مطلق جو ہوا یہ سراسر شرک کا نہ باتیں اور کفر سے بدتر ہے اسی۔ دیکھیے حق تعالیٰ نے اپنی خالقیت کے باب میں جو فرمایا ہے۔ اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ یَقُولَ لَهُ کُنْ فَیَکُونُ وہی پورا کلام مرزا صاحب کے الہام میں ان کی شان میں کر دیا کما قال اِنَّمَا اَمْرُکَ اِذَا اَرَدْتَ شَيْئًا اَنْ تَقُولَ لَهُ کُنْ فَیَکُونُ یعنی خدائے ان سے کہا کہ تم جو پیدا کرنا چاہو صرف کن کہہ دو گے تو پیدا ہو جائے گا۔ حالانکہ پیدا کرنا خاص صفت الہی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، ان ربک هو الخلاق العلیم۔ عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت تو کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی صفت خالقیت ان کو دے کر حصہ دار بنادیا تھا بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ احیائے موتی کا مجزہ جو ان کو دیا گیا تھا کبھی کبھی بحسب ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا

ہے۔ فَتَفْخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاَذْنِيْ وَادَّ تَخُوْرُجُ الْمَوْتٰى بِاَذْنِيْ مگر مرزا صاحب خالقیت کے حصار اور اس کے مثل بن بیٹھے ہیں اب تک صرف انبیاء کے مثل کہلاتے تھے اب خدا کے مثل ہونے کا دعویٰ ہے حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ مرزا صاحب مضامین قرآن کو مشرکانہ خیال بناتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ وہ خدائے تعالیٰ فرما رہا ہے۔ انہیں نے اور کیا کیا تھا اس نے بھی تو یہی کیا تھا کہ غیر اللہ کے سجدے کو مشرکانہ خیال سمجھا تھا جس کی وجہ سے ملعون ابدی بنا افسوس ہے کہ مرزا صاحب اوروں کو فرماتے ہیں انہیں کی طرح ٹھوکر نہ کھائیں اور خود اس کے ہم خیال ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ آیات قرآنیہ پر ایمان لانے کو اتحاد اور سخت ہے ایمانی اور مشرکانہ خیال اور کفر سے بدتر کہہ دیا اور آپ (نعوذ باللہ) خدا کے شریک بن رہے ہیں اس سے بڑھ کر الحاد اور سخت بے ایمانی اور کفر سے بدتر اور کیا ہوگا۔ مجس صرف دو خالق مانتے تھے مرزا صاحب تو دوسرے خالق ہی بن گئے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اہل اسلام غور فرمائیں کہ کیا کوئی مسلمان ایسا دعویٰ کر سکتا ہے جو مرزا صاحب نے کیا ہے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے باوجودیکہ سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں کبھی اس قسم کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ انصاف و بشرو مثلاً فرماتے رہے اس کے بعد مرزا صاحب کا یہ الہام کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب ایک نظیر تو پیش کریں کہ کس نے نبوت کے دعوے کے ساتھ کھن فیکون کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ کسی کا دعویٰ نہ کرنا ہی ان کے لئے دلیل ہو جاتا ہے چنانچہ اپنی مجذوبیت کو اسی طریقے سے انہوں نے ثابت کیا ازلۃ الابد ۱۵۳ میں فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ ہر ایک صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے اب ہمارے علماء جو بظاہر اجماع حدیث کا دم بھرتے ہیں انصاف سے بتلا دیں کہ کس نے اس صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ سے الہام پا کر مجدد ہونے

کا دعویٰ کیا ہے یوں تو ہمیشہ دین کی تجدید ہو رہی ہے مگر حدیث کا تو یہ منشا ہے کہ وہ مجدد خدائے تعالیٰ کی طرف سے آئیگا یعنی علوم لدنیہ و آیات سماویہ کیساتھ اب بتلائیں کہ اگر یہ عاجز حق پر نہیں ہے تو پھر وہ کون آیا جس نے اس چودہویں صدی کے سر پر مجدد ہونے کا ایسا دعویٰ کیا جیسا کہ اس عاجز نے کیا بھی۔ اگر شیطان کسی کے سامنے ہو کر دعویٰ کرے کہ میں تیرا خدا ہوں مجھے سجدہ کر اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ سوائے میرے کسی نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تو کیا اس کی یہ دلیل قابل تسلیم ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر مرزا صاحب کی تقریر سے ظاہر ہے کہ ان کو اس قسم کی دلیلوں پر وثوق ہے یہی وجہ ہے کہ جب شیطان ان کو اپنے چہرے سے کسی قدر پردہ اتار کر ٹھٹھے سے کہہ دیتا ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی دلیل بھی ایسی ہی بتا دیتا ہے تو ان کو یقین آ جاتا ہے۔

حدیث موصوف سوائے ابو داؤد کے صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں نہیں اور بقول مرزا صاحب یہ حدیث کسی کو نہ ملی یا موضوع یا ضعیف سمجھ کر بخاری و مسلم وغیرہ نے اس کو ترک کر دیا جب مسلم کی دمشق والی حدیث بخاری میں نہ ہونے کی وجہ سے بقول مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوئی تو اس کو تو مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قبول نہیں کیا بطریق اولیٰ قابل اعتبار نہ ہوگی۔ پھر ایسی حدیث استدلال میں کیوں پیش کی جاتی ہے مرزا صاحب نے نہ اس حدیث کو نقل کیا، نہ یہ لکھا کہ وہ کون سی کتاب میں ہے بلکہ صرف یہی لکھا کہ مجدد کا آنا ضرور ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر وہ لکھتے تو ان کے استدلال کی قلعی کھل جاتی کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہر صدی پر ایک مجدد خدا کی طرف سے الہام پا کر مجدد ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے ساتھ علوم لدنیہ اور آیات سماویہ بھی ہوا کرتی ہیں حالانکہ حدیث میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں۔ دیکھئے حدیث شریف یہ ہے۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ یبعث لہذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لہا دینہا

یعنی اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسا شخص پیدا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرے۔ "وفیات الاسلاف" میں حدیث موصوف کو نقل کر کے ہر زمانے میں جن علماء اور مؤیدین دین پر مجددیت کا گمان تھا ان کے ناموں کی فہرست لکھی اور یہ ثابت کیا کہ ہر صدی کا مجدد یقینی طور پر معین نہیں کر سکتے اسی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ مجدد ہر صدی کا ایک ہونا ضرور نہیں کیونکہ حدیث شریف میں یہ لفظ من بعدہ وارد ہے اور لفظ من کا استعمال کثیر میں اکثر ہوا کرتا ہے ہر چند نام اکابر علماء کے لکھے ہیں مگر یہ کسی نے نہیں لکھا کہ ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ میں علوم لدنیہ خدا کے پاس سے لے کر آ رہا ہوں اور مجھے خواہ مخواہ مجدد کہو (اور ادھر ہزار ہا علماء کا ہجوم اور اصرار کہ نہ تو مجدد ہے، نہ محدث۔ اور طرفین سے رسالہ بازیوں کی لے دے ہو رہی ہے) بلکہ ان حضرات کی حالت یہ تھی کہ تائید دین متین کو مقصود بالذات سمجھ کر ہمیشہ اسی میں مصروف رہا کرتے تھے اور ایسی تعلیم کو کراہیت کی نظر سے دیکھتے پھر ان کے کمال حقانیت اور خلوص کا وہ اثر دلوں پر پڑتا تھا کہ خود کہہ اٹھتے تھے کہ بے شک یہ مجدد ہیں۔ مرزا صاحب نے لوازم و شروط مجدد کے جو بیان کئے ہیں اگر راست ہیں تو ضرور ہے کہ ہر صدی کے مجدد کا نام اور اس کے دعوے پیش کریں اور یاد رہے کہ یہ ممکن نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ حدیث و قرآن کا مضمون جیسا جی چاہتا ہے بنا لیتے ہیں اس وجہ سے نہ وہ مجدد ہو سکتے ہیں اور نہ ہی محدث وغیرہ جو اعلیٰ مدارج ہیں۔ تجدید کے معنی یہ ہیں کہ جو دین کی قدیمی باتیں پرانی ہو گئی ہوں ان کو از سر نو رواج دیں مگر مرزا صاحب جو بات نکالتے ہیں وہ تو ایسی ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں ہوتی۔ تھوڑی باتیں تو اس کتاب کی فہرست سے بھی معلوم ہو سکتی ہیں ایسے لوگوں کی نسبت یہ ارشاد ہے عن امی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سیکون فی آخر امتی الناس یحدثونکم بما لا تسمعوا بہ انتم ولا اباؤکم فایاکم

وایاہم (روہ مسلم) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ آخری زمانے میں میری امت کے بعض لوگ ایسی نئی باتیں کہیں گے کہ نہ تم نے سنی نہ تمہارے آباؤ اجداد نے ان لوگوں سے بہت دور رہو اہی۔ مسلمانو! کیا اسکے بعد بھی اب ان کی باتیں دل لگا کر سنو گے اور اپنے نبی ﷺ کو ناراض کرو گے۔ یہ تو حضرت نے تمہاری ہی خیر خواہی کے لئے فرمایا ہے۔ کلام اس میں تھا کہ کسی نے مجددیت کا دعویٰ نہیں کیا اس لئے مرزا صاحب مجدد ہیں۔ اسی طرح عیسویت کا بھی دعویٰ ہے چنانچہ ازالۃ الاہام ۶۸۳ میں لکھتے ہیں کہ ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت جو ظہور مسیح موعود کا وقت ہے کسی نے بجز اس عاجز کے دعویٰ نہیں کیا کہ میں مسیح موعود ہوں بلکہ اس تیرہ سو برس میں کبھی کسی مسلمان کی طرف سے ایسا دعویٰ نہیں ہوا کہ میں مسیح موعود ہوں اہی۔ غرض مسیح موعود کا نہ آنا ہی آپ کے مسیح موعود ہونے پر دلیل ہے۔ اور ایک دلیل مسیحیت پر یہ ہے جواز الۃ الاہام صفحہ ۱۵۵ میں لکھتے ہیں۔ اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعوے میں غلطی پر ہے تو آپ لوگ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی دنوں میں آسمان سے اتر آئے کیونکہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں اور میرے دعوے کا ٹوٹنا صرف اسی صورت میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے تا میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح ابن مریم جلد آسمان سے اترتے دکھائی دیں اگر آپ حق پر ہیں تو یہ دعا قبول ہو جائیگی کیونکہ اہل حق کی دعا مطلقین کے مقابلے پر قبول ہو جایا کرتی ہے لیکن آپ یقیناً سمجھیں کہ یہ دعا ہرگز قبول نہیں ہوگی کیونکہ آپ غلطی پر ہیں اہی۔

مرزا صاحب ہم لوگوں کو نہایت تنگ کرتے ہیں بھلا اس آخری زمانے میں مستجاب الدعوات لوگ جن کی دعا فوراً قبول ہو جائے کہاں ظاہر ہوتے ہیں وہ تو بحسب آیہ شریفہ یأییہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم اپنی

فکر میں گئے رہتے ہیں ان کو بحسب اقتضائے زمانہ کسی کے گمراہ کرنے اور ہونے کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ فیصل شدہ امور میں خلاف مرضی الہی دعا کرنے کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ قیامت کا ایک وقت مقرر ہے اور اس کے آثار و علامات جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ سعادت سے شروع ہو گئے ہیں وقتاً فوقتاً اپنے اپنے وقت پر ظہور کرتے جاتے ہیں ان کا ایمان ایسا مستحکم ہے کہ کسی علامت کی تاخیر سے متزلزل نہیں ہوتا۔ ان کو یقین ہے کہ وقت مقررہ پر اس کا ظہور ضرور ہوگا۔ تعیل کو وہ کافروں کی خصلت سمجھتے ہیں کیونکہ کفار کی عادت تھی کہ انبیاء کو یہ کہہ کر تنگ کرتے تھے کہ عذاب کا جو تم وعدہ دیتے ہو اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو چنانچہ آنحضرت ﷺ سے بھی یہی درخواست ان کی رہا کرتی تھی کَمَا قَالَ تَعَالَى وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ یعنی کفار عذاب کی جلدی کرتے ہیں اگر سچے ہو تو دعا کر کے اتارو۔ اگر اس کا وقت مقرر نہ ہوتا تو عذاب ان پر آجاتا اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَكُمْ مَبِيعَاتُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْجِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ۝ ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ کہ قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ کیونکہ تمہارے ساتھ جس دن کا وعدہ ہے تم نہ اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔ دیکھئے ہم نے جو کہا تھا کہ مرزا صاحب مدعیان نبوت وغیرہ اہل باطل کے خیالات اختراعیہ سے بدولیا کرتے ہیں اس کی تصدیق یہاں ہو گئی کہ کفار کے خیالات سے ان کا تائید لینا ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ جس طرح کفار ہمارے پیارے نبی ﷺ کو عاجز کرنے کی غرض سے عذاب کی جلدی کیا کرتے تھے کہ اگر وہ آنیوالا ہے تو اتار لاؤ اسی طرح مرزا صاحب ہم کو عاجز کر رہے ہیں کہ اگر مسیح اترنے والے ہیں تو جلد اتار لاؤ۔ چونکہ ان کو اس تہلید کی عادت ہو گئی ہے اس لئے اس کا خیال بھی ان کو نہ آیا کہ اگر میں یہ دلیل پیش کروں گا تو قرآن پڑھنے والے کیا کہیں

گے۔ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں ”میں تو موجود ہوں اگر عیسیٰ اس وقت نہ اتریں تو میرا دعویٰ نوٹ نہیں سکتا۔“ غور کا مقام ہے اگر کوئی ملحد خدائی کا دعویٰ کرے یہی دلیل پیش کرے کہ اگر میں خدا نہیں تو دعا کر کے خدا کو اتار لاؤ تو اس کا بھی جواب ایسا ہی مشکل ہوگا جیسا کہ مرزا صاحب کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے کیونکہ ہم میں ایسی طاقت کہاں کہ خدا کو یا مسیح ﷺ کو اتار سکیں۔ پھر کیا اس عجز سے اس ملحد کا دعویٰ ثابت ہو جائیگا۔ مرزا صاحب کو یہ طریقہ کفار و ملحدہ کا اختیار کرنا زیادہ تھا۔ ابن حزم نے کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ ابو منصور کسف نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ تھا کہ میں کسف ہوں جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا مَسْحَابٌ مَّرْكُومٌ ترجمہ: اگر وہ آسمان کا ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں کہ وہ ابر جما ہوا ہے۔ اس نے استعارہ وغیرہ سے کسف یعنی آسمان کا ٹکڑا ہونے میں اپنے لئے فضیلت خاصہ ثابت کر رکھی تھی اور بہت سے لوگ اس کے بھی پیرو ہو گئے تھے۔ غرض کہ اس کا یہ دعویٰ تھا کہ اگر میں کسف نہیں ہوں اور میرے مخالف اگر سچے ہیں تو دعا کر کے آسمان کا ٹکڑا اتار لیں اور یاد رہے کہ وہ ہرگز نہیں اتار سکتے اس لئے کہ وہ غلطی پر ہیں۔ ہر چند مخسرے پن سے زیادہ اس دلیل کی وقعت نہیں مگر اس نے اپنے زعم میں اس کو دلیل بنا کر رکھا تھا اور اس کے اتباع اس کی تحسین بھی کرتے ہوئے۔

مرزا صاحب نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اتارنے پر فیصلہ جو ظہر یا ہے وہ مخلوق کے اختیار سے باہر ہے اس سے مقصود ان کا ظاہر ہے کہ وہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے ورنہ ایک ایسا آسان طریقہ فیصلے کا قرار دیا گیا تھا کہ وہ طرفین کے اختیار میں تھا یعنی مہبلہ جس کے لئے میاں عبدالحق صاحب مستعد ہو گئے تھے اور مرزا صاحب گریز کر گئے۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر یہ پیش کرتے ہیں جو ازلۃ الاولیاء ص ۶۹۳ میں

ہے ازاںجملہ ایک یہ ہے کہ ضرورت تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ اور صفحہ ۶۹۶ میں اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے آدم مقرر کر کے بھیجا اس کا یہ نشان رکھا کہ الف ششم میں جو قائم مقام روز ششم ہے یعنی آخری حصہ الف میں جو وقت عصر سے مشابہ ہے اس عاجز کو پیدا کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون اور ضرورت تھا کہ وہ ابن مریم جس کا انجیل اور فرقان میں آدم بھی نام رکھا گیا ہے آدم کی طرز پر الف ششم کے آخر میں ظہور کرنا سو آدم اول کی پیدائش سے الف ششم میں ظاہر ہونے والا یہی عاجز ہے بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس ہے اور آخری آدم پہلے آدم کی طرز ظہور پر الف ششم کے آخر میں جو روز ششم کے حکم میں ہے پیدا ہونے والا ہے سو وہ یہی ہے جو پیدا ہو گیا۔ ازالۃ الادہام کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہے کہ اگر مرزا صاحب کو کوئی حدیث ایسی مل جاتی ہے جس کو مفید سمجھتے ہیں تو نہایت جلی حروف میں نمایاں لکھتے ہیں مگر یہاں صرف یہ لکھ دیا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ بنی آدم کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور ایک حدیث بھی نقل نہیں کی یہ ترک عادت خالی از حکمت عملی نہیں۔ مرزا صاحب تو بخاری مسلم کی حدیثوں میں بھی تعارض پیدا کر کے ساقط الاعتبار کر دیتے ہیں مگر ہم تو سچ کرتے ہیں کہ بخاری کی بھی خصوصیت نہیں صحاح ستہ سے کسی کتاب کی حدیث اس مضمون کی پیش فرمائیں گے کہ وہ ہرگز پیش نہیں کر سکتے پھر یہ کہہ دینا کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہو گیا ہے کس قدر جرات کی بات ہے یہ مرزا صاحب ہی کی ہمت ہے۔ واضح رہے کہ جو حدیثیں اس باب میں وارد ہیں اکثر فردوس دیلمی کی ہیں جس کی نسبت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع کے دیباچے میں لکھا ہے کہ جو روایت فقط دیلمی نے فردوس میں کی ہے ضعیف سمجھی جائے۔ اس کے سوا ان احادیث میں تعارض اس قدر ہے کہ کوئی بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ احادیث یہ ہیں عن علی رضی اللہ عنہ قال

قال رسول اللہ ﷺ خلق اللہ الدنیا علی سبعة امداد والامد الدهر الطویل الذی لا یحصیہ الا اللہ فمضى من الدنیا قبل خلق ادم ستة امداد ومنذ خلق اللہ ادم الی ان تقوم الساعة انتم فی امد واحد (دیلمی) یعنی دنیا کو اللہ تعالیٰ نے سات امد پر پیدا کیا اور امد ایک طویل زمانے کا نام ہے جس کا شمار سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں کر سکتا ان میں سے آدم رضی اللہ عنہ کے پہلے چھ امد گزر چکے اور آدم رضی اللہ عنہ جب سے پیدا ہوئے قیامت تک تم لوگ ایک ہی امد میں ہو۔ عن حذیفہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدنیا مسیرة خمس مائة سنة (دیلمی) یعنی دنیا پانچ سو برس کی مسافت ہے۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الدنیا کلها سبعة ايام من ايام الآخرة (دیلمی) یعنی پوری دنیا آخرت کے سات دن ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال الدنیا جمعة من جمع الآخرة سبعة الاف سنة فقد مضی ستة الاف سنة ومواستة ولباتین علیہا مؤاسنة لیس علیہا موحد۔ (ابن جریر) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا آخرت کے ہفتوں سے ایک ہفتہ ہے جس کے سات ہزار برس ہیں ان میں چھ ہزار اور کئی سو برس گزر گئے اور کئی سو برس ایسے آئینگے کہ کوئی خدائے تعالیٰ کی توحید کرنے والا روئے زمین پر نہ رہیگا۔ مرزا صاحب کے استدلال میں تین چیزیں مقصود بالذات ہیں۔

۱..... آدم رضی اللہ عنہ دنیا کے الف ششم کے آخر میں پیدا ہوئے۔

۲..... عمر بنی آدم سات ہزار برس ہے۔

۳..... الف ششم کے آخر میں خود پیدا ہوئے۔

اب ان احادیث کو ان دعاوی پر منطبق کیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث سے ظاہر ہے کہ آدم رضی اللہ عنہ ساتویں امد میں پیدا ہوئے۔ اس سے دعویٰ اول کا بطلان پیدا

ہو گیا۔ پھر امد کے معنی ہزار برس نہیں بلکہ ایک ایسی مدت طویلہ کا نام ہے جس کو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی شمار نہیں سکتا اس حدیث سے تینوں دعوؤں کا ابطال ہو گیا کیونکہ ہزار یہاں کسی شمار و قطار میں نہیں۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی امور مذکورہ کا ابطال ہو رہا ہے اس لئے کہ اگر کل دنیا کی عمر ہماری اصطلاحی پانچ سو برس لئے جائیں تو خلاف ہدایت اور خلاف مقصود ہے اور اگر پانچ سو برس آخرت کے لئے جائیں جو آیہ شریفہ ان یوما عند ربک کائف سنۃ مما تعدون میں مذکور ہے تو اٹھارہ کروڑ سال ہوتے ہیں پھر اگر بنی آدم کی عمر اس کا ساتواں حصہ لی جائے تو جیسا کہ حدیث علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معلوم ہوتا ہے تو ڈھائی کروڑ سال سے زیادہ ہوئی اور اس حساب سے آدم علیہ السلام کی خلق ابتداء عالم سے پندرہ کروڑ سال کے بعد ہوئی اور مرزا صاحب آدم علیہ السلام کے بعد الف ششم میں پیدا ہوئے دیکھئے کہاں پندرہ کروڑ اور کہاں چھ ہزار۔ اور اگر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث دیکھی جائے تو بنی آدم کی عمر ایک ہی ہزار برس کی ہوتی ہے حالانکہ اب تک چھ ہزار برس گزر گئے ہیں اور اگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث دیکھی جائے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے قیامت تک ہزار سال ہونا چاہیے۔ حالانکہ اس وقت تک تیرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ غرض کہ کسی ضعیف حدیث سے بھی کوئی دعویٰ مرزا صاحب کا ثابت نہیں ہو سکتا اس پر یہ فرماتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے اگر مرزا صاحب یہ کہتے کہ بہت سے حکماء یا پادریوں کے قول سے ثابت ہے تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ غضب کی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہیں فرمایا وہ بطور افتراء کہتے ہیں کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا۔ من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار (رواہ البخاری)۔ یعنی جو شخص جھوٹ کہہ دے کہ میں نے یہ کہا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اب مرزا جب تک صحیح روایت سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا ثابت نہ کر دیں اس وعید سے نکل نہیں

سکتے۔

اور ایک دلیل یہ ہے جواز لہ الا وہام صفحہ ۶۹۳ میں لکھتے ہیں ظلمت عامہ اور تمام کے عام طور پر پھیلنے کی وجہ سے اور حقیقت انسانیہ پر ایک فاطاری ہونے کے باعث سے وہ روحانی طور پر ابو البشر یعنی آدم کی صورت پر پیدا ہونے والا ہے ارغ۔ ماحصل یہ ہے کہ اس وقت پوری پوری ظلمت ہر ملک میں پھیل گئی ہے اور انسانی حقیقت پر فاطاری ہو گئی ہے اس وجہ سے روحانی طور پر ابو البشر یعنی خود پیدا ہوئے۔ یہ تو محسوس نہیں ہے کہ آفتاب کا ٹکنا موقوف ہو گیا ہے اس وجہ سے ظلمت ہو گئی ہے اور تمام دنیا کے آدمی مر گئے ہیں یہاں تک کہ حقیقت انسانیہ پر فاطاری ہو گئی ہے اس لئے ضرور ہے مرزا صاحب کی مراد ظلمت اور فنا سے کچھ اور ہوگی۔ ضروری تھا کہ اس کی تصریح فرمادیتے اور یہ بھی لکھ دیتے کہ کونسی تاریخ سے ان امور کا ظہور ہوا۔ یوں تو ۱۳۰۰ ہجری اس کی تاریخ فرمادیں گے جس کا مادہ خود ہی نے غلام احمد قادیانی بتایا ہے مگر یہ کہہ دینا کافی نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ بات بدلائل ثابت نہ ہو کہ اس تاریخ سے کوئی ایسا انقلاب اسلام میں پیدا ہو گیا ہے جو اس کے پہلے نہ تھا اگر یہ فرما دیں کہ اپنی عیسویت کو نہ ماننا ہی دلیل ہے تو خصم اس کا یہ جواب دے سکتا ہے کہ یہی تو بقائے حقیقت انسانیہ کی دلیل ہے کہ اس قدر احساس انسانی ان میں اب تک باقی ہے کہ جس طرح مدعیان نبوت کو ان کے اسلاف نے نہیں مانا تھا انہوں نے بھی نہیں مانا اور اولئک کالانعام بل هم اضل کے مصداق نہ بنے۔ غرض کہ ظلمت عامہ کے پھیلنے اور حقیقت انسانیہ کے فنا ہونے کا سنہ مذکور تو نہیں ہو سکتا۔ شاید انقلاب کے لحاظ سے ۴۷۰ ہجری قرار دیا ہوگا۔ چنانچہ ازلۃ الاولیاء صفحہ ۷۲ میں لکھتے ہیں آیت الاعلیٰ ذهاب بہ لقادرون میں ۱۸۵ء کی طرف اشارہ ہے جس میں ہندوستان میں ایک مفسدہ عظیم ہو کر آثار باقیہ اسلامی سلطنت کے ملک ہند سے ناپید ہو گئے تھے کیونکہ اس آیت کے اعداد بحساب جمل ۱۲۷۴ ہیں

اور ۱۲۳۷ کے زمانہ کو جب عیسوی تاریخ میں دیکھنا چاہیں تو ۱۸۵۷ء ہوتا ہے سو درحقیقت ضعف اسلام کا ابتدائی زمانہ یہی ۱۸۵۷ء ہے جس کی نسبت خدائے تعالیٰ آیت موصوفہ بالا میں فرماتا ہے کہ جب وہ زمانہ آئیگا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائیگا سو ایسا ہی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی حالت ہوگئی کہ بجز بدچلنی اور فسق و فجور کے اسلام کے رئیسوں کو کچھ یاد نہ تھا جس کا اثر عوام پر بھی بہت پڑ گیا تھا انہیں ایام میں انہوں نے ناجائز اور ناگوار طریقے سے سرکارِ انگریزی سے باوجود نمک خوار اور رعیت ہونے کے مقابلہ کیا جو سخت حرام اور معصیت کبیرہ اور ایک نہایت مکروہ و بدکاری ہے۔ یہ کیسے تھے مولوی اور کیسے ان کے فتوے تھے جس میں نہ رحم تھا، نہ عقل تھی، نہ اخلاق، نہ انصاف۔ ان لوگوں نے قزاقوں اور حرامیوں کی طرح اپنی محسن گورنمنٹ پر حملہ کرنا شروع کیا، بچوں اور بے گناہ عورتوں کو قتل کیا اور نہایت بے رحمی سے انہیں پانی تک نہ دیا پس اس حکیم اور عظیم کا قرآن کریم میں یہ بیان فرمانا کہ ۱۸۵۷ء میں میرا کلام آسمان پر اٹھایا جائیگا یہی معنی رکھتا ہے کہ مسلمان اس پر عمل نہیں کریں گے۔ باوجود اس کے یہ مولوی اس بات کی شیخی مارتے ہیں کہ ہم بڑے متقی ہیں میں نہیں جانتا کہ نفاق سے زندگی بسر کرنا انہوں نے کہاں سے سیکھ لیا اچھی محضر۔

ماحصل اس کا یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن شریف اٹھایا گیا اس وجہ سے کہ آثار اسلامی سلطنت ہند سے ناپید ہو گئے اور ظلمت عامہ اور تادمہ پھیل گئی معلوم نہیں ان ایام سے ظلمت اور اندھیر پھیلنے کا کیا سبب ہوا اگر غدر کی وجہ سے تھا تو اس کے بعد تو امن و آسائش کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ ازلاۃ الاوبام میں تحریر فرماتے ہیں اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں سخت جاہل اور سخت نادان اور سخت نالائق وہ مسلمان ہیں جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھیں اگر ہم ان کا شکر نہ کریں تو پھر ہم خدا تعالیٰ کے بھی ناشکر گزار ہیں کیونکہ ہم نے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پار ہے ہیں وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں

نہیں پاسکتے ہرگز نہیں پاسکتے تھے۔ باوجود اس کے ایسے زمانے کو اندھیرا کا زمانہ قرار دینا مرزا صاحب کی شان کے خلاف ہوگا اور اگر غدر کے سوا اور کوئی سبب ظلمت اور اندھیرے کا ہے تو ضرور تھا کہ گورنمنٹ سے اس ظلمت اور اندھیرے کے اٹھانے کی درخواست کرتے بغیر چارہ جوئی کے یہ شکایت نازیبا ہے۔ پھر غلط ظلمت اور اندھیرے ہی پر کفایت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں انسانی حقیقت فنا ہوگئی یعنی کسی میں آدمیت ہی نہ رہی یہ دوسرا الزام ہے گورنمنٹ تو لاکھوں روپیہ بمقتضائے انسانیت تعلیم میں صرف کرے اور مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ انسانیت کی حقیقت فنا ہوگئی یعنی کسی ایک آدمی میں آدمیت نہ رہی اگر یوں فرماتے کہ کسی مسلمان میں آدمیت نہ رہی تو دوسری گالیوں میں اس کا بھی شمار کر لیا جاتا وہ تو عام طور پر کہہ رہے ہیں کہ کسی آدمی میں آدمیت نہ رہی اور ظلمت اور اندھیرا بالکل پھیل گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کی تعریف و منافقت نہ طور پر کرتے ہیں۔ اور ازلاۃ الاوبام میں لکھتے ہیں ہمارے نزدیک ممکن ہے کہ دجال سے مراد باقبال قومیں ہوں اور گدھا ان کا بھی ریل ہو جو مشرق سے مغرب کے ملکوں میں ہزار ہا کوسوں تک چلتے دیکھتے ہو اچھی۔ اب انہی سے پوچھا جائے کہ دجال کو کیا آپ ایماندار عیسائی سمجھتے ہیں یا یہودی بے ایمان۔ پھر باقبال قوم کو جو دجال قرار دیا جس کی ریل مشرق سے مغرب کے ملکوں میں چلتی ہے اس قوم سے کون سی قوم مراد لی۔ اگر دل میں گورنمنٹ کی توہین کا خیال نہ تھا تو درپردہ باقبال قوم میں کہنے کی کیا ضرورت تھی صاف کہہ دیتے کہ دجال سے مراد روس ہے جس کی ریل مشرق سے مغرب کو جاتی ہے۔ یہی تو منافقی ہے۔ حیرت ہے کہ اپنے آپ پر قیاس کر کے مسلمانوں کو منافق بنا رہے ہیں اور یہ جو فرماتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کو نہایت بے رحمی سے قتل کیا اس واسطے حق تعالیٰ نے ۱۸۵۷ء میں قرآن کو اٹھالیا فی الواقع یہ بڑا ہی ظلم ہوا مگر یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس کے پہلے ۶۰ ہجری میں ایک سخت ظلم و ستم کا واقعہ اسلام میں

بھی گزر چکا ہے جس کو تمام مسلمان جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعے میں کس قدر بے رحمیاں کی گئیں اور خاندان نبوت پر کیا ظلم ہوا کہ جس کے سننے سے آدمی روتے روتے بے تاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب بھی ازلتہ الادہام صفحہ ۷ میں اس واقعہ کے با وقعت اور با عظمت اور دردناک ہونے کے قائل ہیں۔ اب اگر ظلم شدید کی وجہ سے قرآن کا اٹھایا جانا مسلم ہو تو یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور خاندان پر ایسا ظلم شدید ہونے کے وقت ۶۱ھ ہی میں قرآن شریف اٹھالیا گیا پھر ۱۸۵۷ء میں رہائی کیا تھا جو اٹھایا جاتا اور جو فرماتے ہیں کہ وانا علی ذہاب بہ لقادرون میں حق تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ ۱۸۵۷ء میں قرآن زمین سے اٹھا لوں گا۔ اس میں مرزا صاحب کو علی ذہاب بہ کی ضمیر کے مرجع میں دھوکا ہو گیا جس کی وجہ سے قرآن کی طرف وہ ضمیر پھیر دی اس کا حال پوری آیت سے معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنَاهُ فِي الْاَرْضِ وانا علی ذہاب بہ لقادرون ترجمہ: اور ہم ہی نے ایک اندازے کے ساتھ پانی برسایا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا رکھا اور ہم اس پانی کے ازالے جانے پر بھی قادر ہیں۔ اس آیت شریفہ سے ظاہر ہے کہ ہنسی ضمیر پانی کی طرف پھرتی ہے جو اس کے پہلے صراحتاً مذکور ہے اور قرآن کا وہاں ذکر بھی نہیں اگر لاطعی سے مرزا صاحب نے یہ کہہ دیا تو غلطی کی اور قصداً یہ معنی قرار دیئے تو تحریف کی پھر اس آیت کو مادہ تاریخ قرآن کے اٹھائے جانے کا ٹھہرا کر یہ کہنا کہ ۱۸۵۷ء اس کا وقت قرار دیا گیا دوسری غلطی ہے شاعروں نے جو مادہ تاریخ کی اصطلاح ٹھہرائی ہے ان کے یہاں بھی یہ شرط مسلم ہے کہ مادہ تاریخ کے پہلے معلوم کر دیتے ہیں کہ فلاں واقعے کا سال ان الفاظ سے نکلتا ہے مگر حق تعالیٰ نے یہ اصطلاح بیان کی، نہ اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ آیت مادہ تاریخ ہے، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ فرمایا کہ دیکھو فلاں آیت فلاں واقعے کا مادہ تاریخ ہے اور اگر صرف

مضمون کے لحاظ سے آیات مادہ تاریخ قرار دی جائیں تو ان الساعۃ اتیہ سے واقعہ قیامت ۶۳ھ میں ہونا چاہیے۔ علاوہ ان تمام امور کے لقادرون سے یہ کہنا کہ اس کا وقوع ہو گیا یہ بھی ایک دھوکا ہے یہی لفظ دوسرے مقامات میں وارد ہے اور اس سے مقصود صرف تخویف اور بیان قدرت ہے کما قال تعالیٰ اِنَّا لَقَادِرُونَ عَلٰی اَنْ نُّبَدِّلَ خَبِیْرًا مِنْهُمْ یعنی ہم قادر ہیں کہ ان کفار سے بہتر ان کے بدلے بسائیں حالانکہ کفار اب تک موجود ہیں اسی طرح ارشاد ہے قوله تعالیٰ وَاِنَّا عَلٰی اَنْ فُرِّیْكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ یعنی ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا وعدہ ان کافروں سے کیا گیا تمہیں دکھادیں۔ حالانکہ اس کا بھی وقوع نہیں ہوا بلکہ مقصود بیان قدرت اور تخویف ہے اسی طرح اس آیت شریفہ میں بھی بیان قدرت اور تخویف مقصود ہے کہ پانی جو زمین پر ٹھہرتا ہے اور جس سے تمام منافع بنی آدم کے متعلق ہیں اس کے اڑا لیجانے پر ہم قادر ہیں اگر اس قدرت کو ظاہر کر دکھائیں تو تمہاری کیا حالت ہوگی اب غور کیا جائے کہ باوجود اتنے دھوکوں اور غلطیوں کے یقینی طور پر یہ کہہ دینا کہ حق تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں ہم قرآن کو اٹھا لیں گے کس قدر جرات ہے۔ ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ پر صریح افتراء ہے اور قرآن سے ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر افتراء کرے وہ کفار سے بھی بدتر ہے جیسا کہ اس آیت شریفہ سے مستفاد ہے قوله تعالیٰ وَمَنْ اَعْطٰهُمْ مِنْهُنَّ اَفْئُوٰی عَلٰی اللّٰهِ کُذِّبَ اور ارشاد ہے قوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ یعنی ظالموں کو خدا راستہ ہی نہیں بتاتا پھر جس کو خدا راستہ نہ بتائے تو اس کی گمراہی میں کیا شک ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

مرزا صاحب نے ایام قدر کے مظالم کا فوٹو کھینچ کر سب الزام علماء کے ذمے لگا دیا کہ انہیں کے فتوؤں سے عورتیں اور بچے پیا سے قتل کئے گئے۔ مگر یہ بات حد تو اتر تک پہنچ گئی ہے کہ وہ ایک ایسا عام بلوہ تھا جس میں ہندو اور مسلمان سب کے سب شریک تھے اور یہ

کوئی نئی بات نہیں اس قسم کے واقعات گویا حکومت کا لازمہ ہے اس لئے کہ گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی تعلقات کثرت سے ہوتے ہیں کسی نہ کسی بات پر مخالفت ہوتی جاتی ہے اس میں کوئی فرقہ کی خصوصیت نہیں لیکن گورنمنٹ کا فرض منصبی ہے کہ ایسے مفسدوں کو دفع کر کے امن و امان قائم کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بظلمہ تعالیٰ پورے طور سے ہندوستان میں اس کے بعد امن قائم ہو گیا مگر مرزا صاحب کو مسلمانوں کا بے فکری سے رہنا گوارہ نہیں اسی وجہ سے خلاف واقع مسلمانوں کے ذمے الزام لگا رہے ہیں اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ جب بحرین اسی زمانے میں سزایاب بھی ہو گئے اور امن بھی قائم کر دیا گیا اور پچاس برس کی مدت گزر گئی جس کی وجہ سے فی صدی پانچ شخص بھی اس زمانے کے اب باقی نہیں رہے ایسے وقت میں گورنمنٹ مرزا صاحب کی ان اشتعالوں کی طرف کیوں توجہ کرے گی۔ اگر چہ مرزا صاحب بھی ایسے شخص نہیں کہ مسلمانوں کے بالکل جانی دشمن ہوں۔ کیونکہ آخر مسلمانی کا دعویٰ ان کو بھی ہے۔ مگر شاید اقتضائے طبیعت سے اس تحریر کے وقت مجبور ہو گئے ہوں گے اور ایک دلیل اپنے صدق پر یہ پیش کرتے ہیں جواز الہ الامام میں مذکور ہے اس بات کو میں منظور کرتا ہوں کہ آپ دس ہفتے تک اس بات کے فیصلے کے لئے احکم الحاکمین کی طرف توجہ کریں تاکہ اگر آپ سچے ہیں تو آپ کی سچائی کا کوئی نشان یا کوئی اعلیٰ درجے کی پیش گوئی جو راستبازوں کو ملتی ہے آپ کو دی جائے ایسا ہی دوسری طرف میں بھی توجہ کروں گا۔ اگر آپ لوگ اعراض کر گئے تو گریز پر حمل کیا جائیگا بھی۔ حاصل یہ ہوا کہ مرزا صاحب جو دعویٰ رسالت وغیرہ کرتے ہیں اس کی نفی کا بیسہ فریق مقابل کے ذمے ہے مدت معینہ میں پیش نہ ہوتا ان کا دعویٰ ثابت اور بیسہ بھی کیسا کہ اقتدار بشری سے خارج ہو۔

یہ بھی ایک الہامی طریقہ ثبوت دعوے کا ہے۔ جو مرزا صاحب کے خصائص سے ہے مگر خدا نخواستہ اس طریق کا اگر رواج پڑ جائے تو جھوٹوں کو کامیابی کا بڑا ہی ذریعہ ہاتھ

آجائیگا۔ جس کا جو جی چاہے گا کسی پر دعویٰ کر کے ثبوت میں یہ بیسہ پیش کر دیگا کہ اگر مدعی علیہ سچا ہے تو احکم الحاکمین کی طرف رجوع کرے۔ ضرور کوئی نشانی مل جائیگی جو راستبازوں کو فوق طاقت بشری ملنا کرتی ہے اور جب مدت معینہ میں نہ ملے تو اپنا دعویٰ ثابت۔ خدائے تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو باوجود یکہ ہزار ہا معجزے عطا کئے شق قمر تک آپ کے دست مبارک سے ہوا مگر بعض وقت حسب خواہش کفار کوئی نشانی بھی نہیں دی گئی چنانچہ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے۔ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَعَنْبٍ (الہی قولہ تعالیٰ) فُلٌ سُبْحَانُ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا نَشْوًا رَّسُولًا مطلب اس کا یہ ہے کہ کفار نے حضرت ﷺ سے درخواست کی کہ زمین سے چشمے جاری ہو جائیں یا ایک بارغ پیدا ہو جائے یا آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دیا جائے اور اسی قسم کی کئی درخواستیں کیں اس پر حضرت ﷺ کو حکم ہوا کہ ان سے کہو کہ میں تو ایک بشر رسول ہوں یعنی جو معجزے میرے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ ظاہر کرتا ہے وہ کرتا ہوں مجھے کوئی ضرورت نہیں کہ تمہاری ہر درخواست کو منظور کر لیا کروں۔ دیکھئے باوجود یکہ آیات و معجزات لازمہ رسالت ہیں۔ مگر ضرور نہ تھا کہ جانب مقابل کی طلب پر کوئی نشانی ضرور ظاہر ہو تو اب مرزا صاحب کی طلب پر کیا ضرورت ہے کہ کوئی نشانی اہل حق سے ظاہر ہو اور نہ ہونے سے ان کی حقانیت میں فرق آجائے۔ اگر وہ ضرور ہوتا تو (معاذ اللہ) اس وقت کفار اہل حق ٹھہر جاتے۔ پھر اس نشانی کے ظاہر نہ ہونے سے مرزا صاحب کا حق پر ہونا کیونکر ثابت ہوگا۔

مرزا صاحب کو ایسے ابواب میں کمال مشاقی اور جرات حاصل ہے اس دس ہفتے کہ مہلت میں انہوں نے کوئی ایسی بات ضرور سوچی تھی کہ اس کو بالائی تدابیر سے اپنی کامیابی کا ذریعہ بنالیتے جیسے نصاریٰ کے مقابلے میں انہوں نے یہی تدبیر کی کہ باوجود یکہ

پیشین گوئی جھوٹی ثابت ہوگئی مگر وہ اسی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ بتاتے جاتے ہیں۔

اور ایک دلیل اپنی عیسویت پر رسالہ نشان آسمانی میں لکھتے ہیں کہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی جس زمانے میں اس کوشش میں تھے کہ کسی طرح ان کے مرشد سید احمد صاحب مہدی وقت قرار دیئے جائیں اس زمانے میں انہوں نے قصیدہ شاد نعت اللہ کو حاصل کر کے بہت کچھ سعی کی کہ یہ پیش گوئی ان کے حق میں ٹھہرائی جائے یہاں تک کہ انہوں نے اپنی کتاب کے ساتھ اس کو شائع کر دیا لیکن اس پیش گوئی میں وہ پتے اور نشان دیئے گئے تھے کہ کسی طرح سید احمد صاحب ان علامات کے مصداق نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اس پیش گوئی کے مصداق کا نام احمد ہے اور نیز یہ بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا اور لکھا ہے کہ وہ تیرہویں صدی میں ظہور کرے گا۔ پس بنظر سرسری خیال گزر سکتا ہے کہ سید احمد میں یہ تینوں علامتیں نہیں ہیں۔

پھر مرزا صاحب نے اس قصیدے کے چند اشعار نقل کئے جن میں سے چند یہ ہیں۔

نہیں درے سال چوں گزشت از سال	بو العجب کار و بار می بینم
ظلمت ظلم ظالمان دیار	بہمد و بے شمار می بینم
چوں زمستان بے چمن بگذشت	شمس خوش بہار می بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش	حرفے وصل یار می بینم
غازی دوست دار و دشمن کش	بہمد و یار غار می بینم
ا ح م و دال می خوانم	نام آن نامدار می بینم
بادشاہ تمام ہفت اقلیم	شاہ عالی تبار می بینم
مہدی وقت و عیسیٰ دوراں	ہر دو را شہسوار می بینم

مرزا صاحب "چوں زمستان بے چمن بگذشت" کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جب تیرہویں صدی کا موسم خزاں گذر جائیگا تو چودہویں صدی کے سر پر آفتاب پر بہار نکلے گا یعنی مجدد دو وقت ظہور کریگا اسی۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جہاں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے اس میں ہر قسم اور طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں بعض مفتری و کذاب بھی ہوتے ہیں جو اس مجمع اور گروہ کی ترقی کی غرض سے اعتقاد بڑھانے والے اقسام کی باتیں بنا لیتے ہیں اور بعض دیانت دار بھی نیک نیتی سے ایسے امور کے مرتکب ہو جاتے ہیں اور یہ خیال کر لیتے ہیں کہ اگر اس میں کچھ گناہ بھی ہو تو اس نیک نیتی کی وجہ سے معاف ہو جائیگا۔ بہر حال ممکن ہے کہ کسی نے اس وقت یہ قصیدہ بنا کر ایک کامل بزرگ کے نام سے مشہور کر دیا ہو جس سے مولوی اسماعیل صاحب کو بھی استدلال کا موقع ہاتھ آ گیا اور ان کا استدلال صحیح بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس میں ۱۲۰ ہجری کے بعد کی خبر ہے جس زمانے میں سید احمد صاحب کا ظہور ہوا تھا۔ اگر بقول مرزا صاحب چودہویں صدی کا ذکر صاحب قصیدہ کو منظور ہوتا تو "چوں زمستان بے چمن بگذشت" کی جگہ "بگذر چوں صدی سیزدہم" لکھ دیتے کیونکہ جب پورے واقعات کا کشف ہی ٹھہرا تو (نہ درے) کے بعد ایام فتنہ زابیاں کر کے عین مقصود بالذات زمانہ بشارت کو چھوڑ دینا بالکل خلاف عقل ہے۔ پھر جب کہ اس پیش گوئی میں سید احمد صاحب اور غلام احمد بیگ صاحب میں تنازع ہے تو سر سید احمد خاں صاحب اس سے کیوں محروم رکھے جائیں ان کے اتباع تو "مہدی وقت و عیسیٰ دوراں" کے مصداق کی تکمیل میں مہدی علی خاں صاحب کو پیش کر دینگے جس سے "ہر دوراں شہسوار می بینم" بھی چسپاں ہو جائیگا اور مرزا صاحب نے جو تکلیف اٹھا کر دو کو ایک کر دیا اس کی ضرورت بھی نہ رہیگی اور کثرت اتباع کے لحاظ سے بھی انہیں کا نمبر بڑھا رہیگا۔ یہ سب آپس کے جھگڑے ہیں۔ مگر اس کا کیا

جواب ہوگا کہ قصیدے میں تو ”بادشاہ تمام ہفت اقلیم می پنم“ لکھا ہے اگر یہ تینوں احمد صاحبان علی سبیل البدلیت یا بطور مانعۃ الخلو مصداق ٹھہریں تو ان کے پیر و صرف ہندوستان کے مسلمانوں کے عشر عشر نہیں ہو سکتے، تہفت اقلیم کی سلطنت کیسی؟ اس سے بداہتا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ قصیدہ جعلی ہے۔ کسی نے مصلحت وقت کے لحاظ سے بنا کر اس بزرگ کی طرف منسوب کر دیا۔

مرزا صاحب نے چند اشعار کی شرح کی اور پورا قصیدہ علیحدہ اسی کتاب میں لکھ دیا اس قصیدے کی ابتدا میں یہ اشعار ہیں۔

درد خراسان و مصر و شام و عراق فتنہ کارزار می پنم
ترک و تاجیک را بہدگیر خصمی و گیرد داری پنم
اب اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فتنہ تو خراسان و مصر و شام و عراق و ترک و تاجیک میں ہو اور مرزا صاحب ہندوستان میں فطیس اس کی تو جیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس فتنے کی خبر دیئے کو وہ بھیجے گئے ہوں تاکہ لوگ ہوشیار رہیں مگر کوئی ایسی خبر بھی انہوں نے اب تک شائع نہیں کی۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں یہ سچ ہے کہ اشارہ یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ملک ہند میں ہوگا چونکہ مرزا صاحب جھوٹ کو شرک کے برابر سمجھتے ہیں ضرور ہندوستان کی طرف اس میں اشارہ ہوگا مگر ہماری سمجھ میں نہیں آیا شاید کسی کی سمجھ میں آجائے۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ قابل غور ہے جو احادیث ان کے منفر ہوتی ہیں اگر صحیح مسلم میں بھی ہوں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ بخاری نے ان کو صحیح نہ سمجھ کر چھوڑ دیا (ازاد)۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ امام بخاری جیسے رئیس المحدثین کو وہ حدیث نہ ملی اور کبھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ راوی نے سہو یا عمدًا خطا کی ہو مطلب یہ کہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں یعنی موضوع ہیں اور احادیث صحیحہ میں یہ کلام ہوتا ہے کہ پیش گوئیوں میں استعارات و کنایات

ہوتے ہیں ظاہری معنی ان کے نہیں لے سکتے اور جو بات اپنے مفید سمجھتے ہیں وہ کیسی ہی بے اصل اور مجہول ہو اس پر استدلال کرتے ہیں اور اس کے معنی لینے میں کوئی تاثر نہیں ہوتا دیکھئے یہ قصیدہ تو قابل استدلال ہوا جس کا ثبوت تقریباً محال ہے اور جو مضمون بیان کیا گیا وہ بھی ایسا کہ مرزا صاحب کے سوا کوئی دوسرا نہ سمجھ سکے پھر شاہ نعمت اللہ صاحب کے کشف کا اس قدر وثوق کہ کوئی لفظ اس کا ظاہری معنی سے ہٹ نہیں سکتا اور نبی کریم ﷺ کا کشف اور پیش گوئی ایسی کمزور کہ جب تک ان میں نئے معنی نہ ڈالے جائیں اپنے ذاتی معنی پر دلالت ہی نہیں کر سکتیں بلکہ کبھی یہ بھی کہا جاتا ہے آنحضرت ﷺ پر اس کی حقیقت کھلی ہی نہیں اس پر دعوی امتی بلکہ نبی ہونے کا۔

ایک دلیل یہ ہے جو ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں مجھے خبر کی گئی ہے کہ جو شرارت سے میرے مقابل کھڑا ہو وہ ذلیل و شرمندہ ہوگا اسی۔

فی الواقع اگر یہ خبر اللہ کی طرف سے دی گئی ہو تو اعلیٰ درجے کی نشانی ہوگی مگر اس کا ظہور اب تک نہیں ہوا جب سے مرزا صاحب نے دعویٰ عیسویت کیا ہے علماء ان کے مقابلے میں برابر کھڑے ہیں اور کبھی ان کو ذلت نہ ہوئی بلکہ اسلامی دنیا میں ان کی عزت اور بڑھ گئی۔

مرزا صاحب نے اس بناء پر یہ بات کہی ہے کہ جو شخص ان کا مقابلہ کرے گا وہ اس کو بہت سی گالیاں دیں گے اور خفیف کریں گے جس سے اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔ مگر خود بھی ذرا سوچیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں انہیں کی ذلت ہے بازاری لوگ معززین کی نگاہوں سے کیوں گرے ہوئے ہیں اسی وجہ سے کہ فحش بد گوئی اور بد خلقی اکثر ان سے دیکھی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ بازاری لوگ فحش و سب و شتم کی وجہ سے معزز نہیں سمجھے جاتے مگر اس کے ذر سے ان کے کام تو نکل آتے ہیں۔ اس وجہ سے برآمد کار کے لئے

یہی طریقہ خوب ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ مرزا صاحب نے اراذل و بدمعاشوں سے جو اس بات میں سبق لیا وہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ عقلاء کی شان یہی ہے کہ اپنے مقصود کی بات جہاں ملتی ہے لے لیتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم کس سے لے رہے ہیں دیکھئے کتب اخلاق میں مصرع ہے کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنی کارآمد صفیتیں کتے سے دیکھے کہ کیسا قانع اور وفادار ہے بلکہ ہمیں صرف لم اور ماخذ اس طریقے کا متناظر منظور ہے گو مرزا صاحب اس کو قبول نہ فرمائیں کیونکہ وہ اس طریقے کو عیسویت کا لازمہ قرار دیتے ہیں جیسا کہ عصائے موسیٰ میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اکثر سخت لفظ اپنے مخاطبین کے حق میں استعمال کئے ہیں جیسا کہ سور، کتے، بے ایمان، بدمکار وغیرہ وغیرہ۔ لفظ وغیرہ وغیرہ سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بکثرت گالیاں دیا کرتے تھے جس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ لازمہ عیسویت ہے چونکہ مرزا صاحب کو تکمیل عیسویت کے لئے عیسیٰ (علیہ السلام) کی صفات کے ساتھ متصف ہونا ضرور تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ حالانکہ ان کی ذاتی خصوصیات کچھ اور ہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے حالات میں کئی ایک روایتیں تفسیر درمنثور میں نقل کی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اسلئے چند روایات کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ اگر کسی صاحب کو ان کا دیکھنا منظور ہو تو درمنثور کی جلد دوم میں صفحہ ۲۶ سے صفحہ ۳۲ تک ملاحظہ فرمائیں۔ ماحصل ان کا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے لئے نہ ہمیں گھر بنایا، نہ بنانے دیا، نہ ان کے اہل و عیال تھے۔ گزر ان کی یہ صورت کہ جنگل میں پتے وغیرہ کھا کر بسر کرتے۔ جہاں شام ہوئی مقام کیا صبح ہوئی روانہ ہو گئے، نہ کبھی چراغ جلا یا، نہ پھونکا بچھایا۔ جہاں نیند غالب ہو گئی لیٹ گئے، سوائے مکمل یا ناٹ کے کوئی لباس نہیں پہنا، نہ کبھی سر میں تیل ڈالا، نہ کنگھی کی۔ بجائے نعلین کسی درخت کی چھال پیروں سے لپیٹ کر لیف سے

باندھ لیتے کبھی ٹھنڈا پانی نہیں پیا۔ ایک بار آپ پتھر سرہانے لے کر سوتے تھے اہلیس نے متشکل ہو کر طعن کیا کہ آپ اکثر کہا کرتے ہیں کہ میں دنیا کا سامان کچھ نہیں رکھتا۔ پھر یہ پتھر کا سرہانہ کیسا؟ آپ نے وہ پتھر بھی پھینک دیا۔ ایک بار آپ حواریین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے رستے میں مرے ہوئے کتے پر سے گزر رہا لوگوں نے اس کی بدبو کی شکایت کی آپ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں؟ مقصود یہ کہ کسی چیز کی مذمت نہ کی جائے۔ ایک بار ایک خنزیر ان کے دروہ سے نکلا اس سے خطاب کر کے فرمایا سلاستی سے گزر جا۔ کسی نے کہا یا روح اللہ! آپ خنزیر سے ایسا خطاب فرماتے ہیں جو آدمیوں سے کیا جاتا ہے۔ فرمایا میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ میری زبان کو بری بات کی عادت ہو۔ ایک بار ایک رفیق کے ساتھ آپ جنگل میں جا رہے تھے ایک بدمعاش نے حائل ہو کر کہا کہ جب تک تم دونوں کو ایک ایک ٹھانچہ نہ ماروں جانے نہ دوں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا تو مجھے مار لے اس نے آپ کو مار کر رستہ دیا مگر رفیق راضی نہ ہوا آپ نے فرمایا اس کے بدلے بھی مجھی کو مار یہ کہہ کر دوسرا خسار مبارک پیش کیا اس نے آپ ہی کو مار کر دونوں کو رستہ دیا۔ ایک بار آپ دھوپ میں چل رہے تھے دھوپ کی شدت اور پیاس کی سختی سے تاب نہ لا کر کسی کے خیمے کی چھاؤں میں بیٹھ گئے اور صاحب خیمہ نے باہر آ کر آپ کو وہاں سے اٹھا دیا آپ علیحدہ ہو کر دھوپ میں بیٹھ گئے اور فرمایا اے شخص تو نے مجھے نہیں اٹھایا بلکہ اس نے اٹھا یا جو نہیں چاہتا کہ دنیا میں مجھے کچھ بھی راحت ہو یعنی پوری راحت جنت ہی میں ہوگی۔ آپ اکثر پانی پر چلا کرتے تھے لوگوں نے پوچھا یہ بات آپ کو کیونکر حاصل ہوئی فرمایا ایمان اور یقین کی وجہ سے انہوں نے کہا ہمیں بھی تو ایمان و یقین ہے فرمایا تم بھی چلو تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک موج آئی اور وہ ڈوبنے لگے آپ نے ان کو نکال کر پوچھا تم نے کیا کیا تھا کہا موج سے ہم ڈر گئے فرمایا موج کے رب سے کیوں نہیں ڈرے۔ یہ تھوڑا سا حال مسیح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ اب مسیح

اور مثیل مسیح کی حالت کا موازنہ کر کے بھی دیکھ لیجئے تاکہ تعرف الاشیاء باضداد ادا ہا کے لحاظ سے مرزا صاحب کی معرفت حاصل ہو جائے وہاں تجرد کی وہ کیفیت تھی تو یہاں تعیش کی یہ کیفیت کہ پیرا نہ سری میں شادی ہونے میں جو توقف ہو گیا تو مثیل صاحب جاے کے باہر ہیں اور کہنے بھر میں ایک تہلکہ برپا ہے کہ سمدھن صاحبہ کے بھائی نے اپنی لڑکی کیوں نہیں دی اس جرم میں بہو بیٹے میں تفرقہ اندازی کی تدبیر اور فرزند پر یہ تشدد کہ اگر خلاق نہ دے تو عاق اور میراث سے محروم ہے۔ وہاں مکمل اور ناث کا لباس ہے تو یہاں پشیمند وغیرہ اعلیٰ درجے کے ملبوسات۔ وہاں رہنے کو گھر نہیں یہاں بچے ہوئے کمرے مکانات باغ سکونت اور تفرج کے لئے آراستہ ہیں۔ وہاں سرہانے کے تکیے کے لئے پتھر گوارا نہیں یہاں بغیر اعلیٰ درجے کے نرم نرم تو شکیں اور لحاف کے نیند نہیں آتی ہے۔ وہاں جنگل کے چوں پر گزاراں تھی یہاں مرغی، انڈے پلاؤ وغیرہ انانعت کی ضرورت۔ وہاں دھوپ میں پیاس سے موت کا سامان ہے تو یہاں ہر وقت برف، کیڑو وغیرہ بمعکم کا سامان مہیا۔ وہاں جنگل ہے اور اندھیری رات کا سناٹا اور جلانے کو چراغ نہیں یہاں گھر کے پاس ہزاروں روپے کے صرف سے ایک بلند مینارہ بنایا گیا جس کی روشنی جنگل میں پڑے۔ وہاں کل راحتوں کا حوالہ آخرت پر ہے تو یہاں کل راحتوں کا استفادہ دنیا میں۔ وہاں مرے ہوئے کتے کی مذمت گوارہ نہیں یہاں صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمان مشرک قرار دیئے جا رہے ہیں اور مسلمانوں کی شان میں وہ الفاظ کہ کوئی کافروں کو بھی نہیں کہتا۔ وہاں خنزیر کے ساتھ مہذبانہ برتاؤ یہاں علماء و مشائخین کے القاب خنزیر وغیرہ زبان زد ہیں۔ غرض کہ مثیل مسیح موعود ہونے کے لئے تمامی اوصاف مسیح علیہ السلام سے وہ صفت منتخب کی گئی جس سے مسیح کو کمال درجے کی نفرت اور احتراز رہا اور انجیل جس کو خود ہی محرف بتاتے ہیں اس میں سے صرف فحش اور سب و شتم کا مضمون لیکر مسلمانوں کو گئے گالیاں دینے کے دیکھو

میں مسیح ہوں میرا فرض منصبی ہے کہ دل کھول کر یمن ٹھنڈے دل سے گالیاں دیا کروں۔ اس کی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ انہوں نے جب دیکھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات اور فضائل و اخلاق کا حاصل کرنا تو محال ہے اور ان کی کوئی بات اپنے میں نہ ہو تو مشیت کا ثبوت مشکل ہے اس لئے مالا یدرک کلمہ لا یتدرک کلمہ کے لحاظ سے خدا ما صفا و ددع ما کدور پر عمل کر کے طریقہ سب و شتم کو اختیار کیا جس کا ذکر: جیل محرفہ میں ہے۔

اس باب میں جو تحریفیں وغیرہ ہوئیں اس کا الزام اسی کے ذمے ہوگا جس نے الحاق کر کے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اس طریقہ شیعہ کو منسوب کیا مرزا صاحب نے حسن ظن سے اس باب میں صرف تقلید نصاریٰ کی کی اور مقلد کو یہ حق نہیں کہ اپنے مقتدا پر تحریف وغیرہ کا الزام لگائے اس لئے نہ مرزا صاحب پر تحریف کا الزام آ سکتا ہے، نہ ترک تحقیق کا بہر حال یہ دین عیسائی کی تعلیم تھی۔ اب دین محمدی کی تعلیم دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِتْيَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ اِلٰنِ خدائے تعالیٰ منع کرتا ہے بے حیائی اور بدگوئی اور برے کام سے۔ اور ارشاد ہے قوله تعالیٰ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰاتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ غَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاۗءِ۔ یعنی شیطان جو تمہارا دشمن ہے بدگوئی اور برے کاموں کا حکم کرتا ہے۔ ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ سب و شتم سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے اور شیطان اس کا حکم کرتا ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ میں اس صفت کا نام و نشان نہ تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف جلد ۲، صفحہ ۸۹۱ میں ہے لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفحشا یعنی بدگوئی کی صفت حضرت ﷺ میں نہ باطریق تھی، نہ رضی طور پر۔ اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے کہ چند یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بجائے السلام علیکم کے دہلی آواز سے السلام علیکم کہا حضرت نے ان کے جواب میں صرف

وعلیکم فرمایا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صبر نہ کر سکیں کیونکہ سام کے معنی موت کے ہیں اور غصے سے کہا وعلیکم ولعنکم اللہ و غضب اللہ علیکم حضرت ﷺ نے ان سے فرمایا مہلاً یا عائشہ علیک بالرفق وایاک والضعف والفحش یعنی اے عائشہ سختی اور بدگوئی سے دور رہو۔ دیکھئے بددعا کے بدلے بددعا دی گئی تھی اس کا نام بھی حضرت ﷺ نے بخش ہی رکھا جس سے خدائے تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ وعن عبد اللہ ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق وقتاله کفر (رواہ البخاری)۔ یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔ وعن ثابت ابن الضحاک قال قال رسول اللہ ﷺ من لعن مومنا فهو کفّله ومن قذف مومنا بکفر فهو کفّله (رواہ البخاری)۔ یعنی جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرے یا اس کو کافر کہے تو گویا اس کو اس نے قتل کر ڈالا۔

مرزا صاحب کو اسماء میں تصرف کرنے کا جھکندہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اسلئے خوب سی گالیاں دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کا نام گالی ہی نہیں چنانچہ ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں اکثر لوگ دشنام دہی اور بیان واقعہ کو ایک ہی صورت میں سمجھ کر لیتے ہیں اور ان دونوں مختلف مفہوموں میں فرق کرنا نہیں جانتے بلکہ ایسی ہر ایک بات کو جو دراصل ایک واقعی امر کا اظہار ہو اور اپنے محل پر چسپاں ہو محض اسکی کسی قدر مرارت کی وجہ سے جو حق گوئی کے لازم حال ہوا کرتی ہے دشنام ہی تصور کر لیتے ہیں حالانکہ دشنام اور سب و شتم فقط اس مفہوم کا نام ہے، جو خلاف واقعہ اور دروغ کے طور پر محض آزار رسانی کی غرض سے استعمال کیا جائے اسی۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ کسی کے واقعی عیوب بیان کئے جائیں تو مضائقہ نہیں۔ مگر یہ بات قرآن شریف کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَيُلْ لِكُلِّ هَمْزَةٍ لَّمْزَةٍ بِعَنِ هَمْزَةٍ اور لمزہ کے لئے ویل ہے جو جنہم میں ایک واوی ہے۔ تفسیر خازن میں ہمزہ اور لمزہ میں

کئی اقوال نقل کر کے لکھا ہے کہ سب اقوال کا مرجع اسی طرف ہے کہ وہ اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کا عیب بیان کرے۔ اب دیکھئے کہ جب یقینی موجودہ عیوب ظاہر کرنے کی یہ وعید ہو تو مادر زاد اندھے، ریمیں الدجالین، ہامان ہالکین وغیرہ کہنے کا کیا حال ہو۔ پھر مرزا صاحب خنزیر چمار چوہڑے جو علماء کو کہتے ہیں کیا ان الفاظ پر بھی دشنام کی تعریف صادق نہیں آتی۔ مرزا صاحب کا یہ بھی استدلال ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں کافروں کو بہت گالیاں دی ہیں اور حدیث شریف میں ان پر لعنت وغیرہ وارد ہے مقصود یہ کہ مرزا صاحب نے خدا کا طریقہ اختیار کیا اور نیز اشداء علی الکفار بھی وارد ہے۔

اشداء علی الکفار کا جواب تو ظاہر ہے کہ سختی کافروں پر چاہیے مسلمانوں کو گالیاں دینے سے کیا تعلق ان کے باب میں تو رحماء بینہم کا ارشاد اسی سے متصل کیا گیا ہے۔ مرزا صاحب کا روئے سخن گالیوں میں صرف علماء و مشائخ اہل اسلام کی طرف ہے اگر بزرگ مرزا صاحب وہ گناہ گار بھی ہوں تو کیا اسلام سے خارج سمجھے جائیں گے۔ پھر اشداء علی الکفار سے استدلال کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ برخلاف اس کے برے القاب سے مسلمانوں کا ذکر ممنوع ہے کما قال تعالیٰ وَلَا تَلْمِزُوا انفسکم وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یجب فاولئک هم الظالمون یعنی عیب مت کرو آپس میں ایک دوسرے کا اور مت پکارو ایک دوسرے کو برے نام سے برانا نام گناہ گاری ہے پیچھے ایمان کے اور جو کوئی تو بہ نہ کرے وہ ظالموں سے ہے۔ تفسیر خازن میں بروایت ترمذی منقول ہے کہ بعض لوگوں کے دو دو تین تین نام ہوتے تھے جن میں وہ بعضوں کو ناپسند کرتے تھے اور اگر کوئی ناپسندیدہ ناموں سے ان کو پکارتا تو وہ رنجیدہ ہوتے ان کے باب میں یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی اور لکھا ہے کہ لَا تَلْمِزُوا انفسکم یعنی اپنی ذاتوں کو عیب مت لگاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی

مسلمان کو عیب لگایا تو گویا وہ عیب تم نے اپنے آپ کو لگایا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ قرآن اس درجے کے اتحاد کی تعلیم کر رہا ہے کہ سب مسلمان آپس میں کففس واحدة ہو جائیں اور عمل یہ ہو رہا ہے کہ صرف عیب ہی نہیں لگائے جاتے بلکہ مغفلات کی بوجھاز کی جاتی ہے جس سے اعلیٰ درجے کی دشمنی باہم پیدا ہو جائے اس پر اصلاح قوم کا دعویٰ۔ اب رہا یہ کہ خدائے تعالیٰ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے سو اس میں یہ کلام ہے جب آیات واحادیث مذکورہ سے ثابت ہو گیا کہ بدگوئی سے خدا اور رسول منع فرماتے ہیں اور منع ہی نہیں بلکہ سخت سخت اس پر وعیدیں ہیں تو کسی کو حق نہیں کہ اپنے مالک اور خالق سے پوچھے کہ جس کام سے آپ منع کرتے ہیں اس کے آپ کیوں مرتکب ہیں۔ دیکھ لیجئے تکبر اور تعلیٰ سے حق تعالیٰ نے بندوں کو منع فرمایا ہے اور خود متکبر ہے کیا کوئی اس سے پوچھ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا بَفَعَلٌ وَهُمْ يُسْئَلُونَ یعنی خدائے تعالیٰ جو چاہے کرے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا اور وہ سب سے پوچھے گا کہ یہ تم نے کیوں کیا یا کیوں نہ کیا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے امت کو چار سے زیادہ عورتوں کی اجازت نہیں دی اور خود بدولت کے نو یا اس سے زیادہ ازواج مطہرات تھیں اس کے سوا اور بہت سی خصوصیات تھیں جو علماء پر پوشیدہ نہیں۔

اب استدلال کا حال بھی دیکھ لیجئے کہ اگر بقول مرزا صاحب قرآن میں گالیاں ہیں بھی تو وہ کن کو دی گئی ہیں اور اس کا منشا کیا ہے۔ جو لوگ اپنے خالق کو خالق نہ سمجھیں اور اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بت کی پرستش کریں اور بجائے شکر کے ناشکری کریں اور حق تعالیٰ پر بدنامی لگائیں اور اس کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبر کی بات نہ مانیں اور کھلی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی اعتبار نہ کریں اور قدرت الہی پر ایمان نہ لائیں تو زجر و توبیخ تو کیا اس سے زیادہ کے مستحق ہیں بھلا مرزا صاحب ان میں سے ایک بات تو اپنے مخالفین میں بتادیں سو اس کے کہ ان کی جھٹی اور بے ضرورت نبوت کو نہیں مانتے۔ جن لوگوں نے ان کی عیسویت کو

قبول کر لیا ہے اور ایماندار سمجھے جاتے ہیں ان میں تقرب الی اللہ کی کوئی بات زیادہ ہو گئی جو سب میں نہیں سوائے چند چیزوں کے جو ان کی عیسویت کے مزام ہیں مثلاً نبی کریم ﷺ کے معراج کا انکار، عیسیٰ علیہ السلام کی موت، قرآن میں جو انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کا ذکر ہے اکثر ان میں مسمریزم اور سحر تھے، مرنے کے بعد اس عالم میں کوئی زندہ نہیں ہو سکتا اور اس قسم کی خبریں جو قرآن میں دی گئیں وہ خلاف واقع ہیں، حشر اجساد کا انکار۔

غرض کہ یہی چند مسائل کا اختلاف معیار کفر و ایمان ٹھہرایا گیا کافر ملعون وغیرہ القاب انہی چند خیالات اور اختراعات کے نہ ماننے کی وجہ سے دیئے جا رہے ہیں یہاں مرزا صاحب بھی غور فرمائیں کہ اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے ان امور میں جو ہمارے اعتقاد ہیں اگر وہ ہمارے تراشیدہ اور اختراعی ہوتے تو یہ اعتراض ہو سکتا کہ کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار ہمارے اعتقاد تو قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہیں پھر کیونکر ہو سکے گا کہ باوجود اسلام کے دعوے کے ہم اس کو چھوڑ دیں۔

ہم کتنا ہی عاجزی سے کہیں ہمیں یقین نہیں کہ مرزا صاحب اس طریقہ سب و شتم کو چھوڑیں گے کیونکہ انہوں نے تو اسی کو تکمیل عیسویت سمجھ رکھا ہے اور نیز اس الہام کو پورا کرتا ہے کہ جو ان کے مقابلے کو کھڑا ہو گا وہ ذلیل اور شرمندہ ہو گا اور ان کی امت کو بھی سب و شتم کی ضرورت ہے تاکہ اس الہام کا مضمون پورا ہو اور ان سے یہ تو امید نہیں کہ اپنے نبی کی مخالفت کر کے ہمارے نبی ﷺ کے طریقہ عمل اور ارشادات پر عمل کریں اور نرمی اور تہذیب کو کام میں لائیں۔ اگر ایسا کیا تو اپنے نبی کی امت سے خارج ہوئے جاتے ہیں غرض کہ اس باب میں وہ بھی معذور ہیں اس موقع پر ہم لوگوں کو ضرور ہے کہ اس آیه شریفہ کو پیش نظر رکھیں جو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الْاٰدِیْنَ اَوْتُوا الْكُفْبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الْاٰدِیْنَ اَشْرَكُوْا اَذٰی كَثِیْرًا۔ ترجمہ: اہل تم آزمائے

جاؤ گے مال سے اور جان سے اور الہتہ سنو گے اہل کتاب اور مشرکین سے بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ اس آیت شریفہ کے لحاظ سے ضرور ہے کہ صبر کرنے میں ہم لوگ ہمت نہ ہاریں تھوڑے دن کسی طرح گزر جائیں گے اور اس کا عمدہ بدلہ حق تعالیٰ عطا فرمایگا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ آیت شریفہ میں تو اہل کتاب اور مشرکین کا ذکر ہے جن کی ایذا پر صبر باعث اجر ہے اور مرزا صاحب تو نہ اہل کتاب سے ہیں، نہ مشرک ہیں۔ بلکہ اس شبہ کا جواب یہ سمجھا جائے کہ مرزا صاحب اس باب میں عیسائیوں کے مقلد ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور جس دین کے لوگوں کا جو کوئی مقلد ہو وہ اسی میں سمجھا جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حنفی، شافعی وغیرہ سب محمدی ہیں۔ اس صورت میں جو بات ہم کو عیسائیوں کی اذیت رسائی میں حاصل ہونے والی ہے مرزا صاحب اور ان کی امت کے سب و شتم میں بھی وہی حاصل ہے اور یہ دراصل ہمارے اسلام کا طریقہ کل انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے جس پر قرآن کریم شاہد ہے مثلاً فَقُولَا لَهُ قَوْلَا لِيْنَا وَغَيْرِهِ سے ظاہر ہے۔ سراج الملوک میں نقل کیا ہے مَرَّ الْمَسِيحُ (ﷺ) عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالُوا لَهُ شَرَا وَقَالَ لَهُمْ خَيْرًا فَقِيلَ لَهُ انْهَم يَقُولُونَ شَرًا وَاَنْتَ تَقُولُ خَيْرًا فَقَالَ كُلُّ يَنْفِقُ بِمَا عِنْدَهُ يَعْنِي مَسِيحُ (ﷺ) کا گزر یہودی کسی قوم پر ہوا وہ لوگ آپ کو دیکھتے ہی بری بری گالیاں دینے لگے مگر آپ نے نہایت عمدگی سے ان کے جواب دیئے کسی نے آپ سے کہا کہ وہ تو سختی اختیار کر رہے ہیں اور آپ اس عمدگی سے پیش آرہے ہیں فرمایا ہر شخص وہی خرچتا ہے جو اس کے پاس ہو۔ الحاصل مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی کہ میرا مقابل ذلیل و شرمندہ ہوگا مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ خبر غلط نکلی کہ مرزا صاحب خود ہی ذلیل و شرمندہ ہوئے جیسا مناظروں وغیرہ سے ظاہر ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ فی الواقع ان کو کوئی خبر نہیں دی گئی تھی صرف تحریف کی غرض سے انہوں نے وہ مشہور کر دیا تھا مگر

مرزا صاحب اور ان کے اتباع یا درکھیں کہ ایسی تحویفوں سے مسلمانوں کو کوئی جنبش نہیں ہوتی بلکہ ان کا ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَاَنْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلَى الْوَدَّائِ وَفَضَّلِ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ یعنی مسلمانوں سے جب کہا گیا کہ دیکھو تمہارے مارنے کے واسطے لوگ جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ ہمارا اچھا وکیل ہے سو ان کو کوئی برائی نہیں پہنچی اور وہ اللہ کی رضا مندی کے ساتھ رہے اور وہ جو ڈراتا ہے شیطان ہے اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس کے ڈرانے سے ڈرنے والے شیطان کے دوست ہیں سو تم ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایسی تحویفات سے ڈرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور مسلمان نہیں۔ اب غور کیا جائے کہ خدا اور رسول کے کلام کی کوئی تکذیب کرنے کی حمایت کرنے والوں کو ذلت سے ڈرائے تو کیا ممکن ہے کہ وہ بزدلی کر کے چپ رہ جائیں گے ہرگز نہیں گالیوں کی ذلت تو کیا قتل کی تحویف سے بھی وہ نہیں ڈرتے۔

جس طرح مرزا صاحب نے ذلت سے ڈرایا اسی طرح تحویف کے لئے وہ یہ خواب بھی بیان فرماتے ہیں جو ازلۃ الاولیاء ص ۸۶ میں درج ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تلوار میرے ہاتھ میں ہے جس کا قبضہ میرے پنجہ میں اور نوک آسمان تک پہنچی ہوئی ہے جب میں اسکو دائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزاروں مخالف اس سے قتل ہو جاتے ہیں اور جب بائیں طرف چلاتا ہوں تو ہزار ہا دشمن اس سے مارے جاتے ہیں۔ اس خواب سے بھی مرزا صاحب کا مقصود مخالفین کی تحویف اور معتقدوں کا اعتقاد بڑھانا ہے کہ وہ اس

غیبی تلوار سے دائیں بائیں مسلمان اور کفار کو تہ تیغ کریں گے کیونکہ جہلاء کو تعبیر تو معلوم ہی نہیں ہو سکتی اس لئے وہ ظاہری مفہوم کو سچ سمجھ لیں گے دراصل تعبیر پر مطلع ہونا ہر کسی کا کام نہیں۔ البتہ بطور خود جب اس کا ظہور ہو جاتا ہے تو اس وقت یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ صورت مثالیہ جو دکھائی گئی تھی اس سے وہی مراد ہے جس کا ظہور ہوا۔ جب ہمارے مشاہدے سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب ایک طرف آیات و احادیث پر وار کر رہے ہیں اور دوسری طرف اقوال سلف پر تو کھلے طور پر معلوم ہو گیا کہ اس کی تعبیر یہی ہے جو ظہور میں آگئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تلوار کی نوک جو آسمان تک پہنچی ہوئی ہے وہ اشارہ کر رہی ہے کہ علوم سماویہ کو ان سے ضرر پہنچے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسئلہ معراج و حشر ا جساد و حیائے اموات و حیات مسیح علیہ السلام وغیرہ مسائل میں بہت سے مسلمانوں کے دل میں خدشے پیدا ہو گئے اور بہتوں نے تو اماننا و صدقنا بھی کہہ دیا۔ دینی طرف ان کے مخالف آیات و احادیث ہیں بائیں طرف اقوال سلف جن کو وہ تہ تیغ کر رہے ہیں۔ ہر چند مرزا صاحب مسلمانوں کو اپنے مخالف سمجھتے ہیں مگر دراصل ان کو کوئی مخالفت نہیں۔ منشا مخالفت کا یہی ہے کہ وہ آیات و احادیث و اقوال سلف پر تعدی کر رہے ہیں جن کی حمایت ہر مسلمان پر فرض عین ہے ورنہ جب تک مرزا صاحب کا حال کھلا نہ تھا براہین احمدیہ وغیرہ کے طبع میں کس قدر تائیدیں دیں اور اگر مخالفین سے مراد اہل اسلام ہی ہوں تو ان کا قتل ہو جانا ظاہر ہے اس لئے کہ جب مرزا صاحب کی تقریر جو تیغ بران سے کم نہیں ان پر اثر کر گئی اور آیات قرآن اور احادیث سے ان کا ایمان ہٹ گیا اور مرزا صاحب کے قبیح ہو گئے تو ان کے قتل معنوی میں کیا شک یہ ہلاکت ایسی نہیں ہے جس کے ہم پلہ موت ہو سکے بلکہ وہ ہلاکت ابدی ہے اعادنا باللہ و ایاہم منہ۔ اب مرزا صاحب کی اس تقریر پر غور کیجئے جو ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں کہ حدیثوں میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے

اللہ جائیگا اور جہل شیوع پائے گا یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے لو کان الایمان معلقا عند الثریا لنالہ رجل من ہارم۔ یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا۔ جب خواب مرقوم الصدر کی تعبیر مشاہدے سے ثابت ہو گئی تو اس خواب والی شمشیر نے اس کشف کو بے سرو پا کر دیا کیونکہ تلوار کی نوک باواز بلند کہہ رہی ہے کہ اگر قرآن بالفرض ثریا پر پہنچ جائے تو اس کو مرزا صاحب وہاں بھی نہ چھوڑیں گے اس لئے کہ تلوار کی نوک جہاں پہنچے اس سے وہاں وہی کام لیا جائیگا جو اس کے لائق ہے۔

ایک دلیل نبوت اور عیسویت پر ان کی یہ ہے کہ الہام ہوا کرتے ہیں اور اس دلیل کو ہنسوت دوسرے دلیلوں کے قوی بناتے ہیں یہاں تک کہ فرماتے ہیں ہمارا دعویٰ الہام سے پیدا ہوا ہے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات الہام سے معلوم ہوئی اور اپنے کل فضائل کلیہ اور جزئیہ اور خلیفۃ اللہ اور عیسیٰ موعود اور رسول اللہ وغیرہ ہونا بھی الہام سے معلوم ہوا۔ مگر الہام ہونے کی جو خبریں دیتے ہیں ان میں یہ کلام ہے کہ سوائے ان کے مجرد قول کے اس پر کوئی گواہ نہیں چونکہ انہوں نے حدیث شریف کے راویوں کی نسبت یہ فرمایا ہے کہ جائز ہے کہ انہوں نے عدا یا سہواً خطا کی ہو تو ہم اس موقع میں کہہ سکتے ہیں کہ جب راویوں میں صحابہ بھی شریک ہیں تو یہ احتمال وہاں تک پہنچ رہا ہے اور اس احتمال کو جب اس قدر وسعت دی گئی ہے کہ تمام اہل اسلام کے مسلم اشخاص پر شامل ہو رہا ہے تو مرزا اسی کے قول کے مطابق ان کے الہامی خبروں میں بھی وہی احتمال پڑ گیا کہ جائز ہے کہ عدا یا سہواً انہوں نے خطا کی ہو اور انہیں کی تصریح کے مطابق کہ اذ اجاء الاحتمال بطل الاستدلال ان کا کوئی الہام قابل استدلال نہ رہا۔

میاں عبدالحق صاحب کو مرزا صاحب کے جنہی ہونے پر اس تصریح سے الہام ہوا تھا کہ میصلیٰ نار ذات لہب یعنی قریب ہے کہ مرزا دیکھتی آگ میں داخل ہوگا اس پر

مرزا صاحب ازلۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ (یہ الہام شیطانی ہے) اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دیکر کسی بات کے استکشاف کے لئے بطور استخارہ اور استخبارہ وغیرہ کے توجہ کرتا ہے خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برایا بھلا کلمہ بطور الہام معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے یہاں ایک قاعدہ بتلا دیا کہ جب کسی چیز کی طرف توجہ تام ہوتی ہے تو شیطان آرزو میں دخل دیتا ہے اور اس وقت جو الہام ہوتا ہے وہ شیطانی ہوتا ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب ابتدائے شعور سے کتب مذاہب باطلہ کی طرف متوجہ ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر انہوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر ہی ڈالا۔ اس عرصے میں ہر وقت شیطان کو موقع ملتا رہا اور وقتاً فوقتاً الہام کرتا رہا جو براہین احمدیہ وغیرہ کتب میں مذکور ہیں اور اب تک اس کا سلسلہ منقطع نہیں بلکہ صفائی اور بڑھتی جارہی ہے چنانچہ کن فیکون والا الہام اسی آخری زمانے کا ہے انہوں نے جو قاعدہ ایجاد کیا ہے اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسیصلی نارا کے الہام کے جواب میں ثبت بدایہ ابی لہب کا الہام ہو گیا جیسا کہ ازلۃ الاولیاء صفحہ ۱۹۴ میں یہ الہام لکھتے ہیں ویخولونک من دونہ النمة الکفر ثبت بدایہ ابی لہب و تب۔ الغرض اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب کو شیطانی الہام ہوا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہے کہ عوام الناس تو کیا انبیاء کے الہاموں میں بھی شیطان کا دخل ہوا کرتا ہے چنانچہ چار سو نبیوں کے الہام ایک ہی واقعے میں شیطانی اور جھوٹے نکلے، کما مر۔ جب انبیاء کے الہام بحسب اقرار مرزا صاحب جھوٹے نکلے تو مرزا صاحب کے الہاموں کا جھوٹے اور ساقط الاستخبار ہونا بطریق اولی ثابت ہو گیا یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی کہ مرزا صاحب کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں اور یہ ظاہر

ہے کہ پیشگوئی بغیر الہام کے ہو نہیں سکتی اس لئے کہ آئندہ ہونے والے واقعے اور غیب کی باتیں جب تک خدائے تعالیٰ الہام کے ذریعے سے معلوم نہ کرائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ پھر جب ان کی کل پیشگوئیاں جھوٹی ثابت ہوئیں تو معلوم ہوا کہ اس کے متعلق الہام بھی شیطانی تھے۔

کئی واقعات سے مرزا صاحب کا جھوٹ کہنا بلکہ جھوٹی قسمیں کھانا اور خیانت اور بدعتی وغیرہ حالات معلوم ہوئے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور ظاہر ہے کہ رتبہ الہام بغیر اعلیٰ درجے کے تقدس کے حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے مرزا صاحب کے الہام ہرگز قرین صدق نہیں۔

کئی واقعات گواہ ہیں کہ مرزا صاحب نے دنیوی اغراض اور منافع حاصل کرنے کیلئے وعدہ خلافیاں کیں، داؤ پیچ کئے، دھوکے دیئے۔ غرض کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اس سے ظاہر ہے کہ الہام بھی انہیں اغراض کی تکمیل کے لئے بنالیا کرتے ہیں ان کو شیطانی الہام بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔

مرزا صاحب نے جس طرح ظاہر بینوں کے لئے عقلی معجزات کی ایک نئی مد قائم کر کے اس میں تمام تدابیر اور داؤ پیچ داخل کر دیئے۔ اسی طرح معتقدین الہام کے لئے الہاموں کے ایجاد کی ضرورت ہوئی جس سے باطنی اور ظاہری لوازم نبوت برائے نام پورے ہو جائیں اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملے کہ اگر مرزا صاحب نبی ہیں تو معجزے اور وحی کہاں؟ اسی لئے انہوں نے اس پر زور دیا کہ الہام ہی کا نام وحی ہے جیسا کہ براہین احمدیہ سے ظاہر ہے۔

خوارق عادات نسبت الہام کے نہایت کم درجہ اور پست مرتبہ ہیں اس لئے کہ بضرر صحیح کھاء و امل اسلام ثابت ہے کہ خوارق کے ظاہر ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں اسی

وجہ سے جو گیوں وغیرہم سے بھی خوارق ظاہر ہوا کرتے ہیں اور الہام ربانی سوائے اہلی درجے کے متقی اور اولیاء اللہ کے کسی کو نہیں ہوتے۔ چونکہ خوارق عادات علانیہ دکھانے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اس میں ایسی پیچیدگیاں ڈال دیں اور شروط کے شکنجے میں داب دیا کہ عمر بھر مرزا صاحب کے خوارق دیکھنا کسی کو نصیب نہ ہو اور الہام جو غیر محسوس امر تھا بطیب خاطر اس کو قبول کر کے اس بات پر زور دیا کہ وہ قطعی ہے۔ متدین کو ضرور ہے کہ جب الہام کا نام سن لے تو دم نہ مارے اور یقیناً سمجھ لے کہ واقع میں وہ الہام ہوا ہے اور وہ الہام لوگوں پر حجت بھی ہے۔ کیا ان تصریحات کے بعد بھی اہل دانش اور سخن شناسوں پر مرزا صاحب کے الہاموں کی حقیقت پوشیدہ رہے گی۔

مرزا صاحب الہاموں کو قطعی اور حجت بنانے کی کوشش جو کر رہے ہیں وہ اسی غرض سے ہے کہ ہر ایک مسکے میں استدلال کی تکلیف سے سبکدوشی حاصل ہو جائے اور یہ مرتبہ حاصل ہو کہ مرزا صاحب جو کچھ کہیں وہ وحی واجب التعمیل سمجھی جائے اگر کہا جائے کہ مرزا صاحب نے یہ بھی تو کہہ دیا ہے کہ قرآن میں ایک نقطے کی بھی کمی زیادتی ممکن نہیں۔ اس میں تو کمال درجے کی احتیاط ہے۔ اگر بالفرض کوئی الہام بنا بھی لیا تو وہ مخالف قرآن نہ ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہی فقرہ تو مسلمانوں کو دام میں پھانستا ہے۔ جتنے مدعیان نبوت گزرے سب کا یہی دعویٰ تھا مگر آیات قرآنیہ ہی سے انہوں نے حرام کو حلال بنایا تمام عبادات ساقط کر دیئے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب ہی کو دیکھ لیجئے کہ قرآن ہی سے تمام امت کو حتیٰ کہ سلف صالح کو مشرک قرار دیا اور خاتم النبیین کے الفاظ پر ایمان بھی ہے باوجود اس کے نبوت اور رسالت کا دعویٰ بھی ہے اور وحی بھی برابر نازل ہوتی ہے اور معجزے بھی متواتر صادر ہو رہے ہیں اور لوگ بھی ایمان لاتے جا رہے ہیں۔ حشر اجساد کا

انکار، معراج کا انکار، صلیٰ فرزند محروم الارث، انبیاء ساحر قرآن میں جن معجزات کا ذکر ہے وہ مسمریزم وغیرہ باوجود اس کے قرآن میں ایک نقطہ کی کمی زیادتی ممکن نہیں۔

الحاصل جب ایک احتمال سے استدلال باطل ہو جاتا ہے تو مرزا صاحب کے الہام شیطانی بلکہ مصنوعی ہونے پر تو اتنے دلائل موجود ہیں پھر وہ ان کی نبوت اور عیسویت پر کیونکر دلیل ہو سکتے ہیں۔

ایک دلیل عیسویت پر یہ ہے کہ معارف قرآنی دیئے گئے ہیں۔ مرزا صاحب کو جن معارف پر ناز ہے سورہ انا انزلنا کی تفسیر ہے جس کو ازالۃ الالہام میں کئی درجہ لکھ کر یہ باور کراتے ہیں کہ یہ معارف کیا کسی اور تفسیر میں مل سکتے ہیں۔ چونکہ وہ نہایت طولانی تقریر ہے جس کو پوری نقل کرنا تصحیح اوقات اور تطویل بلا طائل ہے اس لئے ملخصاً چند عبارتیں اس کی نقل کی جاتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ سورۃ القدر کے معانی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس سورۃ میں صاف اور صریح لفظوں میں فرما دیا ہے کہ جس وقت کوئی آسمانی مصلح زمین پر آتا ہے تو اس کے ساتھ فرشتے آسمان سے اتر کر مستعد لوگوں کو حق کی طرف کھینچتے ہیں۔ پس ان آیات کے مفہوم سے یہ جدید فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر سخت ضلالت اور غفلت کے زمانے میں ایک دفعہ خارق عادت کے طور پر انسانوں کے قوی میں خود بخود مذہب کی تقیث کی طرف حرکت پیدا ہونی شروع ہو جائے تو وہ اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ پھر وہ حرکت تامہ ہو تو روکت ہو جاتے ہیں اور حرکت ناقصہ ہو تو اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ ہر نبی کے نزول کے وقت ایک لیلۃ القدر ہوتی ہے لیکن ان سب سے بڑی لیلۃ القدر وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کو عطا کی گئی درحقیقت اس لیلۃ القدر کا دامن آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے قیامت تک پھیلا ہوا ہے اور جو کچھ تو اے انسانی میں جنبشیں آج تک

ہو رہی ہیں وہ لیلۃ القدر کی تاثیریں ہیں اور جس زمانے میں حضرت کا نائب دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو یہ تحریکیں بہت تیز ہوتی ہیں۔ نائب کے نزول کے وقت جو لیلۃ القدر مقرر کی گئی ہے وہ درحقیقت حضرت ہی کی لیلۃ القدر کی شاخ ہے اور ظل ہے۔ اس لیلۃ القدر کی شان میں فیہا یغفوق کل امر حکیم ہے یعنی اس لیلۃ القدر کے زمانے میں جو قیامت تک ممتد ہے ہر ایک حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ ان دنوں میں پر زور تحریکوں سے ہوتا رہے گا کہ جب کوئی نائب حضرت کا دنیا میں پیدا ہوگا۔ درحقیقت سورۃ الزلزال میں اسی کا بیان ہے کیونکہ سورۃ القدر میں فرمایا گیا کہ لیلۃ القدر میں خدا کا کلام اور اس کا نبی اور فرشتے اترتے ہیں اور وہ ضلالت کی پر ظلمت رات سے شروع کر کے صبح صداقت تک اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مستعد دلوں کو سچائی کی طرف کھینچتے رہیں۔ پھر سورۃ بینہ میں بیان کیا کہ اہل کتاب اور مشرکین کی نجات پانے کی بھی یہی سبیل ہے کہ خدا نے نبی بھیجا اور زبردست تحریک دینے والے ملائکہ نازل کئے تھے۔ اس کے بعد اذان زلزلت میں یہ اشارہ کیا کہ جب تم یہ نشانیاں دیکھ لو تو کچھ لو کہ وہ لیلۃ القدر اپنے تمام تر زور کے ساتھ پھر ظاہر ہوئی ہے اور کوئی ربانی مصلح مع فرشتوں کے نازل ہو گیا ہے۔ زلزلہ کی یہ صورت ہے کہ تمام قوائے انسانیہ جوش کے ساتھ حرکت میں آجائیں گے اور تمام علوم و فنون ظاہر ہو جائیں گے اور فرشتے جو مرد صالح کے ساتھ آسمان سے اترے ہو گئے ہر شخص پر اثر ڈالیں گے۔ اس روز ایک مرد عارف متحیر ہو کر اپنے دل میں کہے گا کہ یہ طاقتیں اپنے میں کہاں سے آگئی تب ہر ایک استعداد انسانی بزبان حال باتیں کرے گا کہ یہ ایک وحی ہے جو ہر ایک استعداد پر اتر رہی ہے۔ دنیا پرستوں کی تحریکیں صنعتیں اور یکیں ایجا کریں گی اور ہر ایک اپنی کوششوں کی ثمرات کو دیکھ لیوں تب آخر ہو جائیگی یہ آخری لیلۃ القدر کا نشان ہے جس کی بناء ابھی سے ڈالی گئی ہے جس کی تکمیل کے لئے خدا نے اس عاجز کو بھیجا

اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ انت اشد مناسیۃ بعیسی۔ ہمارے علماء نے جو ظاہری طور پر سورۃ الزلزال کی تفسیر کی ہے کہ درحقیقت زمین کو آخری دنوں میں سخت زلزلہ آئیگا جس سے زمین کے اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی اور انسان یعنی کافر لوگ زمین کو پوچھیں گے کہ تجھے کیا ہوا تب اس روز زمین باتیں کرے گی اور اپنا حال بتائے گی یہ سراسر غلط تفسیر ہے کہ جو قرآن کے سیاق و سباق سے مخالف ہے۔

مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ پہلے سورۃ القدر کی شان نزول بیان کرتے جس سے مضمون خود حل ہو جائے لیکن ان کو تفسیر بالرائے کرنا منظور تھا اس لئے انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

درمنثور میں اس سورۃ کی شان نزول کے بارے میں کئی حدیثیں منقول ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب امم سابقہ کی دراز عمریں اور ان کی عمر بھری رہا ضعیف دیکھیں اور اس کے بعد اپنی امتیوں کی عمروں کو دیکھا کہ بہت کوتاہ ہیں اس چھوٹی سی عمر میں ان کے سے فضائل کیونکر حاصل کر سکیں گے۔ اس ملال پر رحمت الہی جوش میں آئی اور ارشاد ہوا کہ ہم تمہیں ایک لیلۃ القدر ایسی دیتے ہیں کہ جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت ان لوگوں کی اتنی (۸۰) برس کی عبادت سے بہتر ہے اور انہیں دنوں میں آنحضرت ﷺ نے خواب بھی دیکھا کہ اپنے منبر پر بنی امیہ کے بعد دیگر چڑھتے جاتے ہیں۔ یہ بات بمقتضائے بشریت ناگوار طبع غیور ہوئی اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی جس میں یہ بتایا گیا کہ ہزار مہینے وہ لوگ سلطنت اسلامی پر قابض ہو گئے مگر فضیلت دنیوی کوئی چیز نہیں آپ کو اس کے مقابلے میں ایک فضیلت اخروی ہم ایسی دیتے ہیں کہ اس کے معاوضے میں وہ سلطنت ظاہری کوئی چیز نہیں۔ وہ ایک رات آپ کی امت کے لئے اتنی فضیلت کی دی گئی کہ ان ہزار مہینوں سے افضل ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کو امت کی خیر خواہی

ہمیشہ سے ملوث اور پیش نظر رہتی تھی اس لئے آپ کو جو ان ہزار مہینوں کی سلطنت کا کسی قدر ملال تھا دفع ہو گیا۔ علماء نے حساب کر کے دیکھا تو بنی امیہ کی خلافت برابر ہزار مہینے رہی۔

اب اس کے بعد مرزا صاحب کی پوری تقریر دیکھ لیجئے کہ اس واقعے کے ساتھ اس کو کچھ بھی تعلق ہے۔ اس سورۃ سے مقصود تو آنحضرت ﷺ کی تسلی تھی مگر مرزا صاحب کو اصلی واقعات سے کیا غرض ان کو اپنی عیسویت کے دھن میں کچھ سو جتا ہی نہیں۔ کہاں ہزار مہینے سے لیلۃ القدر کا افضل ہونا اور کہاں مرزا صاحب کی نیابت اور کلوں کا ایجاد۔ کسی چیز سے دل چسپی اور تعشق بھی بری بلا ہے۔ آدمی کو سوائے اپنی محبوبہ کے کچھ سو جتا ہی نہیں۔

نقل مشہور ہے کہ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ خلافت کس کا حق تھا اس نے جواب دیا کہ ہماری لیلیٰ کا حق تھا۔ اسی طرح مرزا صاحب بھی کہتے ہیں کہ انا انزلنا کو کسی سے کچھ تعلق نہیں وہ میری عیسویت کے واسطے اتری ہے۔

مرزا صاحب نے وہ انا انزلناہ کی ضمیر مصلح کی طرف پھیری جس کا کہیں ذکر نہیں تمام مفسروں نے وہ ضمیر قرآن کی طرف پھیری ہے چنانچہ بروایت صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے کہ اس رات قرآن شریف لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا اور بخاری شریف میں ہے انا انزلناہ الیہا کتابة عن القرآن مرزا صاحب مصلح قوم کی طرف ضمیر پھیرنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی اس میں داخل ہو جائیں۔

اس موقع میں مرزا صاحب یہی فرمائیں گے کہ آخر قرآن بھی مصلح قوم ہے اس لئے ضمیر انزلناہ سے مراد مصلح کی گئی جس کے مفہوم میں خود بھی داخل ہیں مگر یہ تو جہہ درست نہیں اس لئے کہ اول تو مرزا صاحب مصلح قوم ہو ہی نہیں سکتے اس لئے کہ انہوں نے تو کروڑ ہا مسلمانوں کو مشرک اور کافر بنا دیا جس کی وجہ سے ان کے نزدیک تمام قوم فاسد اور ہلاک ہو گئی اور ظاہر ہے کہ جس کی وجہ سے کوئی قوم فاسد ہو جائے وہ مفسد قوم سمجھا جائیگا۔

غرض کہ انہیں کے اقرار کے مطابق وہ مصلح قوم نہیں ہو سکتے۔ پھر قرآن کا مفہوم عام مصلح قوم کا صادق آنے سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ جس طرح قرآن لیلۃ القدر میں اترتا ہے۔ ہر مصلح قوم بھی لیلۃ القدر میں اترتا ہے۔ یہ بات تو ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی جزئی پر کوئی مفہوم عام اور کلی صادق آئے تو یہ ضرور نہیں کہ لوازم اس جزئی کے دوسری جزئیات پر بھی صادق آجائیں جن پر وہ مفہوم عام صادق آتا ہے کوئی جاہل یہ نہ کہے گا کہ غلام احمد چونکہ مرزا ہیں اور قادیان میں رہتے ہیں۔ اس وجہ سے جتنے مرزا ہیں سب قادیان ہی میں رہا کرتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے جس بات پر اپنے معارف کی بنیاد رکھی ہے وہ کئی طرح سے غلط ثابت ہوئی۔ ایک یہ کہ ضمیر کے مرجع میں قصد غلطی کی۔ دوسرے اپنے آپ کو مصلح قرار دیا۔ تیسرے ایک جزئی کے لوازم مخلصہ کو دوسری جزئی میں ثابت کیا۔ پھر مصلح قوم کی اگر تعظیم کی جائے تو علماء اعلیٰ کاتبیاء ہنسی اسرائیل کے لحاظ سے کل علمائے امت مصلح ہیں جب سے کوئی زمانہ خالی نہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی خصوصیت ہی کیا اور وہ بات کیونکر صادق آئے جو لکھتے ہیں کہ جب مصلح قوم اترتا ہے تو انسانی قوتی میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت پیدا ہوتی ہے اور حکمت اور معرفت اور علوم اور صنعتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

مرزا صاحب نے اپنی نیابت کی یہ دلیل قرار دی کہ علوم اور صنعتیں اس زمانے میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ کوئی کمال کی بات ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صنعتوں کا ظہور زیادہ ہوتا حالانکہ وہ زمانہ نہایت سادہ و فطرتی طور پر تھا۔ اہل دین کی ترقی اس زمانے میں روز افزوں تھی بخلاف مرزا صاحب کے زمانہ نیابت کے کہ دنیا کی ترقی روز افزوں ہے اور دین کا انحطاط دیکھ لیجئے۔ مرزا صاحب کے اوائل زمانے میں کروڑ ہا مسلمان تھے جن کا مشرک اور بے دین ہونا محال تھا جیسا کہ براہین احمدیہ میں لکھ

چکے ہیں جس کا حال اور پر معلوم ہوا اور شاید دس پندرہ سال بھی نہیں گزرے کہ انہیں کروڑ ہا مسلمانوں کو انہوں نے یہودی اور مشرک و بے دین بنا دیا اب خود ہی غور فرمائیں کہ یہ نیابت آنحضرت ﷺ کی ہوئی یا کسی اور کی۔

اور یہ جو لکھا ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر کا دامن قیامت تک پھیلنا ہوا ہے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ حضرت کی لیلۃ القدر ایک تھی اور مرزا صاحب کی لیلۃ القدر دوسری۔ یہ بھی خلاف احادیث صحیحہ ہے جن سے ثابت ہے کہ حضرت کے زمانے میں بھی لیلۃ القدر ہر سال ہوا کرتی تھی اور قیامت تک ہر سال ہوا کر گئی۔ مسند امام احمد ابن حنبل اور ترمذی اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ عن عائشة رضى الله عنها قالت قلت يا رسول الله ان وافقت ليلة القدر فما اقول قال قولي اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ اگر لیلۃ القدر پاؤں تو کیا دعا کروں۔ حضرت ﷺ نے ان کو یہ دعا تعلیم کی۔ اس کے سوالیۃ القدر ہر سال ہونے کی احادیث بکثرت مذکور ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے ہیں۔ اب مرزا صاحب کی خود غرضی کو دیکھئے کہ اپنی ایک لیلۃ القدر کے واسطے صد ہالیائی قدر کا خون کیا۔

حق تعالیٰ نے لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر فرمایا نہ اس میں امتداد کا ذکر ہے، نہ اس کے دامن دار ہونے کا۔ اور مرزا صاحب اس کو دامن دار اور شاخ دار بنا رہے ہیں ان کے قول پر اگر النشاة خیر من فیل کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھی سے بکری زیادہ اونچی ہے جس کا قائل کوئی عاقل نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب نے چند قادیانی بننے والوں کو دیکھا کہ اپنا مذہب اور دین چھوڑ کر دوسرے مذہب کی تفتیش کر رہے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اندرونی تحریک کی ضرورت ہے اس پر یہ قیاس جمایا کہ روح القدس اس کا محرک ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ

انسانوں کے قومی میں خود بخود مذہب کی تفتیش کی طرف حرکت شروع ہو جائے تو اس بات کی علامت ہوگی کہ کوئی آسمانی مصلح پیدا ہو گیا ہے کیونکہ بغیر روح القدس کے نزول کے وہ حرکت پیدا نہیں ہوتی اور روح کا اترنا لیلۃ القدر میں ثابت ہے اس سے یہ بات نکالی کہ جتنے اس قسم کے ایام ہیں سب لیلۃ القدر ہیں۔ رات کو دن بنا دینا ہر کسی کا کام نہیں۔ یہ بھی مرزا صاحب ہی کی ہمت کا خاصہ ہے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اہل اسلام کو تفتیش مذہب کے لئے اندرونی تحریک کرنا کیا روح القدس کا کام ہوگا یا شیطان لعین کا۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں سے دین اسلام ترک کرانے کے لئے روح القدس آسمان سے اترتے ہیں۔ پھر دوسرا اندھیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ نزول ملائکہ کے لئے طلوع فجر سے پہلے کا زمانہ معین فرمایا ہے جیسا کہ حنی مطلع الفجر سے ظاہر ہے۔ مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرشتے صبح صادق تک کام میں لگے رہتے ہیں یعنی دن رات اسی کام میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں سے ان کا مذہب و ملت چھڑا دیں اس کے بعد سورۃ اذا زلزلت میں یومئذ کا لفظ دیکھ کر مرزا صاحب نے لیلۃ القدر کی جوڑ ملا دی اور لیلۃ القدر جس کی نسبت حق تعالیٰ نے خیر من الف شہر فرمایا ہے اسکو ضلالت اور ظلمت کی رات قرار دی جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہزار مہینے سے بدتر ہے۔ دیکھئے کس قدر قرآن کی اور خدا کی مخالفت کی۔ کیا کوئی مسلمان اس بات پر راضی ہوگا کہ جس رات کی تعریف خدائے تعالیٰ نے کی ہے اور صحیح روایتوں سے اس کی فضیلت ثابت ہے اس کو ضلالت کی رات سمجھے۔

پھر مرزا صاحب نے اذا زلزلت کی تفسیر کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ زمین کو زلزلہ ہوگا غلط ہے صحیح یہ ہے کہ آدمی کی قوتیں حرکت کریں گی اور خدائے تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ اس کے خزانے وغیرہ اشغال جو اس میں مدفون ہیں نکل پڑینگے

وہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے صحیح یہ ہے کہ علوم و فنون ظاہر ہو گئے اور خدائے تعالیٰ جو فرماتا ہے کہ زمین اس روز باتیں کریں گی وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی غلط ہے۔ استعداد انسانی بزبان حال باتیں کر گئی۔ مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے جو تفسیر کی ہے کہ زمین کو زلزلہ آئیگا اور اندر کی چیزیں باہر آجائیں گی اور زمین باتیں کرے گی یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی سراسر زیادتی ہے۔ ہمارے علماء نے سوائے قرآن پر ایمان لانے کے اور کچھ نہیں کیا کوئی بات اپنی طرف سے نہیں لکھی بلکہ جس طرح مرزا صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ النصوص بحمل علی الظواهر ظاہر آیات کی تصدیق کی البتہ مرزا صاحب کو ان کی عقل نے ایمان سے روک دیا۔ انہوں نے لڑکپن سے دیکھا ہے بات دو انگل کی زبان سے ہوا کرتی ہے اس لئے ان کی عقل نے صاف حکم کر دیا ہے کہ کلام الہی غلط ہے اگر خدا بھی چاہے کہ زمین سے بات کرائے تو وہ ممکن نہیں اس لئے کہ اس کو زبان نہیں۔ اگر مرزا صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ بات کرنے کے لئے گوشت کا لوتھڑا ضروری ہے تو یہ لازم آئیگا کہ خدائے تعالیٰ بات کرانے میں (نعوذ باللہ) اس لوتھڑے کا محتاج ہے۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ گوگوں اور جانوروں کے بھی زبان ہوتی ہے۔ مگر بات نہیں کر سکتے اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے جیسے اس لوتھڑے کو یہ قوت کلام بخشی ہر چیز کو یہ قوت بخش سکتا ہے تو پھر زمین کے بات کرنے میں کیا کلام اور اس میں خدائے تعالیٰ کی تکذیب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اب اہل انصاف غور کریں کہ جب مرزا صاحب کی عقل اس درجے کی قوت پر ہے کہ خدائے تعالیٰ کے بھی مقابلے میں کھڑی ہو جاتی ہے تو کیا ممکن ہے کہ کوئی دوسرا ان کا مقابلہ کر سکے اور اگر کسی نے کیا بھی تو کیا مرزا صاحب اس کو تسلیم کریں گے۔ اگر اہل اسلام کو اپنا ایمان بچانا منظور ہے تو مرزا صاحب کی عقل کے دام سے بچیں اور یاد رکھیں کہ ذرا بھی ان کی طرف مائل ہو گئے تو دلوں میں کجروی کا مادہ پیدا کر دیا جائے گا جیسا کہ حق

تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ

الحاصل مرزا صاحب کے معارف کا یہ حال ہے جو آپ نے دیکھ لیا کہ نہ قرآن سے کام ہے، نہ حدیث سے، نہ عقل سے، کیونکہ اگر عقل سے کام لیا جاتا تو لیلۃ القدر کی تعریف کر کے اس کی مذمت نہ کرتے اور زمین کے بات کرنے سے انکار خدا کی قدرت پر ایمان لانے کے بعد نہ کرتے۔ الغرض بے تکی باتیں ملانے کا نام انہوں نے معارف رکھ دیا اور اسی کو اپنی عیسویت کی دلیل قرار دی ہے۔

رسالہ قطع الوثین باظہار کید المفتزین صفحہ ۳۴ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کے مریدوں کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب مفتزی علی اللہ ہوتے تو تینیس (۲۳) سال یا اس سے زیادہ ان کو مہلت نہ ملتی اور مرزا صاحب نے بھی اشتہار جاری کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا مفتزی علی اللہ دکھاوے جس نے تینیس (۲۳) سال کی مہلت پائی ہو تو ہم اس کو پانچ سو روپیہ انعام دیں گے۔ اس پر حافظ محمد یوسف صاحب نے ایک فہرست بنی پیش کر دی جس میں تینیس (۲۳) سال سے زیادہ جن مفتزیوں کو مہلت ملی انکے نام درج تھے۔ مگر مرزا صاحب نے نہ اس کا جواب دیا، نہ اس وعدے کا ایفا کیا جو اشتہار میں کیا تھا۔ فہرست رسالہ مذکورہ میں لکھ دی گئی ہے اصل دلیل ان کی یہ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ فَتَقُولُ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَا أَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ یعنی نبی کریم ﷺ کوئی بات اپنے دل سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے یعنی ہلاک کر دیتے اس سے ان کا مقصود یہ ہے کہ اگر خود بھی خدا پر افتراء کئے ہوتے تو اس آیت شریفہ کے مطابق بہت جلد ہلاک کر دیئے جاتے اور اس میں ان کی خصوصیت نہیں جس نے خدا پر افتراء کیا فوراً ہلاک کر دیا گیا کوئی تینیس (۲۳) سال تک

زندہ نہ رہا اگر ہا تو اس کا نام بتایا جائے۔

مرزا صاحب تینیس (۲۳) سال سے زیادہ زندہ رہنے والے مفتریوں کی نظیریں جو طلب فرماتے ہیں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیا اس مدت کو مفتری کی براءت میں کوئی خصوصیت ہے۔ کیا تینیس (۲۳) برس تک کوئی مفتری زندہ نہیں رہ سکتا اور بائیس (۲۲) برس تک رہ سکتا ہے۔ اگر ایک سال بھی کسی مفتری کو مہلت ملے تو وہ بھی مثل مرزا صاحب کے کہہ سکتا ہے کہ اگر میں مفتری ہوتا تو اتنی مدت جس میں پوری چار فصلیں گزریں مجھے کبھی مہلت نہ ملتی کیا یہ قول اس کا قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ الغرض مرزا صاحب تینیس (۲۳) برس کی مدت جو مقرر کر رہے ہیں وہ درست نہیں۔ صرف ایسے لوگوں کی فہرست کافی تھی جن کو باوجود افتراء کے کچھ مہلت ملی۔ اصل یہ ہے کہ دارالجزا قیامت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ۔ اگر افتراء کا یہ لازمہ ہوتا کہ اسی عالم میں اس کی سزا ہو جائے تو مختلف لازم کا مزدوم سے عقلاً درست نہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم ہوتا کہ ہجر و افتراء کے فوراً سزا ہو جائے حالانکہ مرزا صاحب بھی اس کے قائل ہیں کہ مسیلہ کذاب وغیرہ گزرے ہیں اور ان کو ہجر و افتراء کے سزا نہیں ہوئی اور ایسے لوگ دس بیس سال بھی اکثر زندہ رہے ہیں۔ مسیلہ کذاب ہی کو دیکھ لیجئے کہ اس قدر اس کو مہلت ملی کہ لاکھ آدمی سے زیادہ اس نے فراہم کر لئے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ خود نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور حضرت ﷺ کے بعد صدیق اکبر ﷺ وغیرہ کل صحابہ موجود تھے۔ ہدایت روز افزوں ترقی پر تھی ملک خاص عرب کا تھا جس کو بیع ہدایت ہونے کا فخر حاصل ہو چکا تھا ایسے متبرک زمانے اور متبرک مقام میں جب اس کو اس قدر مہلت ملی تو اس زمانے میں جو فضالت روز افزوں ترقی کر رہی ہے اور ہندوستان جیسے ملک میں کسی مفتری علی اللہ کو پچیس تیس سال مہلت مل جائے تو کیا تعجب ہے بلکہ زمان و مکان وغیرہ حالات کی مناسبت سے

دیکھا جائے تو اس زمانے میں مفتری کو ایک دن مہلت ملنا اس زمانے کے پچاس تیس سال کی مہلت کے برابر ہے۔ الغرض اس سے ثابت ہے کہ مفتری علی اللہ کو مہلت ملا کرتی ہے اور وہ استدراج ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَ اَوَّلٰى لَهُمْ مَّهْلَتٌ دٰكِرًا مَّهْلَتًا ۝ آہستہ آہستہ ان کو ایسے طور پر ہم کھینچتے ہیں کہ ان کو خبر نہ ہو۔ مرزا صاحب جو جلدی فرماتے ہیں کہ اگر مفتری ہوں تو چاہیے کہ عذاب اتر آئے سو اس کا جواب قرآن شریف میں پہلے ہی ہو چکا ہے قوله تعالیٰ وَلَئِنْ اَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ اِلٰى اُمَّةٍ مَّعْذُوْدَةٍ لِّقَوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهُ اَلَا يَوْمٌ يَّاتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ ۝ یعنی اگر ان کے عذاب میں تاخیر کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو کس نے روکا یاد رہے کہ جب وہ آریگا تو پھر نہ پھر ریگا۔ قرآن میں جو واقعات مذکور ہیں۔ اگر پیش نظر ہوں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ زیادتی مہلت کا سبب زیادتی غضب الہی ہوتا ہے کہ مفتری دل کھول کر افتراء پر دازیاں کرے اور پورے طور پر حجت قائم ہو جائے چنانچہ ارشاد ہے قوله تعالیٰ اِنَّمَا نُكَلِّمُ لَهُمْ لِيُوْذَوْا ۝ اِنَّمَا یعنی ہم اسی واسطے ان کو مہلت دیتے ہیں کہ خوب گناہ کریں۔ اور آ یہ شریفہ وَلَوْ نَقُوْلُ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَفَاوِيْلِ سے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ تمام انبیاء خصوصاً ہمارے نبی ﷺ اعلیٰ درجے کے مقرب بارگاہ الہی ہیں ان کی شان یہی ہے کہ افتراء وغیرہ رذائل کا خیال تک نہ آنے دیں اسی واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بفرض محال وہ ایک بھی افتراء کرتے تو ہلاک کر دیئے جاتے اور دوسرے انبیاء کے حالات سے بھی ظاہر ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ خلاف مرضی حرکات سے سخت مصیبتیں ان پر ڈالی گئیں۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ اسی کام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں ان کا تو لازمہ یہی ہے کہ عمر بھر ایسے ہی کام کیا کریں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَحَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰیْطٰنٍ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوجِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ

شیاطین انس و جن کو ہر نبی کے دشمن ہم نے مقرر کر دیئے تھے اور ارشاد ہے **قوله تعالیٰ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُّجْرِمِينَ** یعنی ہر بستی میں بڑے بڑے گناہ گار ہم نے پیدا کر دیئے تاکہ ان میں مکاریاں کریں۔

الحاصل تینکس (۲۳) سال یا اس سے زیادہ کوئی مفتری علی اللہ زندہ رہے تو یہ نہ سمجھا جائے گا کہ وہ مفتری نہیں بلکہ یہی سمجھا جائے گا کہ اسی کام کے واسطے مقرر کیا گیا ہے اگر مثل فرعون کے صد ہا سال بھی زندہ رہے گا تو وہی اپنا فرض منصبی ادا کرتا رہے گا جس کام کے لئے اسے مقرر کیا گیا ہے۔

یہ دعائی مسیح کی نشانیاں اور دلائل تھے اب اصلی عیسیٰ (علیہ السلام) کی علامتیں بھی سینے جو صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ مگر اس مقام میں پہلے غور کر لیا جائے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کا دنیا میں آنے کوئی عقلی مسئلہ نہیں جس میں رائے لگائی جائے۔ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں اگر علیحدہ کر دیئے جائیں تو یہ مسئلہ اس قابل نہیں رہتا کہ جس کی طرف توجہ کی جائے۔ اسی وجہ سے مرزا صاحب کو نیچروں سے شکایت ہے کہ ان احادیث کو وہ مانتے ہی نہیں۔ غرض کہ مرزا صاحب اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اس باب میں جو احادیث وارد ہیں ضرور مانی جائیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام مانتے ہیں اور ان کے ظاہری معنی بطور خرق عادت عیسیٰ (علیہ السلام) میں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ درست نہیں بلکہ ایسے طور پر ان احادیث کے معنی لئے جائیں کہ اپنے پر یعنی مرزا صاحب پر صادق آجائیں اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم کا نام جو لے لیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عیسیٰ ابن مریم دجال اور یا جوج ماجوج اور دابة الارض کی حقیقت منکشف نہ ہوئی تھی۔ (ازالۃ الہام صفحہ ۲۹۰) اور انبیاء پیش گوئیوں کی تاویل اور تعبیر میں غلطی کھاتے ہیں جس کا مطلب اور ما حاصل یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو عیسیٰ ابن مریم روح اللہ کے نزول کی خبر

دی ہے وہ غلط ہے درحقیقت عیسیٰ موعود غلام احمد قادیانی ہیں اور ان کے خوارق عادت کوئی ظاہر نہ ہو سکے بلکہ رد نصاریٰ میں چند معمولی تقریریں لکھ دیں گے اور ان تمام حدیثوں کی پیش گوئی پوری ہو جائے گی۔ سبحان اللہ کہ وہ کندن و موش برآوردن کا مضمون یہاں پورا پورا صادق آرہا ہے۔ احادیث نزول عیسیٰ (علیہ السلام) کس شد و مد سے ثابت کئے گئے اور ان سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک پنجابی شخص پیدا ہو کر رد نصاریٰ میں چند معمولی تقریریں لکھ دے گا۔ اس باب میں مرزا صاحب کو تکلیف گوارا کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بفضلہ تعالیٰ رد نصاریٰ کرنے والے اس وقت ایسے بہت سارے لوگ موجود ہیں کہ جو اپنی عمر بھر کی مزدالت کی وجہ سے مرزا صاحب سے کہیں زیادہ اس باب میں ید طولی رکھتے ہیں۔ اسلئے کہ مرزا صاحب کی عمر کا ایک معتد بہ حصہ تو متفرق مذاہب باطلہ کی کتابوں کے مطالعے میں صرف ہوا اور اس کے بعد جب یک سوئی حاصل ہوئی تو دعویٰ عیسویت شروع ہوا اور اس میں اس قدر استغراق اور انہماک ہے کہ جس کا بیان نہیں اگر مناظرہ ہے تو اسی مسئلے میں اور تصانیف ہیں تو ان میں اسی دعوے کے دلائل و لوازم۔ پھر ان کو رد نصاریٰ کی ثبوت ہی کہاں آئی۔ براہین احمدیہ میں جو وعدہ کیا تھا اس کا بھی ایفاء نہ کر سکے۔

الحاصل جب یہ مسئلہ نفی ہے جس میں عقل کو کوئی دخل نہیں اور ان احادیث پر جو اس باب میں وارد ہیں ایمان لایا گیا تو ان کے ظاہری معنی پر ایمان لانے سے اہل ایمان کیوں روکے جاتے ہیں۔ حالانکہ مرزا صاحب ازلۃ الہام میں خود لکھتے ہیں کہ نصوص کو ظاہر پر حمل کرنے پر اجماع ہے۔ اب ان امور کو پیش نظر رکھ کر غور کیجئے کہ جو عیسیٰ (علیہ السلام) کی علامات احادیث میں وارد ہیں ان سے مرزا صاحب کو کیا تعلق ہے۔

۱..... دمشق میں مینار کے پاس عیسیٰ (علیہ السلام) کا آسمان سے اترنا۔ اس حدیث کو مرزا صاحب نے ازلۃ الہام میں نقل کیا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ اس سے مراد قادیان ہے اور

وہاں ایک مینار اس غرض سے تیار کر دیا کہ اگر دمشق نہیں تو مینار ہی سہی جس سے ایک جزو حدیث کا صادق آجائے۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ اس حدیث کو منجھروں نے جو نہ مانا اور مرزا صاحب نے مان لیا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ادنیٰ تاہل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہی فرق ہے جو جہل بسیط اور جہل مرکب میں ہوا کرتا ہے۔

۲..... عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا حکم عادل ہونا جو اس روایت صحیح بخاری میں مصرح ہے عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ والذي نفسي بيده ليوشكن ان ينزل فيكم ابن مریم حکما عدلا فيكسر الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويفيض المال حتى لا يقبله احد حتى تكون السجدة الواحدة خير من الدنيا وما فيها ثم يقول ابو هريرة واقرءوا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيمة يكون عليهم شهيدا یعنی قسم ہے خدا کی کہ ابن مریم حاکم عادل ہو کر تم میں اتریں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ اٹھ دیں گے اور ان کے زمانے میں ماں بہت ہو جائیگا کہ کوئی اس کو قبول نہ کرے گا یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اگر چاہو اس کی تصدیق قرآن میں پڑھو کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کل اہل کتاب اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ایمان لائیں گے اور وہ اس پر گواہ ہوں گے۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام عادل ہوں گے کسی پر ظلم نہ کریں گے اور مرزا صاحب کے عدل کا حال آپ نے دیکھ لیا کہ ان کی سمدھن کے بھائی نے جو ان کو لڑکی نہ دی تو اس کا وبال اپنی بہو پر ڈالا اور اپنے فرزند کو طلاق پر مجبور کیا۔ میراث پداری سے خلاف شرع محروم کر دیا اور اس کا کچھ خیال نہ کیا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولا تنزد

واذرة وذر اخروی کیا کسی ملت میں اس کو عدل کہہ سکتے ہیں۔ جب مرزا صاحب پر تو ایسے شہوانیہ اور غضبانیہ کا اس قدر تسلط ہے کہ مہر پداری پر بھی وہ غالب ہیں تو دوسروں کے ساتھ کیا عدل کریں گے۔

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کس جزم سے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ابن مریم تم میں اتریں گے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضرت کو اس کشف میں غلطی ہوئی۔ اب اہل ایمان غور کریں کہ معمولی آدمی بھی کسی بات پر قسم کھانے میں کمال درجے کی احتیاط کیا کرتا ہے اور ذرا بھی شک ہو تو اس کا ایمان قسم سے اس کو روک دیتا ہے بخلاف نبی کریم ﷺ کے کہ (نعوذ باللہ) غلط بات پر بے دھڑک قسم کھالی اور عمر بھر اسی غلطی پر رہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ﷺ نے رجوع کر کے یہ فرمایا ہو کہ اس کشف میں مجھے غلطی ہو گئی تھی۔ یہ الزام مرزا صاحب جو ہمارے پیارے نبی ﷺ پر لگا رہے ہیں۔ اس سے ان کا مقصود حضرت کے کشف اور اقوال کو ساقط الاعتبار کر دینا ہے اس کے سوا جو قباحتیں اس میں لازم آتی ہیں ان کی تفصیل کرنے میں ہمارا قلم پاری نہیں دیتا۔ ایک عقلمند ادنیٰ تاہل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کس درجے کا حملہ ہے پھر یہ حملہ صرف نبی کریم ﷺ ہی پر نہیں ہے حق تعالیٰ پر بھی ہے کہ ایسے مکرم اور معصوم نبی پر ایک ایسی بات منکشف کر دی جو غلط تھی اور (نعوذ باللہ) اس سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس غلطی کی اصلاح کر دیتا۔ اب اہل دانش اندازہ کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا ایمان خدا اور رسول پر کس قسم کا ہے اور ایسے ایمان کو ایمان کہنا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

۳..... صلیب کو توڑنا اور خنزیر کو قتل کرنا جیسا کہ بخاری کی روایت مذکورہ سے ثابت ہے۔ مرزا صاحب نے ازالتہ الاوہام میں لکھا ہے کیا ان احادیث پر اجماع ہو سکتا ہے کہ مسیح آکر جنگوں میں خنزیریوں کا شکار کھیلتا پھرے گا۔ اور ازالتہ الاوہام میں لکھا ہے کہ کیا ان کا یہی کام

ہوگا کہ صلیبوں کو توڑتے اور خنزیروں کو قتل کرتے پھریں گے۔ اور اسی کے صفحہ ۸۱ میں لکھتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے کہ مسیح دنیا میں آکر صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے پھیل ڈالے گا اور ان لوگوں کو جن میں خنزیروں کی بے حیائی، روناخوگوں کی بے شرمی اور نجاست خواری ہے ان پر دلائل قاطعہ کا ہتھیار چلا کر ان سب کا کام تمام کر دے گا اس سے ضمناً مرزا صاحب کا دعویٰ بھی معلوم ہوا کہ انہوں نے صلیبی مذہب کی شان و شوکت کو اپنے پیروں کے نیچے پھیل ڈالا اور نصاریٰ کے دلائل کا کام تمام کر دیا مگر قصہ آختم کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے نصاریٰ کے مقابلے میں اسلام ہی کا کام تمام کر ڈالا تھا۔ خیر گزری کہ اہل اسلام نے عملی طور پر ان کو اسلام سے خارج کر دیا ورنہ اسلام پر برا اثر پڑتا جس کا حال اوپر معلوم ہوا پھر یہ بات اب تک معلوم نہیں ہوئی کہ مرزا صاحب کے دلائل سے عیسائی مذہب کی شان و شوکت میں کیا فرق آگیا۔ پادریوں کے حملے جیسے پہلے تھے اب بھی ہیں اور جس طرح پہلے ان کی قومی ترقی تھی اب بھی جاری ہے۔ غرض کہ کسر صلیب کے معنی کو مرزا صاحب نے گوبدل دیا مگر اس سے بھی وہ منفعہ نہیں ہو سکتے اسی طرح قتل خنزیر کا بھی حال ہے کہ عیسائیوں کو خنزیر قرار دیا اور قتل سے مراد ان کا رد لیا مگر یہ قتل بھی ان سے نہ ہو سکا بلکہ سچ پوچھئے تو مسٹر آختم صاحب ہی نے ان کو قتل کر ڈالا جس کے مقابلہ میں وہ دم نہ مار سکے۔

مرزا صاحب قتل خنزیر کے معنی میں جو مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں وہ ان کی نافرمانی ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) خنزیروں کا شکار جنگلوں میں کرتے اور صلیبوں کو توڑتے پھریں گے۔ اگر مرزا صاحب کنائے کی حقیقت سمجھے ہوتے تو یہ اعتراض کبھی نہ کرتے۔ مسلمانوں نے کسر صلیب اور قتل خنزیر کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں نصاریٰ مغلوب ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ صلیب ان کا شعار دین ہے اور خنزیر

نہایت مرغوب الطبع ہے اور قاعدے کی بات ہے کہ ہر شخص ان دونوں قسم کی چیزوں کو نہایت دوست رکھتا ہے اور ان کی حفاظت میں جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا پھر ایسی چیزوں کو اگر کوئی تلف کر ڈالے اور وہ منہ دیکھتا رہے اور کچھ نہ کر سکے تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شخص نہایت مغلوب ہے۔ مرزا صاحب اس کا تجربہ کر لیں۔ کسر صلیب اور قتل خنزیر تو درکنار ذرا بری لگا ہوں سے ان اشیاء کو دیکھ تو لیں جس سے معلوم ہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو وہ قوت و شوکت حاصل ہوگی کہ کسی کی صلیب کو علانیہ توڑینگے اور خنزیر کو قتل کر ڈالیں گے اور کوئی مزاحم نہ ہو سکے گا۔ یہ ان کے کمال شوکت اور غلبے کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر یہاں تک نوبت پہنچ جائیگی کہ سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ کل نصاریٰ مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ اور حدیث شریف میں ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ (رضی اللہ عنہ) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ﷺ) وَيَهْلِكُ اللَّهُ فِي زَمَانِهِ (ای زمانہ عیسیٰ (علیہ السلام) الملل کلہا الا الاسلام (رواہ احمد و ابوداؤد) یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں سوائے اسلام کے کوئی دین باقی نہ رہے گا۔ الحاصل کسر صلیب اور قتل خنزیر عیسیٰ (علیہ السلام) کی علامت مخلصہ ہے کسی طور سے یہ علامتیں مرزا صاحب میں نہیں پائی جاسکتیں۔

۵..... وضع جزیہ جو بخاری شریف کی حدیث میں مذکور ہوا۔ یہ علامت بھی مرزا صاحب میں ہرگز نہیں پائی جاسکتی اور نہ اس کے پائے جانے کی توقع ہے اسلئے کہ اگر بالفرض ان کی حکومت ان کے مریدوں پر فرض کی جائے تو بجائے اس کے کہ وہ جزیہ موقوف کرتے ان سے جزیہ جس قسم کا ممکن ہے برابر وصول کرتے ہیں جیسا کہ اخبار الحکم وغیرہ سے ظاہر ہے اور اگرچہ جزیہ سے مراد وہ رقم ہے کہ خاص کافروں سے لی جاتی ہے تو ہندوستان میں اس کا وجود ہی نہیں اور نہ یہ توقع ہے کہ مرزا صاحب کی موت سے پہلے اس کا رواج ہوا سلئے اس کا

موقوف کرنا کسی طرح صادق نہیں آسکتا۔ اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے جو دمشق کو قادیان اور اپنے کو عیسیٰ موعود قرار دیا ہے وہ غلط ہے اس لئے کہ اگر وہ عیسیٰ ہوتے تو جزیہ موقوف کر دیتے اور یہ ممکن نہیں۔ بخلاف عیسیٰ علیہ السلام کے جب دمشق میں اتریں گے جزیہ موقوف کر دیں گے جس کا رواج وہاں موجود ہے اور نزول عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہے گا جس سے یہ علامت بھی پوری ہوگی۔

۶..... مال بے حساب تقسیم کرنا۔ جیسا کہ حدیث بخاری میں مذکور ہوا اور مسلم شریف میں ہے وَلْيَدْعُوْا اِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلْهُ اَحَدٌ۔ اور مسند امام احمد بخاری و مسلم و ترمذی میں ہے کہ وَيَقْبِضُ الْمَالُ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ۔ اور نیز بخاری و مسلم میں ہے وَحَتَّى يَكْتُمُ فَبِكُمُ الْمَالُ فَيَقْبِضُ حَتَّى يَهْمُ رَبُّ الْمَالِ مِنْ يَقْبَلُ صَدَقَةً فَيَقُولُ الَّذِي يَعْرُضُ عَلَيْهِ لَا اِرْبَ لِي بِهِ۔ اور روایت مسلم میں ہے يَكُونُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ بِقِسْمِ الْمَالِ وَلَا يَعْدُهُ۔ یہ کل حدیثیں مرفوع ہیں اور اس مضمون میں کئی روایتیں وارد ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ قیامت کے قریب مال بکثرت ہوگا اور زمین سے خزانے ابلنے لگیں گے اور مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام بے حساب تقسیم کریں گے یہاں تک کہ اس کے لینے کے لئے جس کو بلائیں گے وہ یہی کہے گا کہ مجھے حاجت نہیں۔ مرزا صاحب ازلۃ الابدہام میں آیہ شریفہ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ اس کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ ان کو کہہ دے کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و رحمت سے یہ قرآن بیش قیمت مال ہے سو اس کو تم خوشی سے قبول کرو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علم و حکمت کے مانند کوئی مال نہیں یہ وہی مال ہے جس کی نسبت پیش گوئی کے طور پر لکھا تھا کہ مسیح دنیا میں آکر مال کو اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔ یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو بمصدق آیت انما اموالکم واولادکم فتنة ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دیکر فتنے میں ڈال

دے گا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ ہر کس و نا کس کے زبان زد ہے کہ اسہمہ شکل برائے اکل ایک مدت تک جان فشانی کر کے عیسویت پیدا کی گئی اور اقسام کی تدبیروں سے روپیہ کمایا گیا۔ مثلاً منارہ اور مسجد اور مدرسے کی تعمیر پیش کر کے، خط و کتابت و مہمانداری کی ضرورتیں بتلا کے، کتابوں کی تصنیف اور اشاعت کے ذریعے سے، تصویریں بکوا کر، غرض کہ جو روپیہ بڑی بڑی مشقتوں سے جمع کیا گیا اپنی اور اپنے پس ماندگوں کی ضرورتوں اور اسباب راحت میں صرف نہ کر کے عیسویت کے لحاظ سے مفت تقسیم کر دینا کوئی عقش کی بات نہیں اس لئے بچاؤ کی تدبیر یہ نکالی کہ عیسیٰ جو مال تقسیم کرے گا وہ یہ مال نہیں جو لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ وہ مال قرآن ہے فی الحقیقت مال کا بے دریغ اس طرح راہ خدا میں خرچ کر دینا مشکل کام ہے اور یہ مال کی جگہ قرآن کا خرچ کرنا صرف مرزا صاحب ہی کی رائے نہیں۔ قدیم زمانے میں بھی بعض لوگوں کی یہی رائے تھی چنانچہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر الحمد گوئی صد بخواند بدینارے چو خرد گل بماند
مرزا صاحب نے قرآن کو مال اس قرینے سے بتایا کہ آیہ موصوفہ میں قرآن کی تفصیل مال پر دی گئی کما قال تعالیٰ وَهُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ مگر یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ بھی قرآن شریف میں ہے۔ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ یعنی خدا کی مغفرت اور رحمت اس مال سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے۔ مرزا صاحب کے استدلال کی بنا پر یہاں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ مغفرت بھی مال ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ قرآن کے علوم کو مال نہیں کہہ سکتے اس صورت میں جب احادیث میں صراحتاً وارد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے حساب مال تقسیم کریں گے اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہ

علوم قرآنیہ تقسیم کریں گے۔

البتہ بادی النظر میں مرزا صاحب کا یہ اعتراض ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ مال تقسیم کرنے کے لئے اس کا جمع کرنا بھی ضرور ہے حالانکہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی یہ شان نہیں کہ مال جمع کریں۔ اگرچہ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جب مرزا صاحب کو عیسویت کا دعویٰ ہے تو پھر وہ اقسام کی تدبیروں سے مال جس کو خود فتنہ کہتے ہیں کیوں جمع کرتے ہیں مگر تحقیقی جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو مال جمع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی بلکہ اس زمانے میں مال زمین سے ابلے گا جیسا کہ احادیث موصوفہ میں ویفیض المال بتصریح موجود ہے۔ یہاں بھی مرزا صاحب نے دھوکا دیا۔

مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ مسیح اتنا مال یعنی علوم قرآنیہ تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے اور ایک مقام میں بھی فرماتے ہیں کہ میں وہ مال اتنا تقسیم کروں گا کہ لوگ لے نہ سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے معتقدین اس مصنوعی مال سے اتنا سرمایہ علمی حاصل کر لیں گے کہ اس سے زیادہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر حدیث شریف میں یہ ہے کہ لیدعون الی المال فلا یقبضہ احد یعنی وہ لوگ مال لینے کے لئے بلائے جائیں گے مگر کوئی اس کو قبول نہ کرے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اس سے اعراض کریں گے اور ظاہر ہے کہ علوم قرآنیہ سے اعراض کرنا دلیل کفر ہے۔ اہل اسلام تو بلافاظ آیت شریفہ وقل رب زدنی علماً ہمیشہ زیادتی علم کے طالب رہا کرتے ہیں بخلاف اس کے مال سے اعراض کرنا کوئی بری بات نہیں بلکہ شرعاً ممدوح ہے۔ الغرض مال بمعنی علم ہو نہیں سکتا۔

مرزا صاحب نے مال کی جو توہین کی ہے کہ وہ فتنہ ہے اور مسیح مال دیکر لوگوں کو فتنے میں کیوں ڈالے گا۔ معلوم نہیں یہ کس حالت میں انہوں نے لکھ دیا جس فتنے کو گھر سے

اکمال دینا عیسویت کی شان سے بعید سمجھتے ہیں اسی فتنے کو اقسام کی تدبیروں سے خود جمع کر رہے ہیں اور قوم کے روبرو اپنی محتاجی بیان کر کے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ کچھ امداد کرو جیسا کہ ازلیۃ الاولیاء سے ظاہر ہے اس پر یہ دعویٰ کہ میں عیسیٰ ہوں۔

شاید مرزا صاحب یہاں یہ بھی اعتراض کریں گے کہ زمین سے مال ابلنا خلاف عقل ہے مگر یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ آخر زمین میں دینے معدنیں موجود ہیں اور مسلمانین کو اکثر ملایا کرتے ہیں اور خدائے تعالیٰ قادر ہے کہ ان ذخائر پر عیسیٰ (علیہ السلام) کو مطلع فرمادے اور اگر خدائے تعالیٰ کی قدرت ہی میں کلام ہے تو ہم ان کا جواب یہاں نہ دیں گے۔ بلکہ ان کتابوں میں دیں گے جہاں ہمتاً بلکہ کفار صفات الہیہ ثابت کی جاتی ہیں۔

الغرض مرزا صاحب مال سے مراد ان احادیث میں جو علوم قرآنیہ لیتے ہیں وہ صحیح نہیں بلکہ دراصل وہ ایک ایسی علامت عیسیٰ (علیہ السلام) کی ہمارے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بیان فرما دی ہے کہ ہر مسلمان اس کو دیکھتے ہی یقین کر لے گا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) اتر آئے اور چونکہ مرزا صاحب کے زمانے میں نہ مال اس قدر وفور سے ہے نہ وہ بے حساب تقسیم کر سکتے ہیں بلکہ خود ہی لوگوں سے وصول کرنے کی فکر میں دن رات مصروف ہیں۔ اس سے یقیناً مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

..... کل ادیان ہلاک ہو کر ایک دین اسلام کا باقی رہ جانا۔ جیسا کہ روایت امام احمد اور ابو داؤد سے اوپر معلوم ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ویہلک اللہ فی زمانہ الممل کلہا الا الاسلام۔ بیان للناس میں فتح الباری سے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

مرزا صاحب ازلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں تحصیل علوم ربزہ ہو رہی ہے ہمارے زمانے کی نئی روشنی جس کو دوسرے لفظوں میں دخان سے موسوم کرنا چاہیے،

عجیب طور پر ایمان اور دیانت اور اندرونی سادگی کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ سوفسطائی تقریروں کے غبار نے صداقت کے آفتاب کو چھپا دیا ہے، فلسفی مغالطات نے سادہ لوحوں کو طرح طرح کے شبہات میں ڈال دیا ہے خیالات باطلہ کی تعظیم کی جاتی ہے۔ حقیقی صداقتیں اکثر لوگوں کی نظر میں کچھ حقیر سی معلوم ہوتی ہیں اور براہین احمدیہ میں نکھتے ہیں کہ پادری لوگ ہمیشہ روز افزوں ترقی کر رہے ہیں کہ ستائیس ہزار سے پانچ لاکھ تک شمار کر شانوں کو پہنچ گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس تحریر کے بعد کر شان اور بھی بڑھ گئے۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب کا زمانہ اسلام کے حق میں کیسا منحوس ہے جس میں لاندہی اور کفر کی روز افزوں ترقی ہے جن کے خود وہ معترف اور شاکی ہیں کیا اس کھلے شہادے کے بعد کسی مسلمان کو جس کو ہمارے نبی کریم ﷺ پر اور احادیث نبویہ پر ایمان ہے مرزا صاحب کے مسیح ہونے کا احتمال بھی ہو سکتا ہے۔ کیا عیسیٰ موعود کا یہی کام ہے کہ کفر و الحاد کی شکایت کر کے روپیہ جمع کر لے جیسا کہ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کی اشاعت میں یہی کام کیا کہ اس قسم کی تقریریں کر کے اس کتاب کی لاگت سے دو چند بلکہ اس سے بھی زیادہ روپیہ وصول کر لیا اور آخر میں لکھ دیا کہ ایک شب اپنے خیالات کی شب تاریک میں موسیٰ علیہ السلام کی طرح سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے انبیاء ربک کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے کہ جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی سواب کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہر و باطن حضرت رب العالمین ہے اور معلوم نہیں کہ کس انداز سے اور مقدار تک پہنچانے کا ارادہ ہے اور دین اسلام کا وہی حافظ ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جتنے دلائل قائم کرنے کا وعدہ تھا اب اس کی ضرورت نہ رہی اور دین کا خدا حافظ ہے اگر پادری، لاندہب اور آریہ وغیرہ مسلمانوں کی تعداد گھٹائیں اور کفر کی اشاعت کریں تو عیسیٰ کو اس سے کیا تعلق۔ اگر کوئی کافر بھی ہو جائے تو مرزا صاحب صاف کہہ دیجئے انی ہوی منک انی اخاف اللہ رب

العلمين -

۸۔ دشمنی بغض اور حسد کا دفع ہو جانا جیسا کہ روایت صحیح مسلم سے ثابت ہے قال رسول اللہ ﷺ وليذهبن الشحناء والتباغض والتحاسد (کنز العمال ج ۷ ص ۸۶)۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ان صفات کا وجود ہی نہ رہے گا۔ اس لئے کہ جب کل ادیان جا کر اسلام ہی اسلام رہ جائیگا تو اصلی اخوت اسلامی قائم ہو جائیگی۔

اب مرزا صاحب کی عیسویت کا دورہ بھی دیکھ لیجئے کہ جہاں اسلام میں بہتر (۷۲) فرقے تھے انہوں نے ایک فرقہ ایسا بنا دیا کہ جس کو ان میں سے کسی کے ساتھ تعلق نہیں اور اس فرقے کی یہ کیفیت کہ تمام مسلمانوں کا دشمن۔ ایک مسلمان آج اپنے گھر میں خوشی سے بیٹھا ہے کہ کل مرزا صاحب کا منتر اس پر اثر کرتے ہی اپنے کنبے بھر کا دشمن ہو گیا اور طرفین سے سب دشتم اور زد و ضرب کی نوبت پہنچ رہی ہے اور دونوں فوجداری میں کھینچے جا رہے ہیں۔ اب مرزا صاحب ہی انصاف سے کہہ دیں کہ مسلمان اپنے نبی کی بات مان کر ایسے مسیح کا انتظار کریں جس کے زمانے میں اس علامت کا وقوع ہو یا آپ کی بات مان کر اپنے نبی کی حدیث کو جھوٹی ثابت کریں۔

۹۔ بالنی اثر سے امن قائم ہو جا : اس طور پر کہ شیر اونٹوں کے ساتھ اور چیتے گائیوں کے ساتھ اور بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چریں گے اور لڑکے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے جیسا کہ مسند امام احمد اور مستدرک حاکم میں مروی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ وتقع المامنة على اهل الارض حتى تروعى الاسود مع الابل والنمرور مع البقر والذباب مع الغنم ويلعب الصبيان بالحيات فلا يضرهم (کنز العمال)۔ مرزا صاحب ازالتہ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ (حضرت نے) ایک دوسرے پیش گوئی بطور استعارے کے فرمادی کہ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے حال کے مناسب حال ایسا ہے کہ ایک مسیح تم سے

ہی تمہیں دیا جائیگا اور وہ تم میں حکم ہوگا اور تمہارے کہنے اور بغض کو دور کر دے گا شیر و کبریٰ کو ایک جگہ بٹھا دیگا اور سانپوں کے زہر نکال دیگا اور بچے تمہارے سانپوں اور بچھوؤں سے کھیلیں گے اور ان کے زہر سے ضرر نہیں اٹھائیں گے یہ تمام اشارات اسی بات کی طرف ہیں کہ جب مذہبی اختلافات دور ہو جائیں گے تو ایک دفعہ فطرتی محبت کا چشمہ جوش مارے گا اور بغض اور تحاسد دور ہو جائے گا اور تعصب کی زہریں نکل جائیں گے اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا تب اسلام کے دن پر سعادت اور اقبال کی طرف پھریں گے اور سب مل کر کوشش میں لگیں گے کہ اسلام کو بڑھایا جائے اور مسلمانوں کی کثرت ہو جیسا کہ آج کل کوشش ہو رہی ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہے کم کر دیا جائے اور بد شرشت مولویوں کے حکم و فتویٰ سے دین اسلام سے خارج کر دیئے جائیں اور اگر ہزار وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس سے چشم پوشی کر کے ایک بے ہودہ اور بے اصل وجہ کفر کی نکال کر ایسا کافر فتنہ برپا کیا جائے کہ گویا وہ ہندوؤں اور عیسائیوں سے بدتر ہیں اور یہ سب ملائیوں کہو کہ ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے ہیں۔ الخ

پہلے مرزا صاحب کی مسیحائی پر ان حالات کو جو احادیث موصوفہ میں وارد ہیں انہیں کی تقریر کے موافق تطبیق کر کے دیکھ لیجئے۔ مسلمان تو بقول ان کے یہودی ہو گئے اور مرزا صاحب مسیح ہیں۔ ضرور تھا کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں سے تعصب کا زہر نکال دیتے اور کل اہل اسلام میں کراسلام بڑھانے کی کوشش کرتے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے مگر اس کا اب تک ظہور نہ ہوا۔ جس وقت یہ تقریر مرزا صاحب نے کمال فخر سے کی ہوگی خوش اعتقاد لوگ اَمْنَا وَصَدَقْنَا کہہ کر دل میں خوش ہوتے ہو گئے کہ مرزا صاحب کا وجود فتنہ غیر مترقبہ ہے جہاں تک ہو سکے دل سے ان کی تائید کی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ براہین احمدیہ کو لوگوں نے سوسور پے دے کر خرید لیا مگر ان کو نام ہونا پڑا کہ پچیس تیس سال سے بلکہ جب

مرزا صاحب کا خیال اس طرف ہوا غائب پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اس مدت میں بجائے اس کے کہ تعصب مذہبی دور ہو جاتا ان کے طفیل سے ایک نیا تعصب اہل قائم ہو گیا ہے کہ اب اس کا اٹھنا ان کے بعد بھی بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ مرزا صاحب کا اب وہ زمانہ آ گیا ہے کہ اکثر بیمار رہتے ہیں اور چل چلاؤ کی فکر میں ایسے پڑ گئے ہیں کہ وہ گرم جوشیاں بھی جاتی رہی کیا اب بھی توقع ہے کہ مرزا صاحب کل مسلمانوں کو ایک کر کے کفار کے مقابلے میں کھڑا کر دیں گے۔ ہرگز نہیں مگر خوش اعتقادوں پر تعصب مذہبی اب ایسا مسلط ہو گیا ہے کہ وہ اب بھی مرئی کی ایک ہنگ بکے جائیں گے۔ اسی وجہ سے آدمی کو ضرور ہے کہ سوچ سمجھ کر بہت احتیاط سے کوئی مذہب اختیار کرے کیونکہ اختیار کرنے کے بعد تعصب کی دیوار آگے پیچھے ایسی سدھو جاتی ہے کہ اس کا توڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ کما

قَالَ تَعَالَى وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا۔

مرزا صاحب مولویوں کی شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہ کم کرتے ہیں انصاف سے دیکھا جائے تو مولویوں نے صرف چند قادیانیوں کو مسلمانوں سے خارج کر دیا تھا مگر مرزا صاحب نے تو کروڑوں مسلمانوں کو اسلام سے خارج کر دیا جن کے اعتقاد قرآن و حدیث اور اجماع کے مطابق ہیں اور اپنی قوم کو صاف حکم دے دیا کہ کسی مسلمان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور ان سے من جمیع الوجوہ اعتقاد اور مفارقت اختیار کریں اور وجہ اس کی صرف یہی کہ مرزا صاحب پر ایمان نہیں لاتے اب غور کیا جائے کہ چند قادیانیوں کو کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے پھر جب چند قادیانیوں کو خارج کرنے سے علمائے اسلام بد شرشت اور ایک دوسرے کو کھانے والے کیڑے قرار دیئے گئے تو مرزا صاحب کا لقب واقع میں کیا ہوگا اور جو وہ انہوں مسلمانوں کو اسلام سے خارج ہونے کی قرار دی ہے وہ کس درجے کی بے ہودہ اور بے اصل بھیجی جائے۔

مرزا صاحب نے بھیڑیا بکریاں وغیرہ الفاظ حدیث کے معنی جو مجازی لئے ہیں انکی وجہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ممکن نہیں کہ بھیڑیا بکری کو اور شیر اونٹ کو نہ کھائے اور درندے اپنی صفت درندگی کو چھوڑ دیں کیونکہ مجازی معنی اسی وقت لئے جاتے ہیں جب حقیقی معنی نہ بن سکیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ حقیقی معنی ان الفاظ کے کیوں نہیں بن سکتے۔ اگر مرزا صاحب یہ کہیں کہ عادت کے خلاف ہے تو وہ مسلم ہے لیکن مسلمانوں کے بلکہ حکماء کے بھی نزدیک یہ بھی تو مسلم ہے کہ انبیاء اور اولیاء سے خلاف عادت امور بھی ظاہر ہوا کرتے ہیں اور اگر یہ کہیں کہ حیوانات کے متفصلاً طبع کا دور کرنا خدا کی قدرت میں بھی نہیں ہے۔ تو پھر ان کے کفر میں شک کیوں کیا جائے اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کی خالقیت کے قائل ہو گئے تو اس کو ماننا پڑے گا کہ جس نے ان کو صفت سعیت دی ہے وہ اس کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ مرزا صاحب کی اس تقریر سے مستفاد ہوتا ہے نہ ان کو نبی ﷺ کے قول کا اعتبار ہے نہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا یقین پھر ان سے اس بارے میں گفتگو ہی کیا۔

آئیں کہ زقرآن و خبرز و زعی لیسٹ جوابش کہ جوابش ندی ہم اپنے ہم مشربوں سے خیر خواہانہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تقریروں سے اپنے ایمان کو صدمہ نہ پہنچے دیں اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں کسی کی بات نہ سنیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی نسبت تو خاص خاص اہتمام منظور الہی ہیں جن کی خبریں آنحضرت ﷺ نے بتدریج دی ہیں۔ تاریخ الخلفاء میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مالک ابن دینار وغیرہ کا ہر دین کے چشم دید واقعات نقل کئے ہیں کہ عمر ابن عبدالعزیز علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں بھیڑیے بکریوں کے ساتھ چراتے تھے۔ الحاصل مرزا صاحب نے صرف اپنی عیسویت جمانے کی غرض سے یہ کام کیا کہ جتنے خوارق عسیٰ علیہ السلام کی خبریں نبی کریم ﷺ نے دی ہیں سب میں تاویلیں کر کے ان کی وقعت کھودی اور ان کو معمولی باتیں قرار دے کر اپنے آپ پر

منطبق کر لیا اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی نظیریں ام سابقہ میں بھی مل سکتی ہیں دیکھئے حق تعالیٰ قرآن شریف میں خبر دیتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى الَّذِي خَآجَ اِبْرٰهِيْمَ لِنِي رَبِّهٖ اَنْ اَتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّيُّ الَّذِي يُعْجِبُ وَيُؤْمِنُ قَالَ اَنَا اُخْبِي وَاُؤْمِنُ واقعہ یہ ہے کہ لوگ غلہ لینے کے لئے نمرود کے پاس جاتے تھے اور اس کی عادت تھی کہ ان سے پوچھتا کہ تمہارا رب کون ہے اگر وہ کہتے کہ تو ہی ہمارا رب ہے تو ان کو غلہ دیتا۔ ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ضرورتاً اس کے پاس گئے اور اس نے حسب عادت آپ سے بھی پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے آپ نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا یہ صفت تو مجھ میں بھی ہے جس کو چاہتا ہوں مار ڈالتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں زندہ ٹھوڑ دیتا ہوں چنانچہ دو شخصوں کو بلا کر ایک کو قتل کر ڈالا اور دوسرے کو زندہ چھوڑ دیا یہ واقعہ تفسیر درمنثور میں امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

دیکھئے صفت احیاء و امات جو خاصہ باری تعالیٰ ہے اس کی تاویل کر کے نمرود نے ایک معمولی بات بنا دی اور اپنے آپ پر منطبق کر لیا جس طرح مرزا صاحب کر رہے ہیں۔ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی نسبت تو فرمایا کہ وہ یہودی بن گئے مگر افسوس ہے کہ اپنی حالت کو ملاحظہ نہیں فرمایا کہ وہ خود کیا بن گئے۔ اگرچہ ان کو اعتراف ہے کہ وہ یہودیوں کے مثل ہیں جیسا کہ عبارت مذکورہ میں لکھتے ہیں۔ جب تم یہودی بن جاؤ گے تو تمہارے مناسب حال ایسا ہی ایک مسیح تم میں سے دیا گیا۔ مگر ان تقریروں سے ظاہر ہے کہ اسی پر اکتفاء نہیں۔

بہر حال یہ علامتیں جو صحیح حدیثوں میں وارد ہیں مرزا صاحب کے زمانے پر صادق نہیں آسکتیں اس وجہ سے وہ مسیح موعود ہونے نہیں سکتے۔

۱۰۔ شب معراج خود عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ دجال کے قتل کیلئے میں

ما موروں اور زمین پر اتر کے میں ہی اسے قتل کروں گا۔ جیسا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی شیبہ اور سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کی ہے عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لَقِيتْ لَيْلَةَ امْرِي بِي اِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَى وَ عِيسَى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فَذَكَّرُوا امْرَ السَّاعَةِ فَرَدُّوا امْرَهُمُ الٰى اِبْرَاهِيمَ فَقَالَ لَا عِلْمَ لِي بِهَا فَرَدُّوا امْرَهُمُ الٰى مُوسَى فَقَالَ لَا عِلْمَ لِي بِهَا فَرَدُّوا امْرَهُمُ الٰى عِيسَى فَقَالَ اَمَّا وَجْتَهَا فَلَمْ يَعْلَمْ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ وَفِيْمَا عَهْدُ الٰى رَبِّى اَنْ الدَّجَالَ خَارِجٌ وَمَعِى قَضِيْبَانِ فَاِذَا رَانِىْ ذَا بَ كَمَا يَذُوْبُ الرِّصَاصُ فَيَهْلِكُهُ اللّٰهُ اِذَا رَانِىْ (الحدیث) یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ شبِ معراج مجھ سے ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اثنائے گفتگو میں قیامت کا ذکر آیا ہم سب نے ابراہیم ؑ سے اس کا حال دریافت کیا انہوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی اسی طرح موسیٰ ؑ نے بھی اپنی لاعلمی ظاہر کی مگر عیسیٰ ؑ نے کہا کہ یہ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگی مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ جال نکلنے والا ہے اور خدائے تعالیٰ نے مجھے معلوم کر دیا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی جب وہ مجھے دیکھے گا تو سپیے کی طرح پھٹنے لگے گا۔

مولوی محمد عبداللہ صاحب شاہجہاں پوری نے شفاء للناس میں فتح الباری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مسند امام احمد اور ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ عیسیٰ ؑ نے دجال کے نکلنے کا حال کہہ کر کہا کہ میں اس وقت اتروں گا اور اس کو قتل کروں گا۔ اس صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ خود عیسیٰ ؑ نے آنحضرت ﷺ سے بیان کیا کہ خدائے تعالیٰ نے پہلے سے مجھے دجال کے قتل کے لئے معین فرمایا ہے۔ اور میں زمین پر اتر کر اس کو قتل کروں گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کو صرف کشف ہی سے عیسیٰ ؑ کے نزول کا حال معلوم نہیں ہوا بلکہ خود

عیسیٰ ؑ کی زبان سے حضرت من چکے تھے۔ اس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا جو مرزا صاحب نے کہا تھا کہ اس کشف میں حضرت کو (نعوذ باللہ) غلطی ہوئی ہے۔

مرزا صاحب غالباً یہاں یہ شبہ پیش کریں گے کہ ان انبیاء کے مقامات ایک آسمان پر نہیں پھر سب کا اتفاق اور مجمع ایک جگہ کیسے ہوا۔ مگر اہل اسلام کے نزدیک ایسے و یک شبہات قبل توجہ نہیں اس لئے کہ اولیاء اللہ کو اس عالم میں یہ بات حاصل ہے کہ وقت واحد میں متعدد مقامات پر روکتے ہیں جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب المتجلی فی تطوّر الولی" میں اس کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور اولیاء اللہ کے تذکروں میں اس کی کثرت بکثرت موجود ہیں۔

خلاصہ اس حدیث کے دیکھنے کے بعد اہل ایمان کو اس میں کوئی شبہ نہ رہے گا کہ مرزا صاحب نے اپنی عیسویت ثابت کرنے کے لئے جتنی تمہیدات کی ہیں کہ خدا نے میرا نام عیسیٰ ابن مریم رکھا اور اور یہ کہا اور وہ کہا سب سخن سازیاں اور افترا ہیں اور کوئی الہام ان کا اس قابل نہیں کہ اس حدیث کے مقابلے میں آ سکے۔

مرزا صاحب نے مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی کے مقابلے میں جو تقریر کی ہے الحق الصریح فی ذی قاسم صفحہ ۷۰ میں لفظ بلفظ لکھا ہے اس تقریر میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول مولوی صاحب کے ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افترا ہے۔ مولوی صاحب پر فرض تھا کہ قراءت شاذہ قبل موثقہم کے راوی کا صریح افترا ثابت کرتے اور یہ ثابت کر کے دکھاتے کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے مجرد ضعیف حدیث کا بیان کرنا اس کو ہلکی ثبوت سے روک نہیں سکتا۔ امام بزرگ حضرت امام ابو حنیفہ فخر الائمہ سے مروی ہے کہ میں ایک ضعیف حدیث کے ساتھ بھی قیاس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اب کیا جس قدر حدیثیں صحاح

ستہ میں ہیں باعث بعض راویوں کے قابل جرح یا مرسل اور منقطع الاسناد ہیں وہ بالکل پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض ہیں اور کیا محدثین کے نزدیک موضوعات کے برابر سمجھی گئی ہیں۔

مرزا صاحب کو جب ضعیف حدیث کے ساتھ یہ خوش اعتقادی ہے تو یہ حدیث جس میں آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا بیان مذکور فرمایا ہے وہ تو صحیح ہے جس کی صحت کی تصریح اکابر محدثین نے کر دی ہے اس کو وہ ضرور مانتے ہو گئے مگر ان کی تقریروں سے ثابت ہے کہ وہ اس کو نہیں مانتے۔ مرزا صاحب اپنے استدلال کے وقت جو ضعیف حدیث کے ماننے پر ہم کو مجبور کرتے ہیں اور خود حدیث صحیح بھی نہیں مانتے اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہم کو مسلمان سمجھتے ہیں اور خود کو دائرہ اسلام سے خارج اگر مسلمانوں کا یہودی بن جانا اور اپنا مسلمان ہونا ان کے نزدیک ثابت ہوتا تو اس پر کبھی اصرار نہ کرتے کہ ضعیف حدیث بھی نبی کی ہم لوگ مان لیں اور خود صحیح حدیث بھی نہ مانیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جو انہوں نے یہودی قرار دیا تھا اور اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کا امتی وہ قطع نظر اس کے کہ واقع کے خلاف ہے خود بھی اپنی غلط بیانی کے معترف ہیں۔ اس موقع پر ہم نہایت خوشی سے اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ اپنے نبی کی ضعیف حدیث بھی قابل تسلیم ہے۔ مگر مرزا صاحب کو کوئی حق نہیں کہ اس کا الزام ہم پر لگائیں کیونکہ مسائل جزئیہ میں ہر دین والا اپنے نبی کے قول پر عامل ہوتا ہے۔ دوسری ملت والا شخص ان میں مباہلے کا مجاز نہیں بلکہ اگر مزہ ہو تو امور کلیہ میں ہوگا کہ پہلے ہر شخص اپنا دین واجب الاتباع ثابت کرے۔ اب مرزا صاحب سے اگر بحث ہو تو ہم اپنا دین ناحق ثابت کریں اور مرزا صاحب اپنا دین اور ان جزئیات سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر مرزا صاحب اپنے کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ مختصائے وقت اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں تو چاہیے کہ اس حدیث صحیح کو

مان لیں اور دعویٰ عیسویت سے توبہ کریں ورنہ یہ الزام رفع نہیں ہو سکتا۔
الحاصل مرزا صاحب اس حدیث کو مانیں یا نہ مانیں مسلمانوں کے نزدیک مرزا صاحب اس صحیح حدیث کی رو سے صحیح موعود ہرگز ہو نہیں سکتے۔

121..... عیسیٰ علیہ السلام کا وہاں کو باب لد پر قتل کرنا اور ان کے دم سے کفار کا مرجانا جو اس روایت سے ظاہر ہے جو مسلم شریف میں ہے۔ عن النوايس ابن سمعان قال ذكر رسول الله ﷺ الدجال ذات غداة فخفض فيه ورفع حتى ظنناه في طائفة النخل فلما رحنا اليه عرف ذلك فينا فقال ما شانكم قلنا يا رسول الله ذكرت الدجال غداة فخفضت فيه ورفعت حتى ظنناه في طائفة النخل فقال غير الدجال اخوفني عليكم ان يخرج وانا فيكم فانا حجيجه دونكم وان يخرج ولست فيكم فامر حجيح نفسه والله خليفتي على كل مسلم. انه شاب قطط عينه طافئة كاتى اشبهه بعبد العزى بن قطن فمن ادرك منكم فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف. انه خارج خلة بين الشام والعراق فعات يمينا وعات شمالا ياعباد الله فابتنوا قلنا يا رسول الله وما ليته في الارض قال اربعون يوما يوم كسنة ويوم كشهر ويوم كجمعة وسائر ايامه كايامكم قلنا يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة اتكفينا فيه صلوة يوم قال لا اقدروا له قدره قلنا يا رسول الله وما اسراعه في الارض قال كالغيث استدبرته الريح فياتي على القوم فيدعوهم فيؤمنون به ويستجيبون له فيأمر السماء فتمطر والارض فتنبث فتروح عليهم سارحتهم اطلول ما كانت ذرى واسبغه ضروعا وامده خواصر ثم ياتي القوم فيدعوهم فيردون عليه قوله فينصرف عنهم فيصبحون ممحلين ليس بايديهم شئ عن

اموالهم ويمر بالخرية فيقول لها اخرجي كنوزك فتبعه كنوزها
كعباسيب النحل ثم يدعو رجلاً ممتلياً شاباً فيضربه بالسيف فيقطعه
جزئين رمية الغرض ثم يدعوه فيقبل ويتهلل وجهه ويضحك فيبينما هو
كذلك اذ بعث الله المسيح ابن مريم عليه السلام فينزل عند المنارة البيضاء
شرقي دمشق بين مهروذين واضعاً كفيه على اجنحة ملكين اذا طأطا
راسه قطر واذا رفعه تحدر منه جمان كاللزؤ فلا يحل لكا فر يجد ربح
نفسه الا مات ونفسه ينهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لد فيقتله ثم
ياتي عيسى قوم قد عصمهم الله منه فيمسح عن وجوههم ويحدثهم
بدرجاتهم في الجنة فيبينما هو كذلك اذ اوحى الله الي عيسى عليه السلام اني
قد اخرجت عباداً لي لا يدان لاحد بقنالهم فحرز عبادي الى الطور ويبعث
الله ياجوج وماجوج وهم من كل حدب ينسلون فيمر اوائلهم على بحيرة
طبرية فيشربون مافيها ويمر اخرهم فيقولون لقد كان بهذه مرة ماء
تحصر نبى الله عيسى عليه السلام واصحابه حتى يكون راس الثور لاحدهم
خيلاً من مائة دينار لاحدكم اليوم فيرغب نبى الله عيسى عليه السلام واصحابه
فيرسل الله عليهم الغف في رقابهم فيصبحون فرسى كموت نفس واحدة
ثم يهبط نبى الله عيسى عليه السلام واصحابه الى الارض فلا يجدون فى الارض
موضع شبر الا ملأه زهمهم وننتهم فيرغب نبى الله عيسى عليه السلام واصحابه
الى الله فيرسل الله عليهم طيراً كاعناق البخت فتحملهم فتطرحهم حيث
شاء الله ثم يرسل الله مطراً لا يكلن منه بيت مدر ولا وبر فيغسل الارض
حتى يتركها كالزلفة ثم يقال للارض انبثي ثمرتك وردى بركتك

فيومئذ تاكل العصاة من الرمانة ويستظلون بقحفها وبارك فى الرسل
حتى ان اللقحة من الابل لتكفى الفنام من الناس واللقحة من البقرة لتكفى
القبيلة من الناس واللقحة من الغنم لتكفى الفخذ من الناس فيبينما هم
كذلك اذ بعث الله ريحا طيبة فتأخذهم تحت اباطهم فتقبض روح كل
مؤمن وكل مسلم ويبقى شرار الناس يتهاجون فيها تهاجر الحمر فعليهم
تقوم الساعة (رواه مسلم)۔

یعنی نواس کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے دجال کا ذکر ایسے طور پر کیا
کہ کچھ دہلی آواز سے فرمایا اور کچھ بلند آواز سے جس سے ہم کو خیال ہوا کہ شاید نخلستان میں وہ
آگیا جب ہم اس طرف جانے لگے فرمایا کہ کیا تمہاری حالت ہے۔ ہم نے عرض کی کہ آپ
نے ایسے طور پر دجال کا حال بیان فرمایا ہے کہ ہمیں اس کے نخلستان میں آجانے کا گمان ہو
گیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اس سے زیادہ خوف دوسرے امور کا تمہاری نسبت مجھے ہے
(یعنی ظالم اور گمراہ سلاطین کا جیسا کہ دوسری احادیث میں وارد ہے) اگر بالفرض دجال
میرے وقت میں نکلے تو میں اس سے گفتگو کر کے قائل کر دوں گا اور اگر میرے بعد نکلے تو ہر
شخص اس سے بطور خود بحث کرے اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے۔ مگر یاد رکھنے کی بات
یہ ہے کہ دجال جوان ہوگا اور اس کے بال بہت بڑھے ہوئے ہوں گے اور وہ عبدالعزیٰ بن
قطن کے ساتھ کسی قدر مشابہہ ہے۔ جو مسلمان اس کو پائے سورہ کہف کے شروع کی چند
آیتیں پڑھ لے اور یہ بھی یاد رکھو کہ وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں
فساد کا ہنگامہ برپا کر دے گا۔ اے خدا کے بندو اس وقت اپنے دین پر ثابت رہو ہم نے عرض
کی یا رسول اللہ وہ کتنے روز زمین پر رہیگا؟ فرمایا چالیس روز مگر ایک دن ایک برس کے برابر
ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن ایک ہفتے کے برابر اور باقی ایام معمولی ہوں

گئے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جو ایک دن ایک برس کے برابر ہوگا اس میں پانچ نمازیں کافی ہوں گی؟ فرمایا نہیں اوقات کا اندازہ کر کے نمازیں پڑھنی جائیں۔ پھر ہم نے عرض کی اس کی سرعت سیر کی کیا کیفیت ہوگی؟ فرمایا جس طرح ابر کو ہوالے جاتی ہے وہ کسی قوم میں جا کر ان کو اپنے پر ایمان لانے کو کہے گا جب وہ اس پر ایمان لائیں گے تو آسمان کو حکم کرے گا کہ پانی برسائے اور زمین کو حکم کرے گا کہ بڑی آگائے جس سے جانور خوب ہی مونٹے تازے ہو جائیں گے پھر دوسری قوم پر جا کر ان کو اپنی طرف مائل کرے گا مگر وہ قبول نہ کریں گے وہاں سے وہ جب لوٹے گا تو ان لوگوں پر قحط آجائیگا اور کسی قسم کا مال ان لوگوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہیگا۔ اس کے بعد ایک ویرانے پر گزرے گا اور اس سے کہے گا کہ اپنے خزانوں کو نکالے چنانچہ وہاں کے خزانے اس کے ساتھ ہو جائیں گے۔ پھر ہر ایک شخص کو بلائے گا جو کمال شباب میں ہوگا اور اس کے دو کلوے کر کے دور دور ڈال دیا پھر اس جوان مقتول کو بلائیگا چنانچہ وہ ہنستا ہوا اس کی طرف آجائیگا۔ غرض کہ وہ اس قسم کے واقعات میں مشغول ہوگا کہ خدائے تعالیٰ مسیح ابن مریم ﷺ کو بھیجے گا وہ دمشق کی شرقی جانب سفید پینار کے پاس دوزرد چادریں پہنے ہوئے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکا دیں گے اور اٹھا دیں گے تو ان کے پسینے کے قطرے مثل موتی کے نکلیں گے۔ جس کافروان کے دم کی بو پہنچ جائے گی تو ممکن نہیں کہ وہ زندہ رہ سکے۔ پھر وہ دجال کو ڈھونڈ کر لد کے دروازے پر جو بیت المقدس کے قریب ایک شہر ہے قتل کر ڈالیں گے۔ اس کے بعد عیسیٰ ﷺ اس قوم کی طرف جائیں گے جن کو حق تعالیٰ نے دجال کے فتنے سے بچایا تھا اور شفقت سے ان کے منہ پر ہاتھ پھیر کر خوشخبری درجات جنت کی دیں گے جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اس اثناء میں حق تعالیٰ عیسیٰ ﷺ پر وحی فرمایا کہ اب ہم نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے جن کے مقابلے کی کسی میں طاقت نہیں اس لئے ہمارے

ہمارے بندوں کو تم طور کی طرف لے جاؤ اس وقت یا جوج ماجوج کو حق تعالیٰ زمین پر بھیجے گا اور ہر بلندی پر سے دوڑتے نظر آئیں گے ان کی کثرت کی یہ کیفیت ہوگی کہ جب بیکھرہ طہر یہ پر ان کا گزر ہوگا تو اس کا سب پانی پی جائیں گے جس کو دیکھ کر ان کے پچھلے لوگ خیال کریں گے کہ شاید کسی زمانے میں یہاں پانی تھا۔ ادھر عیسیٰ ﷺ اور ان کے اصحاب محصور ہو گئے اور اشیاء کی نایابی اس درجے تک پہنچ جائیگی کہ آج کے دن سوا شرفیوں کی جو تمہیں قدر ہے اس روز تیل کے ایک سر کی قدر ہوگی۔ اس وقت عیسیٰ ﷺ اور ان کے اصحاب خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ کریں گے اور حق تعالیٰ ایک کینزایا جوج ماجوج کی گردنوں میں پیدا کر دے گا جس سے ایک ہی رات میں دو سب مر جائیں گے، ایک ان میں سے نہ بچے گا۔ پھر عیسیٰ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے مقام سے نکلیں گے اور دیکھیں گے کہ زمین پر ایک ہاشت کی جگہ ایسی نہیں جہاں پر ان کی چربی اور گندگی نہ ہو۔ سب خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے کہ یہ مصیبت دفع فرمادے۔ تب حق تعالیٰ بڑے بڑے پرندے اتاریگا اور وہ ان لاشوں کو اٹھا کر جہاں منظور الہی ہے ڈال دیں گے اور پانی برس جائیگا جس سے تمام روئے زمین آئینہ کی طرح صاف ہو جائیگی۔ پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے ثمرات اگادے اور برکت از سر نو ظاہر کرے چنانچہ برکت کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک ایک جماعت کو کافی ہوگا اور اس کے چھلکے کے سائے کے تھے ایک جماعت بیٹھ سکے گی اور ایک اونٹنی کے دودھ میں یہ برکت ہوگی کہ ایک بڑی جماعت اس سے سیراب ہو جائیگی اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلے کو اور ایک بھری کا دودھ ایک خاندان کو کافی ہوگا۔ اس اثناء میں ہوائے خوش گوار ایسی بھجے گی کہ مسلمانوں کے بغلوں کے نیچے اس کے بہتے ہی ان کی روح قبض ہو جائیگی چنانچہ کل مسلمان عالم بٹھا کو چلے جائیں گے اور برے لوگ باقی رہ جائیں گے۔ ان لوگوں کی بے حیائی اس درجے تک پہنچ جائے گی کہ عام جلسوں میں مرد و عورت گدھوں کی طرح علانیہ جنسی

کریں گے۔ انہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

اس حدیث شریف نے مرزا صاحب کی عیسویت کی کاروائی کو ملیا میٹ کر دیا کیونکہ جو امور عیسیٰ (علیہ السلام) سے متعلق مذکور ہیں نہ مرزا صاحب سے ان کا وقوع ممکن ہے، نہ ان کے زمانے میں کوئی ایسی بات پائی جاسکتی ہے جو عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں ہوں گی۔ اسی وجہ سے جو جھجھلا کر ازالۃ الادبام میں لکھتے ہیں کہ بانی مہانی اس تمام روایت کا صرف نو اس بن سمان ہے اور کوئی نہیں۔ جس کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو بنایا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ الفاظ اپنے معاصرین کے حق میں کہتے تو چنداں مضائقہ نہ تھا مگر افسوس ہے ان کی صحابیت اور جلالت شان کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ بھلا نو اس (علیہ السلام) کو کیا خبر کہ مرزا اپنی عیسویت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے جس کے مخالف یہ حدیث ہوگی انہوں نے تو اپنا فرض منصبی ادا کر دیا جس طرح صحابہ کا دستور تھا جو کچھ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا تھا بلا کم و کاست پانچا دیا اور امت مرحومہ نے اس کو قبول بھی کر لیا۔ کیونکہ اس حدیث میں اکثر کسی کو کلام ہوتا تو علماء اس کی تصریح کر دیتے کہ نو اس (علیہ السلام) نے اس حدیث میں غلطی کی ہے۔ ہر چند یہ بات ظاہر ہے کہ جتنے امور اس حدیث میں مذکور ہیں ظاہراً خلاف عقل ہیں مگر علماء نے دیکھا کہ جتنے وقائع قیامت کے قرآن وحدیث سے ثابت ہیں بالکل خلاف عقل ہیں اور یہ امور بھی مقدمہ قیامت ہیں اس لئے انہوں نے ان کو بھی قیامت ہی سے متعلق کر کے ایمان سے کام لیا لیکن مرزا صاحب چونکہ اس مسئلے میں صاحب غرض ہیں انہوں نے دیکھا کہ اگر ایک بات بھی اس حدیث کی مان لی جائے تو عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اس لئے پہلے تو بانی مہانی اس حدیث کا نو اس (علیہ السلام) کو قرار دے کر موضوع ہی ٹھہرا دیا پھر تو بیانات سے کام لیا چنانچہ ازالۃ الادبام صفحہ ۲۰۲ میں اس حدیث کو ذکر کر کے ایک دوسری حدیث تلاش کی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک روز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے فرمایا کہ میں نے رات عیسیٰ (علیہ السلام) کو اور دجال کو خواب میں دیکھا اور ان دونوں کا حلیہ بھی بیان فرمایا جو خواب میں دیکھا تھا۔ مقصود اس تلاش سے یہ ہے کہ کسی طرح نو اس (علیہ السلام) کی حدیث کو بے کار کر دیں اور اس کی تدبیر یہ نکالی کہ ابن عمر کی حدیث میں مصرح ہے کہ حضرت نے خواب میں دونوں کو دیکھا تھا اس وجہ سے نو اس (علیہ السلام) کی حدیث بھی خواب ہی کی بات ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ اب اس تمام حدیث پر نظر غور ڈال کر معلوم ہوگا کہ جو کچھ دمشق حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار اس حدیث (ابن عمر رضی اللہ عنہما) میں واقع ہیں اور پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صاف اور صریح طور سے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ میرا ایک مکلفہ یا ایک خواب ہے پس اس جگہ یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث (جس کو نو اس (علیہ السلام) نے روایت کیا ہے) درحقیقت وہ بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک خواب ہی ہے۔

نو اس (علیہ السلام) والی حدیث میں شروع سے اخیر تک کہیں نہ خواب کا لفظ ہے، نہ اس پر کوئی دلیل مگر مرزا صاحب نے اسی میں سے ایک لفظ نکال ہی لیا چنانچہ صفحہ ۲۰۳ میں لکھتے ہیں کہ حضرت نے دجال کو خواب یا کشف میں دیکھا تھا اور چونکہ وہ ایک عالم مثالی ہے اس لئے اس کا حلیہ بیان کرنے میں لفظ کھائی یعنی گویا کا لفظ بتا دیا تا اس بات پر دلالت کرے کہ یہ رؤیت حقیقی رؤیت نہیں۔ ایک امر تعبیر طلب ہے بھان اللہ مرزا صاحب نے کہاں کی کہاں لگا دی۔ اگر تعبیر طلب تھی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تھی جس میں عیسیٰ (علیہ السلام) اور دجال وغیرہ کا خواب میں دیکھنا مذکور ہے حالانکہ حضرت نے نہ خود اس کی تعبیر بیان کی، نہ صحابہ نے حسب عادت پوچھا کہ عیسیٰ سے کیا مراد ہے اور دجال سے کیا مراد ہے اور ان کے طواف سے کیا مقصود ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس خواب سے صرف ان کی معرفت مشخص طور پر معلوم ہونا مقصود تھا بخلاف نو اس (علیہ السلام) کی حدیث کے اس میں تو سرے سے خواب کا

ذکر ہی نہیں۔ رہ لفظ کائنیٰ مشبہ اس سے صرف تعین اور تشخیص مقصود ہے کہ من وجہ جسمانی مشابہت مشبہ اور مشبہ بہ بھی معلوم ہو جائے کیونکہ یہ لفظ دوسرے مشخصات کی قطار میں واقع ہے جیسے ان کے نکلنے کے مقامات اور مدت بقا اور سرعت سیر کا اندازہ اور اس زمانے کے واقعات جن سے ہر مسلمان سمجھ جائے کہ جب تک یہ تمام نشانیاں نہ پائی جائیں نہ کسی کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ سکتے ہیں، نہ دجال موعود۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ باوجود ان تمام مشخصات اور اہتمام کے جو حضرت نے ان کے بیان میں کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ سب خواب و خیال ہے کس قدر ایمان سے دور ہے۔ جو شتر یہ بات معلوم ہو گئی ہے کہ مرزا صاحب نے یوذا سف کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ واقعات میں تصرف کیا کرتے ہیں جیسے اس نے ابراہیم علیہ السلام کے تمام واقعات میں تصرف کر کے ان کو مجوسی قرار دیا اور بنیاد یہ قائم کی کہ ان کے خلفہ پر برص ہوا تھا مرزا صاحب نے یہاں بھی وہی کیا کہ لفظ کائنیٰ پر یہ بنیاد قائم کی کہ نو اس علیہ السلام کی حدیث ایک خواب کا واقعہ ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، والی حدیث میں جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام اور دجال کو دیکھا ہے اس بناء پر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ پس یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دمشق والی حدیث درحقیقت ایک خواب ہی ہے معلوم نہیں مرزا صاحب سے کس نے کہہ دیا کہ حضرت نے دجال وغیرہ کو جو ایک بار خواب میں دیکھ لیا تھا اس کے بعد جتنے واقعات اور پیشگوئیاں حضرت نے اس باب میں فرمائی ہیں وہ سب خواب ہیں۔ ایک بار کسی کو خواب میں دیکھنے سے قطعی طور پر یہ کیونکر ثابت ہو گا کہ جب کبھی اس کے واقعات بیان ہوں سب خواب ہی ہوا کریں۔ مرزا صاحب کے اس مسلک پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح وغیرہ کے واقعات سب قطعی اور یقینی طور پر خواب ہوں گے اس لئے کہ ان کو بھی حضرت نے نکاح سے پہلے خواب میں دیکھ لیا تھا۔ مرزا صاحب کی سخن سازیوں سے قطع اور یقین کو نہایت ہی ارزاں کر دیا ہے کہ جہاں

کمال بھی پایا نہیں جاتا قطع و یقین کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔

مرزا صاحب نے دجال کی نسبت جو لکھا ہے کہ حضرت نے دجال کو خواب میں دیکھا وہ صورت مثالی تعبیر ہے اس سے تو مرزا صاحب کی عیسویت بھی دجال ہی کے ساتھ رہم برہم ہو جاتی ہے اس لئے کہ حضرت نے دونوں کو ایک ہی خواب میں دیکھا تھا اور علمائے فن تعبیر نے تصریح کی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر سفر وغیرہ ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی عیسویت کس بنا پر قائم ہوگی کیونکہ حضرت کے اس خواب کی تعبیر کا ظہور تو حضرت کے سفر وغیرہ سے اسی زمانے میں ہو گیا ہو گا اب نو اس علیہ السلام والی حدیث میں غور کیجئے کہ کتنے واقعات آنحضرت ﷺ نے اس میں بیان فرمائے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے ہی سے متعلق ہیں۔

۱..... دجال کا حلیہ،

۲..... شام و عراق کے درمیان سے اس کا نکلنا،

۳..... اس کا فساد برپا کرنا،

۴..... اس کی مدت فتنہ پردازی،

۵..... اس کے زمانے کے ایام کی مقدار،

۶..... ان ایام کی نمازوں کا طریقہ،

۷..... اس کی سرعت سیر،

۸..... اس کے خوارق،

۹..... عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا،

۱۰..... ان کے اترنے کا مقام،

۱۱..... ان کا لباس اور ہیئت،

۱۲..... کافروں کا قتل،

۱۳..... دجال کو مقام معین میں قتل کرنا،

۱۴..... یاجوج و ماجوج کا خروج اور ان کی کثرت،

۱۵..... خوردنی اشیاء کی گرانی،

۱۶..... یاجوج و ماجوج کی موت کا حال،

۱۷..... پرندوں کا ان کی لاشوں کو اٹھالے جانا،

۱۸..... زمین کو گندگی سے پاک کرنے کے لئے بارش،

۱۹..... پیداوار کی کثرت،

۲۰..... مسلمانوں کی موت کا حال،

۲۱..... کفار کا حال اور ان پر قیامت کا قائم ہونا۔

یہ کل علامات ایسی ہیں جو عیسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے کے ساتھ مختص ہیں جن میں سے ایک بھی مرزا صاحب کے وقت میں نہیں ہے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث کو ایک خواب تعبیر طلب قرار دے کر بعض امور کی تعبیر بھی بیان کی ہے چنانچہ ازلۃ الاوہام میں طولانی ایام کی نسبت لکھتے ہیں کہ لمبے دنوں سے مراد تکلیف اور مصیبت کے دن بھی ہوتے ہیں۔ بعض مصیبتیں ایسی دردناک ہوتی ہیں کہ ایک دن ایک برس کے برابر دکھائی دیتا ہے اور بعض مصیبتیں ایسی کہ ایک دن ایک مہینے کی مانند معلوم ہوتا ہے اور بعض مصیبتوں میں ایک دن ایک ہفتہ جیسا لبا سمجھا جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ صبر پیدا ہو جانے سے وہی لمبے دن معمولی دن دکھائی دینے لگتے ہیں۔

ازلۃ الاوہام میں انہوں نے لکھا ہے کہ دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں۔ جب دجال سے مراد با اقبال قومیں ہیں اور ایام کی درازی مصیبتوں کے لحاظ سے ہوتی ہے تو

اس تعبیر میں ان کو ضرور تھا کہ اس کی تصریح بھی کر دیتے کہ فلاں با اقبال قوم کے خروج کا پہلا دن ایک سال اور دوسرا دن ایک ماہ اور تیسرا دن ایک ہفتے کا اور باقی ایام معمولی اصناف مصائب کے لحاظ سے ہو گئے تھے اسی طرح ایک ایک با اقبال قوم کے ایام و مصائب کا ذکر کرتے۔ مگر یہ ان سے ممکن نہیں ان کو تو صرف حدیث کو بگاڑنا مقصود ہے اور نمازوں کے باب میں لکھتے ہیں۔ (کہ طولانی دن کی مقدار پر اندازہ کرنے کو جو فرمایا ہے سو) یہ بیان مشعر خدا ﷻ کا علی سبیل الاحتمال ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے بلحاظ وسعت قدرت الہی کا کشفی امر کو مطابق سوال سائل کے ظاہر پر محمول کر کے جواب دے دیا۔ اور کشفی امر کو جب تک خدا تعالیٰ خاص طور پر ظاہر نہ کرے کبھی ظاہری معنوں پر محدود نہیں سمجھتے تھے۔

مطلب اس کا ظاہر ہے کہ ان ایام کا کشف تو حضرت کو ہو گیا تھا مگر بیان کرنے میں (نعوذ باللہ) غلطی کی جو مطابق سوال کے خلاف واقع جواب دے دیا اور حق تعالیٰ نے اس کشفی امر کو حضرت پر ظاہری نہیں کیا اسی لئے ظاہری معنی پر اس کو محدود کر لیا۔

یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر ان ایام کا کشف آنحضرت ﷺ کو ہو گیا تھا کہ ایک روز ایک برس کا ہوگا تو اس کو ظاہری معنی پر حمل کرنا کیوں خلاف واقع سمجھا جاتا ہے اور اگر ایک برس کا ایک دن سمجھا غلط تھا تو کشف ہی کیا ہوا۔ مرزا صاحب نے آنحضرت ﷺ کے کشف کو اپنے ادعائی کشفوں کے جیسے سمجھ لیا ہے کہ کشف میں دیکھا تو شیطان کو اور سمجھ لیا کہ وہ خدا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اسی وجہ سے حضرت کے کشف کی اصل حقیقت کھنسنے میں دقتیں لاحق ہوئیں۔

اور اسی ازلۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ دجال بادل کی طرح تیز چلے گا اور اس پر جو ایمان لائے تب بادل کو کھم کرے گا کہ مینہ برسائے اور زمین کھیتی اگے سو یہ استعارات ہیں ہوشیار رہو دھوکا نہ کھانا۔

مرزا صاحب مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کہ تمہارے نبی ﷺ نے تم کو دھوکا دے دیا ان سے ہوشیار رہو دھوکا نہ کھاؤ۔ سبحان اللہ اس پر امتی ہونے کا دعویٰ بھی ہے اسی میں لکھتے ہیں کہ دجال اس راہ سے نکلنے والا ہے کہ جو شام و عراق کے درمیان واقع ہے یہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ مکاشفات میں عام طور پر استعارات و کنایات ہوا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب کی رائے یہاں چل نہ سکی اس لئے کہ دجال تو با اقبال تو میں ٹھہریں اور وہ شام و عراق کے درمیان نہیں اس لئے اسی پر اکتفا کیا کہ وہ بھی ایک استعارہ و کنایہ ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ یہاں اہل اسلام کو یہ بھی خیال کر لینا چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے کس اہتمام سے ان واقعات کو بیان فرمایا اور کیسے کھلے کھلے الفاظ میں دجال کے حالات معلوم کرائے ان سب کو مرزا صاحب نے چیتان اور پھیل قرار دیا اور صرف چند مضامین اپنی دانست میں حل کر کے باقی کو چھوڑ دیا۔ کیا یہی نبی کی شان ہے کہ اپنی امت کو کسی سے ڈرائے اور اس کے احوال کی پہیلی بنا کر بیان کرے اور اس پہیلی کے سننے والے اس کو ظاہر پر حمل کر کے ظاہری الفاظ پر ایمان لائیں جن میں بعض امور کفریات اور دھوکا ہوں اور نبی سکتا رہیں اور یہ بھی نہ کہیں کہ ہم نے تو پہیلی بنائی تھی تم اسی کے ظاہر پر ایمان لا رہے ہو۔ اپنے نبی کی نسبت ایسا گمان کرنے والا کیا امتی ہو سکتا ہے؟ عقل اس کو ہرگز باور نہ کرے گی۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام اور دجال میں تلازم ثابت ہو جائے تو جو علامات دجال کی احادیث میں مذکور ہیں کسی پر صادق کر کے بتلانے کی ضرورت ہوگی اگرچہ کہ اپنے مناسب دجال کبھی پادریوں کو اور کبھی با اقبال قوموں کو قرار دیتے ہیں اور چند علامات بھی تاویلین کر کے ان پر صادق کر دیتے ہیں مثلاً ایک چشمی ہونے سے مراد دنیاوی عقل وغیرہ ہیں مگر پوری علامتیں تاویلات سے بھی صادق نہیں آسکتیں اس لئے آخر میں تنگ آکر صاف کہہ دیا کہ دجال کے باب میں جتنی حدیثیں بخاری اور مسلم وغیرہ میں مذکور

ہیں سب موضوع ہیں البتہ ابن صیاد دجال موعود تھا جو حضرت ہی کے زمانے میں نکلا اور مر بھی گیا اب دجال کی ضرورت ہی نہ رہی چنانچہ ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ اب اگر ہم بخاری اور مسلم کی ان حدیثوں کو صحیح سمجھیں جو دجال کو آخری زمانہ میں اتار رہی ہیں تو یہ حدیثیں ان کی موضوع ٹھہرتی ہیں اور اگر ان حدیثوں کو صحیح قرار دیں تو پھر ان کا موضوع ہونا ماننا پڑتا ہے۔ عقل خدا داد ہم کو یہ طریقہ فیصلہ کا بتلاتی ہے کہ جن احادیث پر عقل اور شرع کا کچھ اعتراض نہیں کو صحیح سمجھنا چاہیے، سو اس طریق فیصلہ کی رو سے یہ حدیثیں جو ابن صیاد کے حق میں وارد ہیں قرین قیاس معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ابن صیاد اپنے اوائل ایام میں بے شک ایک دجال ہی تھا اور بعض شیاطین کے تعلق سے اس سے امور عجیبہ ظاہر ہوتے تھے جس سے اکثر لوگ فتنے میں پڑتے تھے لیکن بعد اس کے خدا داد ہدایت سے وہ مشرف باسلام ہو گیا۔ اور اسی کے صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں کہ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے کہ بالآخر اس پر (ابن صیاد) پر یقین کیا گیا کہ یہی دجال معبود ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہمیں اب اس میں شک نہیں کہ یہی دجال معبود ہے اور آنحضرت ﷺ نے بھی آخر کار یقین کر لیا۔

ابن صیاد اور دجال کی بحث انوار الحق میں کسی قدر مبسوط لکھی گئی ہے اس میں مرزا صاحب کے ان شبہات کے جوابات بھی مذکور ہیں مگر یہاں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ جب آخری زمانے میں دجال کا وجود ہی نہ ہو تو پھر عیسیٰ کی ضرورت ہی کیا حالانکہ ازالۃ الاہام صفحہ ۱۴ میں وہ لکھتے ہیں لکل دجال عیسیٰ اس سے تو دونوں میں تلازم ثابت ہو رہا ہے اور احادیث میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاص دجال کے قتل کے لئے معین ہیں اور خود عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت ﷺ سے یہی کہا جیسا کہ حدیث صحیح سے ابھی معلوم ہوا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب وہ حدیثیں موضوع ہوں تو عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر جو

وہ بھی انہی میں ہے کیونکہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں مرزا صاحب کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ نہ وہ مسیح موعود ہیں، نہ مثیل موعود اور نہ ان کی ذریت میں کوئی مسیح ہو سکتا ہے اور اگر اپنے الہاموں سے مسیح ہونا ثابت کریں تو ان کے الہاموں کی ہے وقتی تقریر سابق سے بخوبی ثابت ہے اور مرزا صاحب اپنا دجال پادریوں اور با اقبال قوموں کو جو تیار ہے ہیں ان کے مقابلے میں غالب ہونا تو درکنار ان کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ نہیں سکتے اس لئے کہ مسٹر آتھم صاحب کے مقابلے میں جب وہ حد سے زیادہ خفیف و ذلیل ہوئے تو اب کسی پادری کے مقابلے کی ان میں جرات ہی نہیں اور با اقبال قوموں کے مقابلے کا تو ان کو خیال بھی نہیں آ سکتا بلکہ بجائے مقابلے کے دعا گوئی اور خوشامد میں مصروف ہیں پھر اپنے آپ کو عیسیٰ اور پادریوں اور با اقبال قوموں کو دجال بنانے سے فائدہ ہی کیا جب احادیث سے بتواتر ثابت ہے کہ عیسیٰ دجال کو قتل کریں گے اور مرزا صاحب اپنے دجال کے مقابلے میں حرکت مذہبی بھی نہیں کر سکتے تو انہی احادیث سے مرزا صاحب کی عیسویت خود باطل ہو گئی۔

مرزا صاحب نے مسیحیت کا ایسا دعویٰ کیا ہے کہ بقول ان کے اب تک کسی نے نہیں کیا کیونکہ اس دعویٰ کے لوازم و شرائط جو احادیث صحیحہ میں وارد ہیں ہر مسلمان کو جس میں ذرا بھی ایمان ہے اس دعوے سے روک دیتی ہیں اور تمام حدیثوں کی صحیح کتابیں جن کی صحت پر زمانے کے علمائے شرق و غرب کا اتفاق قریباً بعد قرن چلا آ رہا ہے ان کو اس دعوے میں کاذب بتا رہی ہیں تو اب ان کے بغیر اس کے کہ ان کتابوں پر حملہ کریں کوئی مفر نہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اس کی کیا ضرورت کہ مرزا صاحب کی خاطر سے اپنی معتقد علیہ کتابوں کو جھوٹی اور اپنے سلف صالح اور متفق علیہ علمائے متقدمین و متاخرین کو جاہل اور غیر متدین کہہ کر ادعائے مسیح کو مان لیں۔ بہر حال یہ اکیس علامتیں جن کو نو اس رحمۃ اللہ علیہ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور تمام امت نے اس کی تصدیق کی ہے باواز بلند کہہ رہی ہیں کہ مرزا صاحب کا دعویٰ عیسویت بلا شک و شبہ بے اصل محض ہے اور وہ زبردستی اپنے کو مسیح بنا رہے ہیں اور اس کا کچھ خوف نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں کیا فرمایا ہے امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے البدور السافرة فی احوال الاخرة کے صفحہ ۲۱۱ میں یہ حدیث نقل کی ہے اخرج الشيخان قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من ادعى ما ليس له فليس منا ولينبوا مقلعه من النار یعنی بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ایسی بات کا دعویٰ کرے جو اس کو حاصل نہیں وہ ہم لوگوں میں یعنی مسلمان نہیں۔ چاہیے کہ دو اپنا گھر دوزخ میں بنالے اسی۔

اس مقام میں فلسفی خیال والوں کو مرزا صاحب کی تقریر بہت مفید ہوگی اور ضعیف ایمان ان کی بات کو بآسانی قبول کر لیں گے اس وجہ سے کہ امور مذکورہ کو معمولی عقلیں قبول نہیں کر سکتیں۔ مثلاً چالیس دن جس میں سال کا ایک دن ہونا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایمان کے موانع بہت ہیں اسی وجہ سے اہل ایمان جو مستحق جنت ہیں دوزخیوں کی نسبت ہزاروں حصہ ہو گئے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے لیکن انصاف سے اگر دیکھا جائے تو کوئی بات بھی ان میں خلاف عقل نہیں اس لئے کہ خدائے تعالیٰ جو خالق عالم ہے اس میں ہر طرح تصرف کر سکتا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں کہ قیامت کے روز آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے آفتاب بے نور اور قریب ہو جائے گا اور اس پچاس ہزار برس کے دن میں آفتاب پر کئی حالتیں طاری ہوگی پھر اگر قیامت کے قریب اس پر یہ حالت بھی گزرے کہ چالیس سال زمین کے کسی خاص حصے کے مقابل ٹھہرا رہے تو کون سا حال لازم آجائیگا۔ حکمت جدیدہ کی رو سے تو آفتاب ساکن ہی ہے اور حکمت قدیمہ کی رو سے زمین ساکن ہے بہر حال ان دونوں کا ساکن ہونا حکماء کے قول سے ثابت ہے پھر اگر

ایک مدت تک دونوں ساکن رہیں تو کوئی نئی بات ہوگی۔ اسی پر کل امور کا قیاس کر لیجئے کیونکہ وہ ایک ایسا زمانہ ہوگا کہ خدائے تعالیٰ اپنی قدرت کا مکمل کو خاص طور پر ظاہر فرمائے گا اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ جتنی مخلوق ابتداءً خلقت سے مرکز میں مل گئی جن کا نام و نشان تک باقی نہ رہا سب کے سب اصلی حالت پر اٹھائی جائے گی اور اعادہ معدوم جو محال سمجھا جاتا ہے اس روز ممکن بلکہ واجب ہوگا۔ بہر حال آدمی ایمان لانا چاہے تو کوئی بات نہ خداف عقل ہے، نہ ایمان لانے سے مانع مگر یہ بات ہے توفیق الہی حاصل نہیں ہو سکتی و ما توفیقی الا باللہ۔

نو اس رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے جو علامات عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی معلوم ہوئیں یہ ہیں۔

۱۳..... شام و عراق کے درمیان دجال کا ٹکنا۔

۱۴..... اس کا حلیہ۔

۱۵..... اس کا فساد برپا کرنا۔

۱۶..... اس کی فتنہ پردازیاں۔

۱۷..... اس کے زمانے کے ایام کی مقدار۔

۱۸..... ان ایام کی نمازوں کا طریقہ۔

۱۹..... اس کی سرعت سیر۔

۲۰..... اس کے خوارق عادات۔

۲۱..... عیسیٰ علیہ السلام کا لباس و ہیبت وغیرہ۔

۲۲..... ان کا کافروں کو قتل کرنا۔

۲۳..... یاجوج ماجوج کا خروج اور انکی کثرت۔

۲۴..... خوردنی اشیاء کی گرانی۔

۲۵..... یاجوج ماجوج کی موت کا حال۔

۲۶..... پرندوں کا انکی لاشوں کو اٹھائے جانا۔

۲۷..... زمین کو گندگی سے پاک کرنے کیلئے بارش۔

۲۸..... پیداوار کی کثرت۔

۲۹..... مسلمانوں کی موت کا حال۔

۳۰..... کفار کا حال۔

۳۱..... ان پر قیامت کا قائم ہونا۔

۳۲..... امام مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہونا۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی شخص ہیں مگر ہمارے چارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ دو شخص ہیں اور ہر ایک کے حالات جدا جدا ہیں جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے جو کنز العمال میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اهلک امة انا فی اولھا وعیسیٰ ابن مریم فی اخرھا والمہدی من اهل عیسیٰ فی وسطھا یعنی وہ امت کیونکر ہلاک ہوگی جس کے اوائل میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ابن مریم اور وسط میں مہدی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص نہیں ہیں اور کنز العمال ج ۷ میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المہدی من عترتی من ولد فاطمة (عن مسند) یعنی مہدی میری اہل بیت میں سے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد میں ہوں گے یہ روایت ابو داؤد اور مسلم میں بھی ہے۔ وفی کنز العمال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المہدی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی۔ یعنی مہدی کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا۔ وفی کنز العمال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لولم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلک الیوم حتی یبعث فیہ

رجل من اهل بيتي يواطى اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابي يملأ الارض قسطاً وعدلاً كما ملئت ظلماً وجوراً (عمر بن سعد) یعنی اگر بالفرض دنیا کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تب بھی حق تعالیٰ اس دن کو دراز کر دیگا تاکہ امام مہدی آکر دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں۔ ان کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ مہدی (علیہ السلام) اور ہیں اور عیسیٰ (علیہ السلام) اور۔

پھر ان کو پہچاننے کیلئے حضرت نے کئی علامتیں بتلا دیں تاکہ مسلمان کسی اور کو مہدی نہ سمجھ لیں۔ کافی کنز العمال قال رسول اللہ ﷺ المہدی اجلی الجبہ اقنی الانف (دک عن ابی سعید) وفی روایۃ قال رسول اللہ ﷺ وجہہ کالکوکب الدری وفی روایۃ فی خدہ الایمن خال اسود علیہ عیانان قطوانیتان۔ وفی البرہان فی علامات مہدی اخر الزمان للشیخ علی منقہی اخرج نعیم عن ابی الطفیل ان رسول اللہ ﷺ وصف المہدی فذکر ثقلاً فی لسانہ وفیہ ایضاً اخرج نعیم المہدی ازج ابلج اعین بحی من الحجاز حتی یتوی علی منبر دمشق وهو ابن ثمان عشر سنة۔ وفیہ ایضاً من روایۃ علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ المہدی کث اللحیۃ اکحل العینین ہراق الشاہبا وفی وجہہ خال۔ یعنی مہدی (علیہ السلام) فراخ پیشانی اور بلند بینی ہوں گے ان کا چہرہ ستارہ کی طرح چمکتا ہوگا۔ ان کے داہنے رخسار پر خال سیاہ ہوگا اور لباس ان کا دو قطرے عبا ہونگے ان کی زبان میں ثقل ہوگا اور کشیدہ و کشادہ ابرو ہوں گے اور فراخ چشم جب وہ حجاز سے دمشق آئیں گے ان کی عمر اٹھارہ سال کی ہوگی دمشق کے منبر پر خطبہ پڑھیں گے۔ ان کی ریش گھنی ہوگی آنکھیں سرگیں اور دانت نہایت چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور بہت سی حدیثیں حلیہ وغیرہ سے متعلق وارد ہیں الغرض باوجودیکہ امام مہدی سے

متعلق روایتیں بکثرت صحاح وغیرہ میں وارد ہیں اور مرزا صاحب جانتے ہیں کہ امام مہدی (علیہ السلام) کی اولاد میں سے ہوں گے اور وہ خود مغل ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ دوسرے نسب میں داخل ہونے کی کیسی وعیدیں ہیں مگر بایں ہمہ صاف کہتے ہیں کہ میں مہدی ہوں۔

اب ان روایات کو بھی دیکھئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی عیسیٰ (علیہ السلام) کی امامت کریں گے عن جابر (علیہ السلام) قال قال رسول اللہ ﷺ لا یزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاہرین الی یوم القیامہ قال فینزل عیسیٰ بن مریم فبقول امیرہم تعال صل لنا فیقول لا ان بعضکم علی البعض امراء تکرہم اللہ ہذہ الامۃ (رواہ مسلم)۔

یعنی فرمایا حضرت ﷺ نے میری امت قیامت تک حق پر جنگ کرتی رہے گی۔ جب عیسیٰ بن مریم اتریں گے ان کا امیر عیسیٰ سے کہے گا آئیے نماز پڑھائیے وہ انکار کر کے کہیں گے اس امت کے امیر انہی میں سے ہو سکتے ہیں یہ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے اس امت کو بزرگی دی ہے۔ اگرچہ روایت میں صرف امیر کا لفظ ہے جو عیسیٰ (علیہ السلام) کی امامت کریں گے مگر دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مہدی ہوں گے جیسا کہ کنز اعمال میں ہے قال النبی ﷺ منا الذی یصلی عیسیٰ بن مریم خلفہ یعنی جس امیر کے پیچھے عیسیٰ (علیہ السلام) نماز پڑھیں گے وہ ہمارے اہل بیت میں ہوگا مرزا صاحب اگر مہدی ہیں تو ثابت کریں کہ عیسیٰ نے ان کے پیچھے نماز کون سی جنگ میں پڑھی تھی۔ مختصر یہ کہ قرطبی میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے روی عن ابی ہریرۃ (علیہ السلام) قال قال رسول اللہ ﷺ لو لم یبق من الدنیا الا یوم واحد لطورہ اللہ عزوجل حتی یملک رجل من اهل بیتی جبل الدیلیم والقسطنطنیۃ (واسنادہ صحیح) یعنی اگر بالفرض دنیا

کا ایک ہی دن باقی رہ جائے تو خدائے تعالیٰ اسی کو دراز کرے گا جس میں میرے اہل بیت سے ایک شخص جبل دہلم اور قسطنطنیہ کا مالک ہو جائیگا۔ اور روایت سابقہ جو اسی مضمون کی مذکور ہوئی اس میں نام بھی اس شخص کا معلوم ہوا کہ وہ امام مہدی ہوں گے۔ اور دوسری روایت میں مصرح ہے کہ قسطنطنیہ کی فتح کے ساتھ ہی دجال نکلے گا جس کے مقابلے کے لئے امام مہدی جائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کی امت کا اتفاق ہوگا جس کی خبر حضرت نے دی کہ منا الذى يصلى عيسى عليه السلام خلفه۔ روایت مذکورہ یہ ہے جو مختصر تذکرہ قرطبی میں مذکور ہے روى مسلم عن ابى هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال لا تقوم الساعة حتى تنزل الروم... فيفتحون قسطنطنية فيبناهم يقتسمون الغنائم اذ صاح فيهم الشيطان ان المسيح قد خلقكم في اهلكم فيخرجون وذلك باطل فاذا جاءوا الشام خرج فيبناهم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذ اقيمت الصلوة فينزل عيسى بن مريم. (الحدیث) یعنی اہل اسلام قسطنطنیہ فتح کر کے تقسیم غنیمت میں مشغول ہوں گے کہ شیطان پکار دیا کہ دجال نکل آیا اگر چہ وہ اصل ہوگا لیکن جب دو شام کو آئیں گے تب دجال نکلے گا اور وصف آرائی میں مشغول ہوں گے اور ادھر نماز کی جماعت قائم ہوگی کہ عیسیٰ علیہ السلام آتر آئیں گے۔ مرزا صاحب انہی احادیث کے لحاظ سے اکثر نماز میں اقتدا کیا کرتے ہیں جیسا کہ انجم میں لکھا ہے اور کچھ نہیں تو تصور تو اس کا ضرور جماتے ہوں گے کہ میں عیسیٰ ہوں اور یہ امام مہدی ہے کیوں نہ ہو مرزا صاحب کو تصوف میں بھی دعویٰ ہے فدا بقا میں خوب گفتگو کیا کرتے ہیں یہ شعر ضرور پیش نظر ہوگا۔

ع گر در دل تو گل گزر گل ہاشی

مگر حیرت یہ ہے کہ یہ تصور بھی اب تک جما نہیں اس لئے کہ نماز کے بعد پیچارے امام کو مہدویت سے محروم کر کے خود مہدی بن جاتے ہیں۔

احادیث مذکورہ بالا سے یہ ثابت ہے کہ گوام مہدی، عیسیٰ علیہ السلام سے چند روز پیشتر ہامور ہوں گے مگر درحقیقت دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اور یہ حدیث شریف بھی اسی کی تفسیر دیتی ہے۔ عن معاذ ابن جبل قال قال رسول الله ﷺ عمران بيت المقدس خراب يثرب وخراب يثرب خروج الملحمة وخروج الملحمة فتح قسطنطنية وفتح قسطنطنية خروج الدجال (روایع اور) یعنی بیت المقدس کی آبادی مدینے کی ویرانی ہے اور مدینے کی ویرانی ایک جنگ عظیم کی ابتداء ہوگی اور اس جنگ عظیم کی ابتداء قسطنطنیہ کی فتح اور فتح قسطنطنیہ خروج دجال ہے یعنی ایک دوسرے سے ایسے متصل ہیں کہ گویا سب ایک ہی ہیں اور ابھی معلوم ہوا کہ امام مہدی قسطنطنیہ کو فتح کرتے ہی شام میں آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور ابو عمر الدانی نے اپنی سنن میں حذیفہ سے روایت کی ہے قال رسول الله ﷺ يلبث المهدى وقد نزل عيسى ابن مريم كانما بقطر من شعره الماء فيقول المهدى تقدم وصل بالناس فيقول عيسى عليه السلام انما اقيمت الصلوة لك فيصلى خلف الرجل من ولدى (الحدیث) مولوی قاضی عبید اللہ صاحب مدراسی نے فتوے میں یہ روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوں گے کہ یکا یک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے امام مہدی علیہ السلام امت کے لئے ان سے کہیں گے مگر وہ قبول نہ کریں گے۔ پس عیسیٰ علیہ السلام میری اولاد سے ایک شخص یعنی امام مہدی کے پیچھے اقتداء کریں گے۔ اور اسی میں ہے اخرج ابو نعیم عن كعب الا حبار فاذا بعيسى ابن مريم ويقام الصلوة ثم يكون عيسى اماماً بعده اور نیز اس میں ہے اخرج ابن ابی شیبہ فی مصنفه قال المهدى من هذه الامة وهو الذى يوم عيسى ابن مريم عليه السلام ما حصل ان سب روایتوں کا یہی ہے کہ امام مہدی عیسیٰ علیہ السلام کی امت کریں گے جس سے

ظاہر ہے کہ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہوگا اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لامہدی الا عیسیٰ یعنی ہر چند ان دونوں حضرات کے حیرت انگیز واقعے جدا گانہ ہیں جن کا ذکر مختلف احادیث میں بیان فرمایا گیا لیکن زمانہ دونوں کا ایک ہی ہے جیسے فتح قطیفہ خروج دجال ہی ہے مگر چونکہ مرزا صاحب قابو جو ہیں انہوں نے اس حدیث سے یہ کہہ لیا کہ مہدی کو عیسیٰ بنا دیا اور یہ خیال نہیں کیا کہ جہاں مبالغہ مقصود ہوتا ہے اس قسم کا حمل ٹوٹا کیا کرتے ہیں ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اور آپ ایک ہیں اس سے کوئی یہ نہیں سمجھتا کہ دونوں شخص ملک کر ایک ہو گئے کیونکہ ہر عاقل سمجھتا ہے کہ دو ذاتوں کا ایک ہو جانا محال ہے۔ حضرت نے جب حسب نسب اور احوال قصہ ہر ایک کے بارہا بیان فرمائے جس سے تمام صحابہ مطلع اور بخوبی واقف ہو گئے کہ قبل زمت ان دونوں حضرات کی تشریف فرمائی ضرور ہے کسی موقع میں جہاں اتصال زمانی وہاں کا بیان کرنا مقصود تھا فرمادیا کہ لا مہدی الا عیسیٰ وہ بھی اس خیال سے کہ کوئی جی ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو شخصوں کو ایک سمجھ لے پھر بھلا صحابہ جو حضرت کی بات کو وظيفہ اور توجہ جان بنا کر ہمیشہ پیش نظر رکھا کرتے تھے کیونکر اس سے یہ سمجھ سکتے کہ حضرت نے ان دونوں بزرگواروں کو ایک بنا دیا۔

مرزا صاحب کی کج بشیوں کی کوئی انتہا بھی ہے صدہا احادیث و آثار امام مہدی کی خصوصیات میں موجود ہیں جن میں چند یہاں لکھے گئے اور صدہا آیات و احادیث و آثار میں ص ۱۴۵ کے باب میں وارد ہیں ذرا بھی احتمال نہیں ہو سکتا کہ یہ دونوں نام ایک شخص کے ہیں انہوں نے ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کر دیا اس پر اجتہاد کا بھی دعویٰ ہے۔ اگر اجتہاد اسی کا نام ہے کہ ایک حدیث کو لے کر سب کو باطل کر دیا جائے تو اتنی بات کے لئے نبی کی کوئی ضرورت نہیں جس عامی سے کہے فوراً یہ کام کر دیگا۔ تقریر سابق سے ظاہر ہے کہ

حدیث لا مہدی الا عیسیٰ میں صرف مضاف محذوف ہے یعنی لازمان مہدی الا زمان عیسیٰ جیسے حدیث عمر ان بیت المقدس خراب بشر میں بھی لفظ زمان محذوف ہے۔ چونکہ آبادی بیت المقدس اور ویرانی یثرب اور جنگ عظیم اور فتح قطیفہ اور خروج دجال اور ظہور امام مہدی اور نزول عیسیٰ ص ۱۴۶ میں قرب و اتصال زمانی ہے اس لئے حسب محاورہ سامعین کی فہم پر اعتماد کر کے ان واقعے کو ایک دوسرے پر حمل فرما دیا مگر مرزا صاحب اس کو جائز نہیں رکھتے اپنے دعوؤں میں تو مجاز و استعارات وحذف وغیرہ سے احادیث میں برابر کام لیں مثلاً خود مجازی عیسیٰ قادیان دمشق با قبول قومیں دجال اور امام مہدی کے باب میں جو کثرت سے روایتیں وارد ہیں جن کا تو اتر محدثین و محققین کی تصریح سے ثابت ہے ان کی صحت کے لئے مجاز لینے کی اجازت نہ ہو اس سے بڑھ کر احادیث رسول اللہ ص ۱۴۷ پر کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ اس پر دعویٰ ہے کہ میں عادل ہوں۔ شفاء للناس میں لکھا ہے کہ علامہ شوکانی بعد نقل احادیث کے اپنی کتاب توضیح میں لکھتے ہیں و جمیع ما سبقناہ بالغ حد التواتر کما لا یخفی علی من له فضل اطلاع فنقرر بجمیع ما سبقناہ فی هذا الجواب ان الاحادیث الواردة فی المہدی المنتظر متواترة۔ اب حدیث لا مہدی الا عیسیٰ کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے جس سے صحیح صحیح روایتیں مرزا صاحب باطل کر رہے ہیں۔ یہ روایت ابن ماجہ میں ہے کما قال حدثنا یونس بن عبد الاعلی ثنا محمد بن ادریس الشافعی حدثنی محمد بن خالد الجندی عن ابان بن صالح عن الحسن عن انس بن مالک ان رسول اللہ ص ۱۴۸ قال لا یزداد الامر الا شدة ولا الدنیا الا اذباراً ولا الناس الا شحاً ولا تقوم الساعة الا علی شرار الناس ولا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے مصباح الزجاجة میں اس روایت سے متعلق ایک نہایت

مبسوط تقریر لکھی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جملہ لامہدی الا عیسیٰ سوائے یونس کے اور کسی نے زیادہ نہیں کیا اور یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ یونس نے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ سے اس کو نہیں سنا اس وجہ سے یہ حدیث منقطع ہے اور یہ روایت صرف محمد بن خالد سے مروی ہے اور محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہیں ان کی عدالت ثابت نہیں اور ابان بن صالح کی نسبت کہا گیا ہے کہ انہوں نے حسن سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ ابوالحسن علی بن ابن عبداللہ الواسطی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا وہ فرماتے ہیں کہ یونس نے جو مہدی کے باب میں مجھ سے روایت بیان کی ہے وہ جھوٹ ہے نہ میں نے وہ روایت کی، نہ اس سے بیان کیا۔ الحاصل روایت لامہدی الا عیسیٰ اکابر محدثین کے نزدیک کئی طرح سے مخدوش ہے مگر مرزا صاحب کو اس سے کیا غرض ان کو کہیں ہی ضعیف منکر منقطع مجہول مخدوش روایت مل جائے بشرطیکہ مفید مطلب ہو اس پر بڑی دھوم دھام سے استدلال کرتے ہیں اور جو روایت ان کے حق میں مضمر ہوتی ہے اگر بخاری و مسلم میں بھی ہو تو اقسام کے احتمال قائم کر کے ساقط الاعتبار بنا دیتے ہیں۔

مرزا صاحب از لفظ الا وہام میں لکھتے ہیں کہ یہ خیال بالکل فضول اور مہمل معوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ایک ایسی شان کا آدمی ہو جس کو باعتبار باطنی رنگ اور خاصیت اس کی کے مسیح ابن مریم کہنا چاہیے دنیا میں ظہور کرے اور پھر اس کے ساتھ کسی دوسرے مہدی کا آنا بھی ضرور ہو کیا وہ خود مہدی نہیں؟ کیا وہ خدا کی طرف سے ہدایت پا کر نہیں آیا۔ ابن ماجہ نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے لامہدی الا عیسیٰ یعنی بجز عیسیٰ کے اس وقت کوئی مہدی نہ ہوگا۔

مطلب اس کا یہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس خیال سے (کہ مسیح کے رنگ والا شخص یعنی قادیانی موجود ہونے کے بعد پھر مہدی کی کیا ضرورت) کمال زجر سے فرمایا

لامہدی الا عیسیٰ یعنی مہدی اس وقت کوئی چیز نہیں وہی قادیانی بس ہے وہی مہدی ہے مگر یہ بات غور طلب ہے کہ صحابہ کا دستور تھا کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو پوچھ کر اس کو صاف کر لیا کرتے تھے اس موقع میں ضرور تھا کہ کمال ادب سے عرض کرتے کہ حضرت مہدی کا ذکر نہ تو قرآن میں ہے، نہ تورات و انجیل وغیرہ میں، نہ ہم نے کسی سے سنا کہ مہدی بھی کوئی آدمی ہوگا پھر یہ جو بطور عتاب ارشاد ہو رہا ہے کہ مہدی کوئی چیز نہیں اس کا سبب معلوم نہ ہوا کس نے عرض کی کہ مہدی بھی کوئی چیز ہے اور اگر انہوں نے حضرت سے امام مہدی کا ذکر اور ان کا حسب و نسب و حلیہ وغیرہ سنا تھا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو عرض کرتے کہ جس مہدی موعود کا بار ہا ذکر فرمایا کیا اب ان کی ضرورت نہ رہی اور جب عیسیٰ ہی مہدی ٹھہرے تو کیا وہ حضرت ہی کی اولاد میں ہوں گے اب تک تو ہم قرآن اور حضرت کے ارشاد سے عیسیٰ ابن مریم کو نبی بنی اسرائیل سمجھتے تھے اب ان کی نسبت کیا اعتقاد رکھنا چاہیے کیا وہ کچھ کچھ عیسیٰ ابن مریم ہوں گے یا جس طرح مہدی کی نفی فرمادی گئی ان کی بھی نفی مطلوب ہے۔ مگر کسی حدیث میں اس قسم کا سوال مذکور نہیں۔ اب یہ مضمون کس طرح اس حدیث سے نکالا جائے کہ قادیانی کے وقت میں مہدی کوئی چیز نہ ہوں گے اور قادیانی ہی مہدی ہوں گے۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب جو اس حدیث کے معنی بیان فرماتے ہیں کس قدر بد نما ہیں۔

مرزا صاحب نے جو لکھا ہے کہ بجز عیسیٰ کے اس وقت کوئی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہ ہوگا اس میں بھی ان کو غلطی ہوئی اس لئے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس وقت میں صرف اسلام ہی اسلام رہ جائیگا جس سے ظاہر ہے کہ ہدایت یافتہ ہوں گے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کل مہدی یعنی محمد ابن عبداللہ ہوں کلام اس میں ہے کہ مہدی موعود عیسیٰ علیہ السلام نہیں البتہ معنی لغوی ان پر صادق آئیں گے جس میں ان کی خصوصیت نہیں۔

مرزا صاحب نے مہدی کو کئی قرار دی ہے چنانچہ ازالتہ دوم میں لکھتے ہیں۔
یوں تو ہمیں اس بات کا اقرار ہے کہ پہلے بھی کئی مہدی آئے ہوں اور ممکن ہے کہ آئندہ بھی
آویں اور ممکن ہے کہ امام محمد کے نام پر بھی کوئی مہدی ظاہر ہو لیکن جس طرز سے عوام کے
خیال میں ہے اس کا ثبوت پایا نہیں جاتا۔ مقصود یہ کہ مہدی اسلام میں متعدد ہوں گے مگر
جس صورت میں حدیث لامہدی ظاہری معنی پر لی جائے جس کے مرزا صاحب قائل ہیں
تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ محمد ابن عبد اللہ بھی مہدی یعنی ہدایت یافتہ نہیں جن کا حال
آنحضرت ﷺ نے کمرات و مرآت بیان فرمایا پھر مرزا صاحب کا اقرار مہدیوں کے تعدد
میں کیوں کر صحیح ہوگا۔

مرزا صاحب نے مہدی سے پیچھا چھڑانے میں بڑی دقتیں اٹھائیں مگر اس
زمانے میں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کسی کا نام مہدی رکھ دیا جاتا یا اس نام کا کوئی شخص تلاش
کر لیا جاتا تو بھی کام چل جاتا آخر قہر ماہ نے فرشتے بنا لئے تھے اور اسی پر ان کی کامیابی ہو گئی
جیسا کہ تو مرث کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

مرزا صاحب نے حدیث لامہدی الا عیسیٰ کو ابن ماجہ میں تلاش تو کر لیا مگر
وہیں ایک حدیث اور بھی موجود تھی کاش اس پر بھی ان کی نظر پڑ جاتی اور اس کے معنی بھی
بیان فرمادیتے جس سے ناظرین کو دو بالاطف آپ مگر اس کو انہوں نے اگر دیکھا بھی ہے تو
نظر انداز کیا اس لئے کہ وہ تو مہدی کے ساتھ اس زمانے کے عیسیٰ کو بھی رخصت کر رہی ہے
وہ حدیث یہ ہے عن ابی امامۃ الباہلیؒ قال خطبنا رسول اللہ ﷺ فکان
اکثر خطبۃ حدیثا حدیثناہ عن الدجال..... و امامہم رجل صالح فیما
امامہم قد تقدم یصلی لہم الصبح اذ نزل علیہم عیسیٰ ابن مریم الصبح
فرجع ذلک الامام یمشی القہقری لیقدم عیسیٰ یصلی فیضع عیسیٰ یدہ

بین کتفہ ثم یقول لہ تقدم فصل فانما لک اقیمت فیصلی بہم امامہم
فاذا انصرف قال عیسیٰ ﷺ افتحوا الباب فیفتح و وراءہ الدجال معہ
سبعون الف یہودی کلہم ذوسیف مصلی و ساح فاذا نظر الیہ دجال ذاب
کما ینذوب الملح فی الماء ینطلق ہاربا ویقول عیسیٰ ﷺ ان لی فیک
ضربۃ ن تسبقنی بہا فیدرکہ عند باب اللذ الشرقی فیقتلہ فیہزم اللہ
الیہود فلا یبقی شیء مما خلق اللہ یتواری بہ الیہود الا انطق اللہ ذلک
الشئی لاحجر ولا شجر ولا حائط ولا دابة الا العرفد فانہا من شجرہم
لا ینطق الا قال یا عبد اللہ المسلم هذا یہودی فتعال اقتلہ (روادین لہ) یعنی
آنحضرت ﷺ نے ایک روز اکثر دجال ہی کا حال بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ
دجال کے مقابل ہوں گے ان کا امام ایک مرد صالح ہوگا صبح کی نماز پڑھانے کے لئے وہ
آگے بڑھے گا کہ عیسیٰ ابن مریم اتر آئیں گے امام پیچھے ہے گا تا کہ عیسیٰ علیہ السلام امت کریں
مگر وہ کہیں گے کہ تم ہی نماز پڑھاؤ چنانچہ وہ نماز پڑھایا بعد از فراغ عیسیٰ کہیں گے دروازہ
کھول دو اس وقت دجال ستر ہزار یہودی کے ساتھ موجود ہوگا جب وہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھے گا تو
کماں اشمال کی حالت میں بھاگے گا عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے تو مجھ سے بھاگ نہیں سکتا ایک
دار میرا تجھ میں ضرور ہوگا چنانچہ اس کا پیچھا کر کے لہ کے شرقی دروازے کے پاس اس کو قتل
کریں گے اور خدائے تعالیٰ یہودیوں کو ہزیمت دیگا اور کیفیت یہ ہوگی کہ جس چیز کے پیچھے
کوئی یہودی چھپے گا خواہ وہ پتھر ہو یا جھاڑ یا دیوار یا چاروہ چیز باواز بلند کہے گی کہ اے خدا
کے بندے مسلمان یہاں یہودی چھپا ہے اس کو قتل کر ڈال۔ صرف غرقہ کا جھاڑ خبر نہ
دے گا کیونکہ وہ انہی کا ہے۔

اب مرزا صاحب ہی بتائیں کہ وہ کون لوگ تھے جو دجال کے مقابل ہو گئے تھے

اور ان کا کون امام تھا جس کی توصیف آنحضرت ﷺ نے کی ہے اور کون ہی صبح کی نماز کے لئے وہ کھڑا تھا جو مرزا صاحب اتر آئے اور اس کے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی مسجد کا دروازہ کھولنے کو کہا جس کے پاس دجال ستر ہزار مسلح یہودی لے کر کھڑا تھا اور کس کے پیچھے دوزکر مرزا صاحب نے ند کے دروازہ پر قتل کر ڈالا اور کون سے یہودیوں کو ہزیمت ہوئی اور سب مارے گئے اور کس روز مرزا صاحب اور ان کے ہمراہی سے حجر و شجر نے باتیں کیں۔

یوں تو مرزا صاحب مسلمانوں کو یہود قرار دے ہی چکے ہیں کہہ دیں گے کہ میں نے ان کو ہزیمت دی مگر وہ خلاف واقع ہے اس لئے کہ کئی واقعات سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرزا صاحب ہی کو ہزیمت ہوا کی اور بجائے اس کے کہ اپنے دجال کو قتل کریں اگر دل سے نہیں تو زبان سے اس کے مدح خوان اور شکر گزار اور دعا گو ہیں کیونکہ دجال انہوں نے با اقبال قوموں کو قرار دیا ہے جن میں اعلیٰ درجے کی گورنمنٹ برطانیہ ہے۔

اور ازالۃ الادہام میں گورنمنٹ کی کمال درجہ کی شکر گزاری اور دعا گوئی میں اپنی مصروفی اور مشغولی ظاہر کرتے ہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الادہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ احادیث نبویہ کا لب لباب یہ ہے جو آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم آخری زمانہ میں یہودیوں کی طرح چال چلن خراب کرو گے تو تمہارے درست کرنے کے لئے عیسیٰ بن مریم آئیں گے یعنی جب تم اپنی شرارتوں کی وجہ سے یہودی بن جاؤ گے تو میں بھی عیسیٰ ابن مریم کسی کو بنا کر تمہاری طرف بھیجوں گا اور جب تم اشد سرکشوں کی وجہ سے سیاست کے لائق ٹھہر جاؤ گے تو محمد ابن عبد اللہ ظہور کرے گا جو مہدی ہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں وعدے کہ محمد ابن عبد اللہ آئیں گے یا عیسیٰ بن مریم آئیں گے اصل اپنی مراد مطلب میں ہمشکل ہیں۔ محمد ابن عبد اللہ کے آنے سے مقصود یہ ہے کہ جب دنیا ایسی حالت میں ہو جائیگی جو اپنی دوستی کے لئے سیاست کی محتاج

ہوگی تو اس وقت کوئی شخص مثیل محمد ﷺ ہو کر ظاہر ہوگا اور یہ ضرور نہیں کہ درحقیقت اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہو بلکہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس کا نام محمد ابن عبد اللہ ہوگا کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کا مثیل بن کر آئے گا۔

مرزا صاحب نے دیکھا کہ اہل اسلام احادیث کو دیکھ کر اس بات پر اڑیں گے کہ امام مہدی جن کا نام محمد بن عبد اللہ ہوگا اور ان کی وہ علامتیں ہوں گی جو احادیث میں مصرح ہیں ان کا وجود ضروری ہے اس لئے انہوں نے تقریر سابق میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ ممکن ہے کہ کئی مہدی آئے ہوں اور امام محمد بھی آجائیں نہ ان کے وجود سے غرض ہے، نہ عدم سے، مطلب ہمیں اپنی عیسویت سے کام ہے۔ اس میں صرف ابلہ فریبی مقصود تھی ورنہ ان کا مقصود اصلی تو یہ ہے کہ وہ صرف عیسیٰ ہی نہیں بلکہ مہدی بھی ہیں انہوں نے دیکھا کہ جبلاء تو سب کچھ مان لیں گے مگر علماء سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے اس لئے یہ راہ گریز بنا رکھی کہ ہم نے تو مہدی کے آنے کا اقرار کر لیا ہے پھر اپنی عیسویت کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ جو لوگ یہودی بن گئے تھے ان کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور مہدویت کا یہ ثبوت کہ لوگ سیاست کے قابل ہو گئے تھے اس لئے آنحضرت ﷺ کے مثیل بن کر آئے ہیں اور مہدی ہیں۔ ہر چند اس مقام میں اس کا ذکر نہیں کیا مگر یہ تو کہہ دیا کہ اس وقت کوئی شخص مثیل محمد ﷺ کا ہو کر ظاہر ہوگا جو مہدی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ اس کا نام بھی محمد ابن عبد اللہ ہو اور براہین احمدیہ اور ازالۃ الادہام میں کبریات و مرآت لکھ چکے ہیں کہ میں مثیل آنحضرت ﷺ کا ہوں بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ بردوزی ضرور پر حضرت ہی تشریف فرما ہوئے ہیں جیسا کہ سابقاً معلوم ہوا اور اس قول سے بھی ظاہر ہے جو ابھی نقل کیا گیا کہ ایسا شخص جس کو مسیح کہنا چاہیے کیا وہ مہدی نہیں۔ لیجئے خود ہی عیسیٰ بھی ہو گئے اور خود ہی مہدی بھی ہیں اور جتنی حدیثیں امام مہدی کے حسب و نسب وغیرہ خصوصیات کی تھیں سب بیکار ہو گئیں اور مرزا صاحب کا

قول سب کا ناخ ان کی امت نے تسلیم کر لیا۔

اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب جن یہودیوں کی اصلاح کے لئے آئے تھے ان کی اصلاح کی یا ان کو یہودی بنا دیا۔ یہود جو گمراہ سمجھے گئے تھے آخر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کے ارشادوں کو چھوڑ کر اوروں کی باتوں کو مان لیا تھا جو اپنے دل سے تراش کر ان کو فتوے دیا کرتے تھے۔ مرزا صاحب کا گروہ بھی یہی کر رہا ہے کہ مرزا صاحب کے قول کے مقابلہ میں وہ کسی حدیث کو نہیں مانتے اور جن کو اپنا نبی تسلیم کرتے ہیں ان کی باتوں کو قابل تسلیم نہیں سمجھتے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی سرکشی اور شرارت ہو سکتی ہے۔ مرزا صاحب نے نہایت سچ اور بالکل حسب حال فرمایا کہ بہت سے لوگ یہودی بن گئے اور ان کی سیاست کی ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وان یروا سبیل الرشدا لا یخذوہ سبیلان وان یروا سبیل الغی یخذوہ سبیلان یعنی ان گمراہوں کی یہ حالت ہے کہ ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ نہیں بناتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راستہ بنا لیتے ہیں۔

مرزا صاحب ازلۃ الاولیاء میں حدیث کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم کے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ کیا حال ہوگا جس دن ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تم جانتے ہو کہ ابن مریم کون ہے وہ تمہارا ہی ایک امام ہوگا اور تم میں سے اے امتی لوگوں پیدا ہوگا۔ یہاں تک کہ بخاری کی حدیث کا ترجمہ ہو چکا اور آپ لوگوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ امام بخاری صاحب امامکم منکم کے لفظ سے کس طرف اشارہ کر گئے العاقل تکفیه الامشاق۔ سبحان اللہ امام بخاری کے فرضی اشارہ پر تو اس قدر توجہ اور خود نبی ﷺ نے صراحتاً جو فرمایا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی امامت جو شخص کریں گے وہ ہمارے اہل بیت سے ہوں گے اس کا ذکر تک نہیں۔ اگر یہ حدیثیں ضعیف بھی ہوتیں تو جب بھی ان کے ابطال کا کوئی حق نہ تھا

اس لئے کہ ان کا موضوع ہونا ثابت نہیں چہ جائیکہ وہ احادیث مسلم اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہیں۔ مقصود مرزا صاحب کا یہ ہے کہ امامکم منکم کا جملہ علیحدہ ہے اور اس میں لفظ ہو محذوف ہے اور ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ واؤ، امامکم میں حرف تفسیر ہے جیسا کہ تلک آیات الکتاب وقرآن میں۔ غرض کہ دو تو جیہیں کہیں ایک یہ کہ و امامکم جملہ متفقہ ہے بخلاف مبتدا اور دوسری یہ کہ جزو جملہ ہے جو نزل کے فاعل کی تفسیر واقع ہوا ہے مگر امام بخاری نے ان دونوں تو جیہوں سے ایک کی طرف بھی اشارہ نہیں کیا مرزا صاحب کو ضرور تھا کہ کس لفظ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے واؤ کے اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے بیان کرتے مگر چونکہ امام بخاری پر یہ افترا ہے اس لئے بیان نہ کر سکے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں خدا اور رسول پر ان کا افترا کرنا ثابت ہے پھر بخاری کیا چیز ہیں محدثین کے نزدیک مسلم ہے کہ الحدیث تفسیر الحدیث یعنی کسی حدیث کے معنی میں تردد ہو تو دوسری حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں دیکھی جائیں اور اس کے وہی معنی لئے جائیں جو دوسری حدیثوں سے مستفاد ہوں۔ جب ہم صحیح مسلم وغیرہ کی حدیثوں کو دیکھتے ہیں کہ ان میں مصرح ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو مسلمانوں کا امام ان سے درخواست امامت کرے گا اور وہ قبول نہ کریں گے جس سے ظاہر ہے کہ وہ امام اور عیسیٰ علیہ السلام دو شخص ہوں گے تو ان احادیث کے لحاظ سے ہمیں ضرور ہوا کہ اس حدیث بخاری کے وہی معنی میں جو ان صحیح حدیثوں سے مستفاد ہیں اس لئے و امامکم منکم میں واؤ حالیہ لیا گیا جس پر تمام علماء کا اجماع ہے اور اس کی صدا بنظیریں قرآن و حدیث میں موجود ہیں جن کو ہر طالب علم جانتا ہے۔

مرزا صاحب نے اس واؤ کے جو معنی لئے ہیں اب تک کسی عالم نے نہیں لکھا صرف مرزا صاحب خود فرضی سے یہ معنی تراش رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اگر تکلف

کر کے یہ معنی لئے جائیں تو دوسری احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام اور امام میں مغفرت بالقصر ثابت ہے وہ حدیثیں جھوٹی ہوں گی اور کتب صحاح ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔

ع بدوز و طبع دیدہ ہوش مند

اب دیکھئے کہ اس حدیث کے معنی جو وہ بتلاتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم تمہیں میں سے ایک شخص ہوگا ظاہر ہے کہ غلط ہیں اس لئے کہ ہر مسلمان جانتا ہے اور صحابہ ہمیشہ قرآن و حدیث میں سنتے تھے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اگر ذرا بھی احتمال اس معنی کا ہوتا تو صحابہ پوچھ لیتے کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم تو نبی بنی اسرائیل ہیں ان کی نسبت منکم کا ارشاد کیسا؟ ہم اطمینان دلاتے ہیں کہ مرزا صاحب کسی ضعیف بلکہ موضوع روایت سے بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ عیسیٰ بن مریم جو حضرت نے فرمایا اس سے مراد وہ شخص ہے کہ جو اس امت سے ہوگا۔

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلم شریف میں روایت ہے فاذا جاءوا الشام خرج فيناهم يعدون للقتال يسوون الصفوف اذ اقيمت الصلوة فينزل عيسى بن مريم فامهم فاذا راه عدو الله ذاب كما يذوب الملح في الماء. اس سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جب اتریں گے تو امامت کریں گے۔ مگر جب دوسری متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ کریں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وہ مطلب نہ ہوگا جو ظاہر سمجھا جاتا ہے۔ البتہ لفظ امهم سے وہ شبہ پیدا ہوتا ہے مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ نماز ہی کی امامت کے واسطے موضوع نہیں بلکہ پیش رو کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے والامام بمعنى القدام وفلان يؤم القوم يقدمهم وقال ابو بكر معنى قولهم يؤم القوم اى يتقدمهم اخذ من الامام يقال فلان امام القوم معناه هو

المتقدم لهم ويكون الامام رئيسا كقولك امام المسلمين اور مثنی الارب میں لکھا ہے وامهم امامة وام بهم ام و پیش روشن ایشاں شد۔ اس صورت میں مطلب حدیث کا یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور وہ دجال کے مقابلے کے واسطے پیش رو ہوں گے اور اس پر قرینہ بھی یہ ہے کہ فامهم کے ساتھ فاذا راه عدو الله ذاب متصل ہے یعنی جب مسلمانوں کے ساتھ مقدمہ لکھش میں سب سے آگے عیسیٰ علیہ السلام کو دجال اپنے مقابلہ میں دیکھے گا تو گھل جائیگا اس سے ظاہر ہے کہ ان کو پیش رو لشکر دیکھے گا ورنہ مسجد میں دیکھنے کا اس کو کوئی موقع نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مسجد کا دروازہ نماز کے وقت بند ہوگا۔ یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ فینزل عيسى فيناهم سے ظاہر امامت نماز معلوم ہوتی ہے مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ بھی ایک احتمال ہے اور جو مذکور ہوا وہ بھی احتمال ہے جس پر قرینہ بھی موجود اور لفظ بھی مساعد ہے اور دوسری احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں۔ بہت ہوگا تو تعارض کی وجہ سے دونوں احتمال ساقط ہوں گے مگر اس سے ہمارے مقصود میں کوئی نقصان نہیں آتا کیونکہ دوسری حدیثیں صحیح صحیح بجائے خود بحال ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام امیر المؤمنین کی اقتدا کریں گے۔ اس تو جہہ پر اتنی بات باقی رہ جائیگی کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس وقت امامت کون کرینگے۔ مگر یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف میں کس قدر محذوفات ہیں مثلاً و اذا الارض مدت و اقلت ما فيها ونخلت و اذنت لربها و حقت و يا ايها الانسان (الآية) میں جزاء محذوف ہے جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں اسی طرح قصص میں کہیں پورا قصہ ذکر کیا گیا اور کہیں اختصار کیا گیا جس کی نظیریں بکثرت موجود ہیں۔ اسی طرح قولہ تعالیٰ يا ايها الناس ان كنتم في ريب من البعث فانا خلقناكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقه ثم من مضغة مخلقة وغير

مخلقة لبين لكم ونقر في الارحام ما نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم طفلا اور دوسری جگہ ارشاد ہے قوله تعالیٰ هو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقہ ثم یخرجکم طفلا دیکھئے آیہ سابقہ میں ارشاد ہے کہ نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ سے طفل بنایا جاتا ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ علقہ سے طفل بنایا جاتا ہے یعنی اس آیت میں مضغہ مخلوقہ وغیرہ ترک کر دیا گیا۔ اسی طور پر احادیث میں بھی کہیں پورا واقعہ مذکور ہوتا ہے اور کہیں بالاختصار۔ اور عقل و تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ جب آدمی متعدد مجلسوں میں کسی واقعہ کو ذکر کرتا ہے تو اس کا التزام نہیں کرتا کہ من اولہ الی آخرہ پورا واقعہ بیان کر دے۔ بلکہ بحسب ضرورت مقام اور اقتضائے حال کئی وزیادتی ہو جاتی ہے۔ اسی طور پر اس حدیث شریف میں نماز کی امامت کا ذکر ترک کر دیا جو بارہا مختلف حدیثوں میں بیان فرما دیا ہے اس موقع میں مقصود اسی قدر تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس لشکر کے آگے رہیں گے جن کو دیکھ کر جاں مضطرب ہوگا مرزا صاحب اس حدیث کو اپنے پر چسپاں کرنا چاہتے ہیں معلوم نہیں وہ کیونکر ہو سکے گا آنحضرت ﷺ تو فرماتے ہیں اے مسلمانو! اس روز تمہاری کیا حالت ہوگی جب عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔ اس قسم کی بات ایسے موقع میں کہی جائے تو زیبا ہے کہ کوئی بڑی بات کا وقوع ہو مثلاً عیسیٰ علیہ السلام جیسے اولوا عزم نبی جن کی جگہ جگہ قرآن شریف میں تعریف و توصیف ہے آسمان سے اتریں اور ہمارے نبی ﷺ کے امتی کہلائیں اور خود امامت بھی نہ کریں بلکہ ایک امتی کی اقتداء کریں۔ البتہ یہ کمال افتخار اور خوشی کی بات ہوگی اور یہ اس وجہ سے کہ آدمی کا مقتضائے طبع ہے کہ جب کوئی جلیل القدر شخص اپنے کسی بزرگ مثلاً باپ یا مرشد کا تابع ہو کر اپنے حلقہ میں شریک ہوتا ہے تو ایسی خوشی ہوتی ہے کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا اسی بناء پر حضرت فرماتے ہیں کہ کبواں روز کیا حالت ہوگی جب تمہارے ساتھ ہاں

حالات شان عیسیٰ علیہ السلام شریک حال ہوں گے فی الواقع جن کو نبی کریم ﷺ سے کمال درجے کی محبت ہے ان کی اس وقت عجیب حالت ہوگی اسی وجہ سے ارشاد ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔

اگر اس حدیث کا یہ مطلب سمجھا جائے کہ اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی جب ایک پنجابی تم میں اترے گا اور تمہاری امامت کرے گا۔ اس میں تو کوئی خوشی کی بات معلوم نہیں ہوتی اس میں شک نہیں کہ یہ بات اس قابل ہے کہ عرب اس کو بہت برا سمجھیں مگر اس لحاظ سے کہ وہ ایک مہمان ہوگا جو اذا نزل سے سمجھا گیا ہے چنداں ملال کے قابل بھی نہیں۔ بہر حال ایک پنجابی شخص کا کسی نماز میں امامت کرنا، مذکور کی خوشی کی بات ہے، نہ غمی کی۔ پھر کیف انتم سے اس واقعہ کی عظمت بیان کرنا کس قدر شان بلاغت و فصاحت سے دور ہے در باطن یہ آنحضرت ﷺ پر ایک حملہ ہے کہ ایسے خفیف خفیف امور کو حضرت عظیم الشان سمجھتے تھے اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس شخص میں عیسیٰ علیہ السلام کے کمالات ہوں گے جب بھی بقول مرزا صاحب وہ کمال ہی کیا۔ دار و مدار ان کے معجزوں کا مسمریزم پر تھا جس کو خود مرزا صاحب قابل نفرت سمجھتے ہیں ایسے قابل نفرت شخص کی امامت کوئی وقعت کی بات نہیں ہو سکتی۔ اب رہا یہ کہ احیاء اموات وغیرہ سے ہدایت مراد لی جائے تو وہ بھی کوئی نئی بات نہیں علماء امتی کاتبیاء بنی اسرائیل فرما کر حضرت نے ہر ایک عالم متدین کو انبیائے بنی اسرائیل کا مثیل قرار دیا جن میں موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام داخل ہیں۔

۳۳..... امام مہدی جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ہوں گے وہ خاندان اہل بیت کرام سے ہوں گے جن کا حلیہ بھی بتلادیا گیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔

۳۴..... اٹھارہ سال کی عمر میں امام مہدی علیہ السلام دمشق میں جا کر خطبہ پڑھیں گے جیسا کہ معلوم ہوا۔

۳۵..... امام مہدی علیہ السلام قسطنطنیہ فتح کریں گے اور ساتھ ہی دجال نکلے گا۔ کما مر
۳۶..... امیر المومنین علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کو امامت کیلئے کہیں گے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوں
گے۔

۳۷..... عیسیٰ علیہ السلام نماز کے بعد مسجد کا دروازہ کھلوادیں گے اور اس وقت دجال وہاں موجود
ہوگا۔ کما مر

۳۸..... دجال کے ساتھ ستر ہزار یہود ہوں گے اور سب بھاگیں گے۔ کما مر
۳۹..... پتھر جھاڑ وغیرہ یہودیوں کی نشاندہی کریں گے تاکہ اہل اسلام ان کو قتل کر ڈالیں۔

کما مر

۴۰..... امام مہدی کی تائید کے لئے حارث کا خراسان کی طرف سے نکلنا جیسا کہ اس
حدیث شریف سے ظاہر ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم يخرج رجل من وراء النهر يقال له
الحارث بن حراث على مقدمة رجل يقال له منصور بوطن او يمكن لال
محمد صلی اللہ علیہ وسلم كما مكنت قریش لرسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وجب على كل مؤمن
نصره اوقال اجابته (رواہ ابوداؤد) یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا
جس کا نام حارث ہوگا جس کے مقدمہ الجیش پر ایک شخص منصور نام ہوگا آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ
ایسی مدد دے گا جیسے قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی تھی ہر مسلمان پر اس کی مدد واجب ہے۔ اور
ایک روایت یہ ہے کہ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا رايتم الرايات السود جاءت من
قبل خراسان فانوها فان فيها خليفة الله المهدى (رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوة) یعنی
فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم دیکھو کہ سیاہ نشان خراسان کی طرف سے آرہے ہیں تو ان
لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ اس لئے کہ ان میں مہدی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ حارث امام مہدی کی مدد کے لئے خراسان کی

طرف سے فوج لے کر نکلے گا اور امام مہدی بھی اس کے ساتھ ہوں گے ان روایتوں میں کئی
امور مذکور ہیں۔

۱..... حارث کا خروج۔

۲..... اس کا مقام خروج ماوراء النہر ہوگا۔

۳..... اس کی فوج کے مقدمہ الجیش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا۔

۴..... غرض اس کی آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید ہوگی۔

۵..... امام مہدی بھی اس فوج میں موجود ہوں گے۔

۶..... ہر شخص پر واجب ہوگا کہ ان کی مدد کرے۔

امراول کی نسبت مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ حارث میں ہوں چنانچہ ازالتہ
الوہام میں لکھتے ہیں کہ انگریزی سلطنت میں تین گاؤں تعلقہ اداری اور ملکیت قدیان کا
حصہ جدی والد مرحوم کو ملے جواب تک ہیں اور حراث کے لفظ کے مصداق کے لئے کافی
ہیں۔ مرزا صاحب اپنی زمینداری سے یہاں یہ کام لینا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کے
مصداق بنیں اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اس حدیث میں لفظ حارث مذکور ہے اور
حارث زمیندار کو کہتے ہیں اور میں زمیندار ہوں۔

حارث کے معنی جو زمیندار کے ہمارے ہیں اس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا انہیں
مقصود ہے کیونکہ کتب نعت میں مصرح ہے کہ حارث کسان کو کہتے ہیں اور اگر بالفرض وہ
کسان بھی قرار دیئے جائیں جب بھی اس حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے اس لئے کہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ بخروج رجل حارث بلکہ یہ فرمایا رجل يقال له
الحارث جس سے ظاہر ہے کہ اس شخص کا نام حارث ہوگا کیونکہ يقال له اعلام کے مقام
میں کہا جاتا ہے جیسا کہ یہ حدیث اس پر شہادت دے رہی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تذهب

اللیل والنہار حتی یملک رجل من الموالی یقال له العجیب جہ (روہ الترمذی)
غیاث اللغات میں لکھا ہے حارث اسد و شیر درندہ و بمعنی زراعت کنندہ و مزارع نام ابن ہشام
کہ از صنادید عرب بود۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں معنی مرزا صاحب پر صادق نہیں اگر حارث
زمیندار کو کہنا صحیح ہو تو بادشاہ پر بطریق اولیٰ یہ لفظ صادق آئے گا حالانکہ کسی کتاب میں وہ اس کی
تصریح نہیں بنا سکتے۔ بہر حال لفظ حارث کے مصداق وہ کسی طرح بن نہیں سکتے۔

مرزا صاحب نے اس حدیث میں ایک اور تصرف کیا ہے کہ یقال له الحارث
حراث علی مقدمہ رجل کا مطلب یہ بتایا کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراء
النہر سے نکلے گا جیسا کہ از لہ الا وہام صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں کہ اب میں وہ حدیث جو
ابوداؤد نے اپنی صحیح میں لکھی ہے ناظرین کے سامنے پیش کر کے اس کے مصداق کی طرف
ان کو توجہ دلانا ہوں سو واضح ہو کہ یہ پیشگوئی جو ابوداؤد کی صحیح میں درج ہے کہ ایک شخص
حارث نام یعنی حراث ماوراءالنہر سے یعنی سرقند کی طرف سے نکلے گا جو آل رسول ﷺ کو
تقویت دے گا جس کی امداد و نصرت ہر ایک مومن پر واجب ہوگی۔ الہامی طور پر مجھ پر ظاہر
کیا گیا ہے کہ یہ پیش گوئی اور مسیح کے آنے کی پیش گوئی جو مسلمانوں کا امام اور مسلمانوں میں
سے ہوگا دراصل یہ دونوں پیش گوئیاں متحد المضمون ہیں اور دونوں کا مصداق یہی عاجز
ہے۔ اب دیکھئے کہ ان کا یہ قول کہ ایک شخص حارث نام یعنی حراث ماوراءالنہر سے نکلے گا،
کس طرح صحیح ہوگا۔ اگر تفسیر کے لحاظ سے دیکھا جائے تو حارث مفرد ہے اور حراث جمع ہے
مفرد کی تفسیر جمع کے ساتھ صحیح نہیں اور اگر جمع کا لحاظ کیا جائے تو من تعضیضہ کی ضرورت ہے
مگر مضاف الیہ حراث کا جو ورنہ کو بتا رہے ہیں وہ خود مضاف سے بھی کئی درجے اوپر ہے
مضاف الیہ کے تحت میں کیونکر آسکے۔ البتہ اس لحاظ سے کہ مرزا صاحب کے کئی درجے اوپر
کے جد بزرگوار ماوراءالنہر سے نکلے اور حارث مرزا صاحب بن رہے ہیں تو یہ توجیہ بن سکتی ہے

مگر کلام یہاں عبارت حدیث میں ہے آیا نحوی ترکیب بھی اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟
سوال اولیٰ درجے کا طالب علم بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ وہ درست نہیں کیونکہ بخروج رجل من
وراء النہر یقال له الحارث حراث علی مقدمہ رجل کے معنی بخروج رجل
یقال له الحارث ای من حراث ماوراء النہر سمجھنا کسی نحوی کا کام نہیں۔
مرزا صاحب کی امت تو خوش ہوتی ہوگی کہ مرزا صاحب نے حدیثوں کے ساتھ نحو کو بھی
باطل کر دیا مگر اہل علم کو اس کا صدمہ ہوتا ہے کہ اس دور میں علوم کی تباہی ہو رہی ہے۔

اس کی ضرورت ان کو اس وجہ سے ہوئی کہ حدیث شریف میں حارث کی مدد
کرنے کا حکم ہے انہوں نے دیکھا کہ کسی طرح حارث بن جائیں تو ہر طرف سے مال آنے
لگ جائیگا جو لوگ علم سے ناواقف تھے ان کو ترکیب نحوی سے کیا غرض؟ انہوں نے
مرزا صاحب کے اعتبار پر ایک حارث ہی کیا مہدی مسیح موعود نبی رسول اور خدا کی اولاد کے
برابر بھی مان لیا اور مرزا صاحب نے فوراً چندوں کی فہرست پیش کر دی چنانچہ اسی تقریر کے
ضمن میں لکھتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک عظیم الشان سلسلہ اس حارث
کے سپرد کیا جائیگا جس میں قوم کی امداد کی ضرورت ہوگی جیسا کہ فتح اسلام میں اس سلسلہ کی
پانچویں شاخوں کا مفصل ذکر کر آئے ہیں اور نیز اس جگہ بھی یہی اشارہ سمجھایا گیا ہے کہ وہ
حارث بادشاہوں یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو
سکے اور اس تاکید شدہ پید کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس حارث کے ظہور
کے وقت جو مثل مسیح ہونے کا دعویٰ کریگا لوگ امتحان میں پڑ جائیں گے اور بہترے ان میں
سے مخالفت پر کھڑے ہوں گے اور مدد دینے سے رکھیں گے بلکہ کوشش کریں گے کہ اس کی
جماعت متفرق ہو جائے اس لئے آنحضرت ﷺ پیسے سے تاکید کرتے ہیں کہ اے مومنو! تم
پر اس حارث کی مدد واجب ہے ایسا نہ ہو کہ کسی کے بچانے سے اس سعادت سے محروم رہے

جاؤ۔ اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ سب اشارات مرزا صاحب کے مفید مدعا کس صفائی سے نکالے جا رہے ہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ایک اعتبار سے درست بھی ہے اس لئے کہ جب تک ایسی تدابیر نہ کی جائیں کوئی روپیہ دیتا بھی تو نہیں ہے اور ایسا کون آدمی ہے جس کو روپیہ کی ضرورت نہ ہو خصوصاً زمینداری بلکہ موروثی شاہی خیال والوں کو تو بہت سی ضرورتیں لاحق رہتی ہیں اب اس حدیث پر اور بھی غور کیجئے۔ ابو داؤد کے نسخوں میں یہ عبارت الحارث الحارث دو طور پر ہے بعض نسخوں میں حارث ابن حارث ہے جس کا مطلب ظاہر ہے کہ حارث کے باپ کا نام حارث ہوگا اور بعض نسخوں میں حارث حواری علی مقدمہ رجل ہے یعنی حارث ایسی حالت میں نکلے گا کہ اس کے مقدمہ انجش پر ایک شخص ہوگا جس کا نام منصور ہوگا اس نسخہ کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ حواری کلام ای امیر و عامل للحارث یعنی حارث کے معنی کارگزار اور کا سب کے ہیں چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے وفي الحديث اصدق الاسماء الحارث لان الحارث الكاسب واحترث المال كسبه والانسان لا يخلو من الكسب طبعاً واختیاراً۔

امروم یعنی حارث کا مقام خروج ماوراء النہر ہونا جو حدیث شریف میں ہے اس کی نسبت مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں فرماتے ہیں کہ بابر بادشاہ کے وقت میں جو چغتائی سلطنت کا مورث اعلیٰ تھا بزرگ اجداد اس نیاز مند کے خاص سمرقند سے ایک جماعت کثیر کے ساتھ کسی سبب سے جو بیان نہیں کیا گیا ہجرت اختیار کر کے دہلی میں پہنچے انہیں شاہی خاندان سے کچھ ایسا تعلق خاص تھا جس کی وجہ سے وہ اس گورنمنٹ کی نظر میں معزز تھے چنانچہ بادشاہ وقت سے پنجاب میں بہت سے دیہات جاگیر کے انہیں ملے اور ایک بڑی زمینداری کے وہ تعلقدار ٹھہرائے گئے۔

بابر بادشاہ کے زمانہ کو چار سو برس گزرتے ہیں اس عرصہ میں تھینا دس پندرہ پشت مرزا صاحب کے گزر گئے ہوں گے اور جد اعلیٰ جو دہلی تشریف لائے تھے مقصود اس سے سمرقند سے ہجرت کر کے اس غرض سے نکلتا تھا کہ بادشاہ سے کوئی دینی نفع حاصل کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جاگیرات وغیرہ ملیں۔ اب مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ سمرقند سے یعنی ماوراء النہر سے کوئی بھی نکلے مگر حارث تو میں ہی ہوں کیونکہ الہام سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے۔

مرزا صاحب نے اس موقع میں حسن ظن سے بہت ہی کام لیا ورنہ ملہم سے پوچھ لیتے کہ نبی ﷺ نے تو صاف فرمادیا ہے کہ حارث وراۃ النہر سے نکلے گا اور میں تو وراۃ النہر کہاں پنجاب سے بھی باہر نہیں نکلا پھر حارث ہونے کا کیوں کر دعویٰ کروں اور اگر اس حدیث کے معنی خلاف واقعہ بیان کر دوں تو نبی کریم ﷺ پر افترا ہوگا جس کے بارے میں سخت وعید وارد ہے کہ قال النبی ﷺ من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار (مطلق علیہ) یعنی جو بات حضرت ﷺ نے نہیں کہی وہ حضرت ﷺ کی طرف منسوب کرنا دوزخ میں ٹھکانا بنا لینا ہے۔ اس سوال کے بعد جب ملہم کوئی تفتنی بخش جواب نہ دیتا اور یقیناً نہ دے سکتا تو اس پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر سمجھ جاتے کہ یہ شیطانی ابہام ہے جو مخالف حدیث ہے بات یہ ہے کہ مرزا صاحب کو چندوں کی ضرورت ہے اور صبح و شام اسی کا خیال لگا رہتا ہے اس لئے جس طرح مرزا صاحب کی اپنی ذاتی تحقیق سے قاعدہ قرار دیا ہے شیطان نے موقع پا کر ابہام کر دیا اور مرزا صاحب کو ضرورت کے لحاظ سے اس کے رد کرنے کا موقع نہ ملا۔

تیسرا امر یعنی حارث کے مقدمہ انجش پر منصور، سردار ہونا جو حدیث میں مذکور ہے اس کی نسبت ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لشکر یعنی اس کی جماعت کا سردار و سرگرد ایک توفیق یافتہ شخص ہوگا جس کو

آسمان پر منصور کے نام سے پکارا جاوے گا کیونکہ خدا تعالیٰ اس کے خادمانہ ارادوں کا جو اس کے دل میں ہوں گے آپ ناصر ہوگا اس جگہ اگرچہ اس منصور کو پچہ سالار کے طور پر بیان کیا مگر اس مقام میں درحقیقت کوئی ظاہری جنگ و جدل مراد نہیں بلکہ ایک روحانی فوج ہوگی کہ اس حادثہ کو دی جائیگی جیسا کہ کشفی حالت میں اس عاجز نے دیکھا۔

حدیث شریف میں علی مقدمہ رجل یقال له منصور مذکور ہے اور رفت میں مقدمہ فوج کے اس حصے کو کہتے ہیں جو تمام لشکر کے آگے رہتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ حادثہ معمولی آدمی نہ ہوگا بلکہ لشکر جہاد لیکر امام مہدی کی مدد کو نکلے گا اور ایک نامی سردار اس کے مقدمہ الحش پر ہوگا اور دوسری روایت میں جو اس کی تائید میں ہے صراحت یہ بھی مذکور ہے کہ اس فوج کے نشان سیاہ ہوں گے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ مرزا صاحب سب کی نفی کر کے فرماتے ہیں کہ وہ ایک معمولی پنجابی آدمی ہوگا جس کے ساتھ نہ فوج ہے نہ حشم البتہ اس کے مریدوں میں ایک شخص ہوگا جس کو آسمان پر منصور پکارا جائیگا۔

مرزا صاحب کی تحریر سے ابھی معلوم ہوا کہ اس حدیث سے اشارہ سمجھا گیا کہ وہ حادثہ یا بادشاہ یا امیروں میں سے نہیں ہوگا تا ایسے مصارف کا اپنی ذات سے متحمل ہو سکے غالباً اشارہ اسی سے نکالا ہوگا کہ حادثہ کی نصرت کا حکم ہے۔ انہوں نے نصرت کو چندہ میں منحصر کر دیا حالانکہ چندہ دینے کا نام نصرت نہیں بلکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرہ کیا مرزا صاحب اس آیت کی تفسیر میں بھی یہ فرمادیں گے کہ خدائے تعالیٰ نے چندہ دیا تھا۔ مرزا صاحب لفظ وجب نصرة سے اشارہ یہ نکالتے ہیں کہ وہ بادشاہ اور امیر نہ ہوگا اور جو صراحت لشکر و آیات وغیرہ مذکور ہے اس سے انکار ہے۔

تو مرث کے زمانے کے مسلمانوں کو آفرین کہنا چاہیے کہ باوجودیکہ انہیں حدیثوں پر استدلال کر کے اپنی مہدویت کے ثبوت پر ایک لشکر جہاد پیش کرتا ہوگا مگر جو خاص ایماندار

تھے وہ نور ایمان سے اس کی کاروائیوں پر نظر کر کے اس کے دام میں نہ آئے برخلاف اس کے کہ ہمارے زمانے کے مسلمان دیکھ رہے ہیں کہ ایک علامت بھی پائی نہیں جاتی مگر مرزا صاحب کی تصنیفات و تالیفات پر ایمان لا کر انہی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جو لوگ ان کو مکائد پران کے مطلع کرتے ہیں انہی کو دشمن سمجھتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مرزا صاحب کا لشکر تو روحانی ہے نہ جسمانی، فوج ہے نہ جنگ و جدل پھر چندوں کی کیا ضرورت ایسے لطیف لشکر کی نصرت کثیف چیز سے طلب کرنا اور مال جس کا فتنہ ہونا مسلم ہے اس کے لئے ہاتھ پھیلا کر کس قدر نامناسب اور بدنام ہے ازلیہ الا وہام میں خود فرماتے ہیں کہ مسیح دنیا میں آکر مال اس قدر تقسیم کرے گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے یہ نہیں کہ مسیح درم و دینار کو جو بمصدق آیت انما اموالکم و اولادکم فتنۃ ہے جمع کرے گا اور دانستہ ہر ایک کو مال کثیر دے کر فتنے میں ڈالے گا۔

مرزا صاحب کا حزم و احتیاط بھی قابل دید ہے کہ مال میں دو جہتیں ہیں محدود و مذموم جب دینے کی کوئی روایت آجاتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بہت مال دیں گے تو ماں نہایت مذموم اور فتنہ ہو جاتا ہے کہ اگر دیا جائے تو لوگ فتنے میں پڑیں گے اور لینے کا موقع آتا ہے تو نہایت محمود اور اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے دست سوال دراز کیا جائے اور اس کے دینے کی حدیثوں میں فرماتے ہیں کہ ان سے مراد باتیں کرنا اور لینے کے وقت وہی خاص جسم قرار دیا جاتا ہے جس میں استعارہ اور کنایہ کو دخل نہیں۔

امر چہارم یعنی حادثہ کی غرض آل محمد علیہم السلام کی تائید ہوگی اس کی نسبت ازلیہ الا وہام میں لکھتے ہیں کہ حادثہ ایسے وقت میں ظاہر ہوگا کہ جس وقت میں آل محمد یعنی امتیاء مسلمین جو سادات قوم و شرفائے ملت ہیں کسی حامی دین اور مہاجر میدان کے محتاج ہوں

گئے۔ آل محمد کے لفظ میں ایک افضل اور طیب جزو کو ذکر کر کے کل افراد جو پاکیزگی اور طہارت میں اس جزو سے مناسبت رکھتے ہیں اسی کے اندر داخل کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ عام طریقہ متکلمین ہے کہ بعض اوقات ایک جزو کو ذکر کر کے کل اس سے مراد لیتے ہیں۔

ابھی معلوم ہوا کہ آل محمد ﷺ سے مراد امام مہدی ہیں جیسا کہ دوسری حدیث سے ظاہر ہے مرزا صاحب نے اس روایت سے اغماض کر کے صرف آل محمد ﷺ والی حدیث کو لے لیا اور اس میں یہ تصرف کیا کہ اس سے مراد تمام مسلمان ہیں جن کی تائید کے لئے دو خراسان یعنی سمرقند سے نکلے ہیں اور تائید یہ کی کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو بلکہ صحابہ سے لے کر آج تک کے مسلمانوں کو شرک بنا دیا جس کا حال مذکور ہوا۔

یہ بات اہل علم جانتے ہیں کہ مجازی معنی وہیں لئے جاتے ہیں جہاں حقیقی معنی نہ نہیں اب یہ دیکھنا چاہیے کہ اس پیش گوئی کے حقیقی معنی چھوڑنے کی کیا ضرورت اگر آنحضرت ﷺ یہ فرماتے کہ لڑان سنہ میں یہ واقعہ ہوگا پھر اگر وہ سنہ قریب الختم ہوتا تو اس وقت اس حدیث کی تصحیح کے لئے مجازی معنی لئے سکتے تھے۔ امام مہدی حارث اور عیسیٰ علیہ السلام اور دجال وغیرہ کا ٹکنا تو قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہے جن کے متصل قیامت ہوگی اور یہ ہم کسی کو نہیں دیا گیا کہ قیامت کس سنہ میں ہوگی یہاں تک کہ کفار آنحضرت ﷺ سے اکثر پوچھا کرتے تھے کہ قیامت کب ہوگی حق تعالیٰ نے فرما دیا کہ ان سے صاف کہہ دو کہ اس کا علم خدائی کو ہے جب چاہیگا قائم کر دیگا چنانچہ ارشاد ہے یَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مَرْسِهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا اِلَٰهُو۔ اور بھی معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت ﷺ سے شب معراج کہا تھا کہ قیامت کب ہوگی یہ تو سوائے خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں البتہ دجال کا قتل میرے ذمہ ہے جو وقت پر عمل میں آجائیگا۔ جب قیامت کا علم کسی کو نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس زمانہ میں اگر ان

احادیث کے معنی مجازی نہ لئے جائیں تو وقت متقاضی ہو جائے گا اور وہ حدیثیں (نعوذ باللہ) جھوٹی ثابت ہوں گی تو پھر کیا ضرورت ہے کہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لئے جائیں۔ اگر مجازی معنی ہر موقع میں لینے کی اجازت شرعاً اور لغتاً ہو جائے تو ہر شخص قرآن و حدیث میں خود غرضی سے مجازی معنی لے کر اپنا مطلب نکالے گا اور جتنے مضمری اور کذاب ہیں اپنا اپنا دین علیحدہ بنالیں گے جس طرح مرزا صاحب بنا رہے ہیں کہ عیسیٰ مجازی، دجال مجازی، قتل مجازی، مہدی مجازی، آل محمد مجازی، حارث مجازی، منصور مجازی، جنگ وغیرہ سب مجازی جس کا مطلب ظاہر ہے کہ یہ کل کارخانہ جو جمایا گیا ہے محض بے اصل و بے حقیقت ہے۔

امر پنجم و ششم یعنی امام مہدی کا اس لشکر میں ہونا اور ان کی مدد کی ضرورت اس مقام میں ان کو صرف حارث بنہا منظور تھا ان حدیثوں سے اگر اپنی مہدویت ثابت کرتے تو کوئی دوسرا شخص حارث بن کر چندوں کا مستحق ہوتا۔ چونکہ اس حدیث سے چندوں کی کاروائی کو تائید پہنچتی ہے اس لئے کہ اس حدیث میں بڑا ہی زور لگایا اور چار جز تک اس میں خامہ فرسائی کی مگر یہ ثابت نہ کر سکے کہ حارث قادیان سے نکلے گا۔ اگر مرزا صاحب چاہتے تو چند روز میں اپنے خاص خاص مریدوں کے ساتھ ماوراء النہر تک جا کر چلے آتے جس سے ماوراء النہر یا خراسان سے ٹکنا صادق آجاتا اور کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ ملتی کہ مرزا صاحب ماوراء النہر سے نہیں نکلے مگر وہ ان سے نہ ہو سکا اور کیونکر ہو سکتا وہ تو خبر صادق کا کلام ہے جو سوائے اپنے مصداق کے کسی دوسرے پر صادق آئی نہیں سکتا باطن میں فی الحقیقت یہی وجہ تھی مگر ظاہر افغانستان کا خوف سدراہ ہوا ہوگا۔ جب یہود سے کہا گیا کہ اگر تم چپے ہو تو موت کی تمنا کرو جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ مَوْتَ اَنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ مگر خدا جانے ان پر کس قسم کا خوف جاری ہو گیا تھا کہ ان کے منہ سے کوئی تمنا کا کلمہ نکل ہی نہ سکا آخر ان کا جھوٹا ہونا خود ان کی طرز عمل سے مسلم ہو گیا۔

یہ چند علامتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ہیں اگرچہ اور بہت سی علامات احادیث سے ثابت ہیں مگر طالبین حق کے لئے چالیس علامتیں بھی کم نہیں۔ اگر زندہ کس است یک حرف بس است۔ آپ نے دیکھ لیا کہ ان علامتوں سے ایک بھی مرزا صاحب پر صادق نہیں آتی اب وہ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح ان علامات کو اپنے پر چسپاں کر لیں ورنہ عیسویت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے اسلئے اقسام کی تدبیریں کیں۔ مثلاً ناموں میں تحریف کردی اپنا نام عیسیٰ مہدی حارث وغیرہ رکھ لیا اور قادیان کو دمشق اور پادریوں اور ابن صیاد کو دجال اور نصاریٰ کو یاجوج ماجوج قرار دیا اور کہیں معنوں میں تحریف کی مثلاً قتل دجال اور کسر صلیب سے مراد زندہ رہنا اور معمولی سوال و جواب اور بے حساب مال تقسیم کرنے سے مراد علی باتیں بیان کرنا اور کسی حدیث کی نسبت کہہ دیا کہ وہ حضرت کا خواب تعبیر طلب تھا اس کے وہ معنی نہیں جو ظاہر میں سمجھے جاتے ہیں اور کبھی عقل سے حدیث کو رد کر دیا جیسا کہ لکھا ہے۔ کیا عیسیٰ مہدی اور ہدایت یافتہ نہیں پھر مہدی کی کیا ضرورت اور جہاں کچھ نہ بنا تو کہہ دیا کہ وہ بھی ایک استعارہ ہے جیسا کہ دجال کے شام و عراق کے درمیان سے نکلنے کے باب میں لکھا ہے اور سردار لشکر کا نام جو حدیث میں منصور مذکور ہے کہا کہ خدا کے نزدیک اس کا نام منصور ہوگا۔ بلکہ کہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ وہ حدیث ہی غلط ہے جیسا کہ نو اس حدیث کی حدیث کی نسبت معلوم ہوا بلکہ خود نبی ﷺ ہی کی طرف غلطی کی نسبت کردی اور کہیں اغماض ہی کر گئے مثلاً حدیث شریف میں مذکور ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کل اسلام ہی اسلام ہو جائیگا اور درندے اور گزندے کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکیں گے وہاں کہہ تو دیا کہ شیر اور بکری کو ایک ہی جگہ بٹھائے گا مگر اس میں کچھ گفتگو نہ کی کہ عیسیٰ ہیں تو ان پیشگوئیوں کا وقوع کیوں نہ ہو اغراض کہ اقسام کی بدنام تدبیریں کیں کہ کوئی سمجھدار آدمی اس کو رضا مندی کی نگاہ سے دیکھ نہیں سکتا۔ افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جس میں العقائل تکفیه

الاشعارہ کے مصداق بکثرت موجود تھے اور اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ اشارہ تو درکنار خشن ساریاں باوازی بلند کتنی ہیں کہ کل تصنع ہی تصنع ہے مگر کسی کو جنبش نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب کیا کر رہے ہیں۔ معتقدین اتنے تو خیال کر لیتے کہ جب آنحضرت ﷺ کے کشف میں غلطی ظہری تو اس کی تصدیق کیوں کی جائے کہ ایک نقلی عیسیٰ پنجابی شخص ہونا ضروری ہے آخر وہ بھی کشفی بات ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اور کشف جب تعبیر طلب ہو تو کسی شخص کے مثیل مسیح ہونے کی کیا ضرورت؟ ممکن ہے کہ اس کی تعبیر یہ ہو کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جس میں امت مرحومہ من جانب اللہ راہ راست پر آجائیگی کیونکہ عیسیٰ کلمۃ اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کلمہ کن سے سب کچھ کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا نبینا کل نفس ھذا اس تعبیر میں جیسے عیسیٰ کی ضرورت نہیں ویسے ہی مثیل عیسیٰ کی بھی ضرورت نہیں اور ازالۃ الادھام میں انہوں نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ لکل دجال عیسوی تو جس طرح پادریوں کی قوم دجال بتائی گئی اسی طرح ان کی رد کرنے والی قوم عیسیٰ ہوگی اور اگر وہاں افراد قوم دجال ہیں تو ادھر بھی افراد قوم عیسیٰ ہوں گے اس کا کیا ثبوت کہ ادھر تو دجال قوم ہو اور ادھر ایک ہی شخص ہو۔ الحاصل بیسویں قرینے شاہد حال ہیں کہ نہ ان کو حدیث سے کام ہے، نہ قرآن سے مطلب صرف اپنی عیسویت مقصود بالذات ہے جس سے بوضاحت ثابت ہے کہ جتنے الہام انہوں نے اپنی عیسویت وغیرہ سے متعلق لکھے ہیں وہ سب دل سے بنائے ہوئے ہیں کیونکہ جب آیا تو حدیث میں تصرفات کر کے ایسے معنی بیان کرتے ہیں جن کا اخیال بھی نہیں اور اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے کہ دیکھنے والے کیا کہیں گے۔ تو الہام بنایا کون سی بڑی بات ہے اس پر تو دوسرا کوئی مطیع ہی نہیں ہو سکتا آخر قرآن وحدیث کے خلاف مراد معنی بیان کرنا بھی تو افتراء ہی ہے۔ جس نے حرمت علیکم المیتۃ کے معنی یہ لئے تھے کہ میتہ کسی بزرگ کا نام تھا جس کی تعظیم کی گئی تھی اس کو مردار سے کوئی تعلق نہیں کیا یہ افتراء علی اللہ

نہیں۔ مرزا صاحب بھی تو اس قسم کے تصرفات کر رہے ہیں پھر ان کے افترا کرنے میں کیا تاثر اور جب یہ افترا انہوں نے جائز رکھا تو الہام بنا لینے میں کون مانع ہے۔ پھر جو دلائل انہوں نے اپنی عیسویت پر پیش کئے ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جو قابل توجہ ہو جس کا حال اوپر معلوم ہوا۔ اس سے یقیناً ثابت ہوا کہ جیسی تصحیح کی وفات پر انہوں نے اسی وجہ سے زور دیا ہے کہ ان کی حیات میں خدشے پیدا کر کے خود مسیح موعود بن جائیں کیونکہ جب تک ان کی موت ثابت نہ ہو وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کبھی ہی یقینی بات ہو جب آدمی اس میں خدشے ڈالنے کے درپے ہوتا ہے تو خن ساز یوں سے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی جاتا ہے۔ دیکھ لیجئے حضرت امام حسین ؑ کی شہادت میں تیرہ سو سال سے آج تک کسی کو اختلاف نہیں۔ شیعہ، سنی، ہندو، عیسائی وغیرہ سب کے نزدیک وہ مسلم ہے اور تمام تاریخ نگار اس پر گواہی دے رہی ہیں مگر مرزا حیرت صاحب نے اس میں خدشے ڈال ہی دیئے چنانچہ جاہلوں میں ہر طرف چرچے ہو رہے ہیں کہ مرزا حیرت صاحب نے خوب ہی دلائل قائم کئے آج کل کے مباحتوں کا حال عینہ اس مباحثے کا سا ہے۔

کسی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے کوئی واقعہ بیان کیا جو ہر غیر مربوط سا تھا۔ اس پر ایک شاعر صاحب نے ہنس کر یہ شعر پڑھا۔

ع چہ خوش گفست است سعدی در زینہ

الا یا الیہا الساقی ادر کاساً وناولہا

مولوی صاحب نے گمز کر کہا کیسا غلط پڑھتے ہوتا بھی نہیں سمجھتے کہ ایک مصرعہ چھوٹا ایک بڑا ہے اس پر شاعری کا دعویٰ۔

شاعر: حضرت مجھے تو ایہ ہی یاد ہے صحیح آپ ارشاد فرمائیں۔

مولوی صاحب: خیر ہم ہی صحیح بتائے دیتے ہیں۔

ع چہ خوش گفست است سعدی در زینہ

الا یا الیہا الساقی ادر کاساً

شاعر: ادر کا چہ معنی دارد۔

مولوی صاحب: عربی پڑھیں تو معلوم ہو کہ ادر امر کا صیغہ ہے اور کاف کا خط ب کا جو اشعار کی وجہ سے ادر کا پڑھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے ساقی پیالہ کے دور کرانے میں کیوں لگا ہے اپنے کو پھیر اور ادھر متوجہ کر۔

شاعر: دیوان حافظہ میں تو اس مصرعہ میں یہ ہے ادر کاساً وناولہا۔

مولوی صاحب: سبحان اللہ ترجمہ کا بھی آپ کو خوب سلیقہ ہے کیا سعدی کے معنی حافظ اور زینہ کے معنی دیوان ہیں جو دیوان حافظ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ شاعر تو یہ خبر دے رہا ہے کہ سعدی نے زینہ میں یہ مصرعہ لکھا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دیوان حافظ میں ایسا نہیں ہے، نہ ہو کرے۔

شاعر: کیا سعدی نے زینہ بھی لکھی ہے۔

مولوی صاحب: کیا سعدی کو زینہ لکھنا منع تھا۔

شاعر: اگر لکھی ہے تو وہ زینہ کہاں ہے۔

مولوی صاحب: کیا ساری دنیا کی کتابیں آپ کے شہر میں موجود ہیں یا آپ نے سب کا مطالعہ کر لیا ہے اور صرف وہی ایک باقی رہ گئی۔

شاعر: حضرت آپ یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ شعر کس موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ جب کوئی بے ربط بات کہی جائے تو مستحکم کے طور پر پڑھتے ہیں جس سے یہ بتلایا جاتا ہے کہ وہ بات الکی ہے جیسے اس شعر کا مضمون۔

مولوی صاحب: یہ آپ کا خیال ہے مضحکہ سے کیا تعلق جب کوئی دلچسپ بات سنتے ہیں تو بے اختیار ہنس کر اس کی داد دیتے ہیں کہ ادھر متوجہ ہو کر پھر فرمائے جناب اتنا تو خیال کر لیجئے کہ یہ شعر حد تو اتنا کو پہنچ گیا ہے ہزاروں ذی علم اس کو پڑھتے ہیں اور یہ خبر دیتے ہیں کہ یہ مصرعہ سعدی نے اپنی زیلجہ میں لکھا ہے کیا وہ سب جھوٹے ہیں کیا ان میں سے کسی نے بھی سعدی کی زیلجہ کو نہ دیکھا ہوگا آپ کی عقل پر افسوس ہے۔

الغرض شاعر صاحب سے کچھ نہ بن پڑی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور آخر یہی کہنا پڑا کہ شاید ایسا ہی ہوگا۔

کلام اس میں یہ تھا کہ تیرہ سو برس سے جو بات بلا خلاف ہم تک پہنچی اور جس پر ہر ملک و ملت کے لوگ گواہی دے رہے ہیں اور کسی کو اس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ مرزا حیرت صاحب نے باتیں بنا کر جاہلوں کو چوکے تو کر دیا اور بعض متزلزل بھی ہو گئے اور تعجب نہیں کہ رفتہ رفتہ ایک جماعت بھی قائم ہو جائے۔

اسی طرح مرزا صاحب اور ان کے امتی ہم تن متوجہ ہو کر اپنی پوری ذکاوتیں مسئلہ وفات مسیح میں صرف کر رہے ہیں جس سے جاہلوں کے اعتقاد متزلزل ہو گئے اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ مرزا صاحب جب منصب عیسویت اپنے لئے تجویز کر رہے ہیں اور اس کا مدار انہیں خدشات پر ہے تو ان کی غرض اس سے متعلق ہوئی اور خود غرضی کا روانی عقلاً قابل التفات ہو سکتی ہے یا نہیں؟ پھر جب ان کا مقصور یعنی ان کی عیسویت کسی دلیل سے ثابت نہ ہو سکی تو عیسیٰ علیہ السلام کی موت و حیات میں گفتگو سے کیا فائدہ؟ ان کو ضرور ہے کہ اپنی عیسویت بدلائل ثابت کر دیں اور جب وہ بدلائل ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کی موت خود بالضرور ثابت ہو جائیگی کیونکہ مسیح موعود تو ایک ہی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ ان کی موت ثابت ہونے سے مرزا صاحب کی عیسویت ثابت ہو جائے اس لئے کہ یہ ضرور نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے

مرتے ہی یہ مرزا صاحب عیسیٰ بن جائیں آخر مرزا صاحب بھی اس کے قائل نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ۱۳۰۰ ہجری میں ہوئی اور وہ ان کے چاشمین ہوئے اور یہ بات بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہو سکتی کہ ایک عیسیٰ کے مرنے کے بعد دوسرے عیسیٰ کے نکلنے کی اس قدر مدت مقرر ہے۔ الحاصل مرزا صاحب مدعی عیسویت ہیں اپنا دعویٰ مع شرائط و لوازم ثابت کرنا ان کے ذمہ ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہمارے دین میں طے شدہ اجماعی مسئلہ حیات مسیح علیہ السلام کو از سر نو ثابت کریں البتہ بحسب قواعد مناظرہ ہمارا کام ہوگا کہ مدعی کے دلائل میں غور کر کے بحسب موقع و ضرورت جرح کریں۔ مرزا صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے اور آپ مسیح موعود ہونے میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے۔ پہلے یہ ثابت کرنا انہوں نے ضروری سمجھا کہ کوئی شخص زندہ آسمان پر جا ہی نہیں سکتا۔ اس میں یہ وقت پیش آئی کہ قرآن و حدیث صحیحہ سے نبی کریم علیہ السلام کا معراج ثابت ہے اگر قرآن و حدیث کی رعایت کرتے ہیں تو اپنی بات بگڑتی ہے اور اگر بات کی رعایت کرتے ہیں تو ان آیات و احادیث سے ایمان رخصت ہوتا ہے آکر بنگم حبک للشی بعمی و بصم طبیعت نے یہی حکم کیا کہ بات بگڑنے نہ پائے۔ چنانچہ معراج جسمانی کا انکار ہی کر دیا اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ حضرت شب معراج مکہ سے باہر نہیں گئے بستر ہی پر بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا اور سبحان الذی اسوی بعبدہ وغیرہ آیات کو تاویل کر کے ہال دیا۔ اس کے بعد یہ خیال کیا کہ شاید کوئی یہ کہہ دے کہ عیسیٰ علیہ السلام مگر ممکن ہے کہ قیامت کے قریب زندہ ہو کر آجائیں اس کی پیش بندی یوں کی کہ کوئی شخص مرنے کے بعد اس عالم میں زندہ ہو ہی نہیں سکتا اور قرآن شریف میں جو ہزار ہا مردوں کا زندہ ہونا مذکور ہے اس کا عقل سے ایسا مقابلہ کیا کہ انہی کا کام تھا۔ کسی واقعہ میں کہا کہ مسمریزم سے صرف حرکت ہو گئی تھی اور کبھی معنی بدل دیئے مثلاً فاماتہ اللہ مائتہ عام میں کہا کہ اس سے موت

مراد نہیں بلکہ نیند ہے کہ سو برس تک سوتے رہے۔ اس کے بعد یہ سوچا کہ ایسا کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں بھی زمین پر نہ آنے پائیں اس لئے حشر اجساد ہی کا انکار کر دیا اس دلیل سے کہ مرنے کے بعد قبر میں ایک سوراخ ہو جاتا ہے جس کی راد سے جنتی آدمی جنت میں چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے نکل ہی نہیں سکتا۔ اب صداہا آیات و احادیث جو حشر اجساد اور قبر سے مردے نکلنے کے باب میں وارد ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ رکھی ہیں اور سب پر ایمان بھی ہے مگر ان کے معنی سے کوئی تعلق نہیں اور ان کا وہ قول بھی صحیح ہو گیا کہ قرآن کے ایک نکتے کی کمی و زیادتی نہیں ہو سکتی کیونکہ مسلمانوں کو بتلانے کے لئے الفاظ پر پورا پورا ایمان ہے جو کچھ تصرف اور حکومت ہے سو معنی پر ہے۔ الغرض ان مقامات میں اور ان کے سوا جو آیات و احادیث ان کو مقصود کے مخالف نظر آئیں سب کے معنی میں تحریف کر ڈالی اور جن آیات و احادیث کو دیکھا کہ تغیر معنی سے اپنا مطلب نکل سکتا ہے ان میں نئے معنی پیدا کر کے استدلال میں پیش کر دیا۔

یوں تو مرزا صاحب کی طبیعت خود جدت پسند اور موجد مضامین تازہ ہے مگر ظاہراً تقدیم کی وجہ سے سرسید احمد خان صاحب کو مقتدا ہونے کا فخر حاصل ہے کیونکہ انہوں نے ایسے طریقہ بتا دیے کہ کہنے کو قرآن پر ایمان بھی مسلم رہے اور اپنی مطلب برآری میں قرآن ضل انداز بھی نہ ہو مثلاً انہوں نے دیکھا کہ جب تک گورنمنٹ کے ہم خیال نہ ہوں مقصود حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے قرآن کو حکمت جدیدہ کے تابع کر دیا اور جنتی آیتوں سے آسمانوں کا وجود ثابت ہوتا ہے سب میں تاویلیں کر کے آسمانوں کی جگہ موبوم و دائر قائم کر دیے اور جنت و دوزخ کے باب میں جنتی آیات وارد ہیں سب کو عالم خیال میں پہنچا دیا۔ قرآن میں فرشتوں کا ذکر بہت جگہ ہے اس کی تصدیق یوں کی کہ آدمی وغیرہ میں جو قوتیں ہیں وہی ملائکہ ہیں مگر یہ ممکن نہیں کہ آسمان پر بھی کوئی فرشتہ ہو۔ بہر حال خاں صاحب اور

مرزا صاحب الفاظ قرآن کی جہاں تک حد ہے اس میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور جہاں معنی کا موقع آیا علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت سوائے اپنی خواہش کے مسلمان تو کیا اگر نبی ﷺ بھی فرمادیں تو نہیں سنتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں صاحبوں کے نزدیک احادیث ساقل الاعتبار ہیں البتہ وہ حدیشیں تو استدلال میں پیش کرتے ہیں جن کو اپنے مفید مدعا سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ ان حضرات نے جو ایمان کا طریقہ نکالا ہے وہ شرعاً ایمان نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو قرآن نازل ہوا ہے اس سے یہ مقصود نہیں کہ فقط الفاظ ہی پر ایمان لایا جائے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص عمر بھر لا اِلهَ اِلَّا اللّٰہ پڑھا کرے اور اس کے معنی تو حید کا قائل نہ ہو تو وہ شرعاً ہرگز مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا اگر معنی میں تعلیم کر دی جائے کہ حسب مرضی جو جی چاہے سمجھ لیما کافی ہے تو اس قسم کی تاویلوں میں تعجب نہیں کہ کفار کے اعتقاد بھی داخل ہو جائیں۔ منصور نے حرمت علیکم المینۃ والدم ولحم الخنزیر میں تاویل کر کے مردار خنزیر وغیرہ کو حلال کر دیا تھا لہذا اس آیت کو وہ کلام الہی کہتا تھا کیا اس قسم کے ایمان سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کو اس آیت پر ایمان تھا۔

اب ہم خیر خواہانہ اہل اسلام سے عرض کرتے ہیں کہ ایمان بڑی نعمت عظمیٰ ہے آخرت کی نجات اور راحت ابدی کا مدار اسی پر ہے اس کی حفاظت اور احتیاط کی بڑی ضرورت ہے ہر کس و ناکس کو اپنے ایمان پر تصرف دینا نہایت خلاف عقل ہے مولانا روم رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں۔

ع اے بسا ائیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نہاید داد دست

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان ہے جس سے امتیوں کو کمال درجہ کا افتخار حاصل ہے کہ سوائے ہمارے پیارے نبی ﷺ کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں

ہوئی۔ مگر مرزا صاحب خود غرضی سے اس میں کلام یہ کرتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ اس کی تصریح نہیں کرتے مگر قرآن و دلائل واضحہ اسکی خبر دے رہے ہیں بہر حال ازالۃ الادھام صفحہ ۴۷ میں لکھتے ہیں کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا کشف تھا اس کثیف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ و اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

مرزا صاحب کے کشف و تجربہ کا کیا کہنا اسی کتاب میں آپ کے کشفوں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا ہے اگر ناظرین ان کا تذکرہ فرمائیں تو مرزا صاحب کی اس تقریر کا لطف دو بالا ہو جائے گا۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ ان کا غالباً پیشتر کا ہوگا ورنہ انہوں نے تو اپنے باب میں قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ خود بدولت مردود ہیں، ملعون ہیں، بے دین ہیں، خائن ہیں، اور اس فیصلہ کو خدا بے تعالیٰ نے بھی منظور فرمایا جس کا حال معلوم ہوا اس کے بعد اب وہ کسی عامی مسلمان کی بھی مساوات کا دعویٰ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ سید المرسلین علیہم السلام کی ہمسری۔ اگرچہ مسئلہ معراج نہایت وسیع اور طویل الذیل ہے جس کی گنجائش اس مختصر میں دشوار ہے مگر ما لا یدرک کذلک لا ینرک کذلک کے لحاظ سے تھوڑی سی بحث اس میں بھی کی جاتی ہے اِنْ شَاءَ اللہ تعالیٰ بشرط انصاف اہل ایمان پر منکشف ہو جائیگا کہ اہل سنت کا مذہب اس مسئلہ میں کیسا قوی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کئی امور اس مسئلہ میں ایسے ہیں کہ معمولی عقول پر ان کا تسلیم کرنا شاق ہوتا ہے۔ مثلاً سید مبارک آنحضرت ﷺ کا شب معراج شق کیا جانا اور حکمت و ایمان سے اس کو بھربنا پھر سواری براق بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر جانا اور یہ سب معاملات ایک ہی شب میں طے ہو جانا وغیرہ امور ایسے ہیں کہ ان کی نظیر مل نہیں سکتی

اور خلاف عادت ہونے کی وجہ سے عقل کے خلاف ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس عالم میں بہت سے بلکہ تقریباً کل کام ایسے ہیں کہ ان کا ادراک عقل سے ممکن نہیں مگر عادت کی وجہ سے ان میں غور و تدبر کی نوبت آتی ہے، نہ خلاف عقل معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا بیان ہم نے کتاب العقل میں بشرح و بسط لکھا ہے اس کے ملاحظہ سے منکشف ہو سکتا ہے کہ جو معمولی امور ہیں ان کے بھی ادراک میں حکماء کی عقلیں حیران ہیں اور جن چیزوں کو ہم بدیہی سمجھتے ہیں ان کی حقیقتیں ایسی نظری ہیں کہ ان کا ادراک اب تک نہ ہو سکا۔ پھر جیسے وہ عادت کی وجہ سے مطابق عقل معلوم ہوتے ہیں اسی طرح اگر بالفرض آسمانوں پر آنا جانا بھی عادی ہوتا تو ان میں بھی عقل کو استبعاد کا موقع نہ ملتا۔ یہاں بطور مثال ایک نورانی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کس قدر ظاہر بلکہ مظہر ہے اور ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے ہر شخص اس کو بدیہی سمجھتا ہے مگر اس کی حقیقت ایسی نظری ہے کہ تمام حکماء اس کے ادراک میں حیران ہیں بدیہی وجہ ہے کہ کوئی اس کو جوہر بلکہ جسم کہتا ہے اور کوئی عرض۔ حالانکہ جوہر و عرض میں جس قدر فرق اور تباہی ہے ظاہر ہے ایسی روشن چیز میں جب یہ اندھیر ہو تو اور چیزوں کا کیا حال ہوگا اگر ایسے شخص سے جس نے کبھی نور نہ دیکھا ہو یعنی مادرِ اونا دینا سے اس کا حال بیان کیا جائے تو بدیہی کہے گا کہ ایسی چیز کا وجود محال ہے۔ اہل حکمت جدیدہ نے نور کو جوہر بلکہ جسم مان لیا ہے اور کمال تحقیق سے تصریح کرتے ہیں کہ وہ ایک منہ میں ایک کروڑ بیس لاکھ میل کی مسافت طے کرتا ہے جیسا کہ ریڈی رنٹ چارلس صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اور پیپہ اخبار مورخہ ۹ جمادی الثانی ۱۳۲۰ھ ہجری میں تحقیق جدیدہ کو بیان کیا گیا ہے کہ بجلی ایک منہ میں پانچ سو (۵۰۰) مرتبہ زمین کے گرد و گھوم سکتی ہے اور ستہ شمس میں جو چارلس صاحب مذکور کی کتاب کا ترجمہ ہے لکھا ہے کہ بعض دم دار ستارے اتنے بڑے ہیں کہ فقط ان کی دم تین کروڑ تیس لاکھ میل کی ہے اور ان کی رفتار ایک ساعت میں آٹھ لاکھ اسی ہزار میل تک ثابت ہوئی ہے اور

محققین بیت قدیمہ نے تصریح کی ہے کہ فلک تاسع کے مقعر کا ہر نقطہ ایک ساعت میں دس کروڑ اکہتر لاکھ میل حرکت کرتا ہے اور نکھایا ہے کہ آدمی جس عرصے میں ایک لفظ کا تلفظ کرے مثلاً "الف" یا "ب" کہے وہ پانچ ہزار ایک سو چھیانوے میل طے کرتا ہے۔ اب دیکھئے کہ کیسے بڑے بڑے اجسام کی حرکت ایک ساعت میں لاکھوں بلکہ کروڑوں میل تسلیم کر لی جاتی ہے اس وجہ سے کہ وہ حکماء کا قول ہے اور معراج کی خبر خود اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس میں اقسام کے احتمالات پیدا کر کے تاویل میں کی جاتی ہیں کہ جسم کثیف اس مدت قلیل میں اتنی مسافت کیونکر طے کر سکتا ہے اس لئے برائے نام اس پر ایمان لانے کی یہ تہیہ نکالی گئی کہ وہ ایک کشفی واقعہ ہے۔ اب اگر کوئی ایماندار جس کو خدا کی قدرت پر پورا ایمان ہو اور یقین سمجھتا ہو کہ حق تعالیٰ صرف کس سے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے یہ اعتقاد رکھے کہ وہ قادر مطلق جو بعض اجسام کثیفہ کو ایک منٹ میں ایک کروڑ میں لاکھ میل چلا سکتا ہے۔ اپنے حبیب ﷺ جن کا جسم مبارک ہماری جان سے بھی زیادہ تر لطیف تھا ان کو تھوڑے عرصے میں آسمانوں کی سیر کرا لائے تو کون سی بڑی بات ہوگی؟ کیا ان مسلمانوں کے نزدیک خدا کی اور اپنے نبی کریم ﷺ کی بات کی اتنی بھی وقعت نہ ہونی چاہیے جو اہل یورپ کی بات کی آج کل ہو رہی ہے۔ متفحصانے ایمان تو یہ تھا کہ اگر کوئی ضعیف حدیث بھی اس باب میں وارد ہوتی تو اس خیال سے مان لی جاتی کہ آخر حدیث تو ہے کسی کی بنا کی ہوئی بات نہیں چہ جائیکہ قرآن کی آیتوں اور صحیح صحیح حدیثوں سے ثابت ہے مگر ہر کسی کو یہ گراں بہا دولت ایمانی کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ ہزار ہا معجزات دیکھنے پر بھی تو اشتیاء اس دولت سے محروم ہی رہے۔ دراصل خود حق تعالیٰ کو منظور نہیں کہ یہ دولت عام اور بے قدر ہو جائے اسی وجہ سے خود کتاب ہدایت یعنی قرآن شریف کی خاصیت بفضل بہ کثیرا وبہدہی بہ کثیرا رکھی گئی۔ اور معراج شریف کی نسبت بھی اسی قسم کا ارشاد ہے قوله تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا

فتنة للناس یعنی جو تم کو شب معراج ہم نے دکھلایا اس سے لوگوں کی آزمائش مقصود ہے احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت معراج ہی کے باب میں نازل ہوئی۔ یہ بات ظاہر ہے کہ ہر کسی کا کام نہیں کہ خدائے تعالیٰ کے امتحان میں پورا اتر سکے اس موقع میں تو ایمانداروں کا ایمان ہی سلامت رہ جائے تو غنیمت ہے کافروں کے ایمان کی کیا توقع چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجودیکہ حضرت ﷺ نے بیت المقدس کی پوری نشانیاں بتلا دیں اور کفار اس کا انکار بھی نہ کر سکے مگر ایمان کسی نے نہ لایا اور صحابہ جو ہمیشہ معجزات دیکھتے تھے باوجود اس فیضان معنوی کے وہ بھی متزلزل ہو گئے اور بعض تو (نعوذ باللہ) مرتد ہی ہو گئے۔ اور اسی واقعہ کی عمدہ طور پر تصدیق کرنے کی بدولت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ "صدیق" کہلائے ان مضامین کی تصدیق روایات ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ اخراج ابن جریور عن قتادة **وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا فتنة للناس يقول اراه من الايات والغير في ميسرة الى بيت المقدس و ذكر لنا ان ناسا ارتدوا بعد اسلامهم حين حدثهم رسول الله ﷺ بمسيرة انكروا ذلك وكذبوا به وعجبوا منه وقالوا اتحدثنا انك سرت ميسرة شهرين في ليلة واحدة ذلك في الدر المنثور۔** یعنی قد دو کہتے ہیں کہ آیت شریفہ وما جعلنا الرؤیا التي اريناك الا فتنة للناس سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو بیت المقدس کے جانے میں حضرت کو دکھائی گئیں۔ جب حضرت نے وہ حالات بیان کئے تو بہت سے لوگوں نے تکذیب کر کے براہ انکار کہا کہ اب ایسی باتیں کرنے لگے کہ ایک رات میں دو مہینے کی راہ طے کی غرض باوجودیکہ وہ لوگ اسلام لائے تھے مگر واقعہ معراج سن کر مرتد ہو گئے۔ و اخراج احمد وابو یعلیٰ وابن مردويه وابو نعیم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اسرى بالنبی ﷺ الى بيت المقدس ثم جاء من النيلة فحدثهم بمسيرة وبعلامه بيت المقدس

ويعبرهم فقال ناس نحن لانصدق محمداً (ﷺ) بما يقول فارتدوا كفاراً
فضرب الله رقابهم مع ابى جهل (كذا في الدر المنثور) - یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں کہ جب حضرت (ﷺ) بیت المقدس جا کر اسی شب واپس تشریف لائے اور واقعہ
جانے کا اور علامت بیت المقدس کی اور کفار کے قافلہ کا حال بیان فرمایا تو بہت سے لوگوں
نے کہا کہ ہم محمد (ﷺ) کی تصدیق ان امور میں نہیں کر سکتے چنانچہ دو مرتبہ ہو گئے اور آخر ابو
جہل کے ساتھ ان کی گردنیں ماری گئیں اچھی۔ ان روایات سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ ظاہراً
خلاف عقل ہونے کی وجہ سے دو لوگ اس کی تصدیق نہ کر سکے جس سے ان کا ایمان سلب کر
لیا گیا۔ یہاں غور کیا جائے کہ کیا خواب میں بیت المقدس کو جانا اس قدر خلاف عقل تھا کہ
اس کے سننے سے مسلمانوں کو ایمان جاتا رہے عقل سلیم اس کو ہرگز قبول نہیں کر سکتی یہ واقعہ
خلاف عقل اسی وقت ہو سکتا ہے کہ عالم بیداری میں ہوا ہو جس کی تصدیق ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے کر
کے لقب صدیق کے مستحق ہوئے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ وَاخْرَجَ ابُو يَعْلَى
وَابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ (ﷺ) اِلَى اَنْ
قَالَتْ فَقَالَ مَطْعَمُ كُلِّ امْرُكٍ قَبْلَ الْيَوْمِ كَانَ اَمَّا غَيْرِ قَوْلِكَ الْيَوْمِ اَنَا
اشْهَدُ اَنْكَ كَاذِبٌ نَحْنُ نَضْرِبُ اَكْبَادَ الْاَبِلِ اِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ مُصْعِدًا
شَهْرًا وَمُنْحَدِرًا شَهْرًا تَزْعُمُ اَنْكَ اَتَيْتَهُ فِي لَيْلَةٍ وَالثَّلَاثِ الْعَزْزَى لَا اَصْدَقُكَ
فَقَالَ ابُو بَكْرٍ يَامَطْعَمُ بَنَسْ مَا قُلْتَ لَا بِنِ اخِيكَ حَيْهَتَهُ وَكَذِبْتَهُ اَنَا اَشْهَدُ اَنْهُ
صَادِقٌ فَقَالُوا يَا مُحَمَّدُ صَفِّ لَنَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ قَالَ دَخَلْتُهُ لَيْلًا وَخَرَجْتُ مِنْهُ
لَيْلًا فَاتَاهُ جِبْرِئِيلُ (رضی اللہ عنہ) فَصَوَّرَهُ فِي جَنَاحِهِ فَجَعَلَ يَقُولُ بَابُ مَنْهُ كَذَا فِي
مَوْضِعٍ كَذَا وَبَابُ مَنْهُ كَذَا فِي مَوْضِعٍ كَذَا وَابُو بَكْرٍ (رضی اللہ عنہ) يَقُولُ صَدَقْتَ
صَدَقْتَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ (ﷺ) يَوْمَئِذٍ يَا ابَا بَكْرٍ اِنَّ اللَّهَ قَدْ سَمَاكَ الصَّدِيقَ

(الحديث، كذا في الدر المنثور) یعنی امام ہانی رضی اللہ عنہ نے معراج کا واقعہ بیان کر کے کہا کہ
جب یہ واقعہ حضرت نے کفار سے بیان کیا تو مطعم نے کہا کہ اب تک آپ کا معاملہ ٹھیک
چل رہا تھا سوائے اس بات کے جواب کہہ رہے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جھوٹے ہو ہم تو
اونٹوں کو مار مار کے دو مہینے میں بیت المقدس کو جا کر آتے ہیں اور تم کہتے ہو کہ ایک ہی رات
میں جا کر آ گئے ہولات و عز کی قسم ہے کہ یہ تو میں ہرگز نہ مانوں گا۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ
اے مطعم تو نے بری بات کہی اپنے بھتیجے کو شرمندہ کیا اور ان کی تکذیب کی میں گواہی دیتا
ہوں کہ وہ سچے ہیں۔ پھر کفار نے حضرت سے کہا کہ بیت المقدس کا حال تو بیان کیجئے آپ
نے فرمایا کہ میں رات کے وقت اس میں داخل ہوا تھا اور رات ہی میں اس سے نکلا یہ فرمایا
رہے تھے کہ جبرئیل (رضی اللہ عنہ) آئے اور اپنے بازو میں بیت المقدس کا نقشہ پیش نظر کر دیا جس کو
دیکھ کر آپ علامتیں فرماتے کہ فلاں دروازہ فلاں مقام میں ہے اور فلاں دروازہ فلاں
مقام میں اور ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ اس روز آنحضرت (ﷺ) نے
ابو بکر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اللہ نے تمہارا نام صدیق رکھا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسمانی کی تصدیق کی وجہ سے حق تعالیٰ نے ابو بکر
رضی اللہ عنہ کو لقب صدیق عطا فرمایا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار کو بھی اس میں کلام نہ ہوتا
کیونکہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کیا ہی کرتے ہیں۔

الحاصل اسلام میں معراج کا واقعہ گویا محک امتحان ہے جس نے اس کا انکار کیا
اس کی شقاوت ازلی کا حال کھل گیا اس سے بڑھ کر اور کیا شقاوت ہوگی کہ سب جانتے تھے
کہ آنحضرت (ﷺ) نے کبھی بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا باوجود اس کے جو نوشتا نیاں پوچھتے
گئے سب بتا دیں اور رستے کے قافلے کا حال پوچھا وہ بھی بیان کر دیا جس کی تصدیق بھی ہو
گئی پھر بھی تصدیق نہ کی اور مثل دوسرے معجزات کے اس کو بھی بحر ہی قرار دیا جیسا کہ ان

روایات سے ظاہر ہے وَاخْرَجَ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ
 ﷺ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحَجَرِ وَ قَرِيشٍ تَسْأَلُنِي عَنْ
 مَسْرَأِي فَيَسْأَلُونِي عَنْ أَشْيَاءٍ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدَسِ لَمْ أَتِهَا فَكُرِيتُ كَرِبًا
 مَا كُرِيتُ مِثْلَهُ قَطُّ فَرَفَعَهُ اللَّهُ لِي أَنْظُرَ إِلَيْهِ مَا سَأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنِيَاهُمْ بِهِ
 (مَدَامِي الدَّرَ الْمَسْئُورُ) یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب قریش مجھ سے بیت المقدس کے
 جانے کا حال دریافت کرنے لگے میں حطیم میں تھا بہت سی چیزیں بیت المقدس کی انہوں
 نے ایسی پوچھیں جو مجھے بخوبی یاد تھیں اس وقت مجھ کو ایسی فکر ہوئی کہ کبھی ہوئی نہ تھی تب حق
 تعالیٰ نے اس کو میرے پیش نظر کر دیا پھر تو وہ جو سوال کرتے میں دیکھ کر فوراً جواب دے
 دیتا۔ وَاخْرَجَ أَبُو يَعْلَى وَابْنُ عَسَاكَرٍ عَنْ أُمِّ هَانِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ثُمَّ انْتَهَيْتُ إِلَى
 عَبْرِ بَنِي فُلَانٍ فِي التَّنْعِيمِ يَقْدُمُهَا جَمَلٌ أَوْ رَقٌّ وَهَامِي نَطْلَعُ عَلَيْكُمْ مِنَ الثَّنِيَةِ
 فَقَالَ الْوَلِيدُ ابْنُ الْمَغِيرَةِ سَاحِرٌ فَانْطَلِقُوا فَوَجَدُوا كَمَا قَالَ فَرَمَوْهُ بِالْمَسْحَرِ
 وَقَالُوا صَدَقَ الْوَلِيدُ فَانْزَلَ اللَّهُ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ
 (مَدَامِي الدَّرَ الْمَسْئُورُ) یعنی سفر بیت المقدس کے واقعہ کے اخیر میں حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ
 واپس کے وقت تنعیم میں مجھے ایک قافلہ ملا جس کے آگے آگے ایک اونٹ ہے جس کا رنگ
 خاکستری ہے اور وہ ہمیں قریب میں ہے ابھی شیعہ پر تمہیں نظر آئے گا یہ سن کر ولید نے کہا کہ
 یہ ساحر ہیں اور لوگ قافلہ کی خبر لانے کو گئے چنانچہ جیسی طور پر حضرت ﷺ نے فرمایا تھا
 سب باتوں کی تصدیق ہو گئی اس پر سب نے کہا ولید نے جو حضرت کو ساحر کہا تھا وہ سچ ہے
 تب یہ آیت نازل ہوئی وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔

اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نیند کی حالت میں ہوا
 تھا کہ وہ علی درجہ کا کشف تھا جس کے مرزا صاحب قائل ہیں ان کو کتنے واقعات کا انکار کرنا

پاتا ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے کہ خواب کیسا ہی عجیب و غریب ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی
 تامل نہیں ہوتا اور نہ سننے والا اس کا انکار کرتا ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اس
 واقعے کا بیان کرنا بخوف تکذیب قرین مصلحت نہیں سمجھا گیا تھا جیسا کہ اس روایت سے
 معلوم ہوتا ہے۔ کہ وَاخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ مَرْيَمَ عَنْ أُمِّ هَانِي رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ
 فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَنَا أَرِيدُ أَنْ أَخْرَجَ إِلَى قَرِيشٍ فَأَخْبِرَهُمْ مَا رَأَيْتُ
 فَاخْذْتُ بَثْوَبَهُ فَقُلْتُ أَنِي أَذْكُرُكَ اللَّهُ أَنْكَ تَأْتِي قَوْمًا يَكْذِبُونَكَ
 وَيَنْكُرُونَ مَقَالَاتَكَ فَاخْأَفِ أَنْ يَسْطُوا بِكَ قَالَتْ فَضَرَبْتُ ثَوْبَهُ مِنْ يَدِي ثُمَّ
 خَرَجْتُ إِلَيْهِمْ وَاتَّاهُمْ جُلُوسٌ فَأَخْبَرَهُمْ الْحَدِيثَ (مَدَامِي الدَّرَ الْمَسْئُورُ وَالتَّحْقِيقُ ذَكَرَ يَرْبُوعًا)
 یہ حدیث بہت طویل ہے یہاں مقصود اسی حصہ سے متعلق ہے جو لکھا گیا۔ ما حصل اس کا یہ کہ
 آنحضرت ﷺ نے امام باقی رَضِيَ اللَّهُ عَنْہُ سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ
 میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے رات دیکھا ہے سب قریش سے بیان کر دوں میں نے
 حضرت کا دامن پکڑ لیا اور کہا کہ خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہو لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی
 تکذیب اور آپ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر کہیں حملہ نہ کر
 بیٹھیں۔ حضرت نے جھکا مار کر دامن چھڑا لیا اور ان کے مجمع میں جا کر سب واقعہ بیان فرمایا
 اچھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر ام ہانی رَضِيَ اللَّهُ عَنْہُ
 عنہا کو اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار کیوں تھا اور احادیث سے ثابت ہے کہ جب
 کفار نے یہ واقعہ سنا تو بہت کچھ خوشیاں منائیں اور یہ سمجھ لیا کہ اب حضرت ﷺ کی کسی بات
 کو فروغ نہ ہوگا۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے۔ وَاخْرَجَ ابْنُ شَيْبَةَ وَاحْمَدُ
 وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَرْدَوَيْهِ وَابْنُ الطَّبْرَانِيُّ وَابْنُ عَسَاكَرٍ فِي الدَّلَائِلِ وَابْنُ عَسَاكَرٍ فِي الْمَخْتَارَةِ وَابْنُ عَسَاكَرٍ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ

رسول اللہ ﷺ لما كان ليلة اسرى بنى فاصبحت فى مكة قطعت وعرفت ان الناس مكذبى ففعدت معزلا حزينا فمر بى عدو الله ابو جهل فجاء حتى جلس اليه فقال له كالمستهزى هل كان من شئ قال نعم قال وما هو قال انى اسرى بى الليلة قال الى اين قال الى بيت المقدس قال ثم اصبحت بين ظهراييننا قال نعم فلم يرد ان يكذبه مخافة ان يجحد به الحديث ان دعا قومہ اليه قال ارايت ان دعوت قومك اتحدثهم بما حدثنى قال نعم قال هيا معشر بنى كعب بن لوى فانقضت اليه المجالس وجاءوا حتى جلسوا اليهما قال حدث قومك بما حدثنى فقال رسول اللہ ﷺ انى اسرى بى الليلة قالوا الى اين قال الى بيت المقدس قالوا ايليا قال نعم قالوا ثم اصبحت بعد ظهراييننا قال نعم قال فمن بين مصفق وبين واضع يده على راسه متعجبا قالوا وتستطيع ان تنعت المسجد وفى القوم من قد سافر اليه قال رسول اللہ ﷺ فذهبت النعت فما زلت حتى التبس على بعض النعت فجئى بالمسجد وانا انظر اليه حتى وضع دون دار عقيل او عقاب فنعته وانا انظر اليه فقال القوم اما النعت فواللہ لقد اصاب (كذابي الدمار) يعنى رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات میں بیت المقدس چا کر صبح مکہ میں آگیا مجھے یقین ہوا کہ اس واقعہ میں لوگ میری تکذیب ضرور کریں گے۔ اسی خیال میں میں ایک طرف غمگین بیٹھا تھا کہ دشمن خدا ابو جہل آکر میرے پاس بیٹھ گیا اور بطور استہزاء پوچھا کیوں کیا کوئی نئی بات ہے؟ فرمایا ہاں۔ کہا کیا ہے؟ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ کہا کہاں؟ فرمایا بیت المقدس۔ کہا پھر صبح ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ جب یہ سنا تو اس خیال سے کہ کہیں لوگوں کے روبرو انکار نہ کر جائیں تکذیب نہیں کی اور کہا کیا یہ بات آپ

لوگوں کے روبرو بیان کرو گے؟ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی باواز بلند پکارا اے گروہ بنی کعب بن لوی اور فوراً جوق در جوق لوگ وہاں ٹوٹ پڑے پھر حضرت سے کہا کہ جو آپ نے مجھ سے کہا تھا وہ ان لوگوں سے بھی کہئے۔ فرمایا آج رات مجھے یہاں سے لے گئے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا بیت المقدس۔ کہا کیا ایلیا؟ فرمایا ہاں۔ کہا پھر صبح آپ ہم لوگوں میں موجود ہو گئے؟ فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگوں کی یہ کیفیت ہوئی کہ کوئی تو تالیاں بجانے لگا کوئی تعجب سے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ پھر انہوں نے کہا کیا آپ مسجد کا حال بیان کر سکتے ہیں؟ اور ان میں دو لوگ بھی تھے جو بیت المقدس کا سفر کر چکے تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ مسجد کا حال بیان کرنے لگا یہاں تک کہ بعض علامتوں میں کچھ اشتہا و ساهو گیا ساتھ ہی مسجد میرے سامنے دار عقیل کے ورے رکھی گئی جس کو میں دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا ان لوگوں نے جب پوری علامتیں سن لیں تو بے ساختہ کہہ اٹھے کہ واللہ سب علامتیں برابر بتلائیں گی۔

یہاں چند امور قابل یاد رکھنے کے ہیں۔

۱..... یہ حدیث صحاح اور مسند امام احمد اور مختارہ میں ہے اور بحسب تصریح محدثین ثابت ہے کہ ان کتابوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں۔

۲..... حضرت کا یقین کرنا کہ اس واقعہ کی تکذیب کریں گے، یہ دلیل ہے اس بات پر کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب و غریب خلاف عقل واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

۳..... حضرت بجائے اس کے کہ اس واقعہ معراج شریف سے شاداں و فرحاں رہتے بیان کرنے کے پہلے نہایت غمگین رہے اس وجہ سے کہ کفار اس خلاف عقل واقعہ کی ضرور تکذیب کریں گے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہی خیال تھا تو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی اور اگر ضرور بھی تھا تو صرف راسخ الاعتقاد چند مسلمانوں سے بطور راز کہا جاتا بخلاف

اس کے کہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے کفار کے رد و بیان کرنے سے بہت روکا اور خود حضرت کو بھی یہ کمال درجے کی فکر و متکبر تھی یہاں تک کہ حزین و غمگین بہت دیر بیٹھے رہے مگر آخر بیان کرنا پڑا۔ ان امور میں غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور اور مکلف تھے۔ اگرچہ اصل مقصود عجایب قدرت حضرت کو دکھانا تھا مگر اس کے بعد اس مسئلہ کی حیثیت ہی کچھ دوسری ہو گئی اور ایک دینی مسئلہ ٹھہر گیا۔ پہلے حضرت مامور ہوئے کہ کفار و مسلمانوں میں اس کا اعلان کر دیں پھر قرآن شریف میں اس کا ذکر فرما کر قیامت تک آنے والوں کو اس کی اطلاع دی گئی اور منجملہ ان مسائل کے بظہر آیا گیا جن پر ایمان لانا ضروری ہے گو خلاف عقل ہوں جیسے مسائل بعث و نشر و مقتدورات الہی وغیرہ۔ چنانچہ ارشاد ہے **قوله تعالى سبحان الذي اسرى بعبيده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذي باركنا حوله لنريه من اياتنا** (الانباء) یعنی وہ خدا پاک ہے جو اپنے بندے محمد مصطفیٰ ﷺ کو راتوں رات مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس لے گیا جس کے گرد و گرد ہم نے برکتیں دیں اور اس لے جانے سے مقصود یہ تھا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے چند نمونہ معائنہ کرائیں بھی۔

اور اس واقعہ کے بعد اغراض اس طرح بیان کئے **قوله تعالى وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فتنه للناس** یعنی یہ جو تم کو دکھایا گیا اے محمد ﷺ اس واسطے کہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے۔ چنانچہ آزمائش اور فتنے کا حال بھی ابھی معلوم ہو گیا کہ بعض مسلمان کافر و مرتد ہو گئے اور کافروں کا کفر و انکار اور بڑھ گیا۔

۴..... کفار نے جب پوچھا کہ کیا آپ رات بیت المقدس کو جا کر صبح ہم میں موجود ہو گئے؟ تو آپ نے اس کی تصدیق کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ جسم کیساتھ حالت بیداری میں تشریف لے گئے تھے ورنہ جواب میں فرماتے کہ یہ واقعہ تو خواب کا تھا میں جسم کے ساتھ

یہاں سے گیا ہی کب تھا جو پوچھا جاتا کہ تم اصبححت بین ظہر ایسا یعنی صبح یہاں موجود ہو گئے۔

۵..... ایسے موقع میں تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور خصم کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی اپنی وہ اسی میں سمجھتے ہیں کہ جھوٹ ثابت کریں اور ظاہر ہے کہ خلاف عقل خواب سننے سے یہ جوش خباثت میں ہرگز نہیں پیدا ہوتا اس میں تو توہین مقصود ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اضغاث احلام یعنی پریشان خواب ہیں جو قابل اعتبار نہیں ہو سکتے حالانکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہ کیا جائے گا کہ کسی مخالف نے اس واقعہ کو سن کر پریشان خواب کہا ہو۔

۶..... مقامی علامتیں بطور امتحان دریافت کرنا خواب کے واقعہ میں نہیں ہوا کرتا اس لئے کہ خواب کے بیان کرنے والے کو یہ دعویٰ ہی نہیں ہوتا کہ جو دیکھا ہے وہ واقع کے مطابق ہے اسی وجہ سے اس میں تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے اگر یہ واقعہ خواب میں دیکھا گیا ہے تو نہ ان کو علامات پوچھنے کا موقع ملتا، نہ حضرت کو جواب دینے کی ضرورت ہوتی اور نہ فکر و کرب طبع غیور کو لاحق ہوتی۔

۷..... امتحان کے وقت نقشہ مسجد کا پیش نظر ہونے سے ظاہر ہے کہ کشف اس موقع میں ہوا تھا جس کی تصریح فرمادی اگر پورا واقعہ کشفی ہوتا تو اسی طرح صراحت فرمادیتے کہ رات بیت المقدس وغیرہ میرے پیش نظر ہو گئے تھے۔

الحاصل حدیث موصوف میں غور کرنے سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا ہے۔

کفار نے جب حضرت سے یہ واقعہ سنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہ خبر ایسی کلی جھوٹ ہے کہ جو سننے کا عقل میں نہ آنے کی وجہ سے اس کی تکذیب کر دیا اس لئے انہوں نے پہلے یہ خیال کیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فتنے میں ڈالیں۔ جب (نعوذ باللہ) وہ

حضرت سے پھر جائیں گے تو پھر کوئی حضرت کی رفعت نہ دیکھا اس لئے فوراً وہ صدیق اکبر ؓ کے مکان پر پہنچے اور کہا کہ لیجئے آپ کے رفیق اب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس جا کر آگئے کیا اس کی بھی تصدیق کی جائیگی مگر وہاں شان صدیقی جلوہ گر تھی ایسے باد ہوائی شہادت سے کب جنبش ہو سکتی تھی آپ نے فرمایا کہ اس کی بھی تصدیق میں کوئی تامل نہیں بشرطیکہ حضرت نے فرمایا ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے وَاخْرُجِ الْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ وَابْنُ مَرْدُودٍ وَابْنُ الْبَيْهَقِيِّ فِي الدَّلَائِلِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا اسْرَى بِالنَّبِيِّ ﷺ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى اصْبَحَ بِحَدِثِ النَّاسِ بِذَلِكَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِمَّنْ كَانُوا اٰمَنُوْا بِهِ وَصَدَّقُوْهُ وَسَعَوْا بِذَلِكَ اِلَى اَبِيْ بَكْرٍ ؓ فَقَالُوْا هَلْ لَكَ فِيْ صَاحِبِكَ يَزْعُمُ اَنَّهُ اسْرَى بِهِ اللَّيْلَةَ اِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالِ اَوْ قَالَ ذَلِكَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَنْنَ قَالَ ذَلِكَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوْا فَتَصَدَّقْ اِنَّهُ ذَهَبَ اللَّيْلَةَ اِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ قَالَ نَعَمْ اِنِّيْ لَاصْدَقُهُ بِمَا هُوَ اَبْعَدُ مِنْ ذَلِكَ اَصْدَقُهُ بِخَبْرِ السَّمَاءِ فِيْ غَدُوَّةٍ اَوْ رُوْحَةٍ فَلِذَلِكَ سَمِيَّ اَبَا بَكْرٍ الصَّدِيقَ (کنز الدقائق) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات نبی کریم ﷺ بیت المقدس جا کر واپس تشریف لائے اس کی صبح وہ واقعہ لوگوں سے بیان فرمایا جس سے بہت لوگ جو حضرت پر ایمان لا کر ہر طرح کی تصدیق کر چکے تھے مرتد ہو گئے پھر کفار ابوبکر ؓ کے پاس آ کر کہنے لگے کیا اب بھی اپنے رفیق یعنی آنحضرت ﷺ کی تصدیق کرو گے لیجئے وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ آج رات وہ بیت المقدس جا کر آگئے کہا کیا حضرت نے یہ فرمایا ہے کہا ہاں کہا اگر فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ کہا کیا تم اس کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات بیت المقدس تک گئے اور صبح سے پہلے واپس آ گئے؟ فرمایا ہاں میں تو بیت المقدس سے دور کی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں یعنی جو صبح، شام آسمان کی

خبریں بیان فرماتے ہیں ان کو صحیح جانتا ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اسی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا ہے۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ کفار کے ذہن نشین یہی کرایا گیا تھا کہ حضرت حالت بیداری میں بیت المقدس جا کر تشریف لائے اور اسی کی تصدیق پر صدیق اکبر ؓ بلقب صدیق ملقب ہوئے اگر کفار نے سمجھا نہ تھا یا بہتان کیا تھا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی تصریح فرمادیتیں کہ یہ کفار نے بہتان کیا تھا درحقیقت وہ خواب تھا۔

اب اس روایت کی قوت کو دیکھئے کہ باوجودیکہ حاکم رحمہ اللہ علیہ کا میلان تشیع کی طرف تھا جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ علیہ بہتان المحدثین میں لکھتے ہیں اور اس حدیث سے صدیق اکبر ؓ کی فضیلت صدیقیت ثابت ہوتی ہے مگر قوت اسناد کے لحاظ سے مستدرک میں اس کو لکھ کر تصریح کر دی کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں۔ پھر جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہیں ہیں کیونکر صحیح ہوگا۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بہت سے مسلمانوں نے مرتد ہونے اور دین اسلام کو چھوڑ دینے کو گوارا کیا مگر معراج جسمانی کو نہ مان سکے جیسا کہ دوسری احادیث سے ابھی معلوم ہوا واضح رہے کہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا مجازی طور پر ہے حقیقت میں تو وہ کفار ازلی تھے اور تعجب نہیں کہ برائے نام مسلمان کہلاتے ہوں کیونکہ مسلمانوں کے ایسے بودے اعتقاد نہیں ہوا کرتے۔ وَاخْرُجِ الْبَزَازُ وَابْنُ اَبِي حَاتِمٍ وَابْنُ الْبَيْهَقِيِّ وَابْنُ مَرْدُودٍ وَابْنُ الْبَيْهَقِيِّ فِي الدَّلَائِلِ وَصَحَّحَهُ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ اسْرَى بِكَ فَقَالَ صَلَّيْتُ لِاصْحَابِي الْعَتَمَةَ بِمَكَّةَ مَعْتَمًا فَاتَانِي جِبْرِئِيلُ بِدَابَّةٍ بَيْضَاءَ لِيْ اَنْ قَالَ ثُمَّ اَنْصَرَفَ بِيْ فَمَرَرْنَا بِعَيْرِ قُرَيْشٍ بِمَكَانٍ

كذا وكذا وقد ضلوا بعيرا لهم قد جمعه فلان فسلمت عليهم فقال بعضهم هذا صوت محمد (ﷺ) ثم اتيت اصحابي قبل الصبح بمكة فاتاني ابو بكر فقال يا رسول الله اين كنت الليلة قد التمسك في مكانك فقلت اعلمت اني اتيت بيت المقدس الليلة فقال يا رسول الله انه ميسرة شهر فصه لي قال ففتح لي صراط كاني انظر اليه لاتسألوني عن شي الا انبئكم عنه فقال ابو بكر (ﷺ) اشهد انك رسول الله وقال المشركون انظروا الى ابن ابى كبشة زعم انه اتى بيت المقدس الليلة فقال ان من اية ما اقول لكم اني مررت بعيركم بمكان كذا وكذا وقد اضلوا بعيرا لهم فجمعه فلان وان ميسرهم ينزلون بكذا ثم كذا وياتونكم يوم كذا وكذا يقدمهم جمل ادم عليه شيخ اسود و غرارتان سوداوتان فلما كان ذلك اليوم اشرف القوم ينظرون حتى كان قريبا من نصف النهار قدمت العير يقدمهم ذلك الجمل الذي وصفه رسول الله (ﷺ) (ذكر الامام البيهقي بطورتي اندر ابيور) يعني شاد بن اوس سے، کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) آپ کو بیت المقدس کس طرح لے گئے؟ فرمایا میں جب صحابہ کے ساتھ عشاء پڑھ چکا تو جبرئیل میرے لئے سواری لائے پھر تمام واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ جب ہم بیت المقدس سے لوٹے تو فلاں مقام میں ایک قافلہ پر ہمارا گزر ہوا جو مکہ کو جا رہا تھا ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کو فلاں شخص نے گھیر لیا اس حالت میں میں نے ان پر سلام کیا بعضوں نے کہا یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے غرض کہ صبح سے پہلے میں مکہ کو اپنے صحابہ میں پہنچ گیا۔ پھر ابو بکر (رضی اللہ عنہ) میرے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ (ﷺ) آپ رات کہاں تھے میں نے آپ کو آپ کے مقام پر تلاش کیا۔ میں نے کہا تم جانتے ہو میں رات بیت المقدس گیا تھا انہوں نے کہا یا رسول اللہ

دو تو ایک مہینے کی راہ ہے اس کا کچھ حال بیان کیجئے فرمایا وہ دور تو ہے لیکن خدائے تعالیٰ نے ایک راستہ میرے لئے ایسا نزدیک کھول دیا کہ وہ میرے پیش نظر ہو گیا وہاں کی جو بات تم پوچھو میں بتا دوں گا۔ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور مشرکوں نے کہا دیکھو ابن ابی کبشہ یعنی محمد (ﷺ) کہتے ہیں کہ آج رات بیت المقدس کو جا کر آ گئے۔ حضرت نے فرمایا میں ایک نشانی اس کی تمہیں بتاتا ہوں کہ میرا گزر فلاں مقام میں تمہارے قافلہ پر ایسے وقت ہوا کہ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جس کو فلاں شخص گھیر لایا اور ان کی رفتار ایسی تھی کہ فلاں مقام میں اتریں گے اس کے بعد فلاں مقام میں اتریں گے اور فلاں روز وہ یہاں پہنچ جائیں گے۔ قافلہ کے آگے ایک سفید اونٹ ہے اور جس کے پیٹ پر دو کالے گوں اور اس پر ایک بوڑھا سیاہ رنگ سوار ہے جب وہ دن آیا تو لوگ اس قافلہ کو دیکھنے لگے چنانچہ دو پہر کے قریب وہ قافلہ پہنچا اور جس طرح حضرت نے فرمایا تھا وہی اونٹ اس کے آگے تھا ہی۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت نے طے مکان کو اشارہ بیان فرمایا اور صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے رسالت کی شہادت دے کر اس کی تصدیق کر لی کیونکہ جب رسالت مان لی جائے تو اس کے سب لوازم مان لئے جاتے ہیں۔ دیکھئے لفظ انصرف اور ثم اتيت قبل الصبح بمكة سے ظاہر ہے کہ اس رات حضرت مکہ میں تشریف نہیں رکھتے تھے اور اس پر قوی دلیل یہ ہے کہ صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت کو اس رات تلاش کیا اور نہ پایا اگر حضرت وہاں ہوتے تو فرمادیتے کہ میں تو وہاں تھا یا فلاں مقام میں تھا بجائے اس کے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ رات کہاں تھے یہ فرمانا کہ میں بیت المقدس گیا تھا باواز بلند کہہ رہا ہے کہ حضرت مع جسم تشریف لے گئے تھے۔ پھر ظاہر ہے کہ اس قافلہ والوں پر ایسی جلدی کی حالت میں کہ سرعت سیر برق سے کم نہ تھی سلام کرنا اسی غرض سے تھا

کہ خبر معراج سن کر ان کے دل اس کی صحت پر گواہی دیں کیونکہ اپنے کانوں سے انہوں نے حضرت کی آواز سن لی تھی۔

اور نیز جب کافروں نے کہا کہ حضرت بیت المقدس کے جانے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کے جواب میں یہ ارشاد کہ جانے کی نشانی میں تمہیں بتلاتا ہوں علامہ ثابت کر رہا ہے کہ ان کے قول کی تسلیم کی گئی کہ بیشک ہم گئے تھے اور اس کی نشانیاں سن لو اگر خواب وغیرہ میں گئے ہوتے تو فرما دیتے کہ یہ میرا دعویٰ ہی نہیں۔ اور جس طرح اس حدیث سے ثابت ہے کہ معراج حالت بیداری میں جسم کے ساتھ ہوئی ان احادیث سے بھی ثابت ہے

اخرج ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردويه والبيهقي في الدلائل وابن عساكر عن ابی سعيد الخدري رضی اللہ عنہ قال حدثنا رسول الله ﷺ بالمدينة عن ليلة اسرى به من مكة الى المسجد الاقصى قال بيننا انا وانا ثم عشاء بالمسجد الحرام اذ انا انى ات فايقظنى فاستيقظت (كذا في الدلائل)

یعنی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں ہم لوگوں سے واقعہ معراج کا جو بیان فرمایا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ اس رات میں مسجد میں سویا تھا کہ یکا یک کوئی شخص آکر مجھے بیدار کیا اس کے بعد کا پورا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ عن ابی اسحق وابن جریر وابن المنذر عن الحسن بن الحسين رضی اللہ عنہما قال قال رسول الله ﷺ بيننا انا ثم عشاء في الحجرة جاءني جبريل فهمزني برجله فجلست فلم ار شيئا فعدت لمضجعي فجاؤني الثانية فهمزني بقدمه فجلست فلم ار شيئا فعدت لمضجعي فجاؤني فهمزني بقدمه فجلست فاخذ بعضدي فقممت معه (الحدیث، ذکرہ فی اللہ)

رضی اللہ عنہ یعنی آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں سو رہا تھا جو مسجد الحرام میں ہے کہ

جبریل رضی اللہ عنہ نے مجھے جگایا مگر کوئی نظر نہ آیا اس لئے پھر سو رہا پھر جگایا پھر بھی کوئی نظر نہ آیا اور پھر سو رہا تیسرے بار کے جگانے میں اٹھ بیٹھا اور انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں ان کے ساتھ چلا اس کے بعد براق وغیرہ کا قصہ مذکور ہے۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے سبحان الذي اسرى بعده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بیت المقدس اس رات میں جا کر آیا اور قرآن وحدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے خواب پر دلالت ہو اور مرزا صاحب بھی ازلة الادبام میں لکھتے ہیں یہ مسلم ہے کہ النصوص يحتمل على ظاهرها۔ اور خود آنحضرت ﷺ تصریح فرما رہے ہیں کہ یہ واقعہ حالت بیداری میں ہوا اور اس پر اتنے قرائن موجود ہیں جو مذکور ہوئے پھر کسی ایماندار کو اس کے ماننے میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے اسی وجہ سے صحابہ کو اس مسئلہ میں ذرا بھی شبہ نہ تھا چنانچہ اس حدیث سے ظاہر ہے جو تفسیر درمنثور میں ہے اخرج عبد الرزاق وسعيد بن منصور واحمد والبخاري والترمذي والنسائي وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبراني والحاكم وابن مردويه والبيهقي في الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنہما في قوله وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فئنة للناس قال هي رؤيا عين راها رسول الله ﷺ ليلة اسرى به الى بيت المقدس وليست برؤيا منام. یعنی آیہ شریف وما جعلنا الرؤيا التي اريناك الا فئنة للناس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رؤیا سے مراد یہاں رویت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی شب معراج جو نشانیاں حضرت ﷺ کو بیت المقدس وغیرہ میں دکھائی گئی تھیں وہ خواب نہ تھا۔

اب یہ دیکھئے کہ باوجودیکہ رؤیا خواب کے معنی میں کثیر استعمال ہے مگر چونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب تو اتر کی وجہ سے یا خود آنحضرت ﷺ سے سن یہ تھا معراج جسمانی

کافی تھیں تھا اس لئے روئے کی تفسیر رویت چشم کے ساتھ کی جواز مذمہ معراج جسمانی ہے اگر ان کو اس بات میں ذرا بھی تامل ہوتا تو قرآن کی تفسیر اس جزم کے ساتھ ہرگز نہ کرتے اور نہ اس کو جائز رکھتے کیونکہ تفسیر ہارائے کو یہ حضرات کفر سمجھتے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے الی متوفیک کے معنی ممیت تک جو مروی ہیں اس کو مرزا صاحب از لیلۃ الاولیاء میں بار بار ذکر کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فضل و کمال بیان کر کے لکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کی دعائے علم قرآن ان کے حق میں قبول ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جس آیت کی تفسیر کرتے ہیں وہ صحیح اور قائل و ثوق ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ مرزا صاحب اس تفسیر پر اعتقاد رکھے کہ معراج جسمانی کے قائل ہوئے ہوتے مگر افسوس ہے کہ اس کو قائل اعتبار نہ سمجھا اس پر توجہ تک نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث فضیلت پر ایمان نہ رہا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت مذکورہ میں رویت کو دو قسموں میں مختصر کیا رویت نفی اور رویت منافی، اگر رویت کشفی جو مرزا صاحب کہتے ہیں کوئی علیحدہ چیز ہوتی تو اس کو بھی بیان کر دیتے اس سے معلوم ہوا کہ رویت کشفی کو انہوں نے انہیں دو میں سے کسی ایک میں داخل کر دیا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اگرچہ منام میں دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں آنکھ سے دیکھ رہا ہوں مگر فی الواقع وہ چشم سر سے نہیں دیکھتا یہی حال کشفی رویت کا بھی ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کشف سے قیامت تک کے حالات کو بیان فرمایا ہے حالانکہ ان چیزوں کا وجود ہی اس زمانہ میں نہ تھا پھر کیونکر کہا جائے کہ حضرت نے آنکھوں سے ان چیزوں کو دیکھا تھا حالانکہ ابصار کی شرط جو قائل رائی و مرقی ہے فوت ہے اس سے ثابت ہے کہ رویت کشفی، رویت یعنی نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رویت کشفی کو رویت منافی میں داخل کر کے اس کی بھی نفی کر دی اور رویت یعنی کو ثابت کیا۔

اس موقع پر تعجب نہیں کہ مرزا صاحب اس کو بھی قبول کر لیں گے کہ حضرت ﷺ نے وہیں بیٹھے ہوئے آنکھوں سے سب کچھ دیکھ لیا جیسا کہ از لیلۃ الاولیاء میں ہے کیونکہ مرزا صاحب کو انکار یا تاویل یا رد و قدح کی ضرورت صرف وہاں ہوتی ہے جہاں ان کی بیسویت وغیرہ پر کوئی اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے مثلاً اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہوں تو احادیث کی رو سے لوگ انہیں کے انتظار میں لگ جائیں گے اور مرزا صاحب کو کون ہاتھ لگا اس وجہ سے معراج کا انکار ہی کر دیا اور شق القمر کے معجزہ کا کوئی اثر ان کے مباحث پر نہ تھا اس لئے اس کو مان لیا۔ چنانچہ از لیلۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ معجزہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو محض مساوی امور ہوتے ہیں جن میں انسان کی تدبیر اور عقل کو کچھ دخل نہیں ہوتا جیسے شق القمر جو ہمارے سید و مولا نبی ﷺ کا معجزہ تھا اور خدائے تعالیٰ کی غیر محدود قدرت نے ایک راست باز اور کامل نبی کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے اس کو دکھایا تھا۔

اور اس کے بہت سی نظائر ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہاں کلام اس میں تھا کہ تعجب نہیں مرزا صاحب رویت یعنی کو بھی مان لیں کیونکہ اس سے کوئی ان کا حرج نہیں البتہ حرکت جسمانی کو وہ اس خیال سے محال سمجھتے ہیں کہ کہیں معراج کے ضمن میں عیسیٰ بھی آسمان پر نہ چڑھ جائیں مگر رویت یعنی کو اگر مان لیں تو کہا جائے گا کہ علم مناظرہ و مریا میں ثابت کیا گیا ہے کہ مرائی رائی سے اس قدر دور ہو کہ اس کی نسبت اس بعد کی طرف ایسی ہو جیسے ایک کی نسبت پانچ ہزار تین سو کی طرف ہے تو وہ شے نظر نہ آئیگی اس صورت میں مرزا صاحب کے اس قول پر بھی حکماء نہیں گئے جس کا ان کو بہت خوف ہے۔ چنانچہ از لیلۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ مسیح کے بارہ میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ کیا طبعی اور فلسفی لوگ اس خیال پر نہیں نہیں گئے کہ جب کہ تیس یا چالیس ہزار فٹ تک زمین سے اوپر کی طرف جانا موت کا

موجب ہے تو حضرت مسیح اس جسم غصری کے ساتھ آسمان تک کیونکر پہنچ گئے تھے۔

میری رائے میں اس فکر کی ضرورت نہیں اگر طبعی اور فلسفی لوگ یہ سن لیں گے کہ مہینوں کی راہ سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا آنکھوں سے دیکھ لینا اور انکشت کے اشارہ سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دینا وقوع میں آگیا ہے تو ایسی حیرت اور پریشانی میں پڑ جائیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے عروج پر ہنسنے کی نوبت ہی نہ آئیگی۔ غرض ہر باب قدرت کو شب معراج اپنے مقام میں بیٹھے ہوئے دیکھنا نہ عقلاً ثابت ہو سکتا ہے، نہ نقلاً۔ اور اگر معجزہ کے طور پر تسلیم بھی کر لیا جائے تو قرآن کے خلاف ہوتا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے سبحان الذی امری بعدہ اس سے تو صراحۃً حضرت کو یحیانا ثابت ہے پھر اگر لے جا: روحانی اور رویت جسمانی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت کی روح مبارک بیت المقدس بلکہ آسمانوں پر گئی اور جسمانی آنکھیں بغیر روح کے مکہ میں پڑی دیکھ رہی تھیں اور نیز اس تقدیر پر لفظ اسرئیل بے معنی ہوئے جاتا ہے وہاں تو توفی کے معنی پورے صادق آجاتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والنی لم تمت فی منامہا فیمسک النبی قضی علیہا الموت ویرسل الاخری جس کا مطلب یہ کہ نیند بھی ایک قسم کی وفات ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے اور پھر چھوڑ دی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ثابت کرنے کی ضرورت ہوگی کہ بغیر روح کے بھی آنکھوں کو ادراک ہو سکتا ہے جو اس معراج میں مقصود بالذات تھا کما قال تعالیٰ لنریہ من ایتنا۔

شاید یہاں یہ کہا جائیگا کہ آیہ شریفہ وما جعلنا الرؤیا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محققین، مفسرین و محدثین نے تصریح کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ترجمان القرآن ہونا مسلم ہے اس لئے بہ نسبت اور تفسیروں کے ان کی تفسیر زیادہ تر قابل قبول ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سابق سے بھی بہی امر مستفاد ہے پھر دو روایت بھی

کوئی ضعیف نہیں بلکہ بخاری وغیرہ کتب صحاح میں موجود ہے اور مرزا صاحب بھی بخاری و مسلم کی صحت اور قابل استدلال ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ اگر میں بخاری اور مسلم کی صحت کا قائل نہ ہوتا تو میں اپنی تائید دعویٰ میں کیوں بار بار ان کو پیش کرتا تھی۔

غرض کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اور بخاری شریف کی روایت دونوں مرزا صاحب کے مسلمات سے ہیں اور ان سے معراج جسمانی ثابت ہو گئی۔ وهو المقصود۔

کفر نے آنحضرت ﷺ پر اسی قدر اعتراض کیا تھا کہ اگر آپ بیت المقدس جا کر آئے ہیں تو وہاں کی نشانیاں بتلائیے پھر جب نشانیاں بتلائی گئی تو اور کوئی اعتراض ان کو نہ سوچا سوائے اس کے کہ عداوت کی راہ سے ساحر کہہ دیا۔ مگر مرزا صاحب چونکہ پڑے ہوئے اور فہم و ذکا، میں ان سے بھی بڑے ہوئے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں ضرورت سے زیادہ موٹنگیاں کر کے ایسے اعتراضات قائم کئے کہ اب تک کسی کو سوچھے نہ تھے چنانچہ ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ معراج کی حدیثوں میں سخت تعارض واقع ہے کسی حدیث میں ہے کہ چھت کو کھول کر جبرئیل آئے اور میرے سینہ کو کھولا پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جس میں حکمت اور ایمان بھرا ہوا تھا سو وہ میرے سینے میں ڈالا گیا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر آسمان کی طرف لے گیا مگر اس میں یہ نہیں لکھا کہ وہ طشت طلائی جو عین بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالے کیا گیا اور کسی حدیث میں، میں بیت اللہ کے پاس خواب اور بیداری کے درمیان میں تھا اور تین فرشتے آئے اور ایک چادر بھی لایا گیا اور کسی میں براق کا کوئی ذکر نہیں اور کسی میں ہے کہ میں عظیم میں تھا یا حجرہ میں لیٹا ہوا تھا اور کسی میں ہے بعثت کے پہلے یہ واقعہ ہوا اور بغیر براق کے آسمان پر گئے اور آخر میں آنکھ کھل گئی اور ان پانچوں واقعوں میں

لکھا ہے کہ معراج کے وقت پہلے پچاس نمازیں مقرر ہوئیں اور بعد میں تحفیف پانچ منظور کرائیں اور ترتیب رویت انبیاء میں بڑا اختلاف ہے اسی منہا۔

یہ جتنی باتیں مرزا صاحب نے لکھی ہیں بے شک بخاری کی احادیث میں موجود ہیں باوجود اس کے کسی مسلمان کا ذہن ان کے ابطال کی طرف منتقل نہ ہوا اور صحابہ کے زمانہ سے آج تک باوجود ان روایات متعارضہ کے وجود معراج پر اجماع ہی رہا اس لئے کہ جب یقینی طور پر کوئی چیز ثابت ہو جاتی ہے تو اس کے عوارض میں اختلاف ہونے سے اس یقین پر کوئی اثر پڑ نہیں سکتا مگر چونکہ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت ثابت کرنے کی غرض سے اس کے ابطال کی ضرورت ہے اس لئے جن امور میں اغماض ہو رہا تھا ان کو ظاہر کر دیا تاکہ ضعیف الایمان لوگوں کو اصل معراج ہی میں شک پڑ جائے بہت خیر گزری کہ مرزا صاحب احادیث ہی میں تعارض پیدا کرنے کے درپے ہوئے اور اگر قرآن کی طرف توجہ کرتے تو اس قسم کے بہت سارے اعتراض اس میں بھی پیدا کر دیتے۔ ایک موسیٰ علیہ السلام ہی کا قصہ دیکھ لیجئے کہ حق تعالیٰ کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ کو فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف بھیجا کما قال تعالیٰ ثم بعثنا من بعدهم موسیٰ بأياتنا الى فرعون وملئه اور کہیں فرماتا ہے کہ صرف قوم فرعون کی طرف بھیجا کما قال تعالیٰ واذا نادى ربك موسى ان انت القوم الظالمين قوم فرعون اور کہیں فرماتا ہے کہ انہیں کی قوم کی ہدایت کو بھیجا کما قال تعالیٰ ولقد ارسلنا موسیٰ بأياتنا ان اخراج قومك من الظلمات الى النور۔ کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ اور ہارون کو بھیجا کما قال تعالیٰ فانما فرعون فقل انا رسول رب العالمن۔

اور کہیں فرماتا ہے صرف موسیٰ کو بھیجا کما قال واذا نادى ربك موسى ان انت القوم الظالمين۔ کہیں فرماتا ہے کہ موسیٰ نے ساحروں سے ابتداء فرمایا کہ جو تم کو

وان منظور ہو ڈال دو کما قال تعالیٰ وقال لهم موسى القوا ما انتم ملقون اور کہیں فرماتا ہے کہ پہلے ساحروں نے اس بات میں تحریک کی کما قال تعالیٰ قاتلوا ما موسى اما ان تلقى واما ان نکون نحن الملقين۔ کہیں فرماتا ہے کہ فرعون کی قوم کو ڈبو دیا کما قال تعالیٰ ثم اغرقنا الاخرين۔ اور کہیں فرماتا ہے کہ فرعون اور اس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا کما قال فاحذناہ وجنودہ فنبذناہم فی الیم۔ اور اس کے نظائر قرآن میں بکثرت ہیں ہر چند یہ ظاہر میں اختلاف معلوم ہوتا ہے مگر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تعرض کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) ممکن نہیں کہ اٹل ایمان کے دل میں اس تعارض کا ذرا بھی اثر ہو یا اس کو تعرض سمجھیں۔ ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ شارع کو واقعات بیان کرنے سے کہانی مقصود نہیں ہوتی کہ جب بیان کی جائے پوری بیان کی جائے بلکہ وہاں ہر بیان میں ایک مقصود خاص پیش نظر ہوا کرتا ہے پھر متعدد بیانون سے پورا قصہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

اب معراج کے قصہ میں غور کیجئے کہ جس کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو کیا اس کو ان امور میں جو اس میں مذکور ہیں کچھ تامل ہو گا یا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں متفرق امور مربوط و مرتب کئے جاتے ہیں یہاں ممکن نہیں۔ کیا یہ تصدیق ممکن نہیں کہ خدائے تعالیٰ نے کسی مصلحت سے چھت کھول کر فرشتوں کو حضرت کے مکان میں اتارا ہو اور پھر چھت کو مٹا دیا ہو جس میں ظاہر ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اجسام کی خرق والتیم کو پہلے ہی سے حضرت کو مشاہدہ ہو جائے اور شق صدر کے وقت کسی قسم کا تردد نہ ہو اور آسمانوں کے خرق والتیم کا استبعاد بھی جاتا رہے۔ کیا یہ محال ہے کہ فرشتوں نے حضرت کو گھر سے مسجد میں اس غرض سے لایا ہو کہ معراج اس متبرک مقام سے ہو اور تھوڑی دیر آپ کے آرام فرمانے کے بعد وقت مقررہ پر جبرئیل امین نے آپ کو چگایا ہو اور کیا جبرئیل علیہ السلام کو سونے کا طشت ملنا محال

تھا محال سمجھا گیا کہ اتنا بوجھ اٹھا کر وہ ایمان کے ساتھ فرشتے آسمان پر کیسے چڑھ گئے اور یہ تو کسی حدیث میں نہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے حضرت کو وہ طشت بہہ کر دیا تھا پھر مرزا صاحب جو اس سونے کے طشت کی تلاش کرتے ہیں کہ جو بیداری میں ملا تھا کیا ہوا اور کس کے حوالہ کیا گیا معلوم نہیں کس خیال پر مبنی ہے۔ جب طشت کا آسمان پر اٹھایا جانا مرزا صاحب کی سمجھ سے باہر ہے تو فی الواقع آنحضرت ﷺ اور عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر جانا ہرگز ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی خلاف عادت اور خلاف عقل باتوں پر ایمان لانا ہر کسی کا کام نہیں جب تک فضل الہی شامل حال نہ ہو ممکن نہیں کہ آدمی خدا اور رسول کے ارشادات پر ایمان لاسکے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے بل اللہ بمن علیکم ان ھذا کم للایمان ان کنتم صادقیں یعنی بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کا راستہ دکھایا بشرطیکہ تم دعویٰ اسلام میں سچے ہو۔ اگر آدمی کو ایمان لانا منظور ہو تو قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو پیش نظر رکھ کر اور اپنے قصور و فہم کا اعتراف کر کے ایمان لاسکتا ہے جیسے کروڑ ہا مسلمان باوجود ان تمام مضامین مذکورہ کے جن کو مرزا صاحب اپنی کامیابی کا سامان سمجھ رہے ہیں ایمان لاتے رہے اور جب ایمان لانا منظور نہیں ہوتا تو مشاہدہ بھی کچھ فائدہ نہیں دیتا چنانچہ کفار نے باوجود یکہ دیکھ لیا کہ حضرت نے ان کے تمام شبہات کے جواب دے دیئے مگر جب بھی ایمان نہ لائے۔

تقریر بالا میں اگر غور کیا جائے تو مرزا صاحب کے اکثر شبہات کے جواب ہو گئے۔ مثلاً بعض احادیث معراج میں براق کا نام چھوٹ گیا اور بعضوں میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں پہلے آرام فرمانا اور بعضوں میں حطیم کا ذکر اور بعضوں میں جبرئیل امین علیہ السلام کا حضرت کو جگانا ترک ہو گیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کی ہر آیت میں بعض بعض امور فرو گذاشت کئے گئے باوجود اس کے تعارض کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا۔

الہٰیہ بعض روایات میں جو وارد ہے کہ معراج قبل بعثت ہوئی ہو، خلاف واقع ہے بجائے قبل بعثت قبل بعثت کہا گیا ہے جیسے متعدد احادیث سے اور اجماع سے ثابت ہے مگر اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب کی بعض تحقیقات سے مستفاد ہے کہ کبھی مؤخر چیز مقدم بھی لکھی جاتی ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ انہی متوفیک ورافعک میں تقدیم و تاخیر ممکن نہیں جس ترتیب سے حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے وہی واقعی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے رفع ہوا اور وفات بعد میں ہوگی وہ اپنے لئے خدا کی استادی کا منصب تجویز کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک) اس کا مطلب ظاہر ہے کہ جو ترتیب لفظی واؤ کے ساتھ ہوتی ہے مرزا صاحب کے نزدیک وہ واقع کے مطابق ہوتی ہے یعنی واؤ بھی ترتیب کیلئے ہے اس قاعدہ کی بناء پر ثابت ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے تھے اور ان کے بعد ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان علیہم السلام وجود میں آئے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے و اوحینا الی ابراهیم و اسمعیل و اسحق و یعقوب و الاسباط و عیسی و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان جب بحسب تحقیق مرزا صاحب اس آیہ شریفہ میں اشارۃ النص سے یہ ثابت ہوا کہ گویا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے تھے اور ایوب وغیرہ بعد میں حالانکہ توراۃ و انجیل و احادیث وغیرہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بعدیت یقیناً ثابت ہے اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ راوی نے اسی طرح معراج کو بعثت پر مقدم بیان کیا ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام ایوب و یونس و ہارون علیہم السلام پر مقدم بیان کئے گئے جس سے نہ کذب لازم آتا ہے، نہ خلاف واقع خبر دینے کا الزام۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اسلام میں معراج ایک ایسا مشہور واقعہ ہے کہ ابتدا سے آج تک ہر کسی کے زبان زد ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس واقعہ کی کیفیت طولانی ہو اور اس کے بیان کرنے والے بکثرت ہوں تو بعض امور میں ضرور اختلاف پیدا ہو جاتا ہے مگر اس اختلاف جزئی سے دراصل واقعہ کے ثبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ہر فریق اس

واقعہ کے وجود پر گواہ سمجھا جائیگا۔ دیکھئے جو لوگ قائل ہیں کہ معراج قبل بعثت ہوا وہ بھی معراج کے ایسے ہی مثبت ہیں جیسے بعد بعثت کے قائلین۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ کسی نے تاریخ میں غلطی کی ہے جو اصل واقعہ سے خارج ہے پھر وہ غلطی بھی دوسرے قرائن سے نکل سکتی ہے جیسا کہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں لکھا ہے کہ بہت سی روایتوں اور اتفاق جمہور اور اجماع سے ثابت ہے کہ معراج بعد بعثت اور قبل ہجرت ہوا ہے اس لئے قبل بعثت کی روایت قابل تاویل ہے۔

اصل نکتہ اس قسم کے اختلافوں کا یہ ہے کہ اوائل اسلام میں ہر امر میں مقصود بالذات پیش نظر ہا کرتا اور اسی کا پورا پورا اہتمام ہوا کرتا تھا اور جن امور کو مقصود میں چنداں دخل نہیں ان کے یاد رکھنے میں بھی چنداں اہتمام نہ ہوتا اس بات کا ثبوت اس سے ہو سکتا ہے کہ فی زمانہ اونٹنی اونٹنی شیوخ و مشائخین کی تواریخ و وفات وغیرہ میں کس قدر اہتمام ہوتا ہے کہ روز تو کیا وقت تک محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف اس کے وہاں خود آنحضرت ﷺ کی وفات شریف میں اختلاف پڑا ہوا ہے کسی روایت میں دوسری ریح الاول کی ہے اور کسی میں تیرہویں اور کسی میں چودھویں۔ اسی طرح بعثت کے وقت میں بھی بڑا ہی اختلاف ہے کسی روایت میں ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف برابر چالیس سال کی تھی کسی میں ہے کہ ایک روز زیادہ ہوا تھا اور کسی میں زیادتی دس روز کی اور کسی میں دو مہینے کی کسی میں تین برس کی اور کسی میں پانچ سال کی لکھی ہے اور سال ہجرت میں بھی بڑا اختلاف ہے بخاری میں ہے کہ نبوت سے تیرہ برس کے بعد ہجرت ہوئی اور مسلم میں پندرہ برس کے بعد اور مسند امام احمد اور نیز بخاری میں دس برس کے بعد جیسا کہ مواہب اللدنیہ اور ذرقاتانی میں لکھا ہے۔

الحاصل واقعات کی تاریخ اس زمانہ میں چنداں ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے صحابہ اور تابعین نے تاریخ معراج کی تحقیق میں کوشش نہ کی اور یہ سمجھ لیا کہ مقصود

بالذات معراج ہے خواہ قبل بعثت ہو یا بعد بعثت، اس کا وقوع ضرور ہوا۔ مرزا صاحب کے جرمی سوالوں کے لحاظ سے ایک معراج ہی کیا نہ آنحضرت ﷺ کی وفات ثابت ہوگی، نہ ہجرت وغیرہ۔ سیرۃ حلبیہ میں امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو چونتیس بار معراج ہوئی ایک حالت بیداری میں جسم کے ساتھ اور باقی روحانی۔ اور تفسیر روح البیان میں لکھا ہے قال الشیخ الاکبر الاظہران معراجہ ﷺ اربع وثلثون مرة واحدة بجسده والباقی بروحه یعنی شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے کہ معراج چونتیس بار ہوئی ایک بار بیداری کی حالت میں اور باقی روحانی۔ اس صورت میں جو معراج قبل بعثت ہوئی تھی اور جن معراجوں کا خواب میں ہونا معلوم ہوتا ہے وہ سب روحانی معراجوں میں داخل ہیں اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ قبل بعثت معراج ہونے کی حدیث جو بخاری کے صفحہ ۱۱۲ میں ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں انه جاءہ ثلثۃ نفر قبل ان یوحی الیہ وهو نائم فی المسجد۔ اور اسی کے آخر میں فاستیقظ وهو فی المسجد الحرام موجود ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت مسجد میں آرام فرماتے تھے اس وقت تین فرشتے خواب میں آئے اور سب واقعہ دیکھنے کے بعد حضرت بیدار ہو گئے اور یہ واقعہ قبل نزول وحی ہوا بھی۔

اس حدیث کے سوا ان پانچوں حدیثوں میں جن کو مرزا صاحب نے ذکر کیا ہے اس صراحت سے کسی میں خواب مذکور نہیں البتہ صفحہ ۳۵۵ کی حدیث میں بین النوم والیقظة مذکور ہے مگر اس کے آخر میں فاستیقظ یا اس کا مترادف کوئی لفظ نہیں جس سے معلوم ہو کہ وہ حالت آخر تک مستمر رہی کیونکہ اس میں تو صرف ابتدائے حالت کا ذکر ہے کہ غنودگی تھی اور ظاہر ہے کہ بیدار مغز ادنیٰ حرکت سے چونک پڑتے ہیں یہاں مرزا صاحب یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ خواب کی حدیث میں بھی وہی مضمون ہے جو بیداری میں

معراج ہونے کی حدیثوں میں ہے اور اس میں بھی پچاس وقت کی نمازیں ابتداء فرض ہونا اور بعد کی کے پانچ مقرر ہونا موجود ہے جس سے یہ لازم آتا ہے کہ نمازیں دو وقت فرض ہوئیں مگر اس کا جواب اولیٰ تاہل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب قبل بعثت نبوت ملی ہی نہ تھی تو اس کے لوازم اور کسی چیز کا فرض ہونا کیسا۔ وہ خواب تو صرف تمہید اُدھایا گیا تھا کہ آئندہ ایسی خصوصیات اور وہ وہ فضائل حاصل ہوں والے ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئے جس کے دیکھنے سے آنحضرت ﷺ کو ایک خاص توقع اور اشتیاق پیدا ہو گیا اور یہ تو کتب تاریخ سے بھی واضح ہے کہ سلاطین وغیرہم جن کو غیر معمولی مدارج حاصل ہونے والے ہوتے ہیں ان کو عالم ربّیا میں اکثر اطلاع ہو جاتی ہے چنانچہ اس قسم کے خواب رسالہ ”عجیب و غریب خواب“ میں بہت سے مذکور ہیں اور اس خواب سے بہت بڑا نفع یہ بھی ہوا کہ جب بیداری میں حضرت تشریف لے گئے تو کسی مقام سے اجنبیت اور نا آشنائی نہ رہی جو باعث توحش ہو۔ پھر خواب فقط معراج ہی کے پہلے نہیں بلکہ ہجرت وغیرہ کے پہلے بھی ہوا تھا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ رایت فی المنام انی ہاجر من مکة الی ارض یبھا نخل فذهب وھلی لی انھا الیمامة او ہجر فاذا ہی المدینة یشرب (متفق علیہ) یعنی نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ سے ہجرت کر کے اس طرف جا رہا ہوں جہاں نخلستان ہے اس وقت میرا خیال یمامہ اور ہجر کی طرف گیا پھر یکا یک جو دیکھا تو وہ مدینہ یشرب تھا۔ مقصود یہ کہ ہجرت کا واقعہ قبل ہجرت معلوم کر لیا گیا اور مقام ہجرت بھی دکھایا گیا مگر چونکہ حضرت نے پیشتر مدینہ طیبہ کو غالباً دیکھا تھا اور یمامہ اور ہجر کا نخلستان مشہور تھا اس سبب سے خیال ان شہروں کی طرف منتقل ہوا مگر ساتھ ہی معلوم ہو گیا کہ وہ مدینہ ہے۔

الحاصل جس طرح ہجرت سے پہلے ہجرت خواب میں ہوئی اسی طرح معراج

سے پہلے معراج خواب میں ہوئی۔ اب اہل اسلام اس بات پر بھی غور کر لیں کہ کیا اس حدیث ہجرت میں کوئی ایسی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کی غلطی پکڑی جائے مگر چونکہ مرزا صاحب اسی فکر اور تلاش میں رہتے ہیں کہ حضرت کی غلطیاں پکڑیں ان کو یہاں اتنا موقع مل گیا کہ حضرت نے ذہب و ہلی فرمایا جس کے معنی وہم و خلاف واقع ہیں پھر کیا تھا جھٹ سے غلطی ثابت ہی کر دی چنانچہ ازالۃ الاوہام صفحہ ۲۸۹ میں لکھتے ہیں وہ حدیث جس کے یہ الفاظ ہیں فذهب وھلی الی الہ الیمامة او ہجر فاذا ہی المدینة یشرب صاف صاف ظاہر کر رہی ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ نے اپنے اجتہاد سے پیشگوئی کا محل و مصداق سمجھا تھا وہ غلط نکلا۔

غور کیجئے کہ حضرت نے کب پیشگوئی کا دعویٰ کیا تھا کہ میں مکہ چھوڑ کر یمامہ ہجر جاؤں گا۔ بلکہ وہ تو بریکیل حکایت فرمایا کہ خواب میں نخلستان دیکھ کر ہجر کا خیال تو ہوا تھا مگر اسی وقت وہ مدینہ ثابت ہوا جو فاذا ہی المدینة سے ظاہر ہے اس سے تو کمال درجے کا صدق ثابت ہو رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس خیال کو جو خواب میں پیدا ہوا تھا خواب ہی میں فوراً بدل دیا تاکہ وہ خواب اگر پیشگوئی کے لباس میں سمجھا جائے تو بھی اس غلطی کا احتمال باقی نہ رہے مگر افسوس ہے کہ مرزا صاحب کو حضرت سرور دو عالم ﷺ کی غلطی پکڑنے کی خوشی میں اپنی غلط فہمی پر نظر نہ پڑی اور مصرعہ

ع "عیب نماید ہنرش در نظر"

کا مضمون صادق کر بتایا۔ یہ ضمنی بحث تھی کلام اس میں یہ تھا کہ قبل وقوع واقعہ آنحضرت ﷺ کو خواب میں اطلاع ہو جاتی تھی اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت اول ما بدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم وکان لا یری رؤیا الا جاءته مثل فلق الصبح (رواہ البخاری) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا

فرماتی ہیں کہ ابتداء وحی کی روایات صالحہ سے ہوئی جو کچھ حضرت خواب میں دیکھتے اس کا ظہور روشن طور پر ہوتا جس میں کوئی اشتباہ نہ رہتا چنانچہ معراج کے واقعہ میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جو واقعات خواب میں دیکھے تھے بلا کم و کاست بیداری میں بھی ملاحظہ فرمالیا۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ مقامات انبیاء میں بڑا ہی اختلاف ہے اس کا جواب تقریر بالا سے واضح ہے کہ نفس معراج میں ان امور کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ کل روایات مثبت معراج ہیں البتہ اس اختلاف کا اثر نفس مقامات پر پڑ چکا جس سے یقینی طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ کس نبی کا کون سا مقام ہے اور وہ کوئی ضروری بات بھی نہیں اسی وجہ سے راویوں نے اس کے یاد رکھنے میں اہتمام نہ کیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مقامات انبیاء کا مسئلہ جملہ اسرار اور ایک لایدرک مجید ہے اسی وجہ سے بعض متکلمین نے اس میں کلام کرنے کو مناسب نہیں سمجھا جیسا کہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ نے شرح شفاء میں لکھا ہے امام شعرانی رحمہ اللہ نے کتاب ”الایوایق والجوہر“ میں لکھا ہے کہ معراج کے کئی فوائد ہیں ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جسم کو آن واحد میں دو مکانوں میں دیکھ لیا چنانچہ حضرت ﷺ جب پہلے آسمان پر گئے آدم ﷺ کو دیکھا کہ ان کے داہنے طرف ان کی نیک بخت جنتی اولاد ہے اور بائیں طرف بد بخت دوزخی ہیں حضرت نے اپنی صورت نیک بخت جماعت میں دیکھ کر شکر کیا اور نیز موسیٰ ﷺ کو دیکھا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ پھر انہی کو دیکھا کہ آسمان پر بھی موجود ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کی روح کو دیکھا جی ملخصاً۔

اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اختلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے مقامات میں وارد ہے وہ راویوں کی غلطی نہ تھی بلکہ فی الواقع متعدد مقامات ہی میں دیکھے گئے تھے اور یہ کوئی مستبعد بات نہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ جس کا نام ”المتجلی

فی تطوّر النولی“ ہے صرف اس مسئلہ میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ آن واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہو سکتے ہیں اور سب تالیف یہ لکھا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ ایک شب کسی شخص کے مکان میں رہے اس نے ایک مجلس میں شیخ کی شب باشی کا ذکر کیا مجلس سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ وہ تو تمام رات میرے گھر میں تھے ان دنوں میں رد و قدح کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہر ایک نے قسم کھائی کہ اگر وہ بزرگ میرے گھر پر رات بھر نہ رہے ہوں تو میری زوجہ پر طلاق ہے۔ جب شیخ سے پوچھا گیا تو انہوں نے دونوں کی تصدیق کی اور کہا کہ اگر چار شخص کہیں کہ میں ان کے ساتھ مختلف مقامات میں وقت واحد میں رہا جب بھی تصدیق کر لو۔ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ کے پاس جب یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے یہ فتویٰ دیا کہ کسی کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی اور کئی وقائع اور متقدمین علماء کے فتوے استدلال میں پیش کئے جن سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ قدرت دی جاتی ہے کہ جب چاہیں وقت واحد میں متعدد مقامات میں ظاہر ہو سکیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسند امام احمد اور نسائی وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ جب کفار نے بطور امتحان مسجد کی نشانیاں حضرت سے پوچھیں تو مسجد وہاں موجود ہو گئی جس کو دیکھ کر حضرت ان کے جواب دیتے گئے کما ذکرُوا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَذَهَبَتْ اَنْعَتُ فَمَا زِلْتُ حَتَّى اَلْتَبَسَ عَلٰی بَعْضِ النَّعْتِ فَجِئْتُ بِالْمَسْجِدِ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ حَتَّى وَضَعَ دُونَ دَارِ عَقِيلٍ اَوْ عَقَالٍ۔ یہ حدیث پوری اوپر مذکور ہے امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بھی اسی قسم کی بات ہے کیونکہ اصل مسجد اپنی جگہ سے ہٹی نہ تھی اور یہاں بھی موجود تھی جس کو حضرت ان الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں فجئْتُ بِالْمَسْجِدِ حَتَّى وَضَعَ دُونَ دَارِ عَقِيلٍ اور تفسیر روح البیان میں امام شعرانی رحمہ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ شیخ محمد خضریٰ رحمہ اللہ نے ایک ہی روز پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ پڑھا اور امامت کی۔

روضہ الراحین اور کتب طبقات اولیاء اللہ سے ظاہر ہے کہ اس مسئلہ پر اولیاء اللہ کا اجماع ہے۔

غور کیا جائے کہ جب اولیاء اللہ کو اس عالم کثیف میں یہ قدرت حاصل ہو کہ وقت واحد میں متعدد جگہ موجود ہو سکتے ہیں اور مسجد دو جگہ آن واحد میں موجود ہوگی تو انبیاء علیہم السلام کو اس عالم لطیف میں وہ قدرت حاصل ہونا کون سی بڑی بات ہے؟ غرض کہ انبیاء علیہم السلام کا مختلف مقامات میں حضرت سے ملنا گو ہر تعارض کی شکل میں نمایاں ہے لیکن واقع میں وہ تعارض نہیں البتہ متوسط عقول اس کے سمجھنے میں قاصر ہیں مگر غنیمت یہ ہے کہ مرزا صاحب اس قسم کے اسرار کے قائل ہیں۔ چنانچہ ازمانۃ الاولیاء ص ۳۴۰ میں لکھتے ہیں کہ درحقیقت تمام ارواح کلمات اللہ ہی ہیں جو ایک لا یدرک مجید کے طور پر ہے جس کی تہ تک انسان کی عقل نہیں پہنچ سکتی..... روحیں بن گئی ہیں کلمات اللہ ہی، بحکم ربی لباس ارواح کا پکین لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام طاقتیں اور قوتیں اور خاصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو روحوں میں پائی جاتی ہیں..... پھر وہ روح کی حالت سے باہر آ کر کلمۃ اللہ ہی بن جاتی ہیں اور ہمارے ظاہر بین علماء اپنے محدود خیالات کی وجہ سے کلمات ضعیفہ سے مراد محض عقائد یا افکار و اشغال رکھتے ہیں ابھی۔

کلمات کا ارواح بن جانا نہ کہیں قرآن میں ہے، نہ حدیث میں باوجود اس کے جب وہ لا یدرک بحید قابل تصدیق ہے تو ارواح کا متعدد مقامات میں ہونا جو صراحتاً احادیث سے ثابت ہے لا یدرک بحید قابل تصدیق کیوں نہ ہو اور جب کسی جسم کا متعدد مقامات میں آن واحد میں ہونا احادیث صحیحہ اور اجماع اولیاء اللہ سے مستبعد نہ ہو تو ارواح مقدسہ کا متعدد مقامات میں پایا جانا کیوں مستبعد ہو۔ الحاصل بعض انبیاء کی ارواح کا متعدد آسمانوں میں پایا جانا جو احادیث میں وارد ہے ایسی بات نہیں کہ اس کی سمجھ میں نہ آنے کی

وہ سے بخاری شریف ہے اعتبار کر دی جائے یا معراج ہی کا انکار کر دیا جائے اگر قصور فہم کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کیا جائے تو قرآن شریف کا ایک معتد بہ حصہ (نغوز باللہ) بیکار اور بے اعتبار ہوئے جاتا ہے۔ ایک تخت بلقیس ہی کا واقعہ دیکھ لیا جائے کہ کس قدر حیرت انگیز ہے ایک بڑا شاندار تخت شاہی صد ہا کوس کے فاصلہ سے ایک لمحہ میں صحیح سالم سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ جانا کیا معمولی عقلوں میں آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ شہاب خفاجی رحمہ اللہ علیہ نے شرح شفا کے قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ جس قدر مسافت مکہ معظمہ سے بیت المقدس کی ہے اس سے زیادہ مسافت کو اس تخت نے طرفۃ العین میں طے کیا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے قال الذی عنده علم من الكتاب انا انیک به قبل ان یرند الیک طرفک فلما راہ مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی ترجمہ: ایک شخص جس کو کتابی علم تھا بولا کہ آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں تخت کو آپ کے حضور میں لا حاضر کرتے ہوں بھی۔

کیا ممکن ہے کہ کوئی مسلمان اس تخت کی غیر معمولی سرعت سیر میں کلام کر سکے۔
پھر حبیب رب العالمین ﷺ کی سرعت سیر وغیرہ میں کلام کرنا کیسی بات ہے۔ ایماندار سے
تو یہ ہرگز ممکن نہیں۔

مرزا صاحب ازالہ الاولیٰ ص ۲۸۹ میں لکھتے ہیں کہ باوجودیکہ آنحضرت ﷺ کے رفع جسمی کے بارے میں یعنی اس بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ روئے صالحی بھی۔ اس تقریر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے دوسری یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی منکر تھیں۔ کتب رجال وغیرہ سے ثابت ہے کہ صحابہ ایک لاکھ سے زیادہ تھے۔ لفظ تقریباً کے لحاظ سے اگر زیادتی حذف کی جائے تو بھی بقول مرزا صاحب ثابت ہے کہ لاکھ

صحابہ معراج جسمانی کا اعتقاد رکھتے تھے۔ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جس بات پر لاکھ صحابہ کا اعتقاد ہوا اسلام میں وہ کس قدر قابل وقعت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ فرقہ: جب وہی ہے کہ ان کا اعتقاد صحابہ کے اعتقاد کے موافق ہو جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلہم فی النار الا واحدا قالوا من ہی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی (متن مہ) اور یہ بھی ارشاد ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو جائے وہ اسلام سے خارج ہے کما فی کنز العمال عن ابی داؤد قال قال رسول اللہ ﷺ من فارق الجماعة بشبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ جب عموماً جماعت سے مخالفت کرنے والے کا یہ حال ہو تو لاکھ صحابہ کی جماعت کے مخالفت کرنے والے کا کیا حال ہو اور آیہ شریفہ ویستع غیر سبیل المؤمنین لو لبہ ماتولی الایۃ سے اس کی وعید ثابت ہے۔

اب رہا یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کے منکر ہیں سو وہ بالکل قط ہے۔ اس لئے کہ ابھی بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ شب معراج بیت المقدس جا کر تشریف لائے اور وہ واقعہ بیان فرمایا تو بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور کفار نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کیا اس کی بھی تصدیق کرو گے اور انہوں نے تصدیق کی اسی روز سے آپ کا نام صدیق قرار پایا۔

ادنیٰ تا مل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ واقعہ اب کا ہوتا تو ضرور فرماتی کہ ان بے وقوفوں نے جو مرتد ہو گئے اتنا بھی نہ سمجھا کہ یہ واقعہ خواب کا ہے جو عادتاً ایسے خلاف عقل خواب ہر شخص کو ہوا کرتے ہیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کفار کا عار دلانا کس قدر بے ہودگی اور حماقت تھی۔ پھر صرف خواب کی تصدیق پر لقب صدیق حق تعالیٰ کی

طرف سے ان کو ملنا کیسا بد نما تھا (نعوذ باللہ من ذلک) عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس واقعہ کو بغیر تصریح خواب کے بیان کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ عالم بیداری میں تھا جس پر یہ آثار مرتب ہوئے پھر جوان سے یہ روایت ہے واخرج ابن اسحق وابن جریر عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت ما فقدت جسد رسول اللہ ﷺ ولكن اللہ اسری بروحه یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ معراج حضرت ﷺ کی روح کو ہوئی اور جسم مبارک میرے پاس سے غائب نہ ہوا۔ کیونکر گھٹج ہوگی۔ اول تو یہ روایت صحاح میں نہیں پھر اس میں اختلاف ہے کہ بعض ما فقدت کہتے ہیں اور بعض ما فقدت جیسا کہ شہاب خاچی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح شفا میں لکھا ہے۔

اور شفاء قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس لئے کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحق ہیں جن کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف کہا ہے اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن دحیہ نے تویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کی غرض سے بنا لیا ہے جی۔

قطع نظر اس کے ما فقدت کی روایت تو کسی طرح صحیح ہو ہی نہیں سکتی اس لئے کہ اس زمانہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہی ہوا نہ تھا پھر ان کا یہ کہنا کہ حضرت میرے پاس سے مفقود نہ ہوئے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ اور نہ وہ زمانہ ان کے سن شعور کا تھا اس لئے کہ معراج کے سال میں اختلاف ہے مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ بعضوں کا قول ہے کہ بعثت سے ذیہ سال بعد ہوا اور بعض پانچ سال کے بعد اور بعض ہجرت سے ایک سال پیشتر کہتے ہیں اگر اخیر کا قول بھی لیا جائے تو اس وقت ان کی عمر سات سال کی ہوگی کیونکہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور ظاہر ہے کہ اس عمر میں تحقیق

مسائل کی طرف توجہ نہیں ہوا کرتی اور دوسرے قول پر معراج کا زمانہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال ولادت ہے اس لئے کہ بروایت بخاری جس کو مواہب میں ذکر کیا ہے ہجرت بعثت سے تیرہ سال کے بعد ہوئی اور جب ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ (۸) سال کی تھی تو پانچواں سال جو اس قول پر معراج کا زمانہ ہے ان کی ولادت کا زمانہ ثابت ہوگا اور پہلے قول پر تو معراج ان کی ولادت باسعادت سے تین سال پیشتر ہو چکا تھا اور یہی قول درلایہ وروایہ قابل وثوق معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اسلام میں جس قدر نماز کا اہتمام ہے کسی چیز کا نہیں اور جمع روایات سے ثابت ہے کہ نماز شب معراج فرض ہوئی اس لحاظ سے عقل گواہی دیتی ہے کہ زمانہ بعثت سے نماز کی فرض ہونے کا زمانہ بہت ہی قریب ہوگا اور اس قول کی پوری تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو درمنثور میں ہے و اخروج الطبرانی عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ ﷺ لما اسرى بی الى السماء ادخلت الجنة فوفعت على شجرة من اشجار الجنة لم ارفى الجنة احسن منها ولا ابيض ورقا ولا اطيب ثمرة فتناولت ثمرة من ثمرتها فاكلتها فصارت نطفة في صلبی فلما هبطت الى الارض واقعت خديجة رضی اللہ عنہا فحملت بفاطمة رضی اللہ عنہا فاذا انا اشتقت الى ريح الجنة شملت ريح فاطمة. یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جب میں شب معراج آسمان پر گیا تو مجھے جنت میں لے گئے وہاں ایک جھاڑ دیکھا جس کے پتے نہایت سفید اور پھل نہایت پاکیزہ تھے اس سے بہتر کوئی جھاڑ نظر نہ آیا میں اس کا ایک پھل لے کر کھایا جس سے نطفہ میری پشت میں بنا جب زمین پر آیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مصاحبت کا اتفاق ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حمل قرار پایا اب جب کبھی مجھے جنت کی بوسوگھنے کا شوق ہوتا ہے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بوسوگھ لیتے ہوں انہی۔

دیکھئے معراج کا بعثت سے دوسرے سال ہونا اس روایت سے بوضاحت معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ مواہب اللدنیہ میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فاطمہ الزہرا علیہا السلام کی ولادت باسعادت کے وقت آنحضرت ﷺ کی عمر شریف اکتالیس سال کی تھی چونکہ عرب کی عادت ہے کہ سال پر جو مہینے زیادہ ہوتے ہیں اکثر حذف کر دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے جائز ہے کہ بعثت کے دوسرے سال کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی ہو اور معراج اسی سال کے نصف اول میں ہوئی ہو جس سے مدت حمل دونوں کے مابین میں پوری ہو جاتی ہے۔ الحاصل اس روایت کے لحاظ سے تاریخ معراج کی تین قولوں میں یہی قول مناسب تر ثابت ہوتا ہے ورنہ دوسرے اقوال پر یہ روایت بے ضرورت غراف واقع ٹھہرتی ہے۔ اب دیکھئے کہ تاریخی واقعات کے لحاظ سے بھی یہ حدیث روایت عافقت جسد رسول اللہ ﷺ کو غیر صحیح ثابت کر رہی ہے اور لطف خاص یہ ہے کہ روایت تناول میہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور نیز یہ بات اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا تناول معراج جسمانی کی قائل تھیں اس لئے کہ عقلاً اور عادتاً محال ہے کہ کوئی چیز خواب میں کھائی جائے اور اس سے نطفہ بنے۔ اگر کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت میں وہ محال نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ اس حدیث میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضرت نے بیداری میں جنت کا پھل تناول فرمایا جو نطفہ بن گیا دوسرا خواب میں اس کا تناول فرمانا۔ مگر احتمال اول صرف احتمال ہی نہیں بلکہ الفاظ و عبارت اسی پر دال ہیں اور قرینہ بھی اسی کا شاہد ہے اور دوسرا احتمال نہ الفاظ سے پیدا ہوتا ہے نہ کوئی اس پر نقلی قرینہ ہے بلکہ صرف اس خیال سے پیدا کیا جاتا ہے کہ معراج جسمانی عادتاً جائز نہیں حالانکہ عقلاً اس کا جواز اور قرآن وحدیث واجماع صحابہ سے اس کا وقوع ثابت ہے اس صورت میں وہ معنی جو عبارت انص اور دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں چھوڑ کر ایک ضعیف مردود احتمال پیدا کرنا کیونکر

جائز ہوگا۔ اب رہا یہ کہ قدرت الہی سے خواب میں دکھایا ہوا پھل نطفہ بن جانا، سو ہمیں بھی اس قدرت میں کام نہیں مگر جیسی یہ قدرت ہے ویسا ہی بیداری میں جسمانی معراج کرانا بھی قدرت الہی میں داخل ہے پھر ایک قدرت کا ماننا اور دوسری کو نہ مان کر قرآن و احادیث و اجماع صحابہ و غیرہم کا انکار کرنا کس قسم کی بات ہے۔ الحاصل عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت مرفوعہ سے بھی ما فقدانت جسدہ والی حدیث موقوف غیر صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اب غور کیا جائے کہ جب عائشہ رضی اللہ عنہا خود یہ حدیثیں روایت کر رہی ہیں کہ حضرت رات بھر میں بیت المقدس جا کر تشریف لائے جس کو سن کر بہت سے مسلمان مرتد ہو گئے اور صدیقیت کا لقب اسی کی تصدیق سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ملا اور اپنی ولادت سے پیشتر جسمانی معراج ہوئی تو کیونکر خیال کیا جائے کہ باوجود اس کے انہوں نے یہ بھی کہا ہوگا کہ شب معراج حضرت کا جسم مبارک اپنے پاس سے غائب نہ ہوا یا روحانی معراج تھی غرض ان متعدد قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حسب تصریح علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ما فقدانت جسدہ رضی اللہ عنہ موضوع ہے۔

اصل منشا اس حدیث کے بنانے کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا انہوں نے کہا کہ تمہارے اس سوال سے میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اگر یہ بات کوئی تم سے کہے تو سمجھو کہ وہ جھوٹا ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ لا تدركہ الابصار اس پر کسی نے خیال کیا ہوگا کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ رویت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج ہوئی ہے اس قرینے سے ان کو یہ حدیث بنانے کا موقع ہاتھ آ گیا جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ احادیث میں تعارض پیدا کر دیں ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ رویت قلبی معراج جسمانی کے منافی نہیں جیسا کہ شفاء، قاضی عیاض میں لکھا ہے کہ بعض اصحاب اشارات کا

قول ہے کہ معراج تو جسمانی تھا مگر اس لحاظ سے کہ کہیں محسوسات اور عجائب کی طرف دل مائل نہ ہو حضرت نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسی حالت میں دیدار الہی ہوا۔

بحث معراج میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس میں کئی امور مقصود بالذات تھے ایک اظہار مجزہ جس سے کفار کو الزام دینا مقصود تھا چنانچہ اس کا ظہور یوں ہوا کہ سب جانتے تھے کہ حضرت بیت المقدس بھی گئے نہ تھے مگر جو نشانیاں اس کی وہ پوچھتے گئے حضرت نے پوری پوری بتلا دیں جس سے وہ قائل ہو گئے۔

دوسرا مسلمانوں کا امتحان کما قال تعالیٰ وما جعلنا الرؤیا الیٰناک الا فتنة للناس چنانچہ اس واقعہ سے بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔

تیسرا قدرت کی نشانیاں دکھانا جیسا کہ ارشاد ہے لنریہ من اياتنا وقولہ تعالیٰ لقد رای من ايات ربہ الکبیری۔

چوتھا تقرب اور نوائے بلا کیف سے ایک خاص غیر معمولی طور پر حضرت کو مشرف کرنا جیسا کہ ارشاد ہے ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ اس واقعہ میں مجزہ کی حیثیت صرف بیت المقدس تک جا کر آنے میں ختم ہو جاتی ہے کیونکہ آسمانوں کے وقائع بیان کرنے سے کفار پر کوئی الزام قائم نہیں ہوتا اسی وجہ سے جن احادیث میں ذکر ہے کہ کفار کے رب و حضرت نے اسرئلی کا حال بیان کیا ان میں صرف بیت المقدس اور اس کے رستہ ہی کے وقائع مذکور ہیں اور قرآن شریف میں بھی صراحتہً اسی کا ذکر ہے اگر کفار سے کہا جاتا کہ آسمانوں پر گئے اور انبیائے کرام سے ملاقات کی اور جنت و دوزخ وغیرہ دیکھے تو کوئی حجت قائم نہ ہوتی جیسے بیت المقدس کے نشانیاں دیکھی ہوئی بیان کرنے میں حجت قائم ہوگی اور ان کو نادم ہونا پڑا۔ بیت المقدس سے آسمانوں پر جانا گواہی درجہ کا مجزہ ہے لیکن اس میں تھدی اور کسی کو الزام دینا مقصود نہیں بلکہ وہ منجملہ ان فضائل و خصوصیات کے ہے جو

حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کے واسطے خاص کی تھیں درحقیقت وہ ایک راز کی بات تھی جس کے سننے کے مستحق وہی ہوا خواہ تھے جو اپنے ولی نعمت کی ترقی مدارج اور فضائل سن کر خوش ہوا کرتے تھے پھر وہاں کی باتیں سب ایسی نہ تھیں کہ ہر شخص کی عقل ان کو قبول کر سکے اور حضرت ہر شخص کی طبیعت اور حالت سے خوب واقف اور حکیم تھے اس لئے بمقتضائے حکمت ہر ایک کو علی قدر مراتب عقول ان اسرار پر مطلع فرمایا اسی وجہ سے رؤیت کے مسئلہ میں بہت اختلاف ہے بعضے رؤیت یعنی کے قائل ہیں اور بہت سے رؤیت قلبی کے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفاء میں ترمذی سے نقل کیا ہے۔ روى عبد الله بن الحارث قال اجتمع عباس رضى الله عنهما وكعب بن العلاء فقال ابن عباس اما نحن بنو هاشم فنقول ان محمداً اوى ربه فكبر كعب حتى جاوبه الجبال وقال ان الله قسم رؤيته وكلامه بين محمد ﷺ و موسى وراه محمد بقلبه بنى۔

وقال ابن عباس فيما روى الحاكم والنسائي والطبرانی ان الله اختص موسى بالكلام و ابراهيم بالخلة و محمداً ﷺ بالرؤية وعن ابن عباس انه راه بعينه هذا كله فى الشفاء و شرحه للخواجى رحمه الله عليه۔ ما حصل اس کا یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ کچھ بھی کہیں ہم بنی ہاشم تو یہی کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور یہ حضرت کی خصوصیت تھی جو کسی نبی کو حاصل نہ ہوئی۔ اب دیکھئے بنی ہاشم خصوصاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بظاہر لاندہ کہ الالبصار کے معارض ہے پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حضرت کی قرابت یا محبت کی وجہ سے اس نص قطعی کے مخالف یہ رائے قائم کئے ہوئے ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان حضرات نے ضرور آنحضرت ﷺ سے دو سنا ہوگا اگر یہ حسن ظن نہ کیا جائے تو بہت بوزالام تفسیر بالرائے کا ان کے ذمہ عائد ہوگا اور اس حسن ظن پر

یہ قرینہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا کہ علاوہ کامل الایمان ہونے کے بمقتضائے قرابت اور فرط محبت خصوصیات و فضائل کاملہ اپنے سن کر سب سے زیادہ خوش ہونے والے یہی لوگ ہیں اس لئے ان کو اس قابل سمجھا کہ اس راز پر مطلع کئے جائیں اور حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام پاک میں بطور راز حضرت کی تصدیق فرمادی تاکہ ان راز دانوں کا ایمان اور مستحکم ہو جائے کما قال تعالیٰ والنجم اذا هوىٰ ما ضل صاحبکم وما غوىٰ و ما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحىٰ علمہ شدید القوىٰ ذومرة فاستوىٰ وهو بالافق الاعلىٰ ثم دنا فتدلىٰ فكان قاب قوسين او ادنىٰ فاوحى الی عبده ما اوحىٰ ما كذب الفؤاد ما رأىٰ افتمرونه علىٰ ما یرىٰ ولقد راه نزلة اخوىٰ ترجمہ قسم ہے تارے کی جب گرے بجائے نہیں تمہارے رفیق یعنی محمد ﷺ اور بے راہ نہیں چلے اور نہیں بولتے وہ اپنی خواہش سے یہ تو حکم ہے جو پہنچاتے ہیں سکھایا ان کو سخت قوتوں والے زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا کنارہ بلند پر پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا پھر وہ گیا فرق دو کمان کے برابر پھر جو پیغام اپنے بندے کی طرف بھیجنا تھا بھیجا ان کے دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا اب کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو انہوں نے دیکھا ہے اس کو ایک دوسری بار بھی۔

دیکھئے اس آیت شریفہ میں ضار و غیرہ کیسے پہلو دار ہیں جن سے موافق مخالف دونوں استدلال کر سکیں اسی وجہ سے دنا فتدلیٰ اور ولقد راه کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ تفسیر کرتے ہیں کہ محمد ﷺ اپنے رب سے قریب ہوئے اور اپنے رب کو دیکھا کما فی الدر المنثور للامام السيوطی رحمۃ اللہ علیہ واخرج ابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردويه عن ابن عباس رضى الله عنهما فى قوله ثم دنا فتدلىٰ قال هو محمد ﷺ دنا فتدلىٰ الى ربه عز وجل۔ اور نیز درمنثور میں ہے

واخرج الترمذی وحسنہ الطبرانی وابن مردويه والبيهقي في الاسماء والصفات عن ابن عباس رضي الله عنهما في قول الله ولقد راه نزلة اخرى قال ابن عباس رضي الله عنهما قال راى النبي ﷺ ربه عروجل۔ غرض کہ اختلاف آثار و احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسے امور میں ہر ایک کے فہم اور حوصلہ کے مطابق کلام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ بعثنا معاشر الانبياء نخطب الناس على قدر عقولهم۔ (آرہ الامام احمد وى روى الله عليه في القاصد الجند مع تكملة)

اس میں شک نہیں کہ تمام صحابہ کمال الایمان تھے مگر پھر بھی اس کو ماننا پر لگا کہ جو صدیق اکبر ﷺ کو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خصوصیت تھی وہ عموماً دوسروں کو نہ تھی اسی طرح جو اہل بیت اور بنی ہاشم کو خصوصیت تھی وہ بنی امیہ کو حاصل نہ تھی دیکھ لیجئے تقریباً تمام صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی بات پر رہے کہ معراج خواب میں ہوا تھا جیسا کہ شفاء میں لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ﷺ نے ان حضرات سے یہ بیان ہی نہیں کیا تھا ورنہ ممکن نہیں کہ حضرت سے سن کر بھی اس کے خلاف اعتقاد رکھتے۔ غرض وہ راز چندے بنی ہاشم میں رہا پھر انہوں نے بحسب صلاحیت اپنے ہمشربوں سے کہا یہاں تک شدہ شدہ خاص خاص مجلسوں میں اس کا ذکر ہونے لگا پھر بمصدق نہاں کے ماند آں رازے کرو ساز نہ مخفیا۔ ووراز طشت از ہام ہو گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض علماء نے تصریح کر دی کہ وہی مذہب صحیح ہے چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے وفى كشف الاسرار قال بعضهم راه بقلبه دون عينه وهذا خلاف السنة والمذهب الصحيح انه ﷺ راى ربه بعين راسه الخ۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن عباس رضي الله عنہما

مہمان نے کہا ہے کہ حضرت نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کما فی الشفاء للقاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وحکی النقاش عن احمد بن حنبل انه قال اقول بحديث ابن عباس رضي الله عنہ بعينه راى ربه راه راه حتى انقطع نفسه يعني نفس احمد۔ یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ راى ربه کہہ کر لفظ راہ کو اتنی دیر تک مکرر کرتے رہے جب تک سانس نے یاری دی۔ یہ بات وجدان سے دریافت کرنے کے قابل ہے کہ لفظ راہ کی تکرار کے وقت اس امام عظیم القدر پر کیسی حالت وجد طاری تھی کہ اس بے خودانہ غیر معمولی حرکت صادر ہونے پر مجبور تھے۔ یا یہ بات تھی کہ کمال غضب سے دیر تک اس لفظ کو مکرر کیا تا کہ مخالفوں پر ہیبت طاری ہو اور کوئی دم نہ مار سکے اور ان کے پہلے عکرمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا چنانچہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں لکھا ہے اخبرنا عباد بن یعنی بن منصور قال سالت عكرمة رضی اللہ عنہا عن قوله ما كذب الفؤاد ما راى قال تريد ان اقول لك قد راه نعم قد راه ثم قد راه ثم قد راه حتى انقطع النفس۔ اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے فقد كان الحسن عليه الرحمة يحلف بالله تعالى لقد راى محمد ﷺ ربه۔ یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ حضرت نے اپنے رب کو دیکھا۔ عائشہ رضي الله عنها کا مذہب جو روایت کے باب میں بنی ہاشم کے خلاف ہے ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو کسی مصلحت سے نہ فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ فرمایا ہو مگر انہوں نے عقول کی رعایت سے بیان نہ کیا ہو کیونکہ ایسے امور کے بیان کرنے میں احتیاط کرنے کا حکم ہے جیسا کہ مقاصد حسنہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال لا تحدثوا امي من احاديثي الا ما يحتمله عقولهم فيكون فتنه عليهم فكان ابن عباس رضي الله عنهما يخفي اشياء من حديثه ويفشيها الى اهل العلم۔ یعنی ابن عباس

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری حدیثوں میں سے وہی حدیثیں میری امت سے بیان کرو جن کو ان کی عقلیں قفل کر سکیں اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ بہت سی حدیثیں عام لوگوں سے چھپاتے اور اہل علم پر ظاہر کرتے تھے بھی۔

یہی وجہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اکثر اقوال نقاد سیر میں باہم متعارض وارد ہیں چنانچہ اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ روایت قلبی کی بھی ان سے وارد ہے جیسا کہ درمنثور میں ہے و اخراج مسلم و احمد عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله ما کذب الفؤاد ما رای و لقد راه نزلة اخروی قال رای محمد ربه بقلبه مؤمنین یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ روایت قلبی اور روایت یعنی ایک نہیں تو ایک قول ضرور واقع کے خلاف ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ روایت الہی کی حقیقت عقول سے خارج ہے اس لئے ممکن نہیں کہ روایت ایسی ہو جیسے ہم اجسام کو دیکھتے ہیں۔ جائز ہے کہ وہاں روایت یعنی، روایت قلبی کے مقارن ہو اور دونوں صادق آجائیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے قال اللہ عز وجل وایت ربی یعنی و یقلبی (رواہ مسلم فی صحیحہ) اور اسی میں لکھا ہے۔

کلام سرمدی بے نقل بشید خداوند جہاں را بے جہت دید
دراں دیدن کہ حیرت حاصلش بود دیش در چشم و چشمش در دیش بود
اور یہ بھی لکھا ہے شیخ ابوالحسن نوری راقدس سرہ از معنی این آیہ یعنی افتخار و نہ علی مایوی پر سیدند جواب داو جانیکہ جبرئیل تجلید نوری کیست کہ ازاں سخن تواند گفت۔

خمیرہ بروں زوز حدود جہات پردہ او شد تنق نور ذات
تیرگی ہستی ازو دور گشت پردگی پردہ آں نور گشت
کیست کزاں پردہ شود پردہ ساز زمزمہ گوید ازاں پردہ باز
الغرض انھوں نے راز کے مقام میں روایت قلبی کہہ دیا تاکہ عقول متحمل ہو سکیں اور وہ

بھی خلاف واقعہ نہیں۔ روایت کی تقریر ایک مناسبت سے ضمنا لکھی گئی اصل کلام اس میں تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا معراج جسمانی کی منکر ہیں یا نہیں؟ سو یہ بات ثابت ہو گیا کہ ان کو اس کا اقرار ہے اور جو انکار ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے بے اصل اور موضوع روایت ہے۔ پھر جو مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتے ہیں کہ روئے صالحہ تھی، قابل تسلیم نہیں۔

مرزا صاحب ازالۃ الایہام صفحہ ۳۸ میں لکھتے ہیں کہ سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا۔ میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اعلیٰ و اجلی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے۔

افسوس ہے مرزا صاحب نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کی کچھ قدر نہ کی اور اپنے جیسا کشف سمجھا حالانکہ وہ جسم لطیف درحقیقت نور محض تھا۔ چنانچہ شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار اور سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیہ شریفہ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں نور ثانی سے مراد محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات پاک ہے اور اسی میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں کئی جگہ حضرت کو نور اور سراج فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے قد جاءکم من اللہ نور و کتاب وقوله تعالیٰ یا ایہا النبی انا ارسلناک شاعدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔

اور اس کی تصدیق اس سے کھلے طور پر ہوتی ہے کہ حضرت دھوپ یا چاندنی میں نکلتے تو آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے اخراج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن له ظل

فی شمس ولا قمر قال ابن سبع من خصائصه ان ظله كان لا يقع علی الارض وانه كان نوراً اذا مشی فی الشمس او القمر لا ینظر له ظل قال بعضهم وبشہد لہ حدیث قولہ ﷺ فی دعائہ (واجعلنی نوراً) یعنی نبی کریم ﷺ کا سایہ دھوپ اور چاندنی میں نہیں پڑتا تھا اس لئے کہ آپ نور تھے اور یہ اثر اس دعا کا بھی تھا جو حضرت ﷺ کیا کرتے تھے۔ واجعلنی نوراً۔

مرزا صاحب مسئلہ معراج میں بوعلی سینا کے مقلد ہیں کیونکہ ”دبستان مذاہب“ میں ان کا قول نقل کیا ہے کہ حدیث معراج میں جبرئیل کا جو ذکر ہے اس سے قوت روح قدسی مراد ہے اور براق سے عقل ہے اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ میرے پیچھے ایک شخص چلا آ رہا تھا اس نے آواز دی کہ ٹھہرو اور جبرئیل نے کہا کہ اس سے بات نہ کیجئے اور چپے چلے اس سے یہ اشارہ ہے کہ قوت وہم پیچھے آ رہی تھی جب حضرت اعضاء و جوارح کے مطالعہ سے فارغ ہوئے اور بنوڑ حواس میں تامل نہ کیا تھا کہ قوت وہم نے آواز دی کہ آگے نہ بڑھئے اس کی وجہ یہ ہے کہ قوت وہم تصرف ہے اور غالب ہے ہر وقت عقل کو ترقی سے روکتی رہتی ہے اور جو فرمایا کہ بیت المقدس پہنچے اور موزن نے اذان کہی اور میں آگے بڑھا دیکھا کہ جماعت انبیاء اور اولیاء داہنے بائیں کھڑی ہے یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حیوانی اور طبعی قوتوں کے مطالعہ سے جب حضرت فارغ ہوئے تو دماغ کے قریب پہنچے قوت ذاکرہ متوجہ اعلام ہوئی اور حضرت فکر کی طرف بڑھے اور قوائے دماغی مثلاً تمیز حفظ ذکر اور فکر وغیرہ داہنے بائیں موجود تھیں اسی طرح آسمانی معراج کا حال بھی بیان کیا جس کا ماحصل یہ ہے کہ نہ بیت المقدس گئے، نہ آسمانوں پر۔ حقیقی باتیں قرآن و حدیث میں مذکور ہیں سب کو وہیں مکہ میں بیٹھے ہوئے نشا دیا۔ مرزا صاحب بھی یہی کہتے ہیں صرف فرق مراقبہ اور مکاشفہ کا ہے یعنی بوعلی سینا اس کو مراقبہ کہتے ہیں کہ قوائے جسمانی وغیرہ میں اس وقت حضرت غور

فرما رہے تھے اور مرزا صاحب مکاشفہ کہتے ہیں کہ وہیں بیٹھے ہوئے بیت المقدس اور آسمانوں کو کشف سے دیکھ رہے تھے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ اگرچہ ان دونوں کو معراج کا انکار ہے مگر جس طرح بوعلی سینا نے تمام واقعات و عقل کے مطابق کر دیا مرزا صاحب نہ کر سکے بھلا کوئی پابند عقل اس کو مان سکتا ہے کہ آنکھیں جن پر مدار رویت ہے تو بند ہوں لاکھوں بلکہ کروڑوں کوس پر کی چیزیں ایسی دکھائی دے جیسے کوئی آنکھوں سے دیکھتا ہو بلکہ اس سے بھی اصفیٰ اور اجلیٰ؟ ہرگز نہیں۔ مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے ایک حد تک درست ہے کیونکہ عام تجربہ ہے کہ جب آدمی آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اقسام کے خیالات آنے لگتے ہیں اور اپنے اختیار سے بھی ذہن سے کام لیتا ہے مرزا صاحب کے خیالات چونکہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں عرش کو ایک بڑا چمکتا ہوا تخت خیال کرتے ہوں گے اور اس پر رب العالمین بیٹھا ہوا اپنے روشن چہرے سے پردہ اتار کر اپنے سے باتیں کرتا ہوا دیکھ لیتے ہوں گے جیسا کہ ضرورۃ الامام صفحہ ۱۳ میں خود تحریر فرماتے ہیں مگر اس کو کشف سمجھنا غلطی ہے۔ اس قسم کے مشاہدات کو عقلاً اختراعات ذہنیہ کہتے ہیں جن کو واقع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر مرزا صاحب دعویٰ کریں کہ یہ خیالات مطابق واقع کے ہوتے ہیں تو جب تک دلائل عقلیہ سے اس کو ثابت نہ کریں ایک خیالی بات سے اس کا درجہ بڑھ نہیں سکتا اور اگر اہل کشف کے اقوال پیش کریں تو جس معرکہ میں خدا اور رسول کی بات کو وہ نہیں مانتے اہل کشف کا مجرد بیان کون مانے گا ان کی تصدیق کا درجہ تو خدا اور رسول کی تصدیق کے بعد ہے اور اگر کوئی ایسا بھی خوش اعتقاد شخص ہے کہ خلاف عقل بات بھی اہل کشف کی بلا دلیل مان لیتا ہے تو خدا اور رسول کی باتیں بلا دلیل مان لیتا اس پر کیا دشوار ہے۔ اب دیکھئے کہ جس طرح جسم کے ساتھ آسمانوں پر جانا خلاف عقل ہے کشف سے واقعی حالات معلوم کرنا بھی خلاف عقل ہے پھر جب اہل کشف کی بات پر اس

قدر وثوق ہے کہ ان کے مجرد قول سے کشف مان لیا جاتا ہے تو خدا اور رسول کی بات پر مسلمان کو اس سے زیادہ وثوق چاہیے کہ نہیں۔

مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا جو دعویٰ ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں کیونکہ وہ ایک معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہو سکتی۔ البتہ آثار سے کسی قدر اس کا ثبوت مل سکتا ہے مگر ہم جب یہاں آثار پر نظر ڈالتے ہیں تو بجائے ثبوت کے اس کا ابطال ہوا جاتا ہے اس لئے کہ مرزا صاحب ہمیشہ پیش گوئیاں کیا کرتے ہیں اور ہمارے علم میں مرزا صاحب نبوی یا کاہن یا رمال نہیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ ان پیشگوئیوں کا مدار ان کے کشف پر ہے (یعنی جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے کشف کے ذریعہ سے پیش از پیش دیکھ کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ایسا ہوگا مثلاً فلاں شخص تین برس کی مدت میں مرے گا) پیش گوئیوں کا مدار کشف پر اس وجہ سے ہے کہ بغیر کشف کے رجما بالغیب وہ حکم لگا دینا ترجیح بلا مرجح ہے۔ ممکن ہے کہ وہ پچاس برس کے بعد مرے پھر خود مرزا صاحب کو اعلیٰ درجہ کے کشف کا دعویٰ بھی ہے اس صورت میں ضرور تھا کہ ہر پیشین گوئی ان کی صحیح نفلتی جس سے کشف کی صحت ثابت ہوتی مگر ایسا نہ ہوا بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوا۔ دیکھئے مولوی ابو الوفا ثناء اللہ صاحب (الجمادی الثانی) نے رسالہ الہامات مرزا میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے جن پیشین گوئیوں کو معیار اپنی صداقت اور مدار بطلان قرار دیا ہے وہ کل جھوٹی ثابت ہوئیں۔ پھر جب مولوی صاحب ان کا کذب ثابت کرنے کو قادیان گئے تو بجائے اس کے کہ مرزا صاحب خوش ہو کر اپنے کمالات ظاہر فرماتے اور پیشگوئیوں کا وقوع ثابت کرتے، اسلئے ناراض ہو گئے اور مناظرہ سے گریز کی۔ اس کے بعد مولوی صاحب موصوف نے وہ رسالہ لکھ کر ان پیشگوئیوں کا عدم وقوع اور بطلان بدلائل ثابت کر دیا جس کا جواب نہ مرزا صاحب سے ہوا، نہ ان کے ہوا خواہوں سے۔ چنانچہ اسی رسالہ کے عنوان پر یہ عبارت لکھ

دی کہ اس رسالہ میں مرزا صاحب قادیانی کے الہاموں پر مفصل بحث کر کے ان کو محض غلط ثابت کیا ہے۔ اس کے جواب کے لئے طبع اول پر مرزا صاحب کو پانسو روپیہ انعام تھا، طبع ثانی پر ہزار کیا گیا، اب صبح ثالث پر پورے مبلغ دو ہزار کیا جاتا ہے اگر وہ ایک سال تک جواب دیں تو انعام مذکور ان کے پیش کش کیا جائیگا۔

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کے اثبات میں مرزا صاحب ہی کا نفع تھا پھر اس پر جب انعام بھی ملتا تھا تو چاہیے تھا کہ سب کام چھوڑ کر اس رسالہ کے جواب میں مصروف ہو جاتے اور وہ رسالہ بھی کتنا؟ پورے سات جزو کا بھی نہیں پھر جواب میں نہ کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے، نہ اجتہاد کی حاجت ہر پیشین گوئی سے متعلق جواب میں اتنا ہی کافی ہے کہ اس کا وقوع اس طرح ہوا اور اس کے فلاں فلاں گواہ موجود ہیں جس کے لئے ایک دو ورق سے زیادہ درکار نہیں مگر جواب تو جب لکھا جائے گا کہ کسی پیشین گوئی کا وقوع بھی ہوا ہو وہاں تو سرے سے وجود ہی ندارد۔ اور جو تقریریں اس میں طبع سازیاں کی گئی تھیں ان کی قلمی مولوی صاحب نے کھول دی اب ان دشمن گوئیوں کا اثبات چیز امکان سے کسی قدر خارج دکھائی دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہمسری کا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کے یعنی معراج جیسے کشفوں میں خود صاحب تجربہ ہیں، غلط محض ہے۔

یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ الحکم مطبوعہ ۱۱ صفر ۱۳۴۳، نمبر ۱۳ میں مرزا صاحب کی تقریر درج ہے کہ جیسا کہ بت پوچنا شرک ہے ویسے ہی جھوٹ بولنا بھی شرک ہے بت پوچنے والا اس خیال سے بت پوچتا ہے کہ یہ میری مرادیں بر لاتا ہے ایسا ہی جھوٹ بولنے والا بھی اسی خیال سے جھوٹ بولتا ہے کہ جھوٹ سے میرا کام نکلتا ہے۔ مقدمہ جیت لیتا ہوں بیوپار ہوتا ہے اور آفات و بلا سے بچ جاتا ہوں ان دونوں باتوں میں کچھ فرق ہے اچھا۔

جب مرزا صاحب جھوٹ کو شرک سمجھتے ہیں تو وہ اس کے مرتکب کیونکر ہوئے ہوں گے اس کا جواب حقیقت نہایت دشوار ہے مگر عقلاء خود اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مرزا صاحب جو اپنے کشف کی خبر دیتے ہیں سو وہ کوئی نئی بات نہیں اس قسم کی تعلیموں کی ان کی عادت ہے چنانچہ رسالہ عقائد مرزا میں توضیح المرام وغیرہ رسائل مرزا صاحب سے ان کے اقوال نقل کئے ہیں کہ میں اللہ کا نبی ہوں، رسول ہوں، میرا مکر کا فر اور مردود ہے، میرے معجزات اور نشانیاں انبیاء کے معجزات سے بڑھ کر ہیں، میری پیشگوئیاں نبیوں کی پیشگوئیوں سے زیادہ ہیں، میرے معجزات اور نشانات کے انکار سے سب نبیوں کے معجزات سے انکار کرنا پڑے گا، میرے منکروں اور متردوؤں کے پیچھے نماز درست نہیں بلکہ ان پر سلام نہ کرنا چاہیے۔ اور لکھتے ہیں کہ خدا بے پردہ ہو کر ان سے ٹھٹھے کیا کرتا ہے وغیرہ ڈلک۔ جب مرزا صاحب کی جبلت میں تعیناں داخل ہیں جن کا وجود ممکن نہیں تو ان کا یہ قول کہ معراج کے جیسے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے، کون اعتبار کرے۔ البتہ اہل کشف کی تحقیق قابل تسلیم ہے جن کے کشف کو اہل کشف اور صلحاء اور اولیاء اللہ نے تسلیم کر لیا ہے۔ دیکھیے شیخ محی الدین عربی رحمہ اللہ یہ فتوحات مکہ کے تین سو چودھویں باب میں لکھتے ہیں۔ وقد اعطته المعرفة انه لا يصح الانس الا بالمناسب ولا مناسبة بين الله وعبدہ واذا اضيف الموانسة فانما ذلك على وجه خاص يرجع الى الكون فاعطته رحمہ اللہ هذا لمعرفة الوحشة لانفرادہ وهذا مما يدلک ان الاسراء کان بجسمہ رحمہ اللہ لان الارواح لا تتصف بالوحشة والاستيحاش فلما علم الله ذلك وكيف لا يعلمه وهو الذي خلقه في نفسه وطلب رحمہ اللہ الدنو بقوة المقام الذي هو فيه فنودي بصوت يشبه صوت ابی بکر رحمہ اللہ تانيسا له به اذ كان انيسه في المعهود فحن لذلك وانس به. فلهذا المعراج خطاب

خاص تعطیہ خاصیتہ هذا المعراج لا يكون الا للرسول فلو عرج عليه الولی لاعطاه هذا المعراج بخاصیة ما عنده وخاصیة ما تنفرد به الرسالة فكان الولی اذا عرج به فيه يكون رسولا وقد اخبر رسول الله رحمہ اللہ ان باب الرسالة والنبوة قد اغلق فنبین ان هذا المعراج لا سبیل للولی اليه البتہ۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ آنحضرت رحمہ اللہ کو شب معراج آسمانوں پر وحشت ہوئی اس وقت صدیق اکبر رحمہ اللہ کی آواز سنائی گئی جس سے حضرت کی وحشت جاتی رہی اس سے ظاہر ہے کہ معراج جسم کے ساتھ تھی کیونکہ ارواح وحشت کے ساتھ متصف نہیں ہوتیں۔ پھر اس جسمانی معراج کا خاصہ یہ ہے کہ اس میں ایک خاص قسم کا خطاب ہوا کرتا ہے جو رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اگر کسی ولی کو بھی اس قسم کی معراج ہو جائے تو اس خاصہ کی وجہ سے لازم آئے گا کہ وہ ولی بھی رسول ہو جائے حالانکہ رسول اللہ رحمہ اللہ نے خبر دی ہے کہ رسالت اور نبوت کا دروازہ بند ہو گیا اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کی معراج جو رسول اللہ رحمہ اللہ کو ہوئی تھی کسی ولی کو ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اولیاء اللہ کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت کی معراج جسمانی تھی اور وہ حضرت کا خاصہ تھا کہ کسی ولی کو وہ نصیب نہیں ہو سکتا اور جو کوئی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

مسئلہ معراج میں مرزا صاحب کی کارسازیاں آپ نے دیکھ لیں۔ اب مسئلہ قیامت کو دیکھئے کہ کیسی کیسی کارستانیوں کر رہے ہیں۔ ازالتہ الاولیام صفحہ ۳۵۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں بحضور رب العالمین ان کا حاضر ہونا ان کو بہشت سے نہیں نکالتا کیونکہ یہ تو نہیں کہ بہشت سے باہر کوئی لکڑی لوہے یا چاندی وغیرہ کا تخت بچھایا جائے گا اور خدائے تعالیٰ مجزی حکام اور سلاطین کی طرح اس پر بیٹھے گا اور کسی قدر مسافت طے کر کے اس کے حضور میں حاضر ہونا ہوگا تاہی اعتراض لازم آئے گا کہ اگر بہشتی لوگ

بہشت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو طبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لبق و دق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا ایسا خیال تو سراسر جسمانی یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان تولاتے ہیں اور تخت رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ اور رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے پاک طور پر کہ خدائے تعالیٰ کے تقدس اور تنزه میں کوئی فرق نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اس دن بھی بہشتی بہشت میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں ہوں گے لیکن جسمانی کی عقلی عظمیٰ راست بازوں اور ایمان داروں پر ایک جدید طور سے لذات کاملہ کی بارش کر کے اور تمام سامان بہشتی زندگی کا حسی اور جسمانی طور پر ان کو دکھا کر اس نئے طور کے دارالسلام میں ان کو داخل کر دیگی۔

حاصل اس کا یہ ہوا کہ نہ نفع صورت ہوگا، نہ مردے زندہ ہوں گے، نہ حساب و کتاب ہے، نہ صحائف اعمال کی جانچ، نہ پل صراط کا معرکہ درپیش ہے، نہ کسی قسم کی پریشانی اس روز ہوگی، نہ کسی کی شفاعت کی ضرورت ہے اور ہزار آیات و احادیث و آثار میں جن چیزوں کا ذکر بڑے اہتمام سے خدا اور رسول نے کیا ہے سب (نعوذ باللہ) بے اصل ہے۔

خالص ایمان اسے کہتے ہیں کہ فقط ایمان ہی ایمان ہے جو اس آمیزش و اختلاط سے بھی منزہ ہے جو مومن بہ کے ساتھ متعلق ہونے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اگر مرزا صاحب یہ فرمادیتے کہ ایسی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اس وجہ سے ہم ان پر ایمان نہ لائیں گے تو مسلمانوں کو بے فکری ہو جاتی اور سمجھ جاتے کہ فی الحقیقت قیامت کا مسئلہ ایسا ہی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ سے باہر ہے۔ نزول قرآن کے وقت جب عقلاء اس کو تسلیم نہ کر سکے تو تیرہ سو برس کے بعد مرزا صاحب کا تسلیم نہ کرنا چنداں بعید نہیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے ایمان کا

جنگل انکار کھا۔

مرزا صاحب تخت رب العالمین پر ایمان تولاتے ہیں مگر لکڑی وغیرہ کے تخت پر نہیں لاتے کیونکہ جب جنت کے باہر لبق و دق جنگل میں وہ تخت آئیگا تو لکڑی وغیرہ کا ہو جائیگا جو اس قابل نہیں کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ البتہ جب وہ جنت میں بچھے گا تو ایمان لانے کے قابل ہوگا اس لئے کہ نہ وہ لکڑی کا ہوگا، نہ کسی چیز کا۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ وہ تخت کیسا ہوگا کہ تخت تو ہوگا مگر کسی چیز کا نہ ہوگا۔ پھر اگر ایسا تخت ہو سکتا ہے تو جنت کے باہر آنے میں اس کو کون سی چیز مانع ہے بہر حال مرزا صاحب کو اگر قرآن پر ایمان لانا منظور ہوتا تو جس قسم کا تخت جنت میں تجویز کر رہے ہیں جنت کے باہر بھی تجویز کر سکتے مگر ان کو قیامت کا انکار ہی منظور ہے اس لئے اس کی یہ تمہید کی کہ جب تخت رب العالمین آئی نہیں سکتا تو قیامت کے دوسرے واقعات جو اس روز حق تعالیٰ کے روبرو ہوں گے کہاں۔ اس وجہ سے جتنی آیات و احادیث قیامت کے باب میں وارد ہیں (نعوذ باللہ) سب خلاف واقع ہیں۔ یہاں مرزا صاحب کی اس تقریر کو بھی یاد کر لیجئے کہ قرآن کا ایک نقطہ کم نہیں ہو سکتا۔

اب ہم محشر کا تھوڑا حال بیان کرتے ہیں تاکہ اہل ایمان کو اس کا تذکرہ ہو جائے اور معلوم ہو کہ محشر کا مسئلہ ہمارے دین میں کس قدر متہم بالشان ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ در منثور میں لکھتے ہیں اخرج احمد والترمذی وابن منذر والحاکم وصححه وابن مردويه عن ابن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ من سره ان ينظر الى يوم القيامة كانه راى عين فليقرأ اذا الشمس كورت واذا السماء انفطرت واذا السماء انشقت. یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے اگر کوئی چاہے کہ قیامت کا حال برائی العین مشاہدہ کر لے تو سورۃ اذا الشمس كورت اور اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت کو پڑھے۔ ان سورتوں میں مجمل قیامت کا بیان ہے کہ

اس روز آسمان پھٹ جائیں گے، آفتاب اور تمام تارے تیرہ وتار ہو کر گر جائیں گے، سمندر خشک ہو جائیں گے، دوزخ خوب سلگائی جائے گی، مردے زندہ ہوں گے، نامہ اعمال ہر ایک کے اڑا کر اس کے ہاتھ میں آجائیں گے۔ چونکہ حشر زمین پر ہوگا اس لئے اس کی درستی اور صفائی کا یہ اہتمام اس روز ہوگا کہ جتنے سمندر اور دریا ہیں سب خشک کر کے اور پہاڑوں اور جھاڑوں کو نکال دے کر زمین کی وسعت بڑھادی جائے گی اور ایسی سطح بنائی جائیگی کہ کہیں نشیب و فراز باقی نہ رہے اور چونکہ تمام فرشتے بھی زمین پر اترا آئیں گے اس لئے وہ اور بھی کشادہ کی جائیگی جس میں تمام خلائق کی گنجائش ہو ان تمام امور کا ذکر بالتفصیل قرآن شریف میں موجود ہے چند آیات یہاں لکھی جاتی ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ و یسألونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی ینسفھا فیکون سفاة فیکونھا قاعا صفاة لا تری فیھا عوجا ولا امثا ۝ یومئذ یتبعون الداعی لا عوج له و خشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا همسا ۝ ترجمہ: پوچھتے ہیں تم سے پہاڑوں کا حال سو کو ان سے بکھیر دیگا ان کو میرا رب اڑا کر پھر کر دیگا زمین کو پیڑ امیدان نہ دیکھو گے اس میں موڑ، نہ ٹیلا اس دن پیچھے دوڑیں گے پکارنے والے کے ٹیڑی نہیں جس کی بات اور دب گئیں آوازیں زمین کے ڈر سے مگر کھس کھسی آواز۔ اس آیت میں صراحتاً مذکور ہے کہ پہاڑ زمین سے نکال دیئے جائیں گے اور زمین سطح بنادی جائیگی۔ اور ارشاد ہے قولہ تعالیٰ یوم نسیب الجبال ونری الارض بارزة وحشرناھم فلم نغادر منهم احدا ۝ وعرضوا علی ربک صفا لقد جئتمونا کما خلقناکم اول مرة بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعدا ۝ ترجمہ: اور جس دن ہم چلاویں گے پہاڑ اور تم دیکھو گے زمین کھل گئی اور جمع کریں گے ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو اور سامنے لائے جائیں گے تمہارے رب کے قطار کر کے آپہنچے تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلے بار بار

تم کہا کرتے تھے کہ نہ بٹھرائیں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ ابھی۔

اس آیت میں صاف مذکور ہے کہ اس سطح اور ہموار زمین پر سب لوگ اکٹھے کئے جائیں گے اور وہ حق تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے اور منکرین حشر کو جزو توخی ہوگی وقولہ تعالیٰ واذا البحار سجرت بخاری شریف میں ہے قال الحسن سجرت ذهب ماؤها فلا یبقی قطرة یعنی اس روز سمندر ایسے سوکھ جائیں گے کہ ان میں ایک قطرہ باقی نہ رہیگا۔ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے ”بدور سافرو فی احوال الاخرۃ“ میں لکھا ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قولہ تعالیٰ یوم تبدل الارض غیر الارض الایۃ قال یزاد فیھا ینقص منها وتذهب اکامھا وجبالھا واودیتھا وشجرھا وما فیھا وتمد مد الادیم (اللہ یت) یعنی حق تعالیٰ جو فرماتا ہے یوم تبدل الارض اس کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین میں کمی زیادتی ہو جائیگی ٹیلے پہاڑ وادیاں جھاڑ اور جو کچھ اس میں ہے یہ سب چیزیں نکال دی جائیں گی تاکہ ایک سطح ہو جائے پھر کھینچ کر مش ادیم کے کشادہ کی جائیگی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے واذا الارض مدت۔ الی اصل زمین جب سطح اور ایسی وسیع کر دی جائیگی کہ تمام جن وانس و ملائکہ وغیرہم کی اس میں گنجائش ہو اس وقت تمام مردوں کو حکم ہوگا کہ سب زندہ ہو کر میدان حشر میں آکھڑے ہوں کما قال تعالیٰ ثم نفخ فیہ اخری فاذا هم قیام ینظرون یعنی دوسری بار صور پھونکا جائیگا جس سے سب مردے فوراً کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ وقال تعالیٰ یقولون اءانا لمرودون فی الحافرة ۝ اذا کنا عظاما نخرة قالوا تلک اذا کرة خامسة فانما هی زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة ۝ ترجمہ: کہتے ہیں کفار کیا ہم آویں گے اٹنے پاؤں یعنی زمین پر جب ہو چکیں بوسیدہ ہڈیاں یہ تو پھر آنا ٹوٹا ہے پھر وہ تو ایک جھڑکی ہے جس سے یکا یک میدان میں آجائیں گے ابھی۔

یعنی آج عرش کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اور قیامت کے روز آٹھ فرشتے اٹھائیں گے۔ اور اس وجہ سے کہ آفتاب چاند اور تارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے زمین پر سوائے خدائے تعالیٰ کے نور کے کوئی نور نہ ہوگا کما قال تعالیٰ واشرقن الارض بنور رہا یعنی روشن ہو جائیگی زمین اپنے رب کے نور سے اور ظاہر قربت کی یہ حالت ہوگی کہ ہر شخص کو دولت ہم کلامی نصیب ہوگی چنانچہ بخاری شریف میں ہے عن عدی ابن حاتم قال قال رسول اللہ ﷺ ما منکم من احد الا سیکلمہ اللہ یوم القیمة لیس بہہ و بینہ قوجمان (اللہ رب) یعنی تم میں سے ہر شخص کے ساتھ حق تعالیٰ ایسے طور پر کلام کریگا کہ کوئی ترجمان درمیان میں نہ ہوگا۔ علامہ زحشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ محشر کا روز جو پچاس ہزار سال کا ہوگا اس میں پچاس موطن مقامات ہوں گے ایک ایک مقام میں ہزار ہزار سال لوگ ٹھہریں رہیں گے۔ ہر مقام کے حالات و لوازم جدا گانہ ہیں جو آیات و احادیث سے ثابت ہیں اگر وہ تمام ایک جگہ جمع کئے جائیں تو ایک بڑی کتاب ہو جائے چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ”بدور السافرة فی احوال الاخرة“ میں یہی کام کیا ہے اور اس باب میں اور بھی کتابیں موجود ہیں طالعین حق کو ضرور ہے کہ ان کتابوں کو جو چھپ گئی ہیں دیکھ کر اپنے اسلامی عقائد کو مستحکم کر لیں کیونکہ علماء نے اپنی عمر عزیز کا ایک بیش بہا حصہ صرف کر کے مختلف مقامات سے آیات و احادیث کو جمع کرنے کی محنت اور تحقیق کی مشقت جو گوارہ کی ہے اس سے صرف ہاری خیر خواہی مقصود تھی اگر ہم اپنا تھوڑا سا وقت وہ بھی اپنے ہی نفع کیلئے صرف کر کے اس کو دیکھیں بھی نہیں تو کمال درجہ کی بے قدری ہے۔ غرض آیات و احادیث تو اس باب میں بہت ہیں مگر تھوڑی سی یہاں بقدر ضرورت لکھی جاتی ہیں۔ بخاری شریف میں ہے عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ یوم یقوم الناس لرب العالمین قال یوم احدہم فی رشحہ الی انصاف اذنیہ یعنی لوگ جو خدائے تعالیٰ

کے روز بروکھڑے ہوں گے ان میں بعضوں کا یہ حال ہوگا کہ آدھے آدھے کانوں تک پسینہ میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور یہ روایت بھی بخاری شریف میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال یعرق الناس یوم القیمة حتی یدھب عرقہم الی الارض سبعین ذراعاً ویلجمہم حتی یبلغ اذانہم یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کا پسینہ قیامت کے روز اس قدر ہوگا کہ ستر ہاتھ زمین کے اندر اتر جائیگا۔ اور پسینہ کی وجہ اس حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے جس کو امام احمد نے مسند احمد پر اور طبرانی نے معجم کبیر پر روایت کی ہے عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ تدنو الشمس یوم القیمة علی قدر میل ویزداد فی حرھا کذا وکذا یغلی منہ الھوام کما تغلی القدور علی الانافی یعرفون منھا علی قدر خطایہم ومنہم من یبلغ الی کعبیہ ومنہم من یبلغ الی ساقیہ ومنہم من یبلغ الی وسطہ ومنہم من یلجمہ العرق یعنی قیامت کے روز آفتاب زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آجائیگا اور اس کی گرمی اس قدر بڑھ جائیگی کہ حشرات الارض ایسے جوش کھائیں گے جیسے دیگ چولھے پر جوش کھاتی ہے لوگوں پر اس کا اثر بقدر گناہ ہوگا بعضوں کو پسینہ ٹخنے تک پہنچے گا اور بعضوں کو کمر اور بعضوں کو منہ تک پہنچے گا۔ جن کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں اس قسم کی باتوں پر وہ ایمان نہیں لاسکتے اور جس کی سوائے شقاوت کے اور کوئی نہیں ورنہ یہ امر مشاہد ہے کہ سخت دھوپ میں گرم مزاج لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں اور جن کی طبیعت پر بروہت غالب ہوتی ہے وہ اس سے انتفاع اور لذت اٹھاتے ہیں اگرچہ ظاہری اسباب اسکے حرارت و بروہت مزاج ہیں مگر آخری مداران کا تخلیق خالق ہی پر ہوگا۔ پھر اگر خالق اس روز بحسب اعمال پسینہ کی تخلیق مختلف طور پر کرے تو عجب کو اس میں کیا کلام۔ اس روز کی حالت کو حق تعالیٰ چند مختصر مگر نہایت پر اثر الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ یوم یقر المرء

من اخيه وامه وابيه وصاحبتہ وبنیہ لكل امرء منهم يومئذ شأن يغنيه ترجمہ
جس دن بھاگے مراد اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ سے اور اپنی زوجہ سے اور اپنے بیٹوں
سے ہر شخص کو اس روز ایک فکر لگا ہے جو اس کو بس ہے۔ ہر صاحب عقل سلیم اور تحیل صحیح طور پر
غور کر سکتا ہے کہ اس روز کیسی حالت ہوگی جس کے یہ آثار ہوں گے۔ بخاری مسلم ترمذی
وغیر میں یہ روایت ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انا سید
الناس يوم القيمة وهل تدرون مم ذلك يجمع الله الاولين والآخرين في
صعيد واحد يسمعون الداعی وينفذهم البصر وتدنو الشمس منهم فيبلغ
الناس من الغم الكرب مالا يطيقون ولا يحتملون فيقول الناس الاثرون ما
قد بلغكم الانتظرون من يشفع لكم الى ربكم فيقول بعض الناس لبعض
انتوا ادم فياتون ادم فيقولون يا ادم انت ابونا انت ابو البشر خلقتك الله
بيده ونفخ فيك من روحه وامر الملكة فسجدوا لك اشفع لنا الى
ربك الاترى مانحن فيه الاترى الى ما قد بلغنا فيقول لهم ادم ان ربی قد
غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانه نهانى
عن الشجرة فعصيته نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى نوح
فياتون نوحاً فيقولون يا نوح انت اول الرسل الى اهل الارض ومساك
الله عبداً شكوراً اشفع لنا الى ربك الاترى مانحن فيه الاترى الى ما قد بلغنا
فيقول لهم نوح ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن
يغضب بعده مثله وانه قد كانت لى دعوة دعوت بها على قومی نفسى
نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى ابراهيم فياتون ابراهيم فيقولون
يا ابراهيم انت نبى الله وخلیل الله من اهل الارض اشفع لنا الى ربك

الاترى مانحن فيه الاترى الى ما قد بلغنا فيقول لهم ابراهيم ان ربی تعالی قد
غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانى قد
كنت كذبت ثلث كذبات نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا
الى موسى فياتون موسى فيقولون يا موسى انت رسول الله فضلك الله
برسالته وبكليمه على الناس اشفع لنا الى ربك الاترى الى مانحن فيه
الاترى الى ما قد بلغنا فيقول لهم موسى ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم
يغضب قبله مثله ولن يغضب بعده مثله وانى قد قتلت نفسا لم اؤمر بقتلها
نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا الى عيسى فياتون عيسى
فيقولون يا عيسى انت رسول الله وكلمة القاها الى مريم وروح منه
وكلمت الناس فى المهد اشفع لنا الى ربك الاترى مانحن فيه الاترى الى ما
قد بلغنا فيقول لهم عيسى ان ربی قد غضب اليوم غضبا لم يغضب قبله
مثله ولن يغضب بعده مثله نفسى نفسى نفسى اذهبوا الى غيرى اذهبوا
الى محمد فياتون محمداً فيقولون يا محمد انت رسول الله وخاتم الانبياء
وغفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر اشفع لنا الى ربك الاترى الى ما
نحن فيه الاترى الى ما قد بلغنا فانطلق فانتى تحت العرش قافع ساجداً
لربى ثم يفتح الله على ويلهمنى من محامده وحسن الثناء عليه شيئا لم
يفتح لاحد قبلى ثم يقال يا محمد ارفع راسك سل تعطه واشفع تشفع
فارفع راسى فاقول يا رب امتى امتى فيقال يا محمد ادخل الجنة من امتك
من الحساب عليه من الباب الايمن من ابواب الجنة وهم شركاء الناس
فيما سوى ذلك من الابواب والذى نفسى بيده ان ما بين المصرعين من

مصاریع الجنة کما بین مکة وھجرا و کما بین مکة و بصری (کذا فی کنز العمال) یعنی بخاری مسلم وغیرہ میں روایت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے روز میں تمام آدمیوں کا سردار ہوں گا جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ خدائے تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو ایک ایسی زمین میں جمع کرے گا کہ پکارنے والے کی آواز سب سن لیں گے اور دیکھنے والا سب کو دیکھ لے اور آفتاب نہایت نزدیک آجائیگا جس سے لوگوں کو اس قدر غم اور سختی ہو کہ برداشت کی طاقت نہ رہے گی اس وقت لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کیا دیکھتے نہیں کیسی حالت گزر رہی ہے کسی ایسے شخص کی تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ خدائے تعالیٰ سے ہماری شفاعت کرے اور اس بلا سے ہمیں نجات دے آخر یہ رائے قرار پائیگی کہ آدم ؑ کے پاس جائیں چنانچہ ان کے پاس جا کر کہیں گے حضرت آپ ہمارے اور تمام بشر کے باپ جو حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم کیا کہ آپ کو سجدہ کریں۔ اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کس حالت میں ہم لوگ مبتلا ہیں۔ آدم ؑ کہیں گے کہ آج خدائے تعالیٰ ایسا غضب ناک ہے کہ ایسا نہ کبھی پیشتر ہوا تھا، نہ آئندہ کبھی ہوگا مجھ کو اس جھاڑ کے پاس جانے سے منع فرمایا تھا مگر مجھ سے نافرمانی ہوئی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم لوگ اور کسی کے پاس جاؤ اور نوح ؑ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب نوح ؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ پہلے رسول ہیں جو اہل زمین کی طرف بھیجے گئے تھے آپ کا نام اللہ تعالیٰ نے عبد شکور رکھا اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کہ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں نوح ؑ کہیں گے کہ خدا تعالیٰ آج ایسا غضب ناک ہے کہ نہ کبھی ہوا تھا، نہ کبھی ہوگا میرے لئے ایک دعا مقرر تھی جو رد نہ ہو سو وہ دعا میں نے اپنی قوم کے ہلاکت کے لئے کی آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر ابراہیم ؑ کے

پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب حضرت ابراہیم ؑ کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضرت آپ نبی اللہ اور خلیل اللہ ہیں اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسی حالت میں مبتلا ہیں وہ بھی فرمائیں گے کہ جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا..... کسی اور کے پاس جاؤ اگر موسیٰ ؑ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب موسیٰ ؑ کے پاس جا کر کہیں گے اے موسیٰ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور کلام سے سب پر بزرگی دی کیا ہماری حالت آپ نہیں دیکھتے رحم کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی فرمائیں گے کہ خدائے تعالیٰ جیسے آج غضب ناک ہے نہ کبھی ہوا، نہ ہوگا میں نے ایک شخص کو بغیر حکم کے مار ڈالا تھا مجھے آج اپنے ہی نفس کی پڑی ہے تم اور کہیں جاؤ اگر عیسیٰ ؑ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب عیسیٰ ؑ کے پاس جا کر کہیں گے حضرت آپ اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہو جو مریم کی طرف ڈالا تھا اور روح اللہ ہو۔ گوارہ میں آپ نے لوگوں سے باتیں کی تھیں ہماری حالت پر رحم کر کے اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے وہ بھی یہی کہیں گے جیسے آج حق تعالیٰ غضب کی حالت میں ہے نہ ویسا کبھی ہوا تھا، نہ ہوگا آج مجھے اپنے ہی نفس کی فکر ہے تم اور کہیں جاؤ اگر محمد ﷺ کے پاس جاؤ تو اچھا ہے۔ وہ سب محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ حضرت آپ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہیں گے کہ دیکھئے کہ ہم کس حالت میں مبتلا ہیں ہماری شفاعت اپنے رب سے کیجئے اس وقت میں عرش کے نیچے جا کر سجدہ میں گردنگا اور محامد و ثنائے الہی کے وہ الہامی مضامین میرے دل پر منکشف ہوں گے جو کسی پر کبھی ہوئے نہ تھے حکم ہوگا کہ اے محمد ﷺ سراٹھاؤ جو تم چاہو گے وہ دیا جائیگا اور شفاعت کرو گے تو قبول کی جائیگی اس وقت میں سراٹھاؤنگا اور عرض کرونگا اے رب امتی امتی یعنی میری امت

کو نجات دے ارشاد ہوگا اے محمد ﷺ اپنی امت سے ان لوگوں کو جن پر حساب و کتاب نہیں ہے جنت کی سیدھی جانب کے دروازے سے جنت میں داخل کر دو اور اس کے سوا دوسرے دروازوں سے بھی وہ جاسکتے ہیں۔ قسم ہے خدائے تعالیٰ کی جنت کے دروازوں کی مسافت ایک پت سے دوسرے پت تک اتنی ہے کہ جتنی مکہ سے بصرہ کی مکہ سے بصرہ کی اتنی۔

یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہے جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں اس سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز تمام انبیاء اولوالعزم اپنی اپنی اغوش میں یاد کر کے خائف و ترسائیں رہیں گے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ خدا نے ان کو اگلے پچھلے گناہ معاف کر کے بے فکر کر دیا اور اب وہ آنحضرت ﷺ کے درجے میں ہیں۔ کیانی الواقع ایسا الہام کر کے خدائے تعالیٰ نے ان کو تمام انبیاء سے افضل بنادیا ہوگا؟ میری دانست میں کوئی مسلمان اس کا قائل نہ ہوگا کہ وہ تمام انبیاء سے افضل اور بارگاہ کبریائی میں سب سے زیادہ مقرب ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایسے الہاموں میں اکثر شیطان دھوکا دے دیا کرتا ہے اور آدمی کو اپنی فضیلت کی خوشی میں کچھ نہیں سوچتا اور سمجھ جاتا ہے کہ سچ خدائی کی طرف سے وہ الہام ہے۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی زاہد پر شیطان نے وحی کی (بمصدق اے یوحیٰ بعضہم الی بعض ذخرف القول غرودا) کہ میں جبریل ہوں اور آپ کے لئے براق لے آیا ہوں چلے آج آپ کی معراج ہے۔ مگر آنکھوں کو پہلے پٹی باندھ لیجئے چنانچہ انہوں نے اس خوشی میں کہ آج اپنے نبی ﷺ کے ہم رتبہ ہوتے ہیں آنکھوں پر پٹی باندھ کر خدا کا شکر کرتے ہوئے براق پر سوار ہوئے جو دراصل گدھا تھا شیطان نے رسوائی کی غرض سے تمام شہر میں ان کی تشہیر کر کے کسی دیرانہ میں لیجا کر چھوڑ دیا۔ ان غرض شیطان آدمی کا سخت دشمن ہے اقسام کی تدبیریں کر کے رسوا بلکہ خسر الدنیا والآخرہ بنادیتا ہے۔

یہ بحث عارضی تھی اصل کلام روز قیامت کے احوال میں تھا بخاری شریف میں ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال خطب النبی ﷺ فقال انکم محشورون الی اللہ عزوجل عرافہ عزلا کما بدانا اول خلق نعیدہ وعدا علینا انا کنا فاعلمین ثم ان اول من یکسی يوم القیمة ابراهیم الا انه یجاء برجال من امتی فیؤخذ بهم ذات الشمال فاقول یارب اصحابی فیقال لا تدری ما احدثوا بعدک (بخاری) یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خطبہ میں فرمایا کہ تم لوگوں کا حشر اللہ تعالیٰ کے رو برو ایسے ظور پر ہوگا کہ سب پر ہند اور بے ختنہ ہوں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کما بدانا اول خلق (۱۱۰) یعنی جیسے اول خلقت میں ہم نے ان کو پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہمارے لزمہ ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں۔ پھر قیامت کے روز پہلے ابراہیم علیہ السلام لباس پہنائے جائیں گے۔ میری امت سے چند شخصوں کو بائیں طرف یعنی دوزخ کی جانب لے جائیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے اصحاب یعنی امتی ہیں کہا جائیگا کہ آپ کو معلوم نہیں انہوں نے آپ کے بعد کیسی کیسی نئی باتیں نکالی تھیں اے نبی۔ اور بخاری شریف میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ ان رجلا قال یا نبی اللہ کیف یحشر الکافر علی وجہہ يوم القیمة قال الیس الذی امشاه علی الرجلین فی الدنیا قادر علی ان یمشہ علی وجہہ يوم القیمة۔ نبی ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ کافر حشر کے دن منہ کے بل چلے گا فرمایا جس نے دنیا میں اس کو پاؤں پر چلایا تھا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ قیامت میں اس کو منہ پر چلائے اے نبی۔ ان احادیث اور آیہ موصوفہ سے ظاہر ہے کہ قیامت میں پورا جسمانی کارخانہ قائم ہو جائیگا کیونکہ قبروں سے بے ختنہ اور برہنہ اٹھنا اور منہ کے بل چلنا اور پسینہ جاری ہونا وغیرہ امور اس پر دلیل قطعی ہیں۔ اب اگر مرزا صاحب کو خدا و رسول کی بات

ماننے میں یہودیت کا خوف ہے تو وہ یہودیت سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ کل کفار کا یہی طریقہ رہا کہ خدا اور رسول کی بات پر کوئی نہ کوئی الزام قائم کر دیا کرتے تھے اس کے بعد اعمال نامے ہر طرف سے اڑیں گے اور ہر ایک کے ہاتھ میں آجائیں گے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ** O **وَقَوْلُهُ تَعَالَى يَوْمَئِذٍ تَعْرِضُونَ لَا تُخْفِي مِنْكُمْ خَافِيَةً** O **فَأَمَّا مَنْ أَوْتِيَ كِتَابَهُ بِمِثْنِهِ** فيقول **هَازِمٌ أَقْرَأُوا كِتَابِي** O **أَنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حَسَابِي** O **فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ** O **فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ** O **قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ** O **كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا** بما اسلفتم **فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ** O **وَأَمَّا مَنْ أَوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ** فيقول **يَالَيْتَنِي لَمْ أَوتَ كِتَابِي** O **وَلَمْ أَدْرِ مَا حَسَابِي** O **يَالَيْتَهَا كَانَتْ الْقَاضِيَةَ** O **مَا أَغْنَى عَنِّي مَالِي** O **هَلْكَ عَنِّي سُلْطَانِي** O **خَذُوهُ فَعْلُوهُ** O **ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ** O **ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ** O **ترجمہ:** اس دن سامنے جاؤ گے چھپ نہ رہے گا چھپنے والا سو جس کو مانا نامہ اعمال سیدھے ہاتھ میں کہے گا لو پڑھو میرا نامہ مجھے اعتقاد تھا کہ مجھ کو ملتا ہے میرا حساب سو وہ پسندیدہ عیش میں رہے گا جنت میں جس کے میوے جھک رہے ہیں کھاؤ خوشگوار جو آگے بھیجا تم نے پہلے دنوں میں اور جس کو مانا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں کہے گا کاش مجھ کو نہ ملتا میرا لکھا اور مجھ کو خبر نہ ہوتی کہ کیا حساب ہے میرا اے کاش موت ہی میرا کام آخر کر دیتی کچھ کام نہ آیا مجھ کو میرا مال زائل ہو گئی مجھ سے حکومت کہا جائیگا کہ اس کو پکڑو پھر طوق ڈالو پھر آگ کے ڈھیر میں اس کو بٹھاؤ پھر ایک ذبح گھر میں جس کا ناپ ستر (۷۰) فٹ ہے اس کو جکڑو ابھی۔

اور حدیث میں ہے جس کو احمد عبد بن حمید اور ترمذی اور ابن ماجہ اور ابن ابی حاتم اور ابن مردودہ نے روایت کی ہے عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ ﷺ **يَعْرَضُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثَلَاثَ عَرَضَاتٍ** فاما عرضتان فجدا ل ومعاذير واما الثالثة

بعد ذلك تطائر الصحف في الايدي فاحذ بيمينه واخذ بشماله (کہ فی اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ)۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ اعمال تین بار پیش کئے جائیں گے دو بار تو بھڑے اور عذر خواہیاں رہیں گی تیسرے بار اعمال نامے پر اڑا کر ہاتھوں میں آجائیں گے کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں ابھی۔

اور اعمال کے تلنے کا بھی ایک بڑا معرکہ ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَالْوِزَنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ** فمن ثقلت موازينه **فاولئك هم المفلحون** ومن خفت موازينه **فاولئك الذين خسروا انفسهم** في جهنم خالدون **ترجمہ:** جن کے بھاری ہوئی تو لیں وہی رستگار ہوں گے اور جن کی ہلکی ہوئیں تو لیں وہی ہیں جو ہار بیٹھے ہیں جان دوزخ میں رہیں گے۔ اور ارشاد ہے **قَوْلُهُ تَعَالَى وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا** وان كان مثقال حبة من خردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين **ترجمہ:** اور رکھیں گے ہم ترازو میں انصاف کی قیامت کے دن پھر ظلم نہ ہوگا کسی ایک شخص پر ایک ذرہ۔ اور اگر ہوگا برابرائی کے دانہ کے وہ بھی ہم لے آئیں گے اور ہم بس ہیں حساب کرنے والے ابھی۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ** وابصارهم وجلودهم بما كانوا يعملون، **وَقَوْلُهُ تَعَالَى الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ** بما كانوا يكسبون، یعنی ان کے منہ پر اس روز مہر کر دی جائیگی اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا سے گواہی طلب کی جائیگی اور ہر عضو جو کچھ دنیا میں کام کیا تھا پورا پورا کہہ دیگا۔ اور ارشاد ہے **وَأَن مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا** كان على ركب حتمًا **مُقَضًى** **ترجمہ:** اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا دوزخ پر ہو چکا تمہارے رب پر ضرور مقرر رہی۔ اور امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے درمنثور میں نقل کی ہے **عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ** **رَضِيَ** **عَنْهُ** **قَوْلُهُ** **وَأَن مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا** قال قال رسول اللہ ﷺ **يُودِ**

الناس كلهم النار ثم يصدرون عنها باعمالهم فالهيم كلمح البرق ثم كالريح كحضر الفرس ثم كالراكب في رحله ثم كشد الرجل ثم كمشيه۔ یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ کل آدمی دوزخ پر آئیں گے اور بقدر اعمال اس پر سے گزریں گے بعض برق کی طرح بعض ہوا کی بعض گھوڑے کے دوزخ کی طرح اور بعض اونٹ کی اور بعض آدمی کے دوزخ نے اور چلنے کی طرح نبی۔ اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ يقول اللہ يوم القيامة يا ادم يقول لبيك ربنا وسعديك فينادي بصوت ان اللہ يا مكرم ان تخرج من ذريتك بعنا الى النار قال يا رب وما بعث النار قال من كل الف اراه قال تسع مائة وتسعة وتسعين۔ یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز فرمادے گا اے آدم وہ جواب میں عرض کریں گے لیک ربنا وسعديك پھر ندا ہوگی بلند آواز سے کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم فرماتا ہے کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا لشکر چدا کرو عرض کریں گے کس قدر ارشاد ہوگا ہر ہزار سے ایک کم ہزار نبی۔

پھر وہ مصیبت کا روز معمولی بھی نہ ہوگا کہ چار پہر کسی طرح گزر جائیں بلکہ ابتدائے تخلیق سے قیامت تک جتنی عمر اس عالم دنیوی کی ہے وہ ایک روز درازی میں گویا اس تمام کے برابر اور ہم پہنچے ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا کما قال تعالیٰ سائل سائل بعداب واقعہ لکافرین لیس لہ دافعہ من اللہ ذی المعارج تعرج الملائكة والروح اليه في يوم كان مقداره خمسين الف سنة فاصبر صبراً جميلاً ترجمہ درخواست کرتا ہے درخواست کرنے والا اس عذاب کی جو واقع ہونے والا ہے کافروں کے واسطے اللہ کی طرف سے جو مرتبوں والا ہے۔ چڑھیں گے اس کی طرف فرشتے اور روح اس دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی ہے سو

مہر کروا چھا صبر نبی۔

یعنی جتنے فرشتے دنیا میں مختلف کاموں پر مامور ہیں اس روز تمام آسمانوں پر چڑھ جائیں گے غرض کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہونا اور اس میں اقسام کے مصائب کا پیش آنا قرآن شریف کی بیسویں آیات اور صد احادیث سے ثابت ہے جس کو ذرا بھی ایمان ہو اس میں ہرگز شک نہیں کر سکتا اس پر بھی جن لوگوں کو شک ہو حق تعالیٰ ان کو عقلی طریقہ سے سمجھاتا ہے کما قال تعالیٰ يا ايها الناس ان كنتم في ريب من البعث فانا خلقناكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغير مخلقة لنبين لكم ونقر في الارحام ما نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم طفلاً ثم لتبلغوا اشدكم ومنكم من يتوفى ومنكم من يرد الى ارضه ليعلم ما كان يعلم من قبل فاما بعد علم شيئاً وترى الارض هامدة فاذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت وانبتت من كل زوج بهيج ذلك بان اللہ هو الحق وانه يحيى الموتى وانه على كل شىء قدير وان الساعة آتية لا ريب فيها وان اللہ يبعث من فى القبور ومن الناس من يجادل فى اللہ بغير علم ولا هدى ولا كتاب منير ثانی عطفہ ليعضل عن سبيل اللہ له فى الدنيا خزي ونذيقه يوم القيامة عذاب الحريق ترجمہ: اے لوگو اگر تم کو شک ہے جی اٹھنے میں تو دیکھو کہ ہم نے تم کو بنایا مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون بستہ سے پھر مضغہ گوشت سے صورت بنی ہوئی اور نہ بنی ہوئی یہ اس واسطے کہ تم کو کھانا ہر طور پر معلوم کراویں۔ اور پھر ارکھتے ہیں ہم تم میں جو کچھ چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پھر تم کو نکالتے ہیں لڑکا پھر جب تک پہنچوا اپنی جوانی کے زور کو اور بعضے تم میں سے مر جاتے ہیں اور بعضے پھیرے جاتے ہیں ارضی عمر تک تا سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگیں۔ اور تم دیکھتے ہو زمین خشک پر جہاں ہم نے اتارا اس پر پانی

نازی ہوئی اور ابھری اور گائیں ہر قسم کی رونق کی چیزیں یہ اس واسطے کہ اللہ ہی ہے حق اور وہ جلتا ہے مردے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا قبر میں پڑے ہوؤں کو اور بعض لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کتاب روشن کے اپنی گردن موڑ کر کے گمراہ کریں اللہ کی راہ سے ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور چکھادیں گے ہم ان کو قیامت کے دن جہنم کا عذاب بھی۔

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ ان لوگوں کو جو قیامت کے قائل نہیں کئی مثالوں سے سمجھاتا ہے کہ تم اپنی ہی پیدائش کو دیکھ لو کہ کس قدر عقل کے خلاف ہے مٹی سے نباتات اور اس سے نطفہ اور اس سے علاقہ اور اس سے مضغہ اور اس سے آدمی بنتا ہے پھر تم پر کیسے کیسے انقلابات آتے ہیں کبھی لڑکے کبھی جوان کبھی بعد کمال عقل کے بے وقوف محض۔ اور زمین ہی کو دیکھ لو کہ خشک ہونے کے بعد ہمارے حکم سے کیسی لہلہانے لگتی ہے اس سے سمجھ سکتے ہو کہ خدائے تعالیٰ جو ہمیشہ اس عالم میں انقلابات پیدا کیا کرتا ہے اس انقلاب اخروی پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر کے میدان حشر میں قائم کر دے۔ اس پر بھی جو نہ مانے وہ دنیا میں ذلیل اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائیگا۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ جو فرماتا ہے یا ایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث۔ سو مرزا صاحب کا شبہ اس میں داخل ہے کہ نہیں۔ انہوں نے تحریر سابق میں اپنا اعتقاد بیان کر دیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک حالت مستمرہ رہیگی اور کوئی زندہ ہو کر زمین پر نہ آئیگا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ جن شبہات کے رفع کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ان میں مرزا صاحب کا شبہ اور اعتقاد بھی داخل ہے۔ اب مرزا صاحب کو خدا کا شکر یہ بجالانا چاہیے کہ کس طرح مثالیں دے دے کر حق تعالیٰ نے موت کے بعد زندہ کرنے کا حال بیان فرمایا۔ اگر یہودیت کا خیال مانع ہے تو اس

کی طرف کچھ توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ شیطان ایسے ہی قیاس کر کے آدم علیہ السلام کے جہد و سے رکا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے ارشاد کے بعد مسلمانوں کو چون و چرا کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب اہل انصاف خود ہی غور کر لیں کہ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بحضور رب العالمین حاضر ہونا ان کو بہشت سے نہیں نکالتا معاد جسمانی کا انکار ہے یا نہیں؟ اور یہ عقیدہ قرآن و حدیث کے مخالف ہے یا نہیں؟ اور اس مخالفت سے آدمی کا ایمان باقی رہ سکتا ہے یا نہیں۔ خدائے تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ تو صاف فرما رہے ہیں کہ حشر زمین پر ہوگا اور اس کی تصریح کے ساتھ ارشاد ہے کہ اس دن زمین جھاڑ پہاڑ وغیرہ سے خالی کر دی جائیگی اور دریا میں خشک ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔ مگر مرزا صاحب ایک نہیں مانتے۔ قرآن و حدیث سے مردوں کا قبروں سے نکل کے اپنے رب کی طرف جانا ثابت ہے قولہ تعالیٰ ونفخ فی الصور فاذا هم من الاجداث الی ربهم ینسلون یعنی صور پھونکے جانے کے ساتھ ہی سب آدمی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑیں گے۔ اور نیز میدان حشر میں کھڑے ہونا اور پسینہ کی وہ حالت اور ان کا ختنہ نہ کئے ہوئے ایسی حالت پر اونا جیسے دنیا میں پیدا ہوئے تھے ثابت ہے جو صاف طور سے معاد جسمانی پر گواہی دے رہا ہے مگر مرزا صاحب اس کی تصدیق نہیں کرتے اور معرکہ حساب و میزان و پل صراط اور انبیائے اولوالعزم کی پریشانی اور بکرات و مرآت نفسی نفسی کہنا دلیل ہیں ہے اس پر کہ اس وقت کوئی جنت میں نہ ہوگا مگر مرزا صاحب اس کو رد کر کے کہتے ہیں کہ بہشت سے کوئی نہ لٹکا گا۔ دیکھ لیجئے ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ مرزا صاحب صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے کہتے ہیں کہ قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور اس سے ایک نقطہ کم نہیں ہو سکتا۔ فی الحقیقت ایک نقطہ تو کم نہیں کیا مگر جزد کے جزو نکال دیئے۔ اب یہاں ایک اور مشکل درپیش ہے کہ

مرزا صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ و رسول نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہوگا لیکن ایسے طور پر کہ خدائے تعالیٰ کے تقدس اور تنزہ میں کوئی منافی نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ لوگ جنت میں بھی ہوں گے اور زمینِ محشر پر بھی۔ محشر کے مصائب اور آفات تو ابھی معلوم ہوئے اب جنت کے بھی تھوڑے احوال سن لیجئے حق تعالیٰ فرماتا ہے جنات تجری من تحتھا الانہار (وقولہ تعالیٰ) فیہا انہار من ماء غیر اسن وانہار من لبن لم یتغیر طعمہ وانہار من خمر لذة للشاربین وانہار من عسل مصفی (وقولہ تعالیٰ) لکم فیہا فاکهة کثیرة منها تاکلون (وقولہ تعالیٰ) وفیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذذ الاعین (وقولہ تعالیٰ) لہم فیہا ازواج مطہرة (وقولہ تعالیٰ) وعندہم قاصرات الطرف (وقولہ تعالیٰ) وحوور عین کامثال اللؤلؤ المکنون (وقولہ تعالیٰ) یحلون فیہا من اساور من ذهب ویلبسون ثیابا خضرا من سندس واستبرق متکنین علی الارانک (وقولہ تعالیٰ) بطاف علیہم بصحاف من ذهب واکواب (وقولہ تعالیٰ) وکاساً دہاقا (وقولہ تعالیٰ) لا یرون فیہا شمساً ولا زمہریرا (وقولہ تعالیٰ) فیہا سرر مرفوعة واکواب موضوعة ونمارق مصفوفة وذرابی مبثوثة۔ اس کے سوا اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جنتیوں کی حالت یہ ہے کہ ان کے مکانوں کے نیچے پانی اور دودھ اور شراب مٹھی شہد کی نہریں بہتی ہوں گی۔ مکانات نہایت پر تکلف جن میں بہت ہی پاکیزہ فرش بچھے ہوئے اور مسندیں لگی ہوں اور ایک طرف اونچے اونچے تخت سجے ہوئے اور بیاباں نہایت پاکیزہ اور شرمیلیں اور حوریں نہایت حسین ذخیرہ لباس اور اقسام کے زیوروں سے آراستہ نزدیک بیٹھی ہوئی اور خود بھی مشکل زینور پہنے ہوئے اور میوہ جات اور طرح طرح کی نعمتیں جن کا شمار نہیں غلمان و خدام

مٹھائیوں پر مشقائیں لے چلے آرہے ہیں اور جھلکتے پیالوں کا پیہم دور پھر جس چیز کی خواہش ہو فوراً موجود اور ان کے سوا وہ نعمتیں جو نہ کسی کانوں نے سنی اور نہ آنکھوں نے دیکھیں ہر وقت مہیا پھر نہ اس میں آفتاب کی گرمی، نہ زمہری کی سردی، نہ کسی امر کی فکر، نہ اس سے نکلنے کا اندیشہ، نہ موت کا کھکا وغیرہ امور جن کو تمام اہل اسلام جانتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب جو فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز بہشت سے کوئی نہ نکلے گا اور قیامت کے کل مصائب پر بھی ایمان ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس روز مصائب قیامت میں بھی سب جنتی مبتلا رہیں گے اور عیش و عشرت میں بھی سرگرم اور مشغول رہیں گے یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی مگر ابن حزم نے مل و نمل میں لکھا ہے کہ انجیل مٹی کے چودھویں باب میں مذکور ہے کہ مسیح نے کہا کہ بچی نہ کھانا کھاتے ہیں، نہ پانی پیتے ہیں اور میں کھانا کھاتا ہوں اور پانی بھی پیتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ بچی (علیہ السلام) مسیح (علیہ السلام) سے افضل ہیں نصاریٰ اس کا جواب دیتے ہیں کہ مسیح کا ناسوت کھانا پیتا تھا اور لاہوت نہ کھاتا تھا، نہ پیتا تھا اسی ملھا۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب نے یہ مسئلہ وہیں سے نکالا ہوگا کیونکہ مرزا صاحب کو یہود و نصاریٰ کے عقائد میں ممارست کی وجہ سے ید طولیٰ ہے اس بناء پر قائل ہوں گے کہ اہل محشر کا لاہوت جنت میں اور ناسوت مصائب میں رہیگا مگر ہمارے دین میں اس کی نظیر نہیں ملتی اس وجہ سے اہل اسلام اس قسم کے لاہوت و ناسوت کے قائل نہیں ہو سکتے۔ مرزا صاحب ہم پر یہود کے ہم خیال ہونے کا الزام لگاتے ہیں اور خود نصاریٰ کے ساتھ ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر بہشتی لوگ بہشت میں داخل شدہ تجویز کے جائیں تو طلبی کے وقت انہیں بہشت سے نکلنا پڑے گا اور اس لبق و دق جنگل میں جہاں تخت رب العالمین بچھایا گیا ہے حاضر ہونا پڑے گا ایسا خیال تو سراسر جسمانی اور یہودیت کی سرشت سے نکلا ہوا ہے اور حق یہی ہے کہ ہم عدالت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور تخت

رب العالمین کے قائل ہیں لیکن جسمانی طور پر اس کا خاکہ نہیں کھینچتے تھے۔

خود ہی غور فرمائیں کہ یہ تو ہم نے نہیں کہا کہ حق و باطل میں تخت رب العالمین بچھے گا جس کا الزام ہم پر لگایا جاتا ہے البتہ ہم اس آیت شریفہ پر ایمان ضرور رکھتے ہیں۔
و یحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیۃ اور اس قسم کے جتنے امور ہمارے خدا رسول نے فرمادیے ہیں گویہود کے بھی وہ اعتقاد ہوں ان سب کو ہم مانتے ہیں کیونکہ ہمارا قرآن تورات و انجیل کا مصدق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولما جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم الاۃ اور ہمارے پیارے نبی ﷺ نے یہود کے بعض اقوال کی تصدیق بھی کی ہے چنانچہ اس حدیث شریفہ سے ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے
عن عبد اللہ قال جاء حبر من الاحبار النی رسول اللہ ﷺ فقال یا محمد انا نجد ان اللہ یجعل السنون علی اصبع والارضین علی اصبع والشجر علی اصبع والماء علی اصبع والثری علی اصبع وسائر الخلائق علی اصبع فیقول انا الملک فضحک النبی ﷺ حتی بدت نواجذہ تصدیقا لقول الحبر ثم قرا رسول اللہ ﷺ وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ۔ یعنی ایک عالم یہود کا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہماری کتاب میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمام آسمانوں کا ایک اصبع پر اور زمینوں وغیرہ کو ایک ایک اصبع پر رکھ کر فرمایا کہ میں ہی بادشاہ ہوں یہ سن کر آنحضرت ﷺ نے جس سے تصدیق اس عالم کی ہوتی تھی پھر حضرت نے یہ آیت پڑھی وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعاً قبضتہ یوم القیمۃ۔

الحاصل ہمارے قرآن اور نبی ﷺ نے یہود کی جن جن باتوں کی تصدیق کی ان کی تصدیق کرنے میں ہمیں کوئی عار نہیں البتہ اس قسم کے ناسوت و لاہوت کا اعتقاد قابل

دار ہے۔

مرزا صاحب یہ جو فرماتے ہیں کہ ہم تخت رب العالمین کا خاکہ جسمانی طور پر نہیں کھینچتے اس کا مطلب یہاں معلوم نہیں ہوتا کہ عرش الہی کے جسمانی نہ ہونے سے معاد جسمانی کیونکر باطل کیا جاتا ہے اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حشر جسمانی ہو تو تنزیہ الہی میں فرق پڑ جائیگا تو اس اعتبار سے اس عالم جسمانی میں بھی تنزیہ باقی نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ آفراب بھی استوی علی العرش ثبت ہے جیسے قیامت میں ہوگا چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے الرحمن علی العرش استوی اب استوی کے معنی جو کچھ ہوں جیسے اس عالم میں ہے ویسے ہی اس عالم میں بھی ہوگا پھر جب اس عالم میں زمین پر حشر جسمانی ہونے سے حشر میں فرق آتا ہے تو اس عالم میں بھی عالم جسمانی زمین پر ہونے سے فرق آنا چاہیے اور جب اس عالم میں تنزیہ میں فرق نہیں آتا تو وہاں معاد جسمانی سے فرق آنے کی کیا وجہ؟

مرزا صاحب تنزیہ کو پیش کر کے حشر و نشر کا جواب انکار کرتے ہیں کس قدر بد نما اور خلاف تدبیر ہے اب تک تو آیات قرآنیہ کو بیان کر کے ان میں الٹ پلٹ ہی کیا کرتے تھے اس مسئلہ میں جو دیکھا کہ اگر احادیث کی تکذیب بھی کر دیں تو آیات قرآنیہ اتنی ہیں کہ ان سے سربر ہونا مشکل ہے اس لئے یہاں وہ طریقہ بھی چھوڑ دیا اور خود مختاری سے ایک نیا عقیدہ گھڑ دیا جس کا کوئی اسلامی فرقہ قائل نہیں۔ گویا وہ کل آیات (نعوذ باللہ) منسوخ کر دی گئیں۔ تمام اہل اسلام جانتے ہیں کہ کوئی بھی کلام الہی کو منسوخ کرنے کا مجاز نہیں جب تک خود خدا کے تعالیٰ کسی آیت کو منسوخ نہ کرے پھر مرزا صاحب اسکے کیونکر مجاز ہو سکتے ہیں۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ روز افزوں ترقی میں نبوت مستقلہ سے بھی ترقی کا دعویٰ ہو گیا ہے۔ اگر تعین کو مرزا صاحب کی تقریر سے معاد جسمانی کا انکار ہے تو ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک وہ نبی مستقل بلکہ نبی سے بھی ایک درجہ بڑھ کر ہیں اور ان کی کتاب ازلیۃ الا وہام

ناخ قرآن شریف قرار پا چکی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) خدا کرے کہ ایسا نہ ہو اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کی کلمہ گوار پورے قرآن کے معتقد ہیں۔

مشرکین و فلاسفہ جو قیامت کا انکار کرتے ہیں بڑی وجہ اس کی یہ مشاہدہ تھا کہ جب کوئی چیز فنا ہو جاتی ہے تو پھر وجود میں نہیں آتی اسی وجہ سے وہ کہتے تھے من بعدنا یعنی ہمیں دوبارہ کون پیدا کرے گا اور فلاسفہ نے قاعدہ بنا رکھا ہے کہ اعادۂ معدوم محال ہے حق تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے کما خلقناکم اول خلق نعیده وعدا علینا انا کما فاعلین یعنی ہم نے جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے ویسے ہی دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔ کیونکہ اعادہ بہ نسبت ابتدائے تخلیق کے بہت آسان ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کما قال من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرة وهو بکل خلق علیم۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا تم کہو کہ جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی ان کو زندہ کرے گا ہر چیز کو پیدا کرنے کا حال وہ خوب جانتا ہے۔ الحاصل جب آدمی کو خدائے تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہو تو اس کو قیامت کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تاہل نہ ہوگا۔

قیامت کے باب میں کم فہم اور جاہلوں کو یہ شبہات ہوتے ہیں کہ آیات و احادیث میں جو قیامت کے احوال مذکور ہیں باہم متعارض ہیں مثلاً کسی آیت میں یہ ہے کہ سب فرشتے اس روز آسمانوں پر چلے جائیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ سب زمین پر اتر آئیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب بے نور ہو کر گر جائیں گے اور کسی میں یہ ہے کہ زمین سے ایک میل کے فاصلہ پر آفتاب آجیگا اور کسی میں یہ ہے کہ دوزخ میں دونوں ڈالے جائیں گے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم غرض کہ آیات و احادیث کو دیکھنے سے اس قسم کے بہت شبہات پیدا ہوتے

اس سوال کو یوں دفع کرنا چاہیے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا جس میں مختلف اوقات میں مختلف کام ہوں گے۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایک صدی میں کیسے کیسے انقلابات پیدا ہو جاتے ہیں آدمی جب اپنے بزرگوں کے زبانی ان کے اوائل حالات سنتا ہے اور اپنے زمانے کے حالات کو دیکھتا ہے تو ایک انقلاب عظیم پاتا ہے جس سے متحیر ہو جاتا ہے۔ جب ایک صدی میں یہ کیفیت ہو تو قیامت کے پچاس ہزار برس میں کس قدر انقلابات ہونا چاہیے اسی وجہ سے ایک وقت وہ ہوگا کہ تمام فرشتے زمین کے آسمانوں پر چلے جائیں گے اس کے بعد جب آسمانوں کا کارخانہ درہم و برہم ہو جائیگا اور زمین پر شان و شوکت کے اظہار کی ضرورت ہوگی تو تمام فرشتوں کی صفوف زمین پر آراستہ کئے جائیں گے اور آفتاب کا نور زائل کر کے صرف اس کی گرمی کسی خاص مصلحت کے لحاظ سے باقی رکھی جائیگی پھر کسی وقت دوزخ میں بھی ڈال دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے رو برو بھی چند شبہات اس قسم کے پیش کئے گئے تھے۔ ان کا جواب جو انہوں نے دیا ہے اس سے ہمارے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ بخاری شریف میں ہے عن سعید بن جبیر قال قال رجل لابن عباس رضی اللہ عنہما انی اجد فی القرآن اشیاء تختلف علی قال فلا انساب بینہم یومئذ ولا يتساءلون و اقبل بعضهم علی بعض يتساءلون ولا یکتُمون اللہ حدیثا ربنا ما کنا مشرکین فقد کتموا فی هذه الایة. وقال والسماء بناها الی قوله وجاها فذکر خلق السماء قبل خلق الارض ثم قال انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین الی طائعتین فذکر فی هذه خلق الارض قبل السماء وقال وكان اللہ غفوراً رحیمًا عزیزاً حکیمًا سمیعاً بصیراً فکانہ کان ثم مضی فقال فلا انساب بینہم فی النسخة الاولى ثم ینفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ فلا انساب عند

ذلک ولا یتساءلون ثم فی النّفحة الآخرۃ اقبل بعضهم علی بعض یتساءلون واما قوله ما کنا مشرکین ولا یکتُمون اللّٰه فان اللّٰه یغفر لاهل الاخلاص ذنوبهم وقال المشرکون تعالوا نقول لم نکن مشرکین فاعلم علی افواههم فتطق ایدیہم فعند ذلک عرف ان اللّٰه لم یکنتم حدیثا وعنده یود الذین کفروا الایہ وخلق الارض فی یومین ثم خلق السماء لم استوی الی السماء فسوھن فی یومین اخرین ثم دحا الارض ودحبھا ان اخرج منها الماء والمرعی وخلق الجبال والاکام وما بینھما فی یومین اخرین فذلک قوله دحاھا وقوله خلق الارض فی یومین فجعلت الارض وما فیھا من شئی فی اربعۃ ایام وخلقت السماء فی یومین وکان اللّٰه غفورًا رحیمًا سمی نفسه ذلک وذلک قوله ای لم یزل کذلک فان اللّٰه لم یرو شئی الا اصاب بالذی اراد فلا یختلف علیک القرآن فان کلا من عند اللّٰه یعنی ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن شریف میں مجھے کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز لوگوں میں نہ کسی تعلق ہوگا نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ پھر دوسری آیت میں ہے ایک دوسرے کے پاس جائیں گے اور پوچھیں گے۔ دوسری آیت میں یہ ہے کہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپائیں گے اور دوسری آیت میں ہے مشرک کہیں گے کہ یا اللہ ہم مشرک نہ تھے اس سے چھپانا ثابت ہے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا ہوئی اور دوسری آیت میں ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا ہوئے اور کان اللہ غفوراً رحیماً وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غفور رحیم گزشتہ زمانے میں تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تخریصی کے وقت کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر تخریصی کے بعد ایک دوسرے کو پوچھنے لگیں گے اور جب خدائے تعالیٰ اہل اخلاص کے گنہ

عالم فرمادے گا تو مشرکین آپس میں کہیں گے کہ آؤ ہم بھی کہیں ہم مشرک نہ تھے اس وقت ان کے منہوں پر مہر کر دی جائیگی اور ہاتھ ان کے سب واقعات کہہ سائیں گے کہ ہم نے یہ کام کیا تھا اس وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ خدائے تعالیٰ سے کوئی کچھ چھپا نہیں سکتا اس وقت کھار آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی ایمان لائے ہوتے اور حق تعالیٰ نے دودن میں زمین کو پیدا کیا اور پھر دودن میں آسمان بنائے اور اس کے بعد دودن میں زمین سے پانی نکالا اور پھر آگ اور پہاڑ اور ٹیلے وغیرہ بنائے اس حساب سے زمین اور اس کے متعلقات چار دن میں آسمانوں سے پہلے اور بعد بنائے گئے اور آسمان دودن میں۔ اور کان اللہ غفوراً رحیماً وغیرہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ گزشتہ میں یہ نام اپنے رکھے اور اس کے بعد ہمیشہ ان صفات کے ساتھ متصف رہا جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے اور مغفرت وغیرہ کرتا ہے یہ بیان کر کے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ قرآن میں اختلاف ہے سارا قرآن اللہ تعالیٰ کے پاس سے اترا ہے ممکن نہیں کہ اس میں اختلاف ہو اسی۔

الحاصل جس طریقہ کی تعلیم ترجمان القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی اس سے ظاہر ہے کہ ظاہری طور پر تعارض اگر معلوم ہو تو ایسے طور پر اٹھایا جائے کہ کسی آیت کی تکذیب نہ ہو۔ اور ہر آیت کے معنی پورے طور پر باقی رہیں، نہ یہ کہ کسی غرض سے تعارض پیدا کر کے کلام الہی کو بدنام کریں پھر اس کو اٹھانے کے واسطے ایسی بدناماویلیں کریں جن سے خواہ مخواہ دوسری آیتوں کی تکذیب ہو جائے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے وَاخْرَجَ نَصْرَ الْمُقَدَّسِ فِي الْحُجَّةِ عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمِنْ وَرَاءِ حَجْرَةٍ قَوْمٌ يَتَجَادَلُونَ فِي الْقُرْآنِ فَخَرَجَ مُحَمَّرَةً وَجَنَّتَاهُ كَأَنَّمَا تَقْطُرَانِ وَمَا فَقَالَ يَا قَوْمُ لَا تَجَادَلُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنَّمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ

بعدالہم ان القرآن لم ينزل ليكذب بعضه بعضا ولكن لنزل ليصدق بعضه بعضا فما كان من محكمه فاعملوا او ما كان من متشابهه فامتنوا به۔ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک بار آپ ﷺ کے پیچھے چند لوگ قرآن پاک کی آیت میں جھگڑ رہے تھے کہ حضرت برآمد ہوئے غصہ سے چہرہ مبارک اس قدر سرخ تھا کہ گویا خون منہ سے نکلتے ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے پیشتر کی اقوام اسی وجہ سے گمراہ ہوئے کہ کتاب الہی میں جھگڑنے لگے قرآن اس واسطے نہیں نازل ہوا کہ ایک آیت سے دوسری آیت کی تکذیب ہو بلکہ اس واسطے نازل ہوا کہ ایک آیت دوسری آیت کی تصدیق کرے سو جو محکم ہے اس پر عمل کرو اور جو متشابہ ہے اس کا صرف یقین کر لو۔

مرزا صاحب یقین کو نزدیک نہیں آنے دیتے بلکہ جن آیتوں کا یقین تھا ان میں نئے نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ضرور ہے کہ ہمیشہ ان شبہات سے پناہ مانگتے رہیں حق تعالیٰ نے ایسے ہی مواقع کے لئے مسلمانوں کو پہلے ہی تعلیم کر دی چنانچہ ارشاد ہے الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس۔ اللہم انا نعوذ بک من هذه الوسوس والشبهات۔ اور بخاری شریف میں ہے۔ باب منه ايات محكمات وقال مجاهد الحلال والحرام واخر متشابهات یصدق بعضه بعضا (کقولہ تعالیٰ) وما یضل به الا الفاسقین (وکقولہ جل ذکرہ) یجعل الرجس علی الذین لا یعقلون (وکقولہ) والذین اھتدوا زادھم ھدی۔ یعنی آیات محکمات سے مراد حلال و حرام ہے و آخر متشابہات یعنی دوسری آیتیں متشابہ ہیں کہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوائے حلال و حرام کے کل آیت متشابہ ہیں جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بروایت صحیح نقل کیا ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہما وان اللہ

لم ينزل شيئا الا وقد اصاب بالذی اراد ولكن اكثر الناس لا یعلمون یعنی حق تعالیٰ نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے اس کی مراد نہایت صحیح اور واقعی ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ غرضیکہ آیات و احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ آیات کلام اللہ ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور اگر کسی کے سمجھ میں نہ آئے اور تعارض ظاہر معلوم ہو تو وہ اپنے فہم کا تصور ہے کلام الہی اس سے بری ہے مگر مرزا صاحب کو عیسویت کے دھن میں کچھ نہیں سوچتا اور خواہ مخواہ آیات میں تعارض پیدا کر کے معاد جسمانی کی آیتوں پر جن سے قرآن بھرا ہوا ہے حملہ کر رہے ہیں اور صاف طور سے اس کا انکار ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ مسیح کا زمین پر اترنا ہر طرح سے باطل کر دیں مگر ظاہر اچند آیتیں پیش کرتے ہیں کہ وہ متعارض ہیں چنانچہ ازالۃ الادھام میں لکھتے ہیں مسیح ابن مریم جس کی روح اٹھائی گئی بر طبق آیات کریمہ یا ابتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ بہشت میں داخل ہو چکے پھر کیوں کر اس غم کدہ میں آجائیں اور جو شخص بہشت میں داخل کیا جاتا ہے پھر وہ اس سے کبھی خارج نہیں کیا جاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لا یمسھم فیھا نصب وما هم منها بمخرجین واما الذین سعدوا ففی الجنة خالدین فیھا مادامت السموات والارض الا ما شاء اللہ عطاء غیر مجدوذ۔ ایسا ہی قرآن شریف کے دوسرے مقامات میں بھی بہشتیوں کے ہمیشہ بہشت میں رہنے کا جا بجا ذکر ہے اور سارا قرآن شریف اس سے بھرا پڑا ہے جیسا کہ فرماتا ہے ولھم فیھا ازواج مطہرة وھم فیھا خالدون۔ اولئک اصحاب الجنة ھم فیھا خالدون وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ مومن کو فوت ہونے کے بعد بلا توقف بہشت میں جگہ ملتی ہے جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہو رہا ہے فیل ادخل الجنة قال بالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی وجعنتی من المکرمین۔ اور دوسری آیت

یہ ہے فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ اور تیسری آیت یہ ہے ولا تحسن
الدين قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربهم یرزقون فرحين بما
انعم اللہ من فضله اور احادیث میں تو اس قدر کامیاب ہے کہ جس کا باستیفا ذکر کرنا
موجب تطویل ہوگا بلکہ خود آنحضرت ﷺ اپنا چشم دید ماجرا بیان فرماتے ہیں کہ مجھے دوزخ
دکھلایا گیا تو میں نے اس میں اکثر عورتیں دیکھی اور بہشت دکھلایا تو اکثر ان میں فقراء تھے
یعنی۔

مطلب اس کا یہ ہوا کہ ان تین آیتوں سے ثابت ہے کہ مرتے ہی آدمی جنت
میں داخل ہو جاتا ہے اور بہت سی آیتوں سے ثابت ہے کہ جو جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر
اس سے نہیں نکلتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ قیامت زمین پر نہ ہوگی اور حقیقی آیتیں معاد جسمانی
زمین پر ہونے کی ہیں جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور صد ہا حدیثیں جن سے ہزار ہا
کتا میں بھری ہیں کوئی اعتبار اور اعتقاد کے قابل نہیں۔

اب ہر عقل سمجھ سکتا ہے کہ صد ہا آیتوں کے مقابل دو تین آیتیں مخالف معلوم
ہوں تو دو مخالف تصور فہم کی وجہ سے سمجھی جائے گی یا واقعی؟ جس سے ان تمام آیات کثرو کی
تکذیب کی ضرورت ہو۔ کیا مرزا صاحب کا صد ہا آیتوں پر اس غرض سے حملہ کرنا کہ بے کھکا
عینی موعود خود بن جائیں عقلاء کو یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ صرف دنیاوی غرض سے دو
قرآن کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے کسی دعویٰ میں ہرگز صادق نہیں ہو سکتے اور نہ
کسی دینی خدمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اب ان تین آیتوں کے استدلال کا حال بھی دیکھ
لیجئے یا ابتھا النفس المطمئنة سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ارواح مرتے ہی بلا توقف
بہشت میں داخل ہو جاتی ہیں۔

مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا نہ اس میں موت کا ذکر ہے نہ مرتے ہی

بہشت میں داخل ہونے کی تصریح بلکہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب قیامت کے دن ہوگا جو
سابق آیت سے خود ظاہر ہے کیونکہ پوری آیت شریفہ یہ ہے فیومئذ لا یعذب عذابه
احدہ ولا یوثق وثاقہ احدہ یا ابتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک
راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اور اس سے قیامت کا ذکر
ظاہر ہے۔ کما قال تعالیٰ اذا دکت الارض دکا دکا الیہ اس سے ظاہر ہے کہ
فیومئذ سے مراد قیامت ہی ہے اور اسی روز ارواح کو یہ خطاب ادخلی فی جنتی ہوگا۔
چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیز یہ میں لکھتے ہیں۔ دوران روز پر ہول
یعنی روز قیامت کے اول وہلہ ہر ہمہ را از نیکاں و ہدایا اضطراب و فزع لاحق گردد مطیعان
و نیکان را تسلی بخشند و نادر رسد کہ یا ابتھا النفس المطمئنة اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ در
منثور میں لکھتے ہیں عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله ارجعی الی ربک قال ترد
الارواح یوم القیمة فی الاجساد یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ارواح کہ جو
ارجعی الی ربک کا خطاب ہوگا وہ قیامت کے روز ہوگا کہ اپنے اجساد میں داخل ہو کر
محشر میں حاضر ہو جائیں۔

اور اسی میں یہ روایت بھی ہے عن سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ثم یطیر الارواح
فتؤمن ان تدخل الاجساد فهو قوله ارجعی الی ربک راضیة مرضیة یعنی
سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی مطلب اس آیت شریفہ کا کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اجساد میں
ارواح کو داخل ہونے کا حکم ہوگا چنانچہ وہ اثر اذکر اجساد میں داخل ہو جائیں گے اور یہ روایت
بھی اس میں ہے وعن ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ فی قوله ارجعی الی ربک قال هذا
عند الموت رجوعها الی ربها خروجها من الدنيا فاذا کان یوم القیمة قبل
لها ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنی ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ارجعی

الہی ربک کا خطاب روح کو موت کے وقت ہوتا ہے اس کا دنیا سے لگنا رب کی طرف رجوع ہونا ہے اور جب قیامت کا روز ہوگا تو ادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی کہا جائیگا۔ اور اسی درمنثور میں ہے عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ یا ایہا النفس المطمئنة الاہ قال بشرت بالجنة عند الموت وعند البعث ويوم الجمع۔ یعنی زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ یا ایہا النفس المطمئنة کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خوشخبری روح کو موت کے وقت اور قیامت کے روز دی جائے گی کہ جب دخول جنت کا وقت آجائیگا اس وقت داخل ہو جائے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے واما الذين سعدوا ففی الجنة یعنی جتنے سعید لوگ ہیں جنت میں ہیں اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہر سعید ازل نزول آیت کے وقت جنت میں چلا گیا تھا۔ جس سے حقیقی طور پر ظریت صادق آئے بلکہ دوسعداء کو بشارت ہے کہ جب جنت میں داخل ہونے کا وقت آجائیگا اس وقت داخل ہو جائیں گے۔ اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ادخلی فی جسد عبدی ہے یعنی قیامت کے روز نفس مطمئنة کو حکم ہوگا کہ میرے بندہ کے جسد میں داخل ہو جا۔ اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فادخلی فی عبادی پڑھتے تھے جس کا مطلب وہی ہے کہ جسد میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ آپ نے دیکھ لیا کہ قرآن شریف کی پوری آیت جو ابھی لکھی گئی اس کے سیاق سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ادخلی جنتی کا خطاب ہوگا مگر مرزا صاحب پوری آیت نہیں پڑھتے اور صرف ادخلی جنتی سے استدلال کرتے ہیں اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ نماز کے پاس جانے کا حکم نہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کر دی کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوة کسی نے کہا وانتم سکارى بھی تو اسی کے ساتھ مذکور ہے جس سے مطلب ظاہر ہے کہ نشر کی حالت میں نماز مت پڑھو اس نے جواب دیا کہ یوں

تو سارا قرآن پڑا ہوا ہے مگر آخر لا تقربوا الصلوة بھی تو کلام الہی ہے۔ اہل ایمان غور کریں کیا اس قسم کا استدلال کرنے والا مسلمان سمجھا جائیگا یا یہ سمجھا جائیگا کہ قرآن پر اس کو ایمان ہی نہیں کیونکہ صراحتہً جو قید مذکور ہے اس کو اپنی بات بنانے کے لئے اس نے حذف کر دیا۔

اب مرزا صاحب کو بھی دیکھ لیجئے کہ یہی کام کر رہے ہیں یا نہیں؟ حق تعالیٰ پوری آیت میں قیامت کا ذکر فرماتا ہے اور مرزا صاحب اپنی بات بنانے کے لئے اس کو حذف کر کے ایک حصہ سے استدلال کرتے ہیں اور موت کے ساتھ اس کو خاص کرتے ہیں اب کیونکر کہا جائے کہ مرزا صاحب کو قرآن پر ایمان ہے۔

رسالہ ”الحق الصریح“ میں مرزا صاحب کی تحریر جو درج ہے اس سے ظاہر ہے کہ وان من اهل الكتاب الا لیؤمنن به قبل موته میں ایک قراءت شاذہ قبل موتهم بھی ہے جو ان کے مفید مدعا ہے اس قراءت شاذہ پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ فرض کرو کہ وہ قراءت بقول مولوی صاحب ایک ضعیف حدیث ہے مگر آخر حدیث تو ہے یہ تو ثابت نہیں ہوا کہ وہ کسی مفتری کا افتراء ہے بلکہ وہ احتمال صحت رکھتی ہے ہی۔

مقصود کہ قراءت شاذہ بلکہ حدیث ضعیف بھی اعتماد کے قابل ہے۔ اس بناء پر ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ دو قراءتیں ایسے جلیل القدر صحابیوں کی ایک ابن عباس رضی اللہ عنہما جو ترجمان القرآن ہیں اور دوسرے ابن مسعود رضی اللہ عنہ جن کی فضیلت صحابہ کے نزدیک مسلم ہے۔ گواہ عادل اس بات پر ہیں کہ ادخلی جنتی کا حکم قیامت کے روز ارواح کو اس واسطے ہوگا کہ وہ اپنے اپنے اجساد میں داخل ہو جائیں موت کے وقت اس حکم سے کوئی تعلق نہیں اور قراءت متواترہ کی تفسیر جو ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے کی ہے وہ بھی اسی کے مطابق ہے اور سیاق آیت سے بھی ظاہر ہے کہ قیامت کے روز ارواح کو یہ حکم ہوگا اور جنتی

آیتیں معاد جسمانی کے باب میں وارد ہیں سب کا مفاد یہ ہے کہ حشر زمین پر ہوگا اور کل اولین و آخرین انبیاء وغیرہم کا میدان حشر میں موجود رہنا مصرح ہے (کما قال تعالیٰ) ان الاولین والآخرین لمجموعون الی میقات یوم معلوم (وقوله تعالیٰ) ویوم نبعث فی کل امة شهیدا علیہم من انفسہم وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا۔ جن سے ظاہر ہے کہ اس روز کوئی بہشت میں نہ رہے گا اتنے دلائل کے بعد یہ کہنا کہ بہشتیوں کے بہشت سے نکلنے پر کوئی حدیث نہیں مرزا صاحب ہی کا کام ہے اگر مرزا صاحب کو اتنے دلائل ملتے تو معلوم نہیں کیا حشر برپا کرتے۔ حق تعالیٰ صاف فرماتا ہے یخرجون من الاجداث کانہم جوارث منتشرون یعنی سب مردے قبروں سے ایسے نکلیں گے جیسے مڑے ہیں پراگندہ اور قیامت کے روز کا نام بھی حق تعالیٰ نے یوم الخروج رکھا ہے کما قال تعالیٰ یوم یسمعون الصیحة بالحق ذلک یوم الخروج انا نحن نحی ونمیت اور معاد جسمانی پر صد ہا حدیثیں موجود ہیں جن کا تھوڑا سا حال اوپر معلوم ہوا باوجود اس کے مرزا صاحب کہتے ہیں کہ ایک حدیث بھی نہیں اور اس پر مرزا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ جھوٹ شرک کے برابر ہے اس سے عقلاء سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قول انکا دھوکا دینے کی غرض سے ہے یا نہیں۔

ازالۃ الاہام میں عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس صرف نصوص قرآن کریم ہی ہوتیں تو فقط وہی کافی تھیں۔ اب جس حالت میں بعض حدیثیں بھی ان نصوص کے مطابق ہوں تو پھر گویا وہ یقین نور علی نور ہے جس سے عدا انحراف ایک قسم کی بے ایمانی میں داخل ہے ہی۔

یہ بات تو ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہو جائے گی کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اجماع امت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں ہمارے مفید ہیں یا مرزا

صاحب کے۔ مگر یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ معاد جسمانی کے باب میں مرزا صاحب صد ہا آیات و احادیث سے جو عدا انحراف کر رہے ہیں انہیں کے اقرار کے مطابق وہ بے ایمانی کر رہے ہیں یا نہیں؟ دراصل وہ دھوکا دینا چاہتے ہیں کہ ادخلی جنتی سے جب مرتے ہی جنت میں داخل ہونا ثابت ہو جائے تو پھر عدم خروج کے دلائل بہت ہیں۔ مگر یاد رہے کہ جب تک وہ قطعی طور پر یہ ثابت نہ کریں کہ مرتے ہی آدمی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس کے بعد جب تک ان تمام نصوص قطعیہ کا جواب نہ دیں جن سے معاد جسمانی اور حشر کا زمین پر ہونا ثابت ہے عدم خروج کی آیتیں ان کو مفید نہیں ہو سکتیں۔ اصل مغالطہ کا منشا یہ ہے کہ مرنے کے بعد بعض روحانی طور پر جنت میں داخل ہو جاتے ہیں اسی کو انہوں نے دخول حقیقی قرار دیا ہے۔ جس کے بعد خروج ممکن نہیں حالانکہ وہ دخول حشر اجساد و احیائے عظام کے بعد ہوگا جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور دخول روحانی وہ مانع خروج نہیں چنانچہ آنحضرت ﷺ نے بار بار روحانی طور پر جنت کی سیر کی ہے جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔ اگر مرزا صاحب یہ فرق کر دیتے کہ شہداء وغیرہم کے ارواح جنت میں داخل اور نئے سرے سے زندہ ہو کر قبروں سے نکلیں گے۔ اس کے بعد جب داخل جنت ہوں گے تو پھر کبھی نہ نکلیں گے تو کوئی جھگڑا بھی نہ تھا۔ تمام آیات و احادیث حشر جسمانی کے مسلم رہتے اور پورے قرآن پر ایمان بھی ہو جاتا مگر عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر آنے کے خوف سے انہوں نے اس کو گواہ نہ کیا اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ صد ہا آیات و احادیث کا انکار لازم آ جاتا ہے اور استدلال میں بھی چال نکالی کہ ایک احتمالی پہلو نصوص قطعیہ کے مخالف ہے پیش کر کے نہایت ڈھٹائی سے کہہ دیا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ بہشتی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر نہیں نکلتا۔

مرزا صاحب ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں یا دیکھنا چاہیے کہ روحانی علوم اور

روحانی معارف صرف بذریعۃ الہامات و مکاشفات ہی ملتے ہیں اور جب تک ہم وہ درجہ روشنی کا نہ پالیں تب تک ہماری انسانیت کسی حقیقی معرفت یا حقیقی کمال سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتی صرف کوئے کی طرح یا بھیدی کے مانند ایک نجاست کو ہم حلواسمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومڑی کی طرح داؤ پیچ بہت یاد ہوں گے اہی۔

اب اہل انصاف خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ جس فراست سے قرآن کی صد ہا آیتوں اور حدیثوں کا ابطال ہو اس کا نام ایمانی فراست ہو گا یا بحسب اقرار مرزا صاحب بے ایمانی؟ اور داؤ پیچ کا بھی حال معلوم ہو گیا کہ ایک آیت کا احتمالی پہلو پیش کر کے صد ہا نصوص قطعیہ کو رد کر دیا اور پھر فرماتے ہیں کہ حق یہی ہے کہ عدالت کے دن پر ہم ایمان تو لاتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اللہ و رسول ﷺ نے فرمایا ہے وہ سب کچھ ہو گا۔ لیکن سبحان اللہ کیا ایمان و یقین ہے یہ ایمان کا طریقہ تو مرزا صاحب نے ایسا نکالا کہ آدمی تمام دنیا کے مذاہب و ادیان کی تصدیق کر سکتا ہے مثلاً نصاریٰ سے کہہ دے کہ ہم تثلیث کو مانتے تو ہیں لیکن اور اس لیکن کے تحت میں منافیات تثلیث کو داخل کر دے۔ جتنے مشرکین تھے خدائے تعالیٰ کی خالقیت والوہیت کو یقینی طور پر مانتے تھے کما قال تعالیٰ ولن مسالنتہم من خلق السموات والارض ليقولن اللہ مگر اس کے ساتھ ما بعدہم الا ليقربون لى اللہ زلفی کا ”لیکن“ لگا رہتا ہے۔ اور منافق تو اس لیکن کو ظاہر بھی نہیں کرتے تھے۔ اب اس کی کیفیت ان کے دل میں رہتی تھی باوجود اس کے ان کا امانا کہنا بے کار کر دیا گیا اور آخر ان المناطفین فی الدروک الاسفل من النار کے مستحق ٹھہرے۔ اب اس لیکن کے مطلب پر بھی غور کر لیجئے جب یہ تصریح مرزا صاحب نے کر دی کہ بخشی مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے نہیں نکلتے۔ اسکے بعد اگر پوچھا جائے کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ سب روحیں اجساد میں داخل ہو کر قیامت کے روز

قبروں سے زمین پر نکلیں گے تو یہی جواب ہو گا کہ اس پر ایمان تو ہے لیکن بہشت سے نہیں نکلیں گے اور اگر کہا جائے کہ قرآن سے ثابت ہے کہ اولین و آخرین اس روز سب زمین پر ہوں گے تو یہی جواب ہو گا کہ اس کا یقین تو ہے لیکن بہشت سے کوئی نہ نکلے گا اور اگر کہا جائے کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ حشر میں ہر شخص پریشان رہے گا اور انبیاء تک نفسی نفسی کہیں گے تو جواب یہی ہو گا کہ یہ صحیح ہے لیکن جنت کے عیش و عشرت سے کوئی نہیں نکلا جائے گا۔ غرض کہ جتنی آیات واحادیث اس باب میں وارد ہیں سب کی فورا تصدیق کی جائے گی مگر لفظ لیکن اس کے ساتھ لگا رہے گا۔ اس کے مناسب حکایت ہے کسی مولوی صاحب نے ایک صاحب سے پوچھا جن کو سیادت کا دعویٰ تھا کہ آپ کون سے سید ہیں حسنی یا حسینی انہوں نے کہا کہ میں سید ابراہیم ہوں یعنی آنحضرت ﷺ کے خاص فرزند ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوں۔ مولوی صاحب نے احادیث اور انساب اور تواتر و توفیق کی کتابیں پیش کیں کہ حضرت ابراہیم کا انتقال حالت طفولیت میں ہو گیا ہے سید صاحب نے یہ سن کر فرمایا وہ سب صحیح ہے لیکن بندہ تو سید ابراہیم ہی ہے۔ اب ہر شخص غور کر سکتا ہے کہ باوجود اس لیکن کے یہ کہنا کہ خدا رسول نے قیامت کے باب میں جو کچھ فرمایا وہ سب کچھ ہو گا اور اس پر ہمارا یقین اور ایمان ہے کیا دھوکے کی ٹٹی نہیں ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا داؤ پیچ ہو سکتے ہیں۔ جن کو تھوڑی سی بھی فراست ہو اس کو بخوبی معلوم کر سکتے ہیں۔

ان مقامات میں جو جو آیات واحادیث وارد ہیں مرزا صاحب کو ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور یہ وہی نقشہ ہے جو انہوں نے ازالۃ الاوہام میں عیسیٰ (علیہ السلام) کے وفات کے باب میں کھینچا ہے کہ ہمارے مخالفین کو ان تمام شواہد میں سے کوئی مدد نہیں دیتا قرآن کریم کے سامنے جاتے ہیں تو قرآن کریم کہتا ہے کہ چل دور ہو میرے خزانہ حکمت میں تیرے خیال کے لئے کوئی مویہ بات نہیں پھر دباں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو

حدیثیں کہتی ہیں کہ اے سرکش قوم یک جا بنی سے ہمیں دیکھو اور موسیٰ بعض اور کافر بعض نہ ہوتا تو تجھے معلوم ہو کہ میں قرآن کے مخالف نہیں ہوں۔

اسکا تفسیر تو اپنے مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ ہو جائیگا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے باب میں آیات و احادیث ان کو رد کرتے ہیں یا ان کے مخالفین کو مگر یہاں تو ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب قرآن کی جس آیت کے سامنے جاتے ہیں وہ صاف کہتی ہے کہ چل دور ہو تیرے خیالی اور اختراعی باتوں سے میں بری اور بیزار ہوں پھر وہاں سے محروم ہو کر حدیثوں کی طرف آتے ہیں تو ان کا ایک لشکر کثیر شمشیر بکف ہے کہ جتنی باتیں میری معارض قرآن ہیں۔ واجب القتل ہیں مگر مرزا صاحب عیسویت پر عاشق دل دادہ ہیں وہ کب کسی کی مانتے ہیں ان کا عشق اس سے ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا قیامت کے روز بھی زمین پر اترنا ناگوار ہے اگر نصوص قطعیہ کے مطابق زمین پر حشر ہوا اور عیسیٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود ہوں تو یہ تو نہ ہوگا کہ قتل و جال وغیرہ کی ضرورت ہوگی جس سے مزاحمت کا اندیشہ ہو۔ پھر جب مرزا صاحب کا اس میں کوئی ذاتی ضرر متصور نہیں تو ناحق آیات و احادیث کثیرہ سے مخالفت پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی اگرچہ انہوں نے یہ سوچا ہے کہ بطور ترقی یہ کہا جائے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت کے روز بھی زمین پر نہیں اتر سکتے مگر یہ بات ضرورت سے زیادہ ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کے لحاظ سے اتنی آیات و احادیث سے مخالفت کی جائے۔ دراصل یہ بھی اسی عشق کا ایک شعبہ ہے اور اس قسم کی صدا باتیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ بمصدق حدیث شریف حبک للشی یعمی وبصم عیسویت کے شوق میں ان کو نہ قرآن کریم کی مخالفت کی پروا ہے، نہ حدیث شریف کی۔ جب ان کو اس درجہ کا عشق ہے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو امور ان کے مقصود کے مزاحم اور مانع ہوں تو ان کو کس نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ عشق تو ناصح خیر خواہ کو بھی دشمن سمجھتے ہیں چہ جائیکہ موانع اور

وہ امور جو مقصود کی طرف جانے سے روک دیں ان کا بس چلے تو روکنے والوں کو بلاتامل قتل ہی کر ڈالیں۔ جیسا محمد بن تو مرث نے کیا تھا جس کا حال اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اب غور کیا جائے کہ مرزا صاحب کی اس عاشقانہ رفتار میں جگہ جگہ آیات و احادیث جو مزاحمت کر رہی ہیں کس قدر ان کے دل آزار اور ناگوار خاطر ہوں گی جب ہی تو وہ بے باکانہ حملے پر حملے کئے جاتے ہیں نہ کسی آیت کو وہ چھوڑتے ہیں نہ حدیث کو۔ انا ولا غیرہی کے نشے میں سرشار ہیں اور ہر معرکہ میں زبان آوری کے جو ہر دکھاتے اور دشمنوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے مقصود کی طرف بڑھے جارہے ہیں۔ اس وقت مرزا صاحب کا کوئی دشمن سوا آیات و احادیث کے نظر نہیں آتا جو انہیں بائیں طرف سے ان پر حملہ آور ہو اگر اہل اسلام مخالفت کر رہے ہیں تو وہ وکالہ ہے۔ کیونکہ مرزا صاحب کے مسیح بن جانے سے نہ ان کے کسی منصب پر اثر پڑتا ہے، نہ کوئی نقصان ہے۔

اس مشاہدہ سے ثابت ہے کہ مرزا صاحب نے جو خواب دیکھا تھا کہ ایک لمبی تموار جس کی نوک آسمان تک پہنچی ہے ان کے ہاتھ میں ہے اور دھانے بائیں چلا رہے ہیں اور ہزار ہا دشمن اس سے مارے جارہے ہیں۔ اس کی تعبیر یہی ہے کہ ہزار ہا آیات و احادیث کا خون کریں گے جس کا وقوع ہو گیا اور غزنوی صاحب نے جو حسن ظن سے تعبیر دی تھی اس کو مشاہدہ غلط ثابت کر رہا ہے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ خواب کی تعبیر میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں جو وحی یا کشف خواب کے ذریعہ کسی نبی کو ہودے اس کی تعبیر کرنے میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

جب بقول مرزا صاحب ایسے قابل وثوق خواب میں غلطی ہو جو نبی نے دیکھا ہو اور بذریعہ وحی ہو تو دوسرے خواب اوروں کے اور ان کی تعبیر کس حساب و شمار میں۔ یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ جو تعبیر ہم نے بیان کی ہے اس پر ایک بہت بڑا قرینہ یہ ہے کہ

مرزا صاحب کی تلوار کی نوک آسمان تک پہنچی ہے جس سے اشارہ ہے کہ آسمانی کتاب اور آسمانی نبوت کے مکاشفات اور اخبار پر اسی تلوار سے حملہ ہوگا واللہ اعلم بالصواب۔ جب اس روایا کی تعبیر بحسب مشاہدہ اور قرینہ قویہ یہ ثابت ہوئی تو مرزا صاحب کا یہ قول جو ازالۃ الادہام میں لکھا ہے کہ حدیثوں میں یہ بات بوضاحت لکھی گئی ہے کہ مسیح موعود اس وقت دنیا میں آئے گا کہ جب علم قرآن زمین پر سے اٹھ جائیگا، جہل شیوع پا جائے گا۔ یہ وہی زمانہ ہے جس کی طرف ایک حدیث میں یہ اشارہ ہے لو کان الایمان معلقاً بالعرھا لناله رجل من فارس یہ وہی زمانہ ہے جو اس عاجز پر کشفی طور پر ظاہر ہوا ہے۔

یعنی اس وقت علم قرآن کو خود نے ثریا سے لایا ہے روایہ مذکورہ کے خلاف ہے اس لئے کہ تلوار کی نوک آسمان اور ثریا تک پہنچنے کا مطلب تو یہی ہے کہ اگر قرآن ثریا پر بھی جائے تو اس تلوار سے اس کا کام و ہیں تمام کر دیا جائے گا۔ کیونکہ تلوار کی نوک سے تلوار ہی کا کام لیا جاتا ہے۔

جب الہامات وغیرہ سے ظاہر ہو گیا کہ قرآن وحدیث کو وہ تصحیح کر رہے ہیں اور یہ اصول قرار دیا ہے کہ تفسیر وحدیث دائرہ صحابہ وغیرہ کوئی قابل اعتبار نہیں اور اس پر قرآن کے معارف دانی کا دعویٰ ہے تو جو معارف مرزا صاحب ایجاد کرتے ہیں وہ ضرور ایسے ہوں گے کہ نہ کسی مسلمان نے ان کو سنا ہوگا، نہ ان کے آباء واجداد نے۔ سو ایسے معارف سننے والے بھی ایسے ہی ہونا چاہیے کہ جن کو دین بطور وراثت باپ دادا سے پہنچا نہ ہو کیونکہ جہاں دین نیا ہو تو دین دار بھی نئے ہی ہوں گے نبی ﷺ نے اس قسم کے معارف بیان کرنے والوں کی نسبت صاف فرمادیا ہے کہ ان کو جھوٹے اور دجال سمجھو چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ درمنثور میں لکھتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ وغیرہ سے روایت کی ہے عن امی ہریرۃ ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال سیکون فی امتی دجالون کذابون یاتونکم ببدع

من الحدیث بما لم تسمعوا انتم ولا ابائکم فایاکم وایاہم لا یفتنونکم یعنی فرمایا نبی ﷺ نے میری امت میں بہت سے دجال جھوٹے ہوں گے جو مسلمانوں کے دین و ایمان کی نئی نئی باتیں پیش کریں گے کہ نہ انہوں نے سنی، نہ ان کے باپ دادا نے ایسے لوگوں سے بچتے رہو کہیں دو فتنہ میں نہ ڈال دیں بھی۔

مرزا صاحب کی کاروائیاں اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہر دو پیش نظر ہیں۔ اہل ایمان تھوڑی توجہ کریں تو قیاس سے صحیح نتیجہ نکال لے سکتے ہیں کہ وہ کیسے شخص ہیں کیا اب بھی مسلمانوں کو مرزا صاحب کے معاملہ میں کوئی شک کا موقع اور عذر باقی ہے۔ اب حدیث کو دیکھئے کہ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے اسکو روایت کی ہے جن کی جلالت شان یہ ہے کہ مرزا صاحب خود ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں کہ امام شعرانی صاحب نے ان لوگوں کے نام لئے ہیں جن میں سے ایک امام محدث جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ علیہ بھی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ورق جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ علیہ کا دستخطی ان کے صحابی شیخ عبدالقادر شاذلی کے پاس پایا جو کسی شخص کے نام تھا جس نے ان سے بادشاہ وقت کے پاس سفارش کی درخواست کی تھی سو امام صاحب نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تصحیح احادیث کے لئے جن کو محدثین ضعیف کہتے ہیں حاضر ہوا کرتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت تک پہنچتے (۷۵) دفعہ حالت بیداری میں حاضر خدمت ہو چکا ہوں اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میں بادشاہ وقت کے پاس جانے کے سبب سے اس حضوری سے رک جاؤں گا تو قلعہ میں جاتا اور تہاری سفارش کرتا۔ چونکہ مرزا صاحب نے بلا جرح و اعتراض بطیب خاطر اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اسلئے ہم حتی الوسع امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ کی کتابوں سے احادیث نقل کیا کرتے ہیں تاکہ مرزا صاحب کو ان کے مان لینے میں تاثر نہ ہو اور جس کتاب سے حدیث مذکورہ بالا کو امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے وہ امام احمد رحمہ اللہ علیہ کی مسند ہے جن

کی شاگردی پر اکابر محدثین کو ناز ہے اور خود مرزا صاحب ضرورتاً الامام میں حدیث من مات بغیر امام مات میتة جاهلیة کو انہیں کی اسی سند سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث ایک متقی کے دل کو امام الوقت کا طالب بنانے کے لئے کافی ہو سکتی ہے کیونکہ جاہلیہ کی موت ایک ایسی جامع شقاوت ہے جس سے کوئی بدی اور بد بختی باہر نہیں سو ہو جب اس نبوی وصیت کے ضروری ہوا کہ ہر ایک حق کا طالب امام صادق کی تلاش میں لگا رہے اسی۔

اس کے بعد اپنے امام الوقت ہونے کی تقریر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ جو مجھے امام بنانے والا اس شقاوت میں گرفتار ہوگا جس سے کوئی بدی اور بد بختی باہر نہیں، نہ فسق، نہ کفر یعنی فاسق و کافر ہوگا۔ اب دیکھئے کہ مسند موصوف کو بقول مرزا صاحب کس درجہ پر قوت ہے کہ اس کی حدیث پر عمل نہ کرنے والا فاسق بلکہ کافر ہو جاتا ہے پھر اسی کتاب کی دو حدیث واجب العمل کیوں نہ ہو جس سے نئی غیر معروف باتیں بنانے والے دجال و کذاب ثابت ہوتے ہیں۔

من مات بغیر امام کی حدیث میں چونکہ مرزا صاحب کا نام نہیں ہے اس لئے اس سے خاص مرزا صاحب کا امام زماں ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بخلاف اس کے جو شخص ایسی نئی باتیں بیان کرے جو مسلمانوں نے اور ان کے آباء اجداد نے نہیں سنی اس کو دجال و کذاب و فتنہ پرداز سمجھنا بحسب اقرار مرزا صاحب صراحتاً اس حدیث سے لازم اور واجب ہے خدا کرے مرزا صاحب ایسی نئی باتیں بنانا چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے معتمد علیہ بن جائیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ حدیث شریف تو صراحتاً باواز بلند کہہ رہی ہے کہ نئی باتیں بنانے والا دجال و کذاب ہے اور مرزا صاحب کی تقریر سے مستفاد ہے کہ نصوص کیسے ہی صراحت سے وارد ہوں مگر مرزا صاحب کے قول کے مقابلے میں وہ سب ترک کر

دی جائیں۔ چنانچہ از لفظ الاولام میں فرماتے ہیں۔ صرف الہام کے ذریعہ ایک مسلمان اس کے معنی آپ پر کھولتا ہے کہ ابن مریم سے اس جگہ درحقیقت ابن مریم مراد نہیں ہے تب بھی اقبال اس کے آپ لوگوں کو یہ دعویٰ نہیں پہنچتا کہ ابن مریم سے مراد درحقیقت ابن مریم ہی ہے کیونکہ مکاشفات میں استعارات غالب ہوتے ہیں اور حقیقت سے پھیرنے کے لئے الہام الہی قرینہ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور آپ حسن ظن کے مامور ہیں اسی۔

دیکھ لیجئے ابتدائے اسلام سے آج تک کسی نے کہا نہ سنا کہ عیسیٰ علیہ السلام مرکز زمین میں دفن ہو گئے اور ان کا ہم نام یا مثیل پیدا ہو کر پادریوں کا جواب دینا اور پادری لوگ ہی دجال ہیں۔ اسی طرح قیامت کا جنت میں ہونا وغیرہ ایسے امور جو مرزا صاحب بنا رہے ہیں ایسے ہیں کہ کسی مسلمان نے نہیں سنے اور آیات و احادیث میں کھلے الفاظوں میں موجود ہے کہ قیامت زمین پر ہوگی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام قیامت زمین پر آئیں گے ایسے موقع میں مرزا صاحب پر حسن ظن کیا جائے یا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل کی جائے کہ جو شخص نئی باتیں بنائے وہ دجال و کذاب سمجھا جائے۔ ہمارے کہنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے معتقد علیہ کی بات کو خود مان لے گا وما علینا الا البلاغ۔

اگر مرزا صاحب کے مختصرات پر حسن ظن ضرور ہے تو ابو منصور کے کشف مذکور کے الہامات کیوں قابل حسن ظن نہ ہوں آخر اس کا بھی دعویٰ الہام ہی سے تھا کہ حرمت علیکم الميتة والدم ولحم الخنزیر کے معنی یہ نہیں جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بزرگوں کے نام تھے جن کی حرمت و تعظیم کی ضرورت تھی اس وجہ سے مردار اور خون اور گوشت خنزیر وغیرہ کی حرمت ثابت نہیں علی ہذا القیاس جتنے مدعیان الہام گزرے ہیں سب کا یہی دعویٰ تھا کہ ہمارے الہام حجت ہیں اور اسی قسم کے دلائل انہوں نے بھی قائم کئے ہوں گے کہ کلام خدا اور رسول کو پھیرنے کے لئے الہام الہی قرینہ قویہ کا کام دے سکتا ہے اور

آپ حسن ظن کے مامور ہیں۔ انہی وجوہات سے ہزاروں ان کے بھی پیرو ہو گئے تھے مگر درحقیقت وہ جھوٹے تھے جن کے کذاب و دجال ہونے کے قائل غالباً مرزا صاحب بھی ہوں گے۔ اب ان صد با تجربوں کے بعد بھی اگر مرزا صاحب کے الہاموں پر حسن ظن کیا جائے تو یہ مقولہ صادق آجائے گا من جوب المجرّب حلت به الندامة مگر یہ ندامت قیامت کے روز خدا و رسول کے روبرو کچھ مفید نہ ہوگی۔

غرض کہ مرزا صاحب نے جو کہا تھا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں چلا جاتا ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کی تھی ادخلی جنتی سواں کا حال معلوم ہو گیا کہ اس آیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ سیاق آیت سے ظاہر ہے کہ قیامت کے روز یہ ارشاد ہوگا جس پر دوسری آیات بھی ناظر ہیں اور اگر موت کے وقت کہا بھی جاتا ہو تو بطور بشارت ہے کہ وقت پر داخل ہو جائے۔

اور اس آیت شریفہ سے یہی استدلال کرتے ہیں تو لہ تعالیٰ قبل ادخل الجنة قال باليت قومي يعلمون O بما غفر لي ربي وجعلني من المكرمين O یہ ایک شخص واقعہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے و جاء من اقصى المدينه رجل يسعى (الى قوله تعالى) قبل ادخل الجنة میں ذکر فرمایا ہے ما حصل اس کا یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اہل انطاکیہ کی طرف اپنے حواریوں سے تین شخصوں کو بھیجا تھا کہ ان کو توحید کی دعوت کریں انہوں نے ان سب کو مار ڈالا اس اثناء میں ایک بزرگ جن کا نام حبیب تھا وہ بھی آئے اور اس قوم کو نصیحت کر کے اپنا ایمان ظاہر کیا انہوں نے ان کو بھی شہید کر ڈالا حق تعالیٰ اس بزرگ کا حال بیان فرماتا ہے۔ قبل ادخل الجنة قال باليت قومي يعلمون O بما غفر لي ربي وجعلني من المكرمين O یعنی اس شخص سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو اس نے کہا کاش میری قوم جانتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت دی۔ اس واقعہ

مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں کہ مرتے ہی جنتی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں صرف اسی قدر ہے کہ اس شخص سے کہا گیا تھا کہ جنت میں داخل ہو جائے تو نہیں کہا گیا ابھی داخل ہو جا اگر فی الحقیقت ان کے داخل ہو جانے کا حال بیان کرنا مقصود ہوتا تو ادخلناه في الجنة ارشاد ہوتا یعنی ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا کیونکہ یہاں اس بزرگ کی جاں بازی کے معاوضہ میں اپنے کمال فضل کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ فن بلاغت میں بلاغت کے معنی یہ لکھتے ہیں کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو کما قال فی التلخيص البلاغة في الكلام مطابقة لمقتضى الحال مع فصاحة اب دیکھئے کہ اگر وہ ایک بزرگ داخل جنت ہو گئے ہوتے مقتضائے حال لفظ ادخلناه تھا نہ قبل ادخل الجنة اور جب قبل ادخل ارشاد ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ صرف بشارت مقصود تھی ورنہ کلام مطابق مقتضائے حال نہ ہوگا حالانکہ کلام الہی میں یہ بات محال ہے اگر کہا جائے کہ حق تعالیٰ کا فرمانا بھی دخول جنت کے لئے کافی ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ لفظ قبل ادخل سے دو احتمال پیدا ہوتے ہیں ایک فوراً داخل ہو جانا دوسرا وقت معین پر جنتی قیامت کے روز داخل ہونے کی بشارت اس صورت میں دو احتمال لینا جو مخالف قرآن ہے ہرگز جائز نہیں۔ پھر ایسا احتمال پہلو اختیار کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی صاف ارشاد ہو چکا کہ ہم نے اس کو جنت میں داخل کر دیا جس سے کوئی احتمال ہی باقی نہ رہتا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ دخول روحانی تھا جو عارضی طور پر ہوا کرتا ہے۔ غرض کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مرتے ہی ہر شخص جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے نہیں نکلتا۔

اور یہ آیت شریفہ بھی استدلال میں پیش کرتے ہیں ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتاً بل احياء عند ربهم يحيى شهيدون و مردہ مت سمجھو ان اللہ کے پاس زندہ ہیں۔

اس میں تو جنت کا نام بھی نہیں رہا اللہ کے پاس زندہ رہنا سو اس میں جنت کی کیا خصوصیت۔ دیکھ لیجئے فرشتے زندہ ہیں اور جنت میں نہیں ہیں اور اگر کہا جائے کہ فرشتے آسمانوں میں ہیں اور جنتیں بھی وہیں ہیں جس سے یہ لازم آتا کہ کل آسمانی فرشتے جنت میں ہیں تو پھر یہ کہنا کہ جنت میں داخل شدہ خارج نہیں ہو سکتا صحیح نہیں اس لئے کہ فرشتے زمین پر برابر اترتے رہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے تَنزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ اس صورت میں ممکن ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی ان فرشتوں کے ساتھ اتر آئیں۔ غرض کہ زندگی کے واسطے جنت کی ضرورت نہیں اگر قبر ہی میں خاص طور پر زندہ رہیں تو احیاء عند ربہم جب بھی صادق آئیگا اور قرب کے لئے نہ آسمانوں کی ضرورت ہے، نہ جنت کی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے
 نَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (وہو لہ تعالیٰ) فَلَوْلَا اِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ
 وَاَنْتُمْ حَسِبْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تَبْصُرُوْنَ ۝ یعنی جب
 روح حق کو پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے رہتے ہو اور ہم تم سے زیادہ تر نزدیک اس کے رہتے
 ہیں لیکن تم نہیں دیکھتے اس سے ظاہر ہے کہ عند کا مضمون ہر وقت صادق ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ شہداء کو خاص طور پر تقرب ہے مگر اس سے ثابت یہ نہیں ہو
 سکتا کہ ہمیشہ کے لئے وہ جنت میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس قسم کا داخل ہونا بعد حشر کے
 ہوگا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ ذُرَآئِهِمْ اِذَا
 جَاءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا
 خَالِدِيْنَ تَرَجِمَ: جو لوگ متقی ہیں ان کے گروہ درگروہ جنت کی طرف جائیں گے۔ جب وہ
 لوگ وہاں پہنچیں گے اور دروازے کھولے جائیں گے تو دربان کہیں گے سلام ہے تم پر خوش
 رہو اور داخل ہو اور ہمیشہ اسی میں رہو۔ اگر کہا جائے کہ اس آیت میں تو قیامت کا ذکر نہیں
 ہے تو ہم کہیں گے کہ اس میں موت کا بھی ذکر نہیں ہے ظاہر آیت سے صرف اسی قدر معلوم

ہوتا ہے کہ متقی لوگ جنت میں داخل ہوں گے مگر نبی ﷺ نے تصریح فرمادی ہے کہ قیامت
 کے روز وہ داخل جنت ہوں گے۔ چنانچہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں لکھا ہے۔
 اخرج النسائی والحاکم وابن حبان عن ابی ہریرۃ وابی سعید رضی اللہ عنہما
 ان النبی ﷺ قال ما من عبد بصلی الصلوات الخمس وبصوم رمضان
 وبخروج الزکوۃ ویجتنب الکبائر السبع الا فتحت له ابواب الجنة الثمانية
 یوم القیمة یعنی فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو شخص پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزہ
 رکھے اور زکوٰۃ دے اور ساتوں گنہ کبیرہ سے بچے تو قیامت کے روز اس کے واسطے جنت
 کے دروازے کھولے جائیں گے اسی۔

اب غور کیا جائے کہ اگر وہ لوگ جنت میں داخل شدہ تجویز کئے جائیں تو قرآن و
 حدیث کے مطابق پھر دوبارہ ان کو اس روز جنت میں داخل ہونا پڑے گا اور وہ کس قدر
 غلاف عقل ہے کیونکہ عقلاء جانتے ہیں کہ تحصیل حاصل محال ہے۔

الحاصل آیہ شریفہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ شہداء قیامت سے پہلے جنت
 میں داخل ہو جاتے ہیں البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کی ارواح جنت میں داخل
 ہو جاتی ہیں۔

چونکہ مرزا صاحب کی عادت ہے کہ جو احادیث ان کے مقصود کے مضمر ہوتی ہیں
 ان کو نظر انداز کیا کرتے ہیں چنانچہ حشر اجساد کے باب میں جتنی حدیثیں وارد ہیں سب کو نظر
 انداز کر دیا اور ایک کا بھی جواب نہ دیا اسی طرح ہم کو بھی اس مقام میں احادیث سے تعرض
 کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر اپنے ہم مشربوں کے خیال سے ان احادیث کا بھی مطلب
 بیان کر دیتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ دخول جنت روحانی
 طور پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے بھلہ ان کے ایک یہ ہے جو

بخاری و مسلم اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے عن انس رضی اللہ عنہ و جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ دخلت الجنة فاذا انا بقصر من ذهب فقلت لمن هذا القصر قالوا الشاب من قريش فظننت اني انا هو قلت ومن هو قالوا عمر ابن الخطاب رضي الله عنه فلولا علمت من غيرك لدخلته يعني فرمایا نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہ میں جنت میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک محل سونے کا بنا ہوا ہے میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے لوگوں نے کہا ایک جوان قریشی کا ہے میں نے خیال کیا کہ شاید وہ میرا ہوگا مگر پھر پوچھا کہ وہ کون شخص ہے کہا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ اگر تمہاری غیرت کا خیال نہ ہوتا تو میں اس محل میں چلا جاتا ہوں۔

اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو بخاری میں مذکور ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ بينا انا اسير في الجنة اذا انا بنهر حافظه قباب الدر المجوف قلت ما هذا يا جبرئيل قال هذا الكوثر الذي اعطاك ربك فاذا طيبه او طينه مسك اذفر شك هدية (رواہ بخاری کذا فی المسند) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے ایک بار میں جنت میں سیر کر رہا تھا ایک نہر پر جا نکلا جس کے کنارے مجوف موتی کے قہرے تھے میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کہا یہ وہی کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ ﷺ کو دیا ہے دیکھا تو اس کا کچھ مشک اذفر ہے۔

اگرچہ ان حدیثوں میں خواب کی تصریح نہیں ممکن ہے کہ شب معراج حالت بیداری میں تشریف لے گئے ہوں مگر علی سبیل انتظار دخول روحانی میں تو کلام ہی نہیں جس سے یہ ثابت ہے کہ دخول روحانی مانع خروج نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شہداء بھی روحانی طور پر جنت میں داخل ہوا کرتے ہیں چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جس کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درمنثور میں مسند امام احمد ابن حنبل اور ابوداؤد اور مستدرک وحاکم وغیرہ سے نقل کیا ہے

اخرج احمد و ابوداؤد والحاكم وغيرهم عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ لما اصيب اخوانكم باحد جعل الله ارواحهم في اجواف طير خضر ترد انهار الجنة وتاكل ثمارها وتاوى الى قناديل من ذهب معلقة في ظل العرش الحديث یعنی نبی ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تمہارے بھائی جب احد میں شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز سبز پرندوں میں رکھا وہ جنت کے نہروں پر جاتے ہیں اور میوے کھاتے ہیں اور سونے کی قنادیل میں رہتے ہیں جو عرش کے سایہ میں لگی ہوئی ہیں۔

شہداء کا روحانی اور عارضی طور پر جنت میں جانا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کی روحيں پرندوں میں رکھی گئیں اور مقام ان کا قنادیل قرار دیا گیا نہ حور و غلمان سے ان کو تعلق ہے نہ تخت و تاج سے کام، نہ لباس و زیور سے آرائش، نہ ان کے لئے فرش و فرش۔ حالانکہ یہ امور جنتیوں کے لئے لازم ہیں جس کا حال ابھی معلوم ہوا صرف پرندوں کی طرح کھانپنی لیتے ہیں اور خاص قسم کا تقرب بھی حاصل ہے مگر وہ خصوصیات جو وقت پر ہونے والی ہیں کہاں! جس دخول کے بعد ہمیشہ رہنا ہوگا وہ دخول جسمانی ہے جس کی نسبت اس آیت شریفہ میں اشارہ ہے کما خلقناکم اول خلق نعبده یعنی جس طرح ہم نے پہلے تمہیں پیدا کیا اسی خلق پر دوبارہ پیدا کریں گے اور ظاہر ہے کہ دخول روحانی میں یہ بات نہیں

ہے اور بخاری شریف میں یہ روایت ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال خطب النبي ﷺ فقال انکم محشورون الى الله عز وجل عرأة غزلاً کما بدانا اول خلق نعبده وعدا علينا انا کنا فاعلین یعنی خطبہ میں فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ تم لوگوں کا حشر خدائے عزوجل کی طرف ہوگا برہنہ اور بے ختنہ یعنی ابتدائے پیدائش کے مطابق چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح پھر اعدا کریں گے یعنی پہلی

حالت پر دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں ہی۔ اسی اعادہ کے بعد فادہ خلوہا خالداً دین کہا جائیگا جس کا حال ابھی معلوم ہوا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء جب ہمیشہ رہنے کے واسطے جنت میں دوبارہ داخل ہوں گے تو پرندوں کی شکل پر نہ رہیں گے بلکہ بمصدق ولقد خلقنا الانسان في احسن تقویم شکل انسانی میں ہوں گے جو احسن صور ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہر دخول جسمانی بھی مانع خروج نہیں چنانچہ معراج شریف کا واقعہ اسلامی دنیا میں مثل آفتاب روشن۔ اور اعلان کر رہا ہے کہ ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ عالم بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ جنتوں میں تشریف لے گئے تھے اور واپس تشریف لانے کو کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اگر کوئی منصف مزاج دیدہ عقل کو سرمہ بصیرت بخش شریعت غرا سے منور کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ یہ دونوں گھر یعنی دار الدنیا اور دار الجنان ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں جس کو جب تک جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے ایک گھر سے دوسرے گھر میں لے جائے مختار ہے اور عادت اللہ بھی جاری ہو چکی ہے کہ بحسب ضرورت مردے زندہ ہو چکے ہیں جس پر کئی آیات بینات متفق اللفظ والمعنی گواہی دے رہے ہیں جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا اور یہ بھی ثابت ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا کما ذکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی کنز العمال عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اعرفتم جعفری رفقة من الملائكة یسرون اهل بیتہ بالمطر وعن البراء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد جعل لجعفر جناحین مضرجین بالدم بطیر بہما مع الملائكة اس کے بعد یہ بات ہر صاحب فہم کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اگر بقول مرزا صاحب عیسیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لی جائے تو

بحسب وعدہ خدا و رسول ان کا زندہ ہو کر اپنی خدمت بجالانے کے واسطے چند روز کے لئے آجانا کوئی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنی عیسویت کے خیال کو علیحدہ رکھ کر خدائے تعالیٰ کی قدرت اور ایقائے عہد اور نبی کریم ﷺ کے مخبر صادق ہونے پر غور فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ عیسیٰ رضی اللہ عنہ کا زمین پر آنا کسی حالات میں مستبعد اور خلاف عقل نہیں۔

غرض کہ یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی ہے کہ دخول جنت دو قسم پر ہے ایک روحانی اور قبل حشر اجساد دوسرا جسمانی اور بعد حشر اجساد۔ پہلا مانع خروج نہیں مگر مرزا صاحب نے اس کے خلاف میں دوسرے اقسام کا اختراع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ تین درجوں پر منقسم ہے پہلا درجہ قبر کا۔ دوسرا درجہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور بوجہ تعلق جسد کامل قویٰ میں ایک اعلیٰ درجہ کی تیزی پیدا ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ یوم الحساب کے بعد بھی۔

اس تقریر میں مرزا صاحب حشر اجساد کا نام جو لے رہے ہیں اس میں بڑی دور اندیشی سے کام لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نام بھی نہ لیں تو لوگ بالکل کافر بنادیں گے۔ مگر اس زمانہ میں ایسی احتیاط کی ضرورت نہیں ایسے بزرگوار لوگ جو کچھ فرمادیتے ہیں وہ بات چل ہی جاتی ہے اور کسی قسم کے شبہ تک نوبت ہی نہیں آتی آخر اس حدیث شریف کا صادق ہونا بھی ضرور ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان من اشراط الساعة ان يرفع العلم ويظهر الجهل یعنی بخاری مسلم اور مستد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ قیامت کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ علم اٹھ جائیگا اور جہل ظاہر ہوگا اچھی۔

اگرچہ علم کے اٹھ جانے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مگر مشاہدہ جو ہو رہا ہے اس کے لحاظ سے یہ معنی بھی صادق آتے ہیں کہ جب قرآن کے اصلی معنی لوگوں کے خیال سے

حالت پر دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے جس کو ہم پورا کرنے والے ہیں اسی۔
اسی اعادہ کے بعد فاد خلوها خالدین کہا جائیگا جس کا حال ابھی معلوم ہوا اور
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہداء جب ہمیشہ رہنے کے واسطے جنت میں دوبارہ داخل ہوں
گے تو پرندوں کی شکل پر نہ رہیں گے بلکہ بمصدق ولقد خلقنا الانسان فی احسن
تقویم شکل انسانی میں ہوں گے جو احسن صور ہے۔

یہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہر دخول جسمانی بھی مانع خروج نہیں چنانچہ معراج
شریف کا واقعہ اسلامی دنیا میں مثل آفتاب روشن۔ اور اعلان کر رہا ہے کہ ہمارے پیارے
نبی کریم ﷺ عالم بیداری میں جسم اطہر کے ساتھ جنتوں میں تشریف لے گئے تھے اور واپس
تشریف لانے کو کوئی چیز مانع نہ ہو سکی۔ اگر کوئی منصف مزاج دیدہ عقل کو سرمد بصیرت بخش
شریعت غراسے منور کر کے دیکھے تو معلوم ہو کہ یہ دونوں گھر یعنی دار الدنیا اور دار الجنان
ایک ہی خالق کے مخلوق ہیں جس کو جب تک جہاں چاہے رکھے اور جس کو چاہے ایک گھر
سے دوسرے گھر میں لے جائے مختار ہے اور عادت اللہ بھی جاری ہو چکی ہے کہ بحسب
ضرورت مردے زندہ ہو چکے ہیں جس پر کئی آیات بینات متفق اللفظ والمعنی گواہی دے
رہے ہیں جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا اور یہ بھی ثابت ہے کہ خود آنحضرت
ﷺ نے جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے دیکھا کما ذکر
السیوطی رحمۃ اللہ علیہ فی کنز العمال عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ
تعرفت جعفر فی رفقة من الملائكة یبشرون اهل بیتہ بالمطر وعن البراء
رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ قد جعل لجعفر جناحین مضرجین
بالدم یطیر بہما مع الملائكة اس کے بعد یہ بات ہر صاحب فہم کی سمجھ میں آ سکتی ہے
کہ اگر بقول مرزا صاحب عیسیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر بھی لی جائے تو

بحسب وعدہ خدا و رسول ان کا زندہ ہو کر اپنی خدمت بجالانے کے واسطے چند روز کے لئے
آ جانا کوئی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب اپنی عیسویت کے خیال کو علیحدہ رکھ کر خدائے
تعالیٰ کی قدرت اور ایفائے عہد اور نبی کریم ﷺ کے مقرر صادق ہونے پر غور فرمائیں تو معلوم
ہوگا کہ عیسیٰ رضی اللہ عنہ کا زمین پر آنا کسی حالات میں مستبعد اور خلاف عقل نہیں۔

غرض کہ یہ بات بدلائل ثابت ہو چکی ہے کہ دخول جنت دو قسم پر ہے ایک روحانی
اور قبل حشر اجساد دوسرا جسمانی اور بعد حشر اجساد۔ پہلا مانع خروج نہیں مگر مرزا صاحب نے
اس کے خلاف میں دوسرے اقسام کا اختراع کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ
تین درجوں پر منقسم ہے پہلا درجہ قبر کا..... دوسرا درجہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ یا جہنم
کبریٰ میں داخل ہونے سے پہلے حاصل ہوتا ہے اور بوجہ تعلق جسد کامل قویٰ میں ایک اعلیٰ
درجہ کی تیزی پیدا ہوتی ہے..... تیسرا درجہ یوم الحساب کے بعد بھی۔

اس تقریر میں مرزا صاحب حشر اجساد کا نام جو لے رہے ہیں اس میں بڑی دور
اندیشی سے کام لیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اگر اس کا نام بھی نہ لیں تو لوگ بالکل کا فر بنا دیں گے۔
مگر اس زمانہ میں ایسی احتیاط کی ضرورت نہیں ایسے بزرگوار لوگ جو کچھ فرمادیتے ہیں وہ
بات چل ہی جاتی ہے اور کسی قسم کے شبہ تک نوبت ہی نہیں آتی آخر اس حدیث شریف کا
صادق ہونا بھی ضرور ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان من اشراط
الساعة ان یرفع العلم ویظہر الجهل یعنی بخاری مسلم اور مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ
اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ قیامت کی علامتوں سے ایک یہ ہے کہ علم
اٹھ جائیگا اور جہل ظاہر ہوگا بھی۔

اگرچہ علم کے اٹھ جانے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں مگر مشاہدہ جو ہو رہا ہے اس کے
حفاظ سے یہ معنی بھی صادق آتے ہیں کہ جب قرآن کے اصلی معنی لوگوں کے خیال سے

جاتے رہیں گے تو جو حقیقی اور واقعی علم ہے وہ بے شک اٹھ جائیگا مثلاً قیامت کا علم وہی ہے جو آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ مردے زندہ ہو کر قبروں سے زمین پر آجائیں گے پھر جب یہ علم جاتا رہے اور اس کی جگہ یہ ذہن نشین ہو کہ مردے اندر ہی اندر سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جائیں گے جیسا کہ مرزا صاحب فرماتے ہیں تو علم کے اٹھنے میں اور جہل مرکب ظاہر ہونے میں کیا شک ہے۔ ہر چند یہ پر آشوب و فتنہ زمانہ ایسا ہی ہے مگر ایمان والوں کو بفضلہ تعالیٰ کچھ خطرہ نہیں چنانچہ حدیث شریف ہے عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا نكروها الفتنه في آخر الزمان فهاتين المنافقتين (رواہ ابو نعیم کذا فی تہذیب) یعنی آخر زمانہ والوں کو نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ کسی فتنہ کو مکروہ نہ سمجھو وہ صرف منافقوں کو تباہ کرے گا ہی۔

یعنی جہل مرکب کے گڑھوں میں گر کے تباہ اور ہلاک ہوں گے غرض کہ ہم لوگوں کو چاہیے کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے ظاہر طور پر فرمادیا ہے اسی پر مضبوط ایمان رکھیں اور جان سے زیادہ تر عزیز سمجھیں پھر کسی فتنہ گر کے فتنے سے کچھ خوف نہیں۔

مرزا صاحب کا مذہب ابھی معلوم ہوا کہ آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے پھر تخت رب العالمین بھی اتر آئے تو وہ حصار جنت سے حساب و کتاب کے واسطے باہر نہ نکلے گا اس صورت میں جو تحریر فرماتے ہیں کہ حشر اجساد کے بعد اور جنت عظمیٰ میں داخل ہونے کے پہلے تعلق اجساد کا متوسط درجہ قرار دیا گیا ہے تو یہ ترقی معکوس سمجھ نہیں آتی البتہ پہلا درجہ جو قبر قرار دیا ہے اس کو مجازاً جنت تسلیم کر سکتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے النار يعرضون عليها غدوا وعشيا ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب یعنی دکھاتے ہیں ان کو صبح و شام دوزخ کی آگ اور قیامت کے روز کہا جائیگا کہ

فرعون کے لوگوں کو داخل کر دو سخت عذاب میں۔ اور بخاری شریف میں ہے عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اذا مات احدكم فانه يعرض عليه مقعده بالغداة والعشي فان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار۔ یعنی جب کوئی مر جاتا ہے تو خواہ وہ جنتی ہو یا دوزخی اس کا مقام صبح و شام اس کو دکھایا جاتا ہے۔ یہ آیت و حدیث اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ ہر شخص اپنی ہی قبر میں رہتا ہے اور وہیں اپنا مقام دیکھا کیا کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ قبر جنت کا کوئی درجہ نہیں بلکہ اس سے خارج ہے ہاں اگر اس لحاظ سے کہ جنت وہاں سے نظر آتی ہے اس کو جنت کہیں تو مجازاً ممکن ہے مگر پچاس ہزار برس کا قیامت کا دن جس میں انبیاء بھی نفسی نفسی پکاریں گے اس کو جنت کا ایک درجہ وہ بھی متوسط قرار دینا سخت حیرت انگیز ہے، نہ قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، نہ حدیث بلکہ دونوں اعلان کے ساتھ اس کی تکذیب کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اس آیت شریفہ سے وہ تقریر اور بھی مستند ہو گئی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ دخول جنت و دوزخ قیامت پر منحصر ہے اور مرزا صاحب کی اس تقریر کی بھی حقیقت کھل گئی جواز لا الہ الا وہام میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص ایمان اور عمل کی ادنیٰ حالت میں فوت ہوتا ہے تو تھوڑی سی سوراخ بہشت کی طرف اس کے لئے نکالی جاتی ہے۔۔۔۔۔ پھر لوگوں کی دعاؤں وغیرہ سے وہ سوراخ بڑھ کر ایک وسیع دروازہ ہو جاتا ہے جس سے وہ بہشت میں چلا جاتا ہے اس سے ثابت ہے کہ بہشت میں داخل ہونے کے لئے ایسے زبردست اسباب موجود ہیں کہ قریباً تمام مومنین یوم الحساب سے پہلے اس میں پورے طور پر داخل ہو جائیں گے اور یوم الحساب ان کو بہشت سے خارج نہ کرے گا بھی ملے۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ روح ایسی لطیف چیز ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے سوراخ سے بھی دو نکل جاتی ہے چنانچہ رحم کا منہ باوجود کہ نہایت سختی سے بند ہو جاتا ہے جس کی تصریح

طب جدید میں کی گئی ہے مگر روح اس سے بھی نکل کر جنین میں داخل ہو ہی جاتی ہے۔ پھر اس سوراخ سے نکل جانا جو قبر سے بہشت کی طرف اسی کے واسطے نکالا جاتا ہے کیا مشکل۔ اس کے نکلنے کے لئے نہ بڑے دروازے کی ضرورت ہے، نہ اس قدر مہلت درکار ہے کہ سوم و ہم چہلم سہ ماہی برسی وغیرہ میں جو دعائیں اور کار خیر ہوتے ہیں بتدریج اس سوراخ کو بڑا بڑا کر وسیع کر دیں جس سے وہ نکل کر جنت میں داخل ہو سکے کیونکہ بقول مرزا صاحب روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ازلۃ الاولیاء میں فرماتے ہیں ہر ایک مومن جو فوت ہوتا ہے اس کی روح خدائے تعالیٰ کے طرف اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہنا النفس المطمئنة الیہ بظاہر مرزا صاحب کے ان دونوں کلاموں میں تعارض سا معلوم ہوتا ہے کہ روح مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور لوگوں کی دعا وغیرہ سے سوراخ کشادہ ہونے کے بعد ایمان دار جنت میں چلا جاتا ہے مگر اس کے جواب کی طرف انہوں نے اشارہ کر دیا کہ روح تو مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہے اور ہمیشہ رہنے کے لئے جنت میں داخل ہونا جو احیائے جسم پر موقوف ہے جیسا کہ قولہ تعالیٰ قال من یحیی العظام وہی رمیم قل یحییہا الذی انشاہا اول مرة سے ثابت ہے سو اس کے لئے مہلت درکار ہے جس میں دروازہ اتنا وسیع ہو کہ لاش اس سے نکل جائے چنانچہ مرتے ہی داخل ہونے کے باب میں تصریح کرتے ہیں کہ روح داخل ہوتی ہے اور مہلت اور وسعت باب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ شخص ایماندار داخل ہوتا ہے اس تقریر سے تعارض تو دفع ہو گیا لیکن اس پر ایک نیا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ شخص جنت میں داخل ہونے کو جاتا ہے اور جنت آسمان پر ہے جیسے مرزا صاحب ازلۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہونے کے بعد ان کی روح آسمان کی طرف اٹھائی گئی۔ اور ہر مومن کی بھی اٹھائی جاتی ہے اور بہشت میں داخل کی جاتی ہے۔

اور نیز جنتوں کا آسمان پر ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے تو ضرور تھا کہ مردے آسمانوں پر جاتے ہوئے دکھائی دیتے کیونکہ یہ دخول اس وجہ سے جسمانی ہے کہ روح تو مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتی ہے اور اس دخول کے لئے دعاؤں وغیرہ کا انتظار رہتا ہے جس سے سوراخ اس قابل ہو کہ لاش اس سے نکل جائے اس صورت میں ضرور تھا کہ مردے قبروں سے نکلتے ہوئے نظر آتے شاید اس کا یہ جواب دیا جائیگا کہ وہ اس طرف سے نہیں جاتے بلکہ زمین کے اندر ہی اندر سوراخ کر کے دوسری طرف سے نکل جاتے ہیں تو اس کے ماننے میں بھی تاہل ہے کیونکہ ایسا سوراخ جس سے مردہ جا سکے کسی قبر میں دیکھا نہیں گیا اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مردہ نکلتے ہی وہ سرنگ پاٹ دی جاتی ہو لیکن اس کے ماننے کے بعد بھی ایک اور دشواری درپیش ہے کہ جغرافیہ سے ثابت ہے کہ اگر ہندوستان کی زمین میں سوراخ پار کر دیا جائے تو وہ امریکہ کے کسی حصہ میں نکلے گا پھر اگر ہندوستان کے مردے اس سوراخ کی راہ سے اس طرف زمین پر نکل کر آسمان کی طرف جائیں تو امریکہ والوں کی شکایت گورنمنٹ میں ضرور پیش ہوتی کہ ہندوستان کے صدر ہالکے ہزار ہا مردے ہر روز چلے آتے ہیں کوئی کفن پہنا ہوا ہے کوئی برہنہ ہیبت ناک۔ کسی کے گھر میں نکلتے ہیں کسی کی زراعت وغیرہ میں غرض علاوہ خوف و دہشت کے مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ اب تک کوئی اس قسم کی شکایت کسی اخبار میں دیکھی نہیں گئی یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے مرزا صاحب ہی کی تحقیق سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے ازلۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ”عیسیٰ علیہ السلام اپنے وطن گلیل میں مر گئے۔“ اور رسالۃ الہدیٰ میں لکھتے ہیں کہ ”ان کی قبر کشمیر میں ہے۔“ اور اس کو اپنے کشف اور گواہوں سے ثابت کیا ہے اگر سوراخ کی راہ سے مردے دوسری طرف سے نہ نکلتے تو عیسیٰ علیہ السلام گلیل میں بیت المقدس کے پاس مرکز کشمیر میں کیوں آتے اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں بلکہ کل ادیان سماویہ میں

قیامت کا مسئلہ کیسا مبہم بالشان ہے جس میں صد ہا آیات و احادیث وارد ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جس طرح توحید و رسالت پر ایمان ضروری ہے قیامت کے وقوع پر بھی ضروری ہے اور کسی مسلمان کو ابتدا سے آج تک اس میں خلاف نہیں مگر مرزا صاحب نے صرف اتنی بات بتلانے کے لئے کہ ”عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں تو کیا قیامت میں بھی زمین پر نہیں آسکتے۔“ ایسے مشہور و معروف اور ضروری مسئلہ کا انکار ہی کر دیا پھر جن مسائل میں چند آیات و احادیث وارد ہوں ان کے اصل معنی سے انکار کر دینا کون سی بڑی بات ہے۔ اگر مرزا صاحب کو ذرا بھی خوف خدا اور قیامت کے دن کا خیال ہوتا تو قرآن و حدیث کے معنی اپنے دل سے تراش کر لکھنے پر ان کے ہاتھ یا رنی نہ دیتے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْنُيُونَ الْكِتَابَ بَايْدِهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيُشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ۔ اور اُن تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جو بات ہذا من عند اللہ کہنے میں ہے وہی بات کسی آیت کا مضمون خلاف مقصود الہی بیان کرنے میں ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی کہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَحِلَّ لَكُمْ الْهَيْئَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخَنزِيرِ سَوْجَسَ طَرَحَ يَهْ خُفْصَ لُحْدَ اور بے دین سمجھا جائیگا اسی طرح وہ شخص بھی سمجھا جائیگا جو آیہ شریفہ حرمت علیکم الہیئۃ و الدم و لحم الخنزیر سے یہ مراد بیان کرے کہ مہینہ اور دم اور لحم خنزیر عرب میں معزز لوگ تھے اس میں تعظیم و حرمت کرنے کا اس میں حکم ہے مردار و غیرہ کی حرمت سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ مرزا صاحب کی غرض جس آیت سے متعلق ہوتی ہے اس کے معنی میں اس قسم کی تحریف کرنے سے ذرا بھی خوف نہیں کرتے مثلاً قولہ تعالیٰ اَحِی الْمَوْتِی بِاِذْنِ اللّٰہِ کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ مسریم کی وجہ سے قرب الموت شخص کو حرکت ہو جاتی تھی اور عزیر علیہ السلام کے قصہ میں حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاَمَاتَهُ اللّٰہُ مَاتَہُ عام مرزا صاحب اس کا مطلب

بتاتے ہیں کہ سو برس تک خدائے تعالیٰ نے ان کو سلا دیا تھا۔ اسی طرح بیسیوں آیات و احادیث کے معنی انہوں نے بدل ڈالے۔ اسی پر قیاس کیا جائے کہ جب ایک ضعیف اور عوام غرض کے مقابلہ میں انہوں نے قیامت کا انکار کر دیا تو جس سے بہت بڑی بڑی فرطیں ان کی متعلق ہوں گی اس کا کیا حال ہوگا۔ اسی وجہ سے احیائے اموات کے بارہ میں آیات وارد ہیں ان کی تحریف معنی میں بہت زور لگایا کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات تسلیم کرنے کے بعد بھی یہ احتمال لگا ہوا ہے کہ ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو زندہ کر کے زمین پر بھیجے اسی وجہ سے ازالۃ الاحیاء میں لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آسکتا کیونکہ قرآن و حدیث دونوں بالاتفاق ہیں اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اور قرآن کریم انہم لا یرجعون کہہ کر ہمیشہ کے لئے ان کو رخصت کرتا ہے۔

مرزا صاحب کے مبالغہ کی بھی کوئی حد ہے بھلا قرآن و حدیث نے کب گواہی دی تھی کہ مراد آدمی دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ ان کو ضرور تھا کہ کوئی اتفاقی گواہی پیش کر دیتے۔ باوجودیکہ ان کی عادت ہے کہ اولیٰ احتمال کا موقع بھی ملتا ہے تو سیاق و سباق کو حذف کر کے کوئی آیت یا حدیث استدلال میں پیش کر دیا کرتے ہیں جیسے فادخلی جنتی وغیرہ میں معلوم ہوا مگر اس دعویٰ پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی اس سے ظاہر ہے کہ کوئی احتمالی دلیل بھی ان کو نہیں ملی اب سوال اس کے کہ جرات سے کام لیں کوئی تذہیر نہ تھی۔ انہوں نے دیکھا کہ جرات سے بھی بہت کام چل جاتے ہیں جیسے پیش گوئیوں میں کہہ دیتے ہیں کہ اگر فلاں کام نہ ہو تو میرا منہ کالا کیا جائے، گلے میں رسا ڈالا جائے وغیرہ وغیرہ حالانکہ نہ وہ کام ہوتا ہے، نہ منہ کالا ہوتا ہے کوئی پہلو نکال کر عمر بھر بحث کرتے رہتے ہیں جیسے کہ آختم

کے رجوع الی الحق وغیرہ میں آپ نے دیکھ لیا اسی طرح یہاں بھی جرات سے کام لے کر کہہ دیا کہ قرآن وحدیث بالاتفاق شاہد ہیں کہ مرا ہوا دنیا میں ہرگز آ نہیں سکتا۔ حالانکہ قرآن شریف کے متعدد مقاموں میں یحیی الموتی واحیاءہم وغیرہ الفاظ صراحتاً مذکور ہیں جن کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ معلوم ہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب خود خدائے تعالیٰ احیائے اموات کا ذکر قرآن میں فرمادے اور اس کے مقابلہ میں کوئی کہے کہ وہ ہو نہیں سکتا تو مسلمان اس کی تکذیب کرے گا یا (نعوذ باللہ) قرآن شریف پر کسی قسم کا الزام لگائے گا؟ رہا یہ کہ مرزا صاحب اس باب میں تاویلات سے کام لیتے ہیں کہ احیاء سے مراد مثلاً مسریزی حرکت ہے اور موت سے مراد نیند ہے جیسا کہ عزیر علیہ السلام کے قصہ میں فرماتے ہیں کہ فاماتہ اللہ مائتہ عام سے مراد نینم غشی ہے سو یہ بات دوسری ہے کہ قرآن کو ماننا منظور نہیں اور جو فرماتے ہیں کہ قرآن کریم انہم لا یرجعون کہہ کر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہا ہے۔ سو مرزا صاحب نے اس استدلال میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ میں کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس آیت شریفہ سے انہوں نے وہ حصہ حذف کر دیا جو ان کو مضر تھا پوری آیت یہ ہے فمن یعمل من الصالحات وهو مومن فلا کفران لبعیہ والاولیٰ لہ کتابون وحوام علی قریۃ اہلکنتھا انہم لا یرجعون یعنی جو شخص نیک کام کرے اور ایمان رکھتا ہو تو اس کی کوشش اکارت ہونے والی نہیں اور ہم اس کے نیک اعمال سب لکھتے جاتے ہیں اور جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا تو ممکن نہیں کہ لوگ قیامت کو ہماری حضوری میں لوٹ کر نہ آئیں۔ اس آیت کے کئی معنی ہیں اگر پہلی آیت سے اس کا رابلہ ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ اعمال صالحہ ہم کسی کے ضائع نہ کریں گے ان کے اعمال ہم لکھ رکھتے ہیں اگر وہ مری بھی جائیں تو ہمارے پاس ان کا آنا ضرور ہے اس روز ان کو ان اعمال کا بدلہ دیا

جائے گا۔ اور اگر پہلی آیت سے ربط نہ ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا وہ ہمارے قبضہ سے باہر نہیں جاسکتی ممکن نہیں کہ وہ لوگ ہماری طرف رجوع نہ کریں۔ مطلب یہ کہ ان کی ہلاکی رستگاری کا باعث نہیں ہمارے پاس وہ ضرور آئیں گے اور ان پر حرام (محال) ہے کہ نہ آئیں پھر اس روز ان کے اعمال کی سزا دی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ مطلب تو یہ تھا کہ خدا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے اور مرزا صاحب کہتے ہیں کہ وہ دنیا کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اگر لایرجعون سے مراد دنیا کی طرف رجوع نہ کرنا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کی طرف ان کا رجوع نہ کرنا حرام اور محال ہے یعنی ضرور رجوع کریں گے اس سے تو مرزا صاحب کا مقصود ہی فوت ہو گیا اور بجائے نہ آنے کے آنا ضروری ٹھہرا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لایرجعون سے مراد ان کا دنیا میں نہ آنا ہے تو اس سے بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ کس نے کہا کہ فوت شدہ دنیا میں آیا کرتے ہیں ان میں یہ طاقت کہاں کہ پھر لوٹ کر آجائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خدا جس کو چاہے دوبارہ دنیا میں ضرور آئیگا کیونکہ خدائے تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف کوئی چیز ظہور میں نہیں آسکتی، مرزا صاحب اس کے قائل نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا اس کے نزدیک قیامت میں زندہ کرنا اور قیامت کے پیشتر کسی کو زندہ کرنا ایک سماں ہے اور جب حق تعالیٰ نے متعدد مقام میں قرآن شریف میں خبر دی ہے کہ ہم نے بہتوں کو اس عالم میں زندہ کیا جس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا تو ہم اس کا ہرگز انکار نہیں کر سکتے مگر مرزا صاحب داؤ پیچ کر کے اس کا انکار کرتے ہیں اور احیائے موتی کو محال سمجھتے ہیں جس سے ان پر یہ بات صادق آتی ہے جو ازلیۃ الاولیاء میں خود فرماتے ہیں ہم کو بے کی طرح یا بھینڈی کے مانند ایک نجاست کو حلو سمجھتے رہیں گے اور ہم میں ایمانی فراست نہیں آئیگی صرف لومزی کی طرح داؤ پیچ یاد ہوں گے۔

غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ دنیا کا انتظام چونکہ ایک فن پر رکھا گیا ہے جو ہمیشہ جاری ہے اس لئے ایک بڑا فرقہ دہریہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ عالم کا کام بطور خود جاری ہے اس کے لئے خالق کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ اَوْحٰی اِلٰی حَبِیۡرِنَا الدِّیۡنِا نَمُوۡتُ وَنَحْیَا وَمَا یَبۡهِلُکُنَا اِلَّا الدَّهۡرُ یعنی کفار کہتے ہیں کہ ہماری تو یہی دنیا کی زندگی ہے اور بس ہم نہیں مرتے اور جیتے ہیں اور زمانہ ہم کو ایک خاص وقت تک زندہ رکھ کر مار دیتا ہے حق تعالیٰ نے ان کے خیالات فاسدہ کو رفع کرنے کے لئے انبیاء کو بھیجا چنانچہ جب انہوں نے معجزے اور خوارق عادات دیکھے اور پچشم خود دیکھ لیا کہ عادت مستمرہ کے خلاف بھی ایسے کام ممکن طور پر ہوتے ہیں جن کو عقل محال سمجھتی ہے تو ان کو یقین ہو گیا کہ کوئی زبردست قدرت والا بھی ہے کہ ایسے مستحکم عاداتی کارخانہ کو درہم برہم کر کے محال کو واقع کر دکھاتا ہے اس بناء پر بحسب توفیق وہ خالق عالم کے قائل ہو گئے اور نبوت کی بھی تصدیق کی اور جن کی طبیعتوں پر تعصب غالب تھا وہ اس دولت سے محروم رہے۔

الحاصل حق تعالیٰ نے عادت مستمرہ کے خلاف بھی کام کئے جس سے اس کی قدرت اور خالقیت پورے طور پر ذہن نشین ہو گئی اگر خدائے تعالیٰ عادت مستمرہ کے خلاف کوئی کام کر کے نہ دکھاتا تو دہریہ کو قائل کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ افلاک کی حرکات سے طالع میں استزاجات پیدا ہوتے ہیں جن کے خاص خاص طور پر واقع ہونے سے حیات اور موت کا وقوع ہوتا ہے اس میں خالق کے فعل کی کوئی ضرورت نہیں اگر احیائے اموات کے جیسے خوارق عادات کا وقوع نہ ہوتا تو صرف باتوں سے وہ خالق کا ماننا اور اپنے آپ کو اس کی بندگی اور عبودیت میں دے کر عمر بھر کی آزادیوں سے دست بردار ہو جانا کبھی گوارا نہ کرتے ان کے بعد جو ان کے خف اور قدم بقدم ان کے پیرو تھے اس قسم کی جتنی باتیں قرآن میں ہیں سب کی تصدیق انہوں نے کی اور جن طبیعتوں میں انحراف آگیا

وہ اس کے ماننے میں حیلے کرنے لگے چنانچہ مرزا صاحب اس موقع میں یہ تعارض کا حیلہ پیش کرتے ہیں کہ اگر مردوں کا زندہ ہونا مان لیا جائے تو انہم لایر جعون کے مخالف ہو گا۔ اولیٰ تاہل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے ان آیات میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جہاں لایر جعون ارشاد ہے اس سے آدمی کی بے بسی ثابت کرنا منظور ہے کہ جب ہم اس کو مار ڈالتے ہیں تو اس میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی زائل شدہ حیات کو پھر حاصل کر سکے بلکہ ہمارے قبضہ قدرت سے وہ نکل نہیں سکتا اور جہاں یہ ارشاد ہے کہ ہم نے مردوں کو زندہ کیا اس سے بھی کامل درجہ کی قدرت کا اظہار مقصود ہے کہ جو تمہاری عقلوں میں محال دکھائی دیتا ہے اس کو ہم نے واقع کر دکھایا۔ اب دیکھئے کہ دونوں آیتوں کے مضمون میں کس قدر توافق ہے حاصل مطلب ان کا یہی ہوا کہ ہم ہر طرح قادر ہیں نہ کوئی زندہ ہماری قدرت سے خارج ہو سکتا ہے، نہ مردہ۔ زندہ کو جب ہم مردہ کر دیتے ہیں تو وہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب مردہ کو زندہ کرتے ہیں تو وہ انکار اور سرتابی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب جو تعارض پیدا کر رہے ہیں اگر اسی کا نام تعارض ہو تو اس قسم کا تعارض بہت سی آیتوں میں پیدا ہو جائے گا مثلاً حق تعالیٰ فرماتا ہے اِن الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیْہِمۡ اَ اُنۡذَرۡتَہُمۡ اَمْ لَمۡ تُنۡذَرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار ایمان نہ لائیں گے حالانکہ ہزار ہا کفار اس آیت کے نزول کے بعد ایمان لائے اور لاتے جا رہے ہیں دیکھئے انہم لایر جعون میں جو بات ہے وہی انہم لایؤمنون میں بھی ہے اگر انہم لایر جعون سے رجوع اموات غیر ممکن ثابت ہوتا ہے تو انہم لایؤمنون سے بھی کفار کا ایمان ماننا غیر ممکن ہو جائیگا مگر جب ہمیں معلوم ہو گیا کہ بمصدق بھیدی من یشاء الہی صراط المستقیم کے حق تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اسی وجہ سے کفار ایمان لاتے ہیں تو اس کا بھی ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ جس مردہ کو چاہتا ہے زندہ کر

سکتا ہے جس کے وقوع پر بھی المونی وغیرہ آیات گواہ صادق ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اکثر محاورات قرآنیہ وغیرہ میں عام طور پر کوئی بات کہی جاتی ہے مگر بلحاظ قرآن اس کی تخصیص پیش نظر رہا کرتی ہے اس کی نظیریں قرآن شریف میں بکثرت موجود ہیں ایک وہی آیت ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور ایک آیت یہ ہے وَالْمَلَائِكَةُ يَسْبَحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ یعنی فرشتے اللہ کی تسبیح اور حمد کیا کرتے ہیں اور زمین میں رہنے والوں کے گناہوں کی مغفرت اور معافی مانگا کرتے ہیں اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ تمام اہل زمین کے حتیٰ کہ مشرکین کے لئے بھی استغفار کیا کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو حق تعالیٰ ان کو منع فرما دیتا جیسا کہ مسلمانوں کو منع فرمایا کما قال تعالیٰ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ يَعْزِي بِنَبِيِّ هُوَ اللَّهُ ذَا الْعَرْشِ الْعَظِيمِ اور مسلمانوں کو زیہ نہیں کہ مشرکین کی مغفرت کی دعا مانگیں اس سے ظاہر ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور عرض کرتے کہ جب فرشتوں کو مشرکین کی مغفرت مانگنے کی اجازت ہے تو ہمیں بطریق اولیٰ اس کی اجازت ہونی چاہیے اس لئے کہ ہم پر تو بہت سے مشرکوں کی قربات کا حق بھی ہے حالانکہ یہ درخواست کبھی پیش نہ ہوئی اس سے ثابت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عن فی الارض سے عام اہل زمین نہیں سمجھا بلکہ بقرینہ آیہ شریفہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَتَّخِذُوا مِنَ الْكَافِرِينَ وَلِأُولَئِكَ الْأَلَاءُ اس کی تخصیص مسلمانوں ہی کے ساتھ کی۔ اس طرح انہم لایرجعون سے مراد اہل مردے نہیں بلکہ جن مردوں کا زندہ ہونا دوسری آیتوں سے ثابت ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں جیسے عن فی الارض سے مشرکین مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح یہ آیت شریفہ ہے بینی اسرائیل اذکروا نعمتی الی انعمت

علیکم والی فضلتکم علی العالمین یعنی اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو تم کو دی تھی اور یہ کہ فضیلت دی تھی تم کو تمام عالموں پر۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تمام عالموں میں تمام انبیاء اور تمام ملائکہ بھی داخل ہیں پھر کیا ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کو ان تماموں پر فضیلت دی گئی تھی؟ ہرگز نہیں۔ غرض کہ جس طرح دوسری آیتوں سے ملائکہ وغیرہ عالمین سے مستثنیٰ ہیں اسی طرح دوسری آیتوں سے زندہ شدہ مردے لایرجعون کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح یہ آیہ شریفہ ہے قال فخذ اربعة من الطير فصرهن اليك ثم جعل علي كل جبل منهن جزء۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ پرندوں کو نکلنے نکلنے کر کے پہاڑوں پر رکھ دو جس کی نسبت آیہ شریفہ میں علی کل جبل مذکور ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کل جبل میں تمام روئے زمین کے پہاڑ شامل ہیں مگر بقرینہ عقل کل جبل سے مراد چند مخصوص پہاڑ تھے اسی طرح بقرینہ عقل لا یوجعون سے مراد وہی مردے ہیں جن کا زندہ ہونا مشیت الہی میں نہیں اسلئے کہ جب خدائے تعالیٰ نے چند مردوں کے زندہ کر دینا حال بیان فرمایا اور عقل بھی اس قدرت الہی کو جائز رکھتی ہے تو عقل گواہی دیتی ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے خبر دی ہے بیشک وہ مردے زندہ ہوئے تھے اس لئے لا یوجعون کے حکم سے وہ خارج ہیں۔

اسی طرح یہ آیہ شریفہ ہے ویداً خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين یعنی انسان کی پیدائش کوٹی سے شروع کیا پھر مٹی کی چوڑ سے یعنی مٹی سے جو ایک حقیر پانی ہے ان کی نسل چلائی۔ اسی طرح خلقنا کم من نواب ثم من نطفة جس سے ظاہر ہے کہ کل انسان نطفہ سے پیدا ہوئے۔ حالانکہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام متشکل ہیں جس پر یہ آیہ شریفہ دال ہے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل ادم خلقه من

تراب لم قال له كن فيكون یعنی مثال عیسیٰ علیہ السلام کی آدم علیہ السلام کی سی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا گیا پھر کن سے پیدا ہو گئے جس طرح اس آیت شریفہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام آیت خلق الانسان من سلالة کے حکم میں داخل نہیں اور نطفہ سے ان کی تخلیق نہیں سمجھی جاتی اسی طرح وہ مردے جو زندہ کئے گئے لایو جعون کے حکم میں شریک نہیں اور حق تعالیٰ فرماتا ہے لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا ويحيون ان يحمدوا بما لم يفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب ولهم عذاب الیم یعنی لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف ہو بن کئے پر سو نہ جانو کہ وہ عذاب سے خلاصی پائیں گے بلکہ ان کو عذاب دردناک ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے کہ مروان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا کہ اگر یہی بات ہو تو ہم سب معذب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ صفت ہم سب میں موجود ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وما لكم ولهذه انما دعا النبی ﷺ يهودا فسألهم عن شئ فكتموا اياه واخبره بغيره فاروه ان قد استحمدوا اليه بما اخبروه عنه فيما سألهم وفرحوا بما اتوا من كتمانهم (الحدیث رواہ البخاری) یعنی تم لوگوں کو اس سے کیا تعلق اس سے مراد یہود ہیں جن سے حضرت ﷺ نے کچھ پوچھا تھا انہوں نے اصل معاملہ چھپا کر کوئی اور بات بتلا دی اور اسی پر خوش ہو کر اپنی تعریف چاہی اس سے ظاہر ہے کہ الذین عام ہے مگر مراد اس سے چند مخصوص لوگ تھے۔

الحاصل اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ دوسری آیتوں وغیرہ سے حکم عام کی تخصیص ہوا کرتی ہے یہاں تک کہ یہ مشہور ہے وان من عام الاخص منه البعض اب الی انصاف غور فرمائیں کہ جب انہم لایو جعون کا حکم ان کے زندہ شدہ مردوں پر شامل ہی نہیں تو تعارض کیسا؟ اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب زبردستی تعارض پیدا کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں اور اگر ظاہری تعارض کے لحاظ سے تاویل کی ضرورت ہے تو صرف

لایو جعون میں تاویل کیوں نہیں کی جاتی جو کسی طرح بے موقع نہیں بلکہ بحسب محاورات قرآنیہ شائع و ذائع ہے جس کا حال معلوم ہوا کہ خود خدائے تعالیٰ کو یہ تاویل منظور ہے پھر ایسی تاویل کو چھوڑ کر بدنام تاویلیں کرنا جن کے سننے سے مسلمانوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کلام بگاڑا جاتا ہے کس قدر ایمان سے دور ہے۔ اس تقریر سے ان استدلالوں کا جواب بھی ہو گیا جو مرزا صاحب کی جانب سے پیش ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وکم اهلکنا قبلہم من القرون انہم الیہم لایو جعون (وقوله تعالیٰ) فلا یستطیعون توصیة ولا الی اہلہم یو جعون کیونکہ زندہ شدہ مردے خود بخود رجوع نہیں کر سکتے بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا اور اگر مطلق رجوع مراد لی جائے تو دوسری آیتوں کی شہادت سے وہ لایو جعون میں داخل ہی نہیں اور جس طرح فہم لایو منون سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کوئی کافر ایمان لایا ہی نہیں اسی طرح لایو جعون سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کوئی مردہ زندہ ہوا ہی نہیں۔

اور اس آیت شریفہ سے جو استدلال کیا جاتا ہے انکم یوم القیمة تبعثون کہ اس وعدہ میں کبھی تخلف نہ ہوگا معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے یہ تو کسی نے نہیں کہا کہ قیامت میں مردے نہ اٹھیں گے البتہ مرزا صاحب اس کے قائل ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ مردے سوراخ کی راہ سے جنت میں گھس جاتے ہیں اور پھر نہیں نکل سکتے جس سے ظاہر ہے کہ بعث وشرک ضرورت ہی نہیں۔

شاید ان حضرات نے ہمارا مذہب یہ سمجھا ہے کہ زندہ شدہ مردوں کو کبھی موت نہیں جس سے یہ لازم آئے کہ ان کے بعث کی ضرورت نہیں دراصل ہمارا مذہب یہ نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مردوں کو حق تعالیٰ نے زندہ کیا اس سے صرف قدرت نمائی مقصود تھی پھر جب تک چاہا ان کو زندہ رکھا اور مثل دوسروں کے وہ بھی مر گئے اور قیامت میں سب کے

ساتھ ان کا بھی حشر ہوگا اور یوم القیمة تبعثون کے حکم میں شریک ہو جائیں گے۔

اس استدلال میں لطف خاص یہ ہے کہ انکم یوم القیمة تبعثون میں مخاطبوں کی تخصیص ہے اور اس سے استدلال یہ ہو رہا ہے کہ گزشتہ بعض افراد قبل قیامت زندہ نہیں کئے گئے۔ گو خدائے تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی ہے۔

اور اس حدیث شریف سے یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ بعد شہادت جابر رضی اللہ عنہ نے حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ پھر دنیا میں رجوع کرنے کی اجازت ہوتی کہ دوبارہ درجہ شہادت حاصل کریں اس پر ارشاد ہوا کہ انی قضیت انہم لا یرجعون اور ایک روایت میں ہے قد سبق القول منی انہم لا یرجعون یعنی میں پہلے فیصلہ کر چکا ہوں کہ وہ لوگ نہ لوٹیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے یہی قاعدہ اس عالم میں مقرر فرمایا ہے کہ کوئی مرا ہوا زندہ نہیں ہوتا اور یہی عادیۃ اللہ اور سبب اللہ ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا ولن تجد لسنة اللہ تحویلا مگر یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ کسی مصلحت سے عادت کو کبھی بدل دینا ممکن ہے یا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سے واقعات بیان کئے ہیں جن سے ثابت ہے کہ اکثر عادتوں کے خلاف بھی کیا ہے مثلاً تمام روئے زمین پر وقت واحد میں ایسا طوفان ہو جانا کہ کل پہاڑ تک غرق ہو جائیں بالکل خلاف عادت ہے اور نوح علیہ السلام کے وقت ایسا ہی ہوا کہ طوفان سے کل آدمی اور حیوان مر گئے۔ عادۃ آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے مگر ابراہیم علیہ السلام پر سرد ہو گئی لانگی سانپ بن جانا اور اس کے مارنے سے دریا پھٹ کر اس میں راستے ہو جانا اور ایک مار سے پتھر میں بارہ چشمے جاری ہو جانا خلاف عادت ہے مگر موسیٰ علیہ السلام سے وہ سب وقوع میں آئے۔ مچھلی کے پیٹ میں آدمی کا زندہ رہنا خلاف عادت ہے مگر یونس علیہ السلام اس میں ایسے

رہے جیسے کوئی گھر میں رہتا ہے۔ بغیر مرد کے عورت کو اولاد ہونا محال سمجھا جاتا ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ایسی ہی ہوئی۔

چاند کا شق ہو جانا خلاف عقل و خلاف عادت ہے باوجود اس کے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واقع کر دکھایا جس کے مرزا صاحب بھی قائل ہیں ان کے سوا صدا خوارق عادت قرآن وحدیث سے ثابت ہیں جن سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی خاص مصلحت سے عادت کے خلاف بھی کرتا ہے اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر کسی کی درخواست پر عادت بدل دیا کرے۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست میں کوئی عمومی مصلحت نہ تھی بلکہ تمدن کی وجہ سے انکا ذاتی شوق تھا کہ زندہ ہو کر پھر را خدا میں شہید ہوں اگر یہ درخواست منظور ہو جاتی تو ہر شہید یہی تمنا کرتا اور خلاف عادت اللہ عادت ہو جاتی جس سے اعلیٰ درجہ کا خارق عادت عادی امور میں داخل ہو جانے کا سخت اندیشہ تھا اور اس سے بڑا مقصود فوت ہو جانا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولن تجد لسنة اللہ تحویلا غرض کہ مصلحت الہی مقتضی نہ ہوئی کہ وہ زندہ کئے جائیں اس لئے صاف جواب مل گیا کہ یہ امر عادت اور قانون فطرت کے خلاف ہے اس لئے یہ درخواست منظور نہیں ہو سکتی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ کو خرق عادت پر قدرت نہیں یا کبھی نہیں۔ کیا اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیے کہ بادشاہ مقتدر اپنے ملک میں کوئی دستور مقرر کر دے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ اس دستور کے خلاف درخواست کرے مگر اس سے یہ لازم نہیں کہ کیسی ہی خاص مصلحت اور ضرورت ہو بادشاہ خلاف قانون نہ کرے گا بلکہ عند الضرورت اپنے شاہی اقتدار سے کسی فقرہ کے خلاف عمل کرنا انب سمجھا جائیگا اور کسی کو پوچھنے کا حق نہ ہوگا کہ خلاف قانون کیوں کیا گیا۔

الحاصل جابر رضی اللہ عنہ کی درخواست منظور نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ

خداے تعالیٰ نے بطور خرق عادت کسی مردہ کو زندہ کیا ہی نہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ خود اپنے کلام پاک میں خبر دے رہا ہے کہ کئی مردوں کو ہم نے زندہ کیا۔

ایک قادیانی صاحب نے القول العجیب میں لکھا ہے کہ اگر ان چاروں مقاموں میں یعنی فاماتہ اللہ مائتہ عام ثم بعثہ وغیرہ میں حقیقی احيائے موتی مراد ہوتا تو خداے عظیم اموات کے ترکہ کی تقسیم کے احکام تفصیلاً نہ فرماتا اور عورتوں کو شوہر کے مرنے پر عدت اور خانہ نشینی کی ہدایت نہ فرماتا بلکہ نکاح ثانی کا حکم نہ بھیجتا بلکہ یوں حکم کرتا کہ خبردار میت کے مال کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ ہم اس کو قریب میں واپس کرنے والے ہیں اور عورتوں کو نکاح کی ہدایت نہ فرماتا کہ زہار غیر سے نکاح نہ کر لینا عنقریب ہم تمہارے خاندنوں کو تمہاری طرف لوٹانے والے ہیں اور اس قسم کی بہت سی تفریعات و لوازم لکھے جن کا مطلب یہ ہوا کہ خداے تعالیٰ نے احيائے اموات کی خبریں جو قرآن شریف میں دی ہیں کہ عزیر (علیہ السلام) وغیرہ کو ہم نے زندہ کیا تھا اگر ان کا یقین کر لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اب نہ کسی کا مال متروک بعد موت تقسیم ہو سکے، نہ عورتوں کو نکاح ثانی کی اجازت ملے کیونکہ عزیر (علیہ السلام) زندہ ہوئے تھے۔ اگر یہ استدلال صحیح ہو جائے تو بڑی دقتیں لاحق ہوں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت سے پہلے موت کا سامنا ہو جائیگا اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اھلکنا القرون الاولیٰ یعنی پہلے زمانے والوں کو ہم نے ہلاک کیا اس لئے اب نہ کسی کو کھانا سوچئے، نہ پینا، نہ نکاح وغیرہ۔ اسلئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آگ سرد ہے اس لئے کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے حق میں سرد ہو گئی تھی مگر کوئی عقلمند اس قسم کے استدلال کو جائز نہ رکھے گا اس لئے کہ گزشتہ کا خاص کوئی واقعہ بیان کرنا اس کو مقتضی نہیں کہ ہر وقت اس قسم کے واقعات ہوا کریں خصوصاً ایسے واقعات کا جن کا خارق عادت ہونا مسلم ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں کہ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر مردہ

کو زندہ کیا کرتا ہے غرض کہ احيائے اموات کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے تقسیم میراث وغیرہ کی اجازت ہے اگرچہ کہ اس میں بھی شک نہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اب بھی مردوں کو زندہ کر سکتا ہے مگر ہمارے دین میں احتمال پر واقعی آثار مرتب نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے گو ہر وقت آدمی کو موت کا احتمال لگا ہوا ہے مگر اس احتمال پر یہ حکم نہیں ہو سکتا کہ اس کا مال ترکہ میں تقسیم کر دیا جائے یا اس کی عورت عدت میں بیٹھے اور نکاح ثانی کر لے۔ غرض کہ جب تک آدمی نہ مرے نہ اس کا مال ترکہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی عورت بیوہ۔ اسی طرح جب تک مردہ زندہ نہ ہو نہ اس کے مال سے ورثاء محروم ہوں گے، نہ اس کی عورت عدت و نکاح سے ممنوع۔

مرزا صاحب جو کہتے ہیں کہ کوئی مردہ اس عالم میں زندہ نہیں ہو سکتا سوا اوداس کے کہ قرآن شریف کی کئی آیتیں اس دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہیں احادیث اور واقعات سے بھی اس کا رد ہو رہا ہے چنانچہ ان روایات سے ظاہر ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ ج ۲ میں اور ملا علی قاری نے شرح شفاے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں دلائل نقل کی ہے۔ ان النبی ﷺ دعا رجلاً الى الاسلام فقال لا اؤمن بک حتی تحي لي ابنتی فقال النبی ﷺ ارنی قبرها فاراه اياه فقال النبی ﷺ بافلانة فقال لییک وسعدیک فقال ﷺ اتحبین ان ترجعی فقالت لا واللہ یا رسول اللہ ﷺ انی وجدت اللہ خیراً لی من ابوی ووجدت الآخرة خیراً من الدنیا۔ یعنی نبی ﷺ نے ایک شخص کو دعوت اسلام کی اس نے کہا کہ جب تک میری لڑکی کو آپ زندہ نہ کرو گے میں ایمان نہ لاؤں گا آپ نے فرمایا اس کی قبر کہاں ہے اس نے قبر دکھا دی حضرت ﷺ نے اس لڑکی کا نام لے کر پکارا اس نے جواب دیا حضرت ﷺ نے فرمایا کیا تو اس بات کو پسند کرتی ہے کہ پھر دنیا میں لوٹے اس نے قسم کھا کر کہا کہ یا رسول

اللہ میں یہ نہیں چاہتی میں نے خدا کو اپنے ماں باپ اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔

روى ابن عدى وابن ابى الدنيا والبيهقى وابو نعيم عن انس رضي الله عنه قال كنا في الصفة عند رسول الله ﷺ فاتته عجوز عميا مهاجرة معها ابن لها قد بلغ فلم يلبث ان اصابه وباء المدينة فمرض اياماً ثم قبض فغمضه رسول الله ﷺ وامره اى انسا بهجازه فلما ارونا ان نغله قال يا انس انت امه فاعلمه فاعلمتها فجاءت حتى جلست عند قدميه فاحللت بهما ثم قالت انى اسلمت اليك طوعاً وخلعت الاوثان زهداً وهاجرت اليك رغبة اللهم لا تشمت عبدة الاوثان ولا تحملنى في هذه المصيبة مالا طاقة لى بحمله فوالله ما انقضى كلامها حتى حرك قدميه والقى الثوب عن وجهه وطعم وطعمنا معه وعاش حتى قبض النبي ﷺ وهلكت امه. (ذكر البردة في شرح الموهب اللدبي) يعنى انس رضي الله عنه کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ ایک نابینا بڑھیا ہجرت کر کے اپنے جوان فرزند کے ساتھ حاضر خدمت ہوئیں تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ ان کا لڑکا وبا سے بیمار ہوا اور چند روز میں انتقال کر گیا حضرت نے اس کی آنکھیں بند کر کے انس رضي الله عنه کو اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا جب ہم نے اس کے غسل کا ارادہ کیا تو حضرت نے کہا کہ اس کی ماں کو خبر کر دو چنانچہ سنتے ہی وہ آئیں اور اپنے لڑکے کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اس کے دونوں قدم پکڑے اور کہنے لگیں یا اللہ میں خوشی سے اسلام لائی تھی اور بے رغبتی سے بتوں کو چھوڑ دیا تھا اور کمال رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی یا اللہ ایسا مت کر کہ بت پرست دشمن ہمیں اور اس مصیبت میں وہ ہمارے مجھ پرست ڈال جس کے اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔ انس رضي الله عنه کہتے ہیں کہ ہنوز یہ کلام پورا نہیں ہوا تھا کہ اس لڑکے نے پاؤں بجائے اور پکڑا منہ سے ہٹا دیا اور ہمارے ساتھ اس

نے کھانا کھایا اور حضرت کی وفات کے بعد تک زندہ رہا اور اس اثناء میں اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

درمنثور میں امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے و اخرج ابن ابى الدنيا فى كتاب من عاش بعد الموت عن معاوية بن قرة قال سألت بنو اسرائيل عيسى فقالوا ان سام بن نوح دفن ههنا قريباً فادع الله بيعته لنا فنهض فخرج اشمط يعنى بنى اسرائيل نے عیسیٰ ﷺ سے درخواست کی کہ سام بن نوح کی قبر یہاں سے قریب ہے ان کے زندہ ہونے کی دعا کیجئے آپ نے ان کو پکارا اور وہ قبر سے نکل آئے اس حالت میں کہ دو مویہ تھے یہاں ایک بات اور بھی معلوم ہوئی ہے کہ ابن ابی الدنیاء رحمہ اللہ علیہ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے و اخرج اسحق بن بشر وابن عساكر من طرق عن ابن عباس رضى الله عنهما قال كانت اليهود يجتمعون الى عيسى (الى ان قال) فمر ذات يوم بامرأة قاعدة عند قبر وهي تبكي فسألها فقالت ماتت ابنة لى ولم يكن لى ولد غيرها فضلى عيسى ركعتين ثم نادى يا فلانة قومى باذن الرحمن فاخرجى فتحرک القبر ثم نادى الثانية فانصدع القبر ثم نادى الثالثة فخرجت وهي تنفض راسها من التراب (الديث) يعنى ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز عیسیٰ ﷺ کا گزر ایک عورت پر ہوا جو قبر کے پاس بیٹھی روتی تھی آپ نے حال دریافت فرمایا اس نے کہا کہ میری ایک بی لڑکی تھی جس کے سوا میری کوئی اولاد نہیں وہ مر گئی آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر اس کو پکارا کہ خدا کے حکم سے کھڑی ہو جا اور نکل آ۔ اس کے ساتھ اس کی قبر کو حرکت ہوئی پھر دوسرے بار پکارا جس سے

قبر شق ہوئی پھر تیسرے بار کے پکارنے پر وہ لڑکی سر سے مٹی جھٹکتی ہوئی نکل آئی۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے جس کی تحریر ابن جریر اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے یہ روایت طولانی ہے ماحصل اسکا یہ ہے کہ ایک شاہزادہ مرگیا تھا اس کے باپ نے عیسیٰ (علیہ السلام) سے درخواست کی کہ وہ زندہ کیا جائے آپ نے دعا کی اور وہ زندہ ہو گیا۔ اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے وَاخْرَجَ اَحْمَدُ فِي الزَّهْدِ عَنْ خَالِدِ الْحَذَاءِ قَالَ كَانَ عَيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِذَا سَرَحَ رَسْلَهُ يَحْيَوْنَ الْمَوْتَى يَقُولُ لَهُمْ قُولُوا كَذَا قُولُوا كَذَا فَاِذَا وَجَدْتُمْ قَشْعِرِيْرَةً وَدُمْعَةً فَادْعُوا عِنْدَ ذَلِكَ يَعْنِي عَيْسَى (علیہ السلام) جب اپنے رسولوں (حواریوں) کو بھیجتے تو ان کو مردوں کو زندہ کرنے کی تدبیر بتاتا دیتے کہ یہ کلمات کہا کرو اور جب جسم پر رو گئے کھڑے ہو جائیں اور اشک بہنے لگیں تو اس وقت دعا کرو۔

اور یہ روایت بھی درمنثور میں ہے وَاخْرَجَ اَحْمَدُ فِي الزَّهْدِ عَنْ ثَابِتٍ قَالَ اَنْطَلَقَ عَيْسَى (علیہ السلام) يَزُوْرُ اَحَالَه فَاَسْتَقْبَلَهُ اِنْسَانٌ فَقَالَ اِنْ اَخَاكَ قَدْ مَاتَ فَرُجْعَ فَسَمِعْتَ بَنَاتِ اَخِيهِ يَرْجُوْنَهُ عَنْهُنَّ فَاتَيْنِ فَقُلْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُوْعَكَ عِنَّا اَشَدُّ عَلَيْنَا مِنْ مَوْتِ اَبِينَا قَالَ فَاَنْطَلَقْنِ فَاَرَبْنِي قَبْرَهُ فَاَنْطَلَقْنِ حَتّٰى اَرَبْنَهُ قَبْرَهُ قَالَ فَصَوْتُ بِهِ فَخَرَجَ (اللہ رب) یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے خالہ زاد بھائی کی ملاقات کو گئے ایک شخص نے کہا کہ ان کا انتقال ہو گیا آپ نے لوٹنا چاہا آپ کی بھتیجیوں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو کہنے لگیں کہ آپ کا واپس جانا ہمارے باپ کے انتقال سے زیادہ ہم پر شاق ہے فرمایا آپ نے، باپ کی قبر دکھاؤ وہ ساتھ ہوئیں اور قبر کی نشاندہی کی آپ نے صاحب قبر کو پکارا چنانچہ وہ قبر سے نکل آئے۔

بہتہ الاسرار میں شیخ نور الدین عیسیٰ اللہی نے لکھا ہے کہ شیخ ابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ ایک

بارا کہیے بیٹھے ہوئے تھے سو سے زیادہ پرندے وہاں اتر آئے شیخ کو ان کی آوازوں سے تشویش ہوئی اور غصے سے ان کی طرف دیکھا فوراً سب مر گئے شیخ کو ان کی حالت پر رحم آیا اور کہا الہی میرا مقصود یہ نہ تھا فوراً زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ ایک روز بیٹھ میں سات شخصوں نے بہت سے پرندوں کا شکار کیا مگر سب مردار ہو گئے تھے شیخ عثمان بطاحی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا اس شکار سے تمہیں کیا فائدہ نہ خود کھا سکتے ہو نہ کسی کو کھلا سکتے ہو ان لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ وہ سب مردار ہیں کسی نے بطور استہزاء کہا کہ اگر آپ سے ہو سکتا ہے تو زندہ کر دیجئے آپ نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللّٰهُمَّ احْيِهَا يَا مُحْيِ الْعِظَامِ وَهِيَ رَمِيمٌ یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔

اور اسی میں ہے ایک بار شیخ احمد رفاعی (علیہ السلام) تشریف رکھے تھے ایک شخص نے آکر کہا میری خواہش یہ ہے کہ یہ مرغابیاں جواڑ رہی ہیں ان میں سے ایک اور دو روئیاں اور ٹھنڈا پانی میرے روبرو ہو آپ نے قبول کیا چنانچہ وہ سب چیزیں فراہم ہو گئیں جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو آپ نے اس مرغابی کی ہڈی لے کر کہا اذھبی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتے ہی وہ زندہ ہو کر اڑ گئی۔

اور اسی میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے لڑکے کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (علیہ السلام) کی خدمت میں دیا آپ نے اس کو مجاہدہ اور سلوک میں مشغول فرمایا ایک روز وہ عورت آئی اور دیکھا کہ حضرت کے روبرو مرغ کا گوشت ہے اور اپنے لڑکے کے روبرو سوکھی جو کی روٹی یہ اس کو ناگوار ہوا حضرت نے اس مرغ کی ہڈیوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اٹھ اللہ کے حکم سے وہ فوراً زندہ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا پھر اس عورت سے فرمایا کہ جب تیرے لڑکے میں یہ بات پیدا ہوگی اس وقت وہ مرغ کھا سکتا ہے۔

اور اسی میں شیخ علی بن ہتی رحمہ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ کسی گاؤں میں ایک شخص قتل ہوا تھا اور قتل کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے قریب تھا کہ دو گاؤں کے لوگوں میں کشت و خون ہو شیخ رحمہ اللہ علیہ وہاں چلے گئے اور مقتول کے سر کے بال پکڑ کر پوچھا کہ تجھے کس نے قتل کیا وہ اٹھ بیٹھا اور شیخ کی طرف دیکھ کر باوازی بلند فصیح زبان سے کہا کہ فلاں شخص نے مجھے قتل کیا چنانچہ سب نے سنا اور اسی کے قول پر فیصلہ ہو گیا۔

اور اسی میں لکھا ہے کہ ایک بار شیخ سید احمد رفاعی رحمہ اللہ اپنے مریدوں کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ اس وقت مچھلی کا گوشت کھانے کو جی چاہتا ہے یہ کہتے ہی اقسام کی مچھلیاں کنارے پر آگئیں اور کثرت سے شکار ہوا اور کڑا ہیوں میں تلی گئیں جب سب کھانے سے فارغ ہوئے اور چند قتلے باقی رہ گئے اس طور پر کہ کسی کا سر ہے تو کسی کی دم وغیرہ اس وقت ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت شیخ متکبر کی کیا صفت ہے فرمایا کہ تمام خلایق میں اس کو عام تصرف دیا جائے اس نے کہا اس کی علامت کیا ہے فرمایا اگر وہ ان مچھلیوں سے کہہ دے کہ چلی جائیں تو وہ چلی جائیں پھر ان قتلوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا اے مچھلیو! اللہ کے حکم سے تم اٹھو اور چلی جاؤ یہ کہتے ہی وہ سب زندہ ہو گئیں اور دریا میں کود پڑیں۔

یہ روایتیں بیہتہ الاسرار میں ہیں چونکہ اس کے مصنف شیخ نور الدین علی رحمہ اللہ علیہ محدثین سے ہیں اسلئے ہر روایت کو بطرز حدیث سند متصل بیان کیا۔ فقہ المہین صفحہ ۱۱ میں فیما يتعلق بترباق المحبین میں صاحب بیہتہ الاسرار کے حال میں لکھا ہے قال الامام الذهبي المشهور الذي هو من اعظم علماء الحديث و اکابرهم الذي يقال عنه انه محك الرجال و معيارهم العارف باحوال رجال الحديث و الرواية في كتابه طبقات المقربين في ترجمة مصنف البهجة

فانصه على بن يوسف بن جرير اللخمي المشنطوني الامام الاوحد المصري نور الدين شيخ القراء بالديار المصرية ابو الحسن تصدر للقراء والتدريس بالجامع الازهر وقد حضرت مجلس اقراءه واستالست بسمة وسكونه. دیکھئے امام ذہبی جیسے شخص مصنف بیہتہ الاسرار کو الامام الاوحد یعنی امام یگانہ روزگار کہتے ہیں اور اس کی مجلس کی حضوری کو باعث فخر سمجھتے ہیں تو وہ کس درجہ کے معتمد علیہ شخص ہوں گے۔

اور نیز فتح المہین صفحہ ۱۱۵ میں محمد بن محمد الجوزی صاحب حصن حصین کا قول نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کتاب بیہتہ الاسرار میں نے مصر میں کامل پڑھی اور شیخ عبد القادر جو اکابر مشائخین مصر سے تھے ان سے اس کی اجازت لی۔ اس سے بیہتہ الاسرار کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے کہ محدثین اس کو سبقتاً پڑھا کرتے تھے اور مشیح سہ سہ کے اس کی بھی اجازت لیا کرتے تھے۔ جب نقاد حدیث نے اس کتاب کے مصنف کو امام اوحد کہہ دیا اور محدثین کے درس و تدیس میں وہ کتاب رہی تو اب کس کی مجال ہے کہ اس کی روایتوں میں چون و چرا کر سکے۔

امام یافعی رحمہ اللہ علیہ نے روض الریاحین صفحہ ۱۹۳ میں لکھا ہے کہ شععی رحمہ اللہ علیہ کا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک جماعت یمن سے جہاد کے لئے آئی ان میں سے ایک شخص کا گدھ حامر گیا ہر چند رفقائے ان کی سواری کے لئے اپنے گدھے پیش کئے مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کہہ کر الہی تیری راہ میں تیری رضا مندی کے لئے میں جہاد کے واسطے نکلا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ تو مر دوں کو زندہ کرتا ہے اور تمام مردوں کو قبروں سے اٹھائیگا۔ الہی میں تجھ سے یہ طلب کرتا ہوں کہ میرے گدھے کو زندہ کر دے یہ کہہ کر گدھے کو مارا وہ کان جھٹکتا ہوا فوراً کھڑا ہو گیا وہ اس پر سوار ہوئے اور اپنے رفقائے

جالے۔

اور اسی کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہے کہ ایک روز چند پرندے بریان شیخ مفرج رحمہ اللہ کے دسترخوان پر لائے گئے آپ نے ان سے کہا کہ اڑ جاؤ وہ سب زندہ ہو کر اڑ گئے۔
 فتاویٰ حدیثیہ میں مذکور ہے کہ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کرامت معجزہ کے درجے کو پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اہل سنت و جماعت کے کل فرقے یعنی فقہاء اصولیین اور محدثین وغیرہم سب کرامت کے وجود کے قائل ہیں معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ پھر اہل سنت کے دلائل احادیث سے بیان کئے اور لکھا کہ کرامت اور معجزے میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ معجزہ دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لئے ہے اور کرامت ولی سے صادر ہوتی ہے جو نبوت کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ دعویٰ کرتے ہی ولایت و کرامت اس کی سلب ہو جائے گی اور وہ کافر ہو جائے گا اس کے بعد کئی واقعات احیائے اموات کے بیان کئے جو بطور کرامت اولیاء اللہ سے صادر ہوئے ہیں۔ چنانچہ چند واقعات کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔

ایک یہ کہ عبداللہ تستری رحمہ اللہ علیہ جہاد کے لئے جا رہے تھے رستہ میں ان کی سواری کا گھوڑا مر گیا انہوں نے دعا کی کہ الہی یہ گھوڑا مجھے اس وقت تک عاریت دے کہ میں اپنی بستی تستر کو پہنچ جاؤں اسی وقت گھوڑا کھڑا ہو گیا اور اس سفر میں پوری رفاقت دی اور جب تستر کو پہنچے تو خود گیر اتارتے ہی وہ مر گیا۔

اور ایک اعرابی کے اونٹ کے زندہ ہونے کا واقعہ بھی اسی قسم کا نقل کیا ہے اور لکھا ہے عن سهل التستري انه قال ذاكر الله على الحقيقة لوهم ان يحيى المونى بفعل سهل تستري کہتے ہیں حقیقی طور پر جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرے اگر وہ مردہ کو زندہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ شیخ اہل ابو الغیث رحمہ اللہ علیہ کے پاس ایک بلی پئی ہوئی تھی خادم نے اس کو مار ڈالا اور جب شیخ نے اس کا حال کئی روز کے بعد پوچھا تو اپنی لاعلمی ظاہر کی شیخ نے حسب عادت بلی کو پکارا تو فوراً زندہ ہو کر آگئی۔

اور لکھا ہے کہ شیخ ابو یوسف وہابی رحمہ اللہ علیہ کے کسی مرید کا انتقال ہوا جس سے اس کے قرابت دار نہایت غموم تھے آپ وہاں تشریف لے گئے اور رقم باذن اللہ تعالیٰ اس سے کہا فوراً وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک مدت تک زندہ رہا۔

نکحات الانس صفحہ ۲۲۸ میں مولانا جامی رحمہ اللہ علیہ نے عین القضاۃ ہدانی کے حال میں لکھا ہے کہ آپ سے اسی درجہ کے خوارق عادات مثل احیاء و اموات ظہور میں آئے چنانچہ ایک روز ساع کی مجلس میں ابو سعید ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے ایک بیت پڑھی جس پر آپ کو وجد ہوا ابو سعید نے کہا کہ مجھے مرنے کی آرزو آتی ہے۔ آپ نے کہا مر جاؤ وہ فوراً بے ہوش ہو کر گرے اور مر گئے مفتی شہر بھی اس مجلس میں حاضر تھے پوچھا کہ آپ نے زندہ ہو کر مار ڈالا کیا مردہ کو بھی زندہ کر سکتے ہو کہ کون مردہ ہے کہا فقیہ محمود کو زندہ کر دے اسی ساعت وہ زندہ ہو گئے۔

یہ چند واقعات جو دو چار کتابوں سے لکھے گئے ہیں ان کو مشتے نمونہ از خردارے سمجھنا چاہیے اگر تمام کتب سیر و تواریخ وغیرہ سے تلاش کئے جائیں تو اور بہت واقعات مل سکتے ہیں اور یہ تو ابھی معلوم ہوا کہ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ علیہ جو اکابر محدثین سے ہیں انہوں نے ایک کتاب مستقل زندہ شدہ مردوں کے حال میں لکھی ہے اس سے ان کا یہی مقصود تھا کہ احیائے اموات کا ذکر قرآن شریف میں جو کئی جگہ واقع ہے مختلف اوقات اور متعدد مقامات میں اس کا وقوع معلوم ہونے سے کوئی استبعاد باقی نہ رہے۔ حق تعالیٰ ان علماء کی سعی مشکور فرمادے کہ ہم آخری زمانے والے مسلمانوں کے ایمان کو مستحکم کرنے کی غرض سے کیسی کیسی

مخلّص گوارا کر کے ایک ذخیرہ معصومات کا ہمارے لئے فراہم کر دیا جس کی شکر گزاری ہم پر واجب ہے۔

ان تمام واقعات کو دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل اس سے یہی مراد نہیں کہ صرف زبانی وعظ و نصیحت علماء کا کام ہے بلکہ مقتضائے کمال تفسیر یہ ہے کہ جس طرح انبیاء نے احیائے اموات وغیرہ کا خوارق عادات سے کام لیا تھا سید الانبیاء والمرسلین علیہ السلام کی امت اس باب میں بھی ان سے پیچھے نہ رہے چنانچہ علماء باللہ قدس اللہ سرہوہ نے اس کو بھی کر دکھایا۔

ہمیں اس کا یقین ہے کہ یہ تو کیا اگر کئی جزان واقعات کے پیش کئے جائیں تو بھی مرزا صاحب اور ان کے پیرو ایک نہ مانیں گے اور جس طرح مرزا حیرت دہلوی صاحب کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کی روایات اور تواریخ کا انکار ہے ہمارے مرزا صاحب بھی انکار ہی فرماتے رہیں گے اسلئے یہاں ہمارا دئے سخن مرزا صاحب کی طرف نہیں ہے بلکہ ہم ان حضرات کو توجہ دلاتے ہیں کہ جو فقہاء اور محدثین اور اولیاء اللہ کیما تھ حسن ظن رکھتے ہیں ورنہ مخالفین اہل سنت و جماعت کے روبرو ان حضرات کے اقوال پیش کرنا ایسا ہے جیسے پادریوں کے مقابلہ میں قرآن وحدیث کو پیش کرنا جس سے سوائے تضحیق اوقات کے کوئی فائدہ متصور نہیں۔

معتزلہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو اصل کرامت ہی کا انکار ہے اور ہونا بھی چاہیے اس لئے کہ مادرزاد اپنا مثلاً اگر خدو خال و حسن و جمال اور جملہ الوان و انوار کا انکار نہ کرے تو کیا کرے اسکی عقل میں صلاحیت ہی نہیں کہ ان چیزوں کا تصور کر سکے۔ اسی طرح معتزلہ نے دیکھا کہ آخر ہم بھی مسلمان ہیں اور کبھی کرامت کی صورت بھی نہ دیکھی اس لئے ان کی عقلوں نے اصل کرامت ہی کا انکار کر دیا انہوں نے یہ نہیں خیال کیا کہ اس میں اپنا ہی

تصور ہے کرامت کا مدار تو کمال ایمان پر ہے اور وہاں نفس ایمان میں کلام ہے۔ کیا یہ اختلاف ایمان ہے کہ کھلی کھلی آیات واحادیث کو اپنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نہ مان کر ان میں اقسام کی تاویل میں کی جائیں۔ کرامت کا درجہ تو فقط ایمان لانے سے بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایسی حالت نہ پیدا ہو جس سے خالق کی خوشنودی کے مستحق ہوں پھر ایسا عظیم الشان درجہ بغیر تمام آیات واحادیث پر ایمان لانے کے کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔

الحاصل جس طرح معتزلہ کے انکار کرامت سے اہل سنت و جماعت کرامت کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح مرزا صاحب کے انکار احیائے اموات سے وہ لوگ اس کا انکار نہیں کر سکتے معتزلہ کو تو صرف قیاس ہی نے روکا تھا اس میں ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی مرزا صاحب کی ذاتی غرض بھی اس انکار سے متعلق ہے ایسے موقع میں ان کی بات کیونکر قابل اعتبار ہو سکے۔

حق تعالیٰ نے عزیر یا ارمیا علیہما السلام کے مر کے زندہ ہونے کا واقعہ جو قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے مرزا صاحب اس کی نسبت ازالتہ الاوبام میں لکھتے ہیں قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم و غشی بھی آیا ہے دیکھو قاصدوں۔ اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم و نیوی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرور اس کی موت کا ذکر ہوتا۔ یہ قصہ قرآن شریف میں اس طرح مذکور ہے قوله تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عرو و شہا قال انی یحییٰ هذه اللہ بعد موتہا فاماتہ اللہ

مائۃ عام ثم بعثہ قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک وشربک لم يتسنه وانظر الی حمارک ولنجعلک اية للناس وانظر الی العظام کیف تنشزها ثم نکسوها لحما فلما تبین له قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قدير حاصل مضمون اس آیہ شریفہ کا جو احادیث سے ثابت ہے جن کو ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں اور دوسرے مفسرین نے ذکر کیا ہے یہ ہے اور سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے کہ جب بیت المقدس میں بنی اسرائیل کے نوخیز اور نئے خیال کے لوگ خدا و رسول سے بے خوف ہو گئے اور فسق و فجور حد سے زیادہ ہو گیا ارمیا علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ اب یہ بستی غارت اور ویران کر دی جائیگی۔ ہر چند انہوں نے لوگوں کو بہت کچھ سمجھایا اور وعظ و نصیحت کی مگر جب ایمان ہی نہ ہو تو کیا اثر ہو سکتا ہے۔ غرض کہ کسی نے نہ مانا آخر بخت نصر نے اس پر چڑھائی کی اور قتل عام کر کے اسکو ایسا تباہ کیا کہ تمام مکانات و عمارات منہدم کر دیئے جس سے پوری بستی ایک تودہ خاک مثل پہاڑ نظر آئی ارمیا علیہ السلام وہاں سے جاتے ہوئے بھی کسی پہاڑ کے کنارے کھڑے ہو گئے اور کمال افسوس سے کہا کہ اب یہ بستی کہاں آباد ہو سکتی ہے۔

کما قال تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا قال الی یحییٰ ہذہ اللہ بعد موتہا اور ایک روایت میں ہے کہ عزیر علیہ السلام کا اس پر گزر ہوا اور انہوں نے یہ کلمہ کہا۔ بہر حال خدائے تعالیٰ کو منظور ہوا کہ نبی وقت کا استبعاد دفع کر دے۔ ملک الموت کا حکم ہوا کہ ان کی روح قبض کر لیں۔ چنانچہ روح قبض کر لی گئی جس کی خبر حق تعالیٰ قرآن شریف میں دیتا ہے کہ فاما تہ اللہ اور ان کا لاشہ وہیں پڑا رہا یہاں تک کہ جب ستر برس گزرے تو کسی بادشاہ کو حکم ہوا کہ بیت المقدس کو پھر آباد کرے چنانچہ تیس سال میں وہ بالکل آباد ہو گیا اس وقت چونکہ پورے سو برس ان کی موت سے گزرے تھے حق تعالیٰ

نے ان کو زندہ کیا کما قال تعالیٰ فاما تہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ اور زندہ ایسے طور پر کئے گئے کہ جو خدا نے ان کے دل میں تھا اسکا جواب ساتھ ہی ہو جائے یعنی ابتداء آنکھیں بنائی گئی اور پہلے پہل جس پر نظر پڑی وہ بیت المقدس تھا جس کی آبادی بحال سمجھی گئی تھی دیکھا کہ اس کی اب یہ حالت ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ خوش نما اور خوش منظر ہے کیونکہ کل عمارتیں جدید بنی ہوئی تھیں جن میں نام کو کھنگنی نہ تھی۔ جب انہوں نے اپنے سوال کا جواب عملی طور پر پایا تو ارشاد ہوا کہ اب بتاؤ کہ تم یہاں کتنے روز رہے کما قال تعالیٰ قال کم لبثت کہا ایک روز یا اس سے بھی کم تو تعالیٰ قال لبثت یوما او بعض یوم اس لئے کہ اس عالم سے غائب ہونے کا وقت صبح کا تھا اور اب غروب کا وقت ہے فرمایا یہ نہیں بلکہ سو برس گزر چکے ہیں تو تعالیٰ قال بل لبثت مائۃ عام اب غور کرو کیا ممکن ہے کہ اتنی مدت کھانے پینے کی چیزیں از قسم فواکہ محفوظ رہ سکیں دیکھو یہ چیزیں بلا تغیر تمہارے سامنے رکھی ہیں اور گدھا بھی بحال خود موجود ہے۔ یہ وہی اشیاء ہیں جو تمہارے ساتھ تھیں کما قال تعالیٰ فانظر الی طعامک وشربک لم يتسنه وانظر الی حمارک اس سے ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ خراب کو آباد اور درست کرتا ہے۔ اسی طرح جس چیز کو چاہتا ہے خرابی سے محفوظ بھی رکھ سکتا ہے اسکے بعد ارشاد ہوا کہ ان کا رویوں سے ہمارا مقصود یہ تھا کہ تمہارے خدا کا جواب مع شیء زائد ہو جائے اور یہ بھی غرض تھی کہ تمہیں اپنی قدرت کی نشانی بتائیں کما قال تعالیٰ ولنجعلک اية للناس چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب وہ اپنے گھر گئے تو پوتے بوڑھے تھے اور ان کی وہی عمر تھی جو انتقال کے وقت تھی چنانچہ درمنثور میں ہے وقال ابن عباس رضی اللہ عنہما فکان کما قال اللہ ولنجعلک اية للناس لبسی اسرائیل و ذالک انه یجلس مع بنی بنیہ وہم شیوخ وهو شاب لانه کان مات وهو ابن اربعین سنة فبعث اللہ شابا

کھینٹنے یوم مات (مغرض) غرض کہ جب مجلس میں وہ اپنے پوتوں کے ساتھ بیٹھتے تو حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ ہوتا کہ دادا تو چالیس برس کے اور پوتے سو سو برس کے یہاں تک کہ یہ کلمہ قابل یاد رکھنے کے ہے کہ بیت المقدس خرابی کے بعد از سر نو آباد ہوا جس کو نیا شہر یا اعتبار تعمیر کر کے کہہ سکتے ہیں اور فواکھ میں خرابی اور تعمیر آیا ہی نہ تھا بلکہ وجود ان کا بحالت سابقہ مستمر رہا اور عزیر علیہ السلام کا وجود نہ مثل فواکھ مستمر رہا، نہ بیت المقدس وجود سابق و لاحق میں ایسی مغایرت ہوئی جس سے نئے عزیر کہلائیں بلکہ وجود سابق کے ساتھ وجود لاحق ایسا متصل کیا گیا ہے کہ گویا وجود سابق ہی مستمر ہے اسی وجہ سے ان کے پوتوں نے اپنا دادا تسلیم کر لیا۔ غرضیکہ عزیر علیہ السلام کو ویران شہر کے آباد ہونے کا ہی میں کلام تھا حق تعالیٰ نے اس سے بڑھ کر قابل استبعاد بلکہ محال چیزوں کا مشاہدہ کرا دیا کیونکہ عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ میوہ بغیر تغیر کے سو سال تک محفوظ رہے یا اعداد معدوم کا ہو سکے۔ اس کے بعد معدوم کو موجود کرنے کا طریقہ دکھلایا گیا چنانچہ ارشاد ہوا وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحمائیں اپنی ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کیسی جمع ہو رہی ہیں اور کس طرح ہم ان پر گوشت پہنتے ہیں جب انہوں نے تمام واقعات چشم خود دیکھ لئے اور اچھی طرح ان پر یہ امر ظاہر ہو گیا کما قال تعالیٰ فلما تبین لہ بے اختیار کہہ اٹھے کہ اعلم ان اللہ علی کل شیء قدید یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ویران بستی کا آباد کرنا تو کیا معدوم کو دوبارہ موجود کر سکتا ہے۔ وغیر ذلک۔

یہ شخص ان احادیث کا ہے جو اس باب میں بکثرت وارد ہیں اور جن کا نقل کرنا موجب تصویل ہے درمثور میں یہ روایت بھی ہے اخروج عبد ابن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم وصححه والبیہقی فی شعب الایمان عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی قوله تعالیٰ او کالذی مر علی قریۃ (الئی ان قال)

فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ فاول ما خلق اللہ منہ عیناہ فجعل ینظر الی عظامہ (الحدیث) واخرج اسحق بن بشر وابن عساکر من طرق عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وکعب والحسن وروہب فقال الی یحییٰ ہذہ اللہ بعد موتہا فلم یشک ان اللہ یحییہا ولكن قالہا تعجبا فبعث اللہ ملک الموت فقبض روحہ فاماتہ اللہ مائۃ عام (الحدیث)۔ ما حصل ان روایتوں کا یہ ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس اور کعب اور حسن اور وہب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ وہ نبی حقیقتہ مر گئے تھے جن کی روح ملک الموت نے قبض کی اور پہلے ان کی آنکھوں میں جان آئی جن سے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو دیکھ رہے تھے یہی دو روایتیں مسلمانوں کے لئے کافی ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ اکابر صحابہ و تابعین جب ان کی حقیقی موت کے بعد زندہ ہونے کے قائل ہیں اور صراحتہ قرآن شریف میں بھی ان کی موت کا ذکر موجود ہے تو اب مرزا صاحب کا مجرد بیان کہ ان کی موت ثابت نہیں اور وہ بھی ایسا کہ جس سے اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اس کی طرف توجہ کرے۔

مرزا صاحب کی جہاں غرض متعلق ہوتی ہے تو فرماتے ہیں کہ حدیث ضعیف بھی اعتبار کے قابل ہے کیونکہ اس کا موضوع ہونا تو ثابت نہیں۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا۔ اور ازالتہ الاولیاء میں لکھتے ہیں کہ جو حدیث قرآن شریف کے مخالف نہیں بلکہ اس کے بیان کو اور بھی بسط سے بیان کرتی ہے وہ بشرطیکہ جرح سے خالی ہو قبول کرنے کے لائق ہے اب دیکھئے کہ یہ حدیثیں تو ضعیف بھی نہیں بلکہ خود محدثین نے صحت کی تصریح کی ہے اور ان میں کسی محدث نے جرح بھی نہیں کی اور قرآن کو اور بھی بسط سے بیان کر رہی ہیں کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور زندہ ہونے کے وقت پہلے آنکھیں بتائی گئیں تو بقول مرزا صاحب وہ بھی قابل قبول ہیں جس سے یقیناً ثابت ہو گیا کہ موت یہاں نوم و غشی کے

معنی میں نہیں ہے اور جب احادیث اور آیت قرآنی سے اس عالم میں موت کے بعد زندہ ہونا ثابت ہو گیا تو لایو جھون سے مرزا صاحب نے جو مطلب نکالا تھا کہ کوئی مردہ زندہ نہیں ہو سکتا وہ غلط ہو گیا۔

اور وہ بات صادق آگئی جو خود مرزا صاحب ازلیۃ الاولیاء میں تحریر فرماتے ہیں اور باعث اس کے کہ ان لوگوں (کے یعنی نیچروں) کے دلوں میں قال اللہ اور قال الرسول کی عظمت باقی نہیں رہی اس لئے جو بات ان کی اپنی سمجھ سے بالاتر ہو اس کو محالات اور مستعانت میں داخل کر لیتے ہیں قانون قدرت بے شک حق اور باطل کے آزمانے کیلئے ایک آلہ ہے مگر ہر ایک قسم کی آزمائش کا اسی پر مدار نہیں..... اس فلسفی قانون قدرت سے ذرا اوپر چڑھ کر ایک اور قانون قدرت بھی ہے جو نہایت دقیق اور غامض اور باعث دقت و غموض مولیٰ نظروں سے چھپا ہوا ہے جو عارفوں ہی پر کھلتا ہے۔ مسلمانوں کی بد قسمتی سے یہ فرقہ بھی اسلام میں پیدا ہو گیا جس کا قدم دن بدن الحاد کے میدانوں میں آگے ہی آگے چل رہا ہے مرزا صاحب نیچروں کی چنگال سے مسلمانوں کو اس وجہ سے نکال رہے ہیں کہ وہ مرزا صاحب کی عیسویت کو نہیں مانتے چنانچہ اسی تقریر کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ حال کے نیچری جن کے دلوں میں کچھ بھی عظمت قال اللہ اور قال الرسول کی باقی نہیں رہی یہ بے اصل خیال پیش کرتے ہیں کہ جو مسیح ابن مریم کے آنے کی خبریں صحاح میں موجود ہیں یہ تمام خبریں ہی غلط ہیں شاید ان کا ایسی باتوں سے مطلب یہ ہے کہ تا اس عاجز کے اس دعویٰ کی تحقیر کر کے اس کو باطل ٹھہرایا جائے۔ اس موقع پر تو مآشاء اللہ مرزا صاحب نے حدیثوں کی خوب ہی طرفداری کی مگر جب کوئی حدیث ان کے مخالف ہوتی ہے (اور ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے) تو خواہ وہ بخاری کی حدیث ہو یا مسلم کی، صاف فرمادیتے ہیں کہ حدیث اگر صحیح بھی ہو تو مفید ظن ہے والظن لا یغنی عن الحق ضیقاً یعنی حدیث سے کوئی بات ثابت

نہیں ہو سکتی۔ اور مرزا صاحب کی توجہ حدیث کی طرف ایسی ہوتی ہے جیسے انتہم صاحب کے ہمارے پھرنے کا نام انہوں نے رجوع الی الحق رکھ دیا تھا اب بیچارے نادان مسلمان اگر نیچروں کے پنجہ سے لکے بھی تو مرزا صاحب کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور مجبوراً ان کو یہی کہنا پڑا کہ کوئی حدیث قابل اعتبار اور بزبان حال کہہ رہے ہیں ”چو دیدم عاقبت خود گرگ بودی“ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ یہی بات اگر سمجھ کے کہتے تو اس کے نتائج ہی کچھ اور ہوتے۔

مرزا صاحب نے اگر چہ احتمال قائم کر دیا ہے کہ موت کے معنی لغت میں نوم و غشی کے ہیں مگر وہ موت ہی کے قائل معلوم ہوتے ہیں چنانچہ ازلیۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں اگر ان آیات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے تو صرف یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی کرشمہ قدرت نے ایک لمحہ کے لئے عزیر علیہ السلام کو زندہ کر کے دکھا دیا تاکہ اپنی قدرت پر اس کو یقین دلائے مگر ان کے مرید صاحب نے تو موت کا انکار ہی کر دیا چنانچہ القول العجیب میں لکھا ہے کہ یہ ایک خواب تھی جو اللہ نے نبی کو دکھائی تھی۔ ان کو خیال پیدا ہوا کہ ہڈیوں کا کیونکر زندہ کر سکتا ہے تب اللہ نے ان کی تسلی کے لئے ان پر خواب طاری کی اور خواب میں ان ہڈیوں وغیرہ اور غیر آباد زمین کو سو سال کے اندر آباد ہوتے ہوئے دکھایا پھر جب وہ خواب سے بیدار ہوئے تو اللہ نے پوچھا کہ تم اس حالت میں کتنی دیر رہے انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن اللہ نے کہا تو تو سو سال تک اس ٹھارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر جب ان کو تر دو پیدا ہوا کہ کیا میں سو سال تک سوئے پایا تب اللہ نے ان کے رفع شک کے لئے فرمایا کہ وہ بات تو خواب کی یعنی عالم مثال کے سو سال تھے کیونکہ تم اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھو اس پر کوئی سال نہیں گزرے اپنے گدھے کو دیکھو کھڑا ہوا ہے۔ ماحصل اس کا یہ ہوا کہ مرزا صاحب نے ناحق اقرار کر لیا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے مرے تھے دراصل وہ مرے ہی

نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو فاماۃ اللہ فرمایا ہے وہ بھی کچھ ایسی ہی بات ہے دراصل نہ وہ مرے، نہ سو برس پڑے رہے بلکہ صرف تین چار پہر سوتے رہے اور سو برس تک خواب دیکھا کئے یہ فاماۃ اللہ مائۃ عام کا مطلب ہوا پھر جب خدا نے ان سے پوچھا کہ لیث اس کا مطلب یہ کہ کتنی دیر تک خواب دیکھا کئے؟ پھر انہوں نے دیکھا تو سو برس مگر کہہ دیا کہ ایک روز۔ خدا نے کہا نہیں بل لیث مائۃ عام یعنی تم سو برس تک خواب دیکھا کئے اس پر بھی ان کو اعتبار نہ آیا اور نہ یہ بات یاد آئی کہ سو برس خواب دیکھا کئے آخر خدا کو یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہوئی کہ وہ واقعہ ایک ہی روز کا تھا اس لئے ان کے کھانے پینے کی چیزیں گدھے کو دکھانے کی ضرورت ہوئی اور انہوں نے جو خود اقرار کیا تھا کہ ابھی ایک دن بھی نہیں گزرا وہ قابل اعتبار نہ ہوا۔

یہ جو مضمون قرآن شریف کا بیان کیا گیا ہے کیا کوئی غبی یا ذکی عبارت قرآن سے نکال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور نہ یہ مضمون کسی تفسیر میں ہے، نہ حدیث میں۔ اسی کو تفسیر بالرائے کہتے ہیں جس کی نسبت مرزا صاحب نے بھی کفر والحاد کا فتویٰ دیدیا ہے۔

ادنیٰ فراست سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ جب مرزا صاحب کو دعویٰ فصاحت اور بلاغت اور اعجاز بیانی ہے تو مرزا صاحب کے کلام میں اور کلام الہی میں ضرور فصاحت اور بلاغت کا موازنہ ہوگا اور یہ بات ثابت کر دی جائیگی کہ خدا کا کلام تو ایسا ہوا کرتا ہے کہ مقصود کچھ ہے تو الفاظ کچھ ہیں اور مرزا صاحب کے کلام میں اس قسم کی رکاکت ثابت نہ ہو سکے گی۔ اور ان کی بھی خصوصیت کیا ہر ایک ادنیٰ منشی جو کچھ لکھتا ہے اپنا فی الضمیر الفاظ میں پورا بیان کر دیتا ہے جس سے اسکو دیکھنے والا مقصود اس منشی کا سمجھ جاتا ہے پھر اس کا موازنہ پر جو کچھ تخریجات اور آثار مرتب ہوں گے و محتاج بیان نہیں۔

القول العجیب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر تفاسیر میں فاماۃ اللہ کے معنی یہی لکھے

ہیں فاماۃ اللہ یعنی اللہ نے اسکو سلا دیا دیکھو معاملہ وغیرہ۔ ہم نے معاملہ کو دیکھا اس کی عبارت یہ ہے فالتقی اللہ علیہ النوم فلما نام نزع اللہ منہ الروح مائۃ عام فلما مضت المائۃ احی اللہ منہ عینیہ وسائر جسدہ ثم احیا جسدہ وهو ینظر الیہ یعنی خدائے تعالیٰ نے ان پر نیند غالب کر دی جب وہ سو رہے تو ان کی روح قبض کر لی گئی۔ پھر جب سو برس پورے گزرے تو اللہ نے پہلے ان کی آنکھیں زندہ کیں پھر تمام جسم کو زندہ کیا جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اگر صاحب معاملہ نے فاماۃ اللہ کے معنی فاماۃ لیا ہے تو فلما نام نزع اللہ منہ الروح مائۃ عام میں نزع روح کس لفظ سے نکالا جائیگا۔

شاید نزع روح سے معمولی غفلت بھی گئی مگر وہ بھی صاحب قول عجیب کے مقصود کے خلاف ہے کیونکہ سو برس کی نیند کے وہ قائل نہیں۔ پھر آنکھوں اور جسم کا زندہ کرنا کیسا۔ موت تو آئی نہ تھی شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ پہلے آنکھیں بیدار ہوئیں اس کے بعد جسم بیدار ہوا جس کو وہ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے مگر اس میں بھی یہ بات قابل توجہ ہے کہ آنکھوں سے جسم کی بیداری کیونکر نظر آئی اگر جسم کی بیداری سے مراد حرکت ہے تو یہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ نیند میں بھی جسم کی حرکت باقی رہتی ہے جو کروت بدلنے سے ظاہر ہے اور اگر حس مراد ہے تو وہ آنکھوں سے محسوس نہیں اس لئے کہ ہر عضو کا حس جدا ہے الحاصل صاحب معاملہ کا یہ مذہب ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر علیہ السلام ایک روز سوتے رہے البتہ انہوں نے ایک نئی بات بتلائی کی نزع روح حالت بیداری میں نہیں ہوا بلکہ نیند کی حالت میں ہوا تھا۔

اس مقام میں ہم صاحب قول عجیب پر یہ الزام ہرگز نہیں لگا سکتے کہ انہوں نے معاملہ کا مطلب سمجھا نہیں، بلکہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کو صرف قرآن کی تحریف منظور ہے اس لئے التقی اللہ علیہ النوم کو اماۃ اللہ کے معنی قرار دے کر نزع اللہ روح وغیرہ کو

قصداً ترک کر دیا جس سے مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود ہے کیا ان کاروائیوں کے بعد بھی حسن ظن کیا جائے گا کہ ان حضرات کو کلام الہی پر ایمان ہے کیا وہ تمام باتیں جو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تفسیر ہارائے کفر والحاد ہے اور جھوٹ کہنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ صدق دل سے کہی گئی ہوں گی ان کاروائیوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ بھی ایک حکمت عملی ہے جس پر ان کی امت بھی عمل پیرا ہے۔

اب مرزا صاحب کی پیش بند یوں کو دیکھئے کہ قرآن کی تحریف کے واسطے کیا طریقہ نکالا احادیث و تفاسیر کو پہلے ہی ساقط الاعتبار کر دیا پھر جب مطلق العنان ہو گئے تو کون روکنے والا ہے مجاز کا دروازہ کھلا ہوا ہے آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی مجازاً کہہ سکتے ہیں پھر موت کو نیند اور نیند کو موت کہہ دینا کون سی بڑی بات ہے۔ جتنے نبوت کا دعویٰ کرنے والے گزرے ہیں سب کا یہی طریقہ رہا ہے کہ قرآن کی تحریف کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اسی کتاب میں معلوم ہوا کہ قرآن ہی سے استدلال کر کے بعضوں نے مردار اور خون اور خنزیر کو مباح کر دیا تھا۔ اگر آخری زمانہ والے مسلمان مرزا صاحب کے اس طریقہ کو جائز رکھیں تو بس دین کا خاتمہ ہو گیا جب آدمی کے معنی گدھا اور گدھے کے معنی آدمی مجازاً ہو سکتے ہیں تو کونسا لفظ ایسا ہوگا جس کے مجازی معنی اپنے مقصود کے موافق نہ لے سکیں۔

یہ بات قابل یاد رکھنے کے ہے کہ کسی لفظ کے مجازی معنی لینا تو درست ہے مگر نہ شرعاً عام طور پر اس کی اجازت ہے، نہ لفظاً، نہ عرفاً، نہ عقلاً۔ کہ جہاں چاہیں حقیقی معنی چھوڑ کے مجازی معنی لیا کریں بلکہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ بن سکتے ہوں اور معنی مجازی پر کوئی قرینہ بھی موجود ہو۔ دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے شیر دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ اصلی شیر دیکھا کیونکہ مجازی معنی پر کوئی قرینہ نہیں اور اگر یہ کہے کہ میں نے ایک شیر دیکھا جو بندوق چلا رہا تھا تو بندوق چلانے کے قرینے سے جو ان مرد سمجھا

جائے گا کیونکہ اصلی شیر میں بندوق سر کرنے کی صلاحیت نہیں۔ چونکہ الفاظ حقیقی اور مجازی معنی میں برابر مستعمل ہوا کرتے ہیں اور حقیقی اور مجازی معنی کا اشتباہ ہمیشہ فہم مضامین میں ظلل انداز ہو نیکا باعث تھا اسلئے اکابر اہل لغت نے اس کا بندوبست یہ کر دیا کہ ہر لفظ کے حقیقی معنی کی تصریح کر دی جس نے معلوم ہو گیا کہ اس معنی کے سوائے جس معنی میں وہ لفظ مستعمل ہو مجاز ہوگا اور اس کے لئے قرینے کی ضرورت ہوگی تاکہ کسی کو یہ موقع نہ ملے کہ کسی لفظ کو مجازی معنی میں مستعمل ہوتے دیکھ کر جہاں چاہے وہی معنی مراد لے۔ اب دیکھئے علامہ رحمتی نے اساس البلاغہ میں موت کے حقیقی معنی وہی لکھے ہیں جو مشہور ہیں اس کے بعد لکھا "ومن المجاز" "احیای اللہ البلد المیت و اخذتہ الموتۃ الغشی ومات فوق الرجل اذا استشفل فی نومہ اور اس کے سوائے بہت سے مجازی استعمال لفظ موت کے بیان کئے اور لسان العرب میں لکھا ہے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور سمي النوم موتاً لانه یزول معه العقل والحرکۃ تمثیلاً و تشبیہاً لا بحقیقاً حاصل مطلب یہ ہوا کہ نیند کو موت جو کبھی کہتے ہیں تو وہ بطور تشبیہ و تمثیل کے ہوتا ہے حقیقی معنی اس کے وہ نہیں۔

الحمد للہ کہ اکابر اہل لغت کی تصریح سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ موت کے حقیقی معنی وہی ہیں جس کو ہر شخص جانتا ہے اور بے ہوشی اور نیند کے معنی میں جو یہ لفظ مستعمل ہے وہ بطور مجاز ہے اسی وجہ سے اگر مات فلاں کہا جائے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مر گیا اور غشی یا نیند کے معنی میں مستعمل ہو تو اسی کے لئے قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی ضرورت ہوگی جو علامت مجاز ہے۔ اب دیکھئے کہ مرزا صاحب موت کے حقیقی معنی بے ہوشی اور نیند کے جو کہتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں کہ امات کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ ملانا اور بے ہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اہل لغت کی تصریح سے ثابت ہوا کہ غلط ہے۔

اگر یہ فرماتے کہ امانت سلانے اور بے ہوش کرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے تو اہل نقل تسلیم تھا مگر وہ تو صاف کہہ رہے ہیں کہ امانت کے حقیقی معنی سلانے اور بے ہوش کرنے کے ہیں جس کی تکذیب کتب لغت سے ہو رہی ہے اگر یہ بیان ان کا صحیح ہوتا تو کسی لغت کی کتاب کی عبارت نقل کر دیتے کہ امانت کے حقیقی معنی سلانے اور بے ہوش کرنے کے ہیں جیسے ہم نے لغت سے یہ ثابت کر دیا کہ یہ معنی مجازی ہیں۔

جب لغت سے ان کی یہ خلاف بیانی ثابت ہوگئی تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وہ اپنی غرض کے وقت جھوٹ بچ کی کچھ پروا نہیں کرتے اس لئے ان کی کوئی بات قابل اعتبار نہیں۔ پھر انہوں نے جو کہا تھا کہ جھوٹ کہنا شرک ہے تو اس سے سوائے دھوکہ دہی کے اور کیا تصور کیا جائے۔ اور ابھی یہ بات معلوم ہوئی کہ امانت اللہ کی تفسیر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ عزیر علیہ السلام اس وقت مر گئے تھے تو معلوم ہوا کہ نہ بحسب لغت امانت کی تفسیر بے ہوشی اور خواب ہو سکتی ہے، نہ بحسب حدیث۔ اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اپنی رائے سے تفسیر کی ہے اور خود ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں کہ مومن کا یہ کام نہیں کہ تفسیر بالرائے کرے اب ان کو کیا کہنا چاہیے اور حدیث شریف میں ہے قال النبی ﷺ من نكلم في القرآن براه فاصاب فقد اخطا (رواہ ابوداؤد و ترمذی) توفی روایۃ عن ابی داؤد وقال النبی ﷺ من قال فی القرآن بغير علم فليتبوا مقعده من النار (کنز الدقائق) یعنی فرمایا نبی ﷺ نے جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کوئی بات بنائے اگر صواب بھی ہو تو اس نے خطا کی اور جو شخص قرآن میں بے علمی سے کوئی بات بنائے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اب دیکھئے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے موافق مرزا صاحب کیسی کیسی وعیدوں کے مستحق ہو رہے ہیں۔ اس صورت میں مسلمانوں کو ان کی رفاقت دینے کی معلوم نہیں کون سی ضرورت ہے۔ مرزا صاحب ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں

کہ تفسیر معالم میں زیر تفسیر آیت یا عیسیٰ انی متوفیک میں لکھا ہے کہ علی بن طلحہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ انی ممیتک یعنی میں تجھ کو مارنے والا ہوں آپ نے دیکھ لیا کہ ابھی امانت کے معنی سلانے کے تھے اور یہاں مارنے کے معنی لے رہے ہیں۔ مگر یہ بات یاد رہے کہ یہ تفسیر بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ان کے اعتراف سے ثابت ہے کہ امانت کے معنی سلا دینے کے ہیں جس سے ثابت ہے کہ متوفیک کے معنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ممیتک کر کے سلا دینے کے معنی اس کے بھی لئے ہیں اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ توفی کے معنی سلا دینے کے ہوتے ہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والنسی و نسمت فی منامھا یعنی توفی جو موت اور سونے کے وقت ہوتی ہے واللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ ہی مارتا ہے اور سلاتا ہے وقولہ تعالیٰ وهو الذی یتوفی اکم باللیل یعنی اللہ ہی تم کو رات میں سلا دیا کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ توفی کے معنی سلا دینے کے بھی ہیں اور مرزا صاحب کی تقریر سے معلوم ہوا کہ امانت کے معنی بھی سلا دینے کے بھی ہیں اس صورت میں متوفیک اور ممیتک دونوں کے معنی سلا دینے کے ہوئے جو ہمارا مقصود ہے اور مرزا صاحب جو ازالۃ الادہام میں لکھتے ہیں کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں، سو خود کلام الہی سے اس کی تکذیب ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ توفی جیسے قبض روح سے، توفی بہ نیند سے بھی ہوتی ہے۔

علامہ دہلوی نے اس اسباب البلاغہ میں توفی کے حقیقی معنی استكمال لکھا ہے کما قال وتوفاه استكماله من بعد کما ہے۔ ومن المعجاز توفی فلان وتوفاه اللہ ادر کنته الوفات اور لسان العرب میں لکھا ہے نقول قد استوفیت من فلان وتوفیت منه مالی عا یہ رملہ ان لم یبق علیہ شیء۔ واما توفی النائم فہو

استیفاء وقت عقلہ وتمیزہ الی ان نام وقال الزجاج فی قوله قل یتوکلکم
ملک الموت قال هو من توفیة العدد تاویلہ ان یقبض ارواحکم اجمعین
فلا ینقص واحد منکم الحاصل اس سے یہ ثابت ہے کہ توفی کے حقیقی معنی استئصال اور
استیفاء کے ہیں کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ توفی کے حقیقی معنی موت کے ہیں اس صورت
میں یا عیسیٰ الہی متوفیک کا مطلب یہ ہوا کہ اے عیسیٰ ہر چند کہ کفار تم کو قتل کرنا چاہتے
ہیں مگر یہ نہ ہوگا ہم تمہاری عمر کا مل کریں گے اور تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا
کہ حق تعالیٰ نے ان کی عمر دراز کی جس کی ظاہری تدبیر یہ ہوئی کہ ان کے دشمنوں میں سے
ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور قیامت کے قریب تک زندہ رہیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ
سے ثابت ہے یہ مطلب آیہ شریفہ کا توفی کے حقیقی معنی لینے پر تھا۔ اور اگر مجازی معنی لے
جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم تمہیں سلا کے یا بے ہوش کر کے اٹھالیں گے اور توفی کے معنی
سلانے کے تو خود کلام الہی سے ثابت ہیں بہر حال متوفیک کے حقیقی معنی ہیں یا مجازی
دونوں صورتوں میں وہ معنی اچھی طرح بن جاتے ہیں جو مسلمانوں میں ابتداء سے اب تک
متعارف و مشہور ہیں اور جن کی تصدیق صدہا احادیث و آثار سے ہورہی ہے اور اس کی کوئی
ضرورت نہیں ہوتی کہ عیسیٰ سے مایوس ہو کر مرزا صاحب ہی پر قناعت کرنی جائے گو جتنی
ہاتیں آپ میں پائی جاتی ہیں شان عیسویت کے سراسر خلاف اور مضربین۔

اب دیکھئے کہ مرزا صاحب نے موت اور توفی کے معنی میں لغت کی طرف رجوع کیا تو اکابر اہل لغت نے ان کی تکذیب کر دی پھر قرآن کی طرف رخ کیا تو خدائے تعالیٰ کے کلام قدیم سے صاف ان کا جھوٹ ثابت ہو گیا اور احادیث کے تو وہ اسی وجہ سے دشمن ہیں کہ دشمنی ہمیشہ ان کی تکفیر و تفسیق وغیرہ کرتی ہیں۔

اہل انصاف اسی مقام میں اچھی طرح غور کریں کہ مرزا صاحب نے خیال کیا تھا

کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت یا عیسیٰ انی متوفیک سے تو گویا ثابت ہوگئی اور دوبارہ زندہ نہ ہونے کا احتمال جو فاماۃ اللہ مائتہ عام سے ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ مثل عزیر علیہ السلام کے دوبارہ زندہ ہو جائیں اس کے باطل کرنے کی غرض سے اس آیت شریفہ کے معنی میں تحریف و تصرف کیا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ انہی کی تقریر سے ثابت ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر جو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ متوفیک کی تفسیر انہوں نے ممیتک کی ہے۔ اس سے ان کی موت ثابت نہیں جیسا کہ امانۃ اللہ سے عزیر علیہ السلام کی موت بقول مرزا صاحب ثابت نہیں۔ اور اگر عیسیٰ کی موت ثابت کرنے کی غرض سے ممیتک جو تفسیر متوفیک میں واقع ہے اس سے حقیقی موت مراد لیں تو فاماۃ اللہ سے عزیر علیہ السلام کی حقیقی موت ثابت ہوگی جس سے ان کا وہ مطلب فوت ہو جائے گا کہ کوئی شخص اس عالم میں دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاماۃ اللہ مائتہ عام ثم بعثہ سے عزیر علیہ السلام کا دوبارہ زندہ ہونا ثابت ہے بہر حال ان دونوں دعووں میں سے ایک دعویٰ ان کا ضرور باطل ہو گیا اس کے بعد احیائے موقی سے متعلق کل آیتوں میں جو وہ تخریض کر رہے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ تمام قرآن میں جو احیائے موقی کے متعلق آیات ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ فلاں قوم یا شخص کو مارنے کے بعد زندہ کیا گیا ان میں صرف امانت کا لفظ ہے توفی کا لفظ نہیں اس میں یہی بعید ہے کہ توفی کے حقیقی معنی وفات دینے اور روح قبض کرنے کے ہیں لیکن امانت کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا ہی نہیں بلکہ سلانا اور بے ہوش کرنا بھی اس میں داخل ہے اس سے ان کو کچھ فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ غضب الہی کا استحقاق حاصل ہو۔

ایک واقعہ احیائے موتی قرآن شریف میں یہ مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص مارا گیا جس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے مقتول زندہ ہوا

اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا یہ واقعہ سورہ بقرہ میں آیا شریفہ واذ قتلتم نفسا فادعواہم الیہا میں مذکور ہے جس میں حق تعالیٰ اپنی قدرت کا ملہ اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کا حال ظاہر فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کہتے ہیں کہ نہ وہ قدرت خدا تھی، نہ معجزہ بلکہ ایک معمولی بات تھی کہ مسمریزم کے عمل سے اس مردہ کو حرکت ہو گئی تھی (معاذ اللہ)۔ مرزا صاحب کو یہ سوہبت کے دعویٰ نے کہاں تک پہنچا دیا۔ قرآن کی تکذیب کی، خدا کی قدرت کا انکار کیا، انبیاء کو ساحر قرار دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے کمال درجہ کے یقین کی تعریف احادیث میں وارد ہے کہ یقین کی وجہ سے وہ پانی پر چلتے تھے مسیح موعود میں کم از کم ایمان تو ہونا چاہیے مگر یہاں تو ایمان ہی ندارد کا مضمون صادق آ رہا ہے۔ اب بھلا مرزا صاحب کو اہل ایمان مسیح موعود کس طرح تصور کریں۔ اس آیہ شریفہ کی تفسیر اور مرزا صاحب کے شبہات بیشتر لکھے جا چکے ہیں۔ اعادہ کی حاجت نہیں۔

اور ایک واقعہ احیائے موتی کا آیا شریفہ واذ قال ابراهيم رب ارنی کیف نحی الموتی میں مذکور ہے جو ابراہیم علیہ السلام سے وقوع میں آیا۔ مرزا صاحب نے اس کو بھی مسمریزم کہہ کر ٹاں دیا جس کا حال بیشتر مذکور ہوا۔

اور حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ احیائے اموات کی مقاموں میں بیان فرمایا ہے اور ان کے احیائے اموات کے واقعات احادیث سے ابھی معلوم ہوئے۔ مگر مرزا صاحب کی رائے ہے کہ نہ کوئی واقعہ صحیح ہے، نہ خدا تعالیٰ کا خبر دینا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دراصل وہ قریب الموت آدمی کی روح میں مسمریزم کے عمل سے چند منٹ کے لئے گرمی پہنچا دیتے تھے جس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام ایک معمولی جادوگر تھے جو مسمریزم میں مشاقی حاصل کر کے قریب الموت پیاروں کو مسمریزم سے حرکت دیتے جس سے دھوکا دینا مقصود تھا کہ ہم مردوں کو بھی زندہ کرتے ہیں اور حق

تعالیٰ ان کی بڑائی کی غرض سے اصل واقعہ چھپا کر اس قابلِ نفرت کاروائی یعنی عمل مسمریزم کو ایسے الفاظ میں بیان کیا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ کج کج وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور اس دھوکے کو باذن اللہ کہہ کر اور بھی مستحکم کر دیا کہ جب خدا کے حکم و اجازت سے یہ کام کرتے تھے تو مسلمان یہی سمجھیں کہ فی الواقع وہ مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ کیا اب اس کے بعد بھی کوئی درجہ باقی ہے جس کا انتظار ہے۔ مسمریزم کی ایجاد کو ابھی پورے سو برس نہیں گزرے اگر مرزا صاحب اس صدی کے پہلے ہوتے تو جن آیتوں میں احیائے اموات کو مسمریزی تحریر قرار دیتے ہیں اس وقت اسکی طرف تو خیال منتقل ہونا محال تھا اور احیائے اموات کے بھی قائل نہیں۔ معلوم نہیں اس وقت ان آیتوں کے کیا معنی بیان فرماتے۔ اہل رائے سمجھ سکتے ہیں کہ جب احیائے اموات بھی نہ ہو اور نہ تشابہ حیات یعنی مسمریزی حرکت کا احتمال قائم ہو تو بجز اس کے کہ ان آیتوں کا سرے سے انکار ہی کیا جاتا اور کوئی صورت نہ تھی۔ مسمر صاحب کا احسان سمجھنا چاہیے کہ ان کی وجہ سے اس کھلے انکار کی نوبت نہ آئی۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے الم تر الی الذین خرجوا من دیارہم و ہم النوف حذر الموت فقال لهم اللہ موتوا ثم احیاء ہم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون یعنی کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایک بار ہزاروں آدمی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل گئے تھے اللہ نے ان کو کہا کہ تم سب مر جاؤ گے تو وہ سب مر گئے پھر ان کو زندہ کیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ مرزا صاحب یہاں بھی وہی نیند یا بے ہوشی، موت سے مراد لیتے ہیں کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ انہوں نے عام قاعدہ ایسے موقعوں کے لئے بنا دیا ہے کہ جہاں موت کا لفظ آجائے اس کے معنی بے ہوشی یا نیند کے لئے جائیں۔ مرزا صاحب کی رائے پر اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ہزار ہا آدمی نیند کے ڈر سے بھاگے سو حق تعالیٰ نے ان سب کو کہا کہ سو رہو۔ پھر جب

سورہ ہے تو ان کو چکا دیا اللہ کا لوگوں پر بڑا فضل ہے۔ معلوم نہیں کہ نیند ایسی کیا مصیبت کی چیز تھی کہ جس کے ڈر سے ہزاروں آدمی گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے سب کو سلا دیا پھر چکا دیا۔ نیند تو سہ ضرور یہ میں ہے اور عادت اللہ جاری ہے کہ ہر رات آدمی سوتا ہے پھر بیدار بھی ہو جاتا ہے گو یہ سب حق تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں جس کا بیان اس اہتمام سے فرماتا ہے فقال لهم الله موتوا ثم احياهم ان الله لذو فضل على الناس جس کو تھوڑی بھی عقل ایمان کے ساتھ ہو کیا اس آیت کے یہی معنی سمجھے گا جو مرزا صاحب بتلاتے ہیں کیا یہ حق تعالیٰ کی شان کی بات ہے کہ قرآن میں ایسا واقعہ بیان فرمادے کہ نیند سے یا موت سے بھاگے ہوؤں کو سلا دیا پھر ان کو چکا دیا اور بڑا ہی فضل کیا۔ جب مرزا صاحب نے خدا تعالیٰ کے کلام بجز تفہام کو رکیک اور مہمل بنانے کی کچھ پرواہ نہ کی تو اب کون سی بات ان کے لئے دشوار ہے۔ یہ تو مرزا صاحب کی تفسیر بالرائے تھی۔ اب اصل تفسیر سنئے امام سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں اس آیت کی شان نزول نقل کی ہے کہ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے دو یہودی آئے ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہوں گے عمر رضی اللہ عنہ جب جانے لگے ان سے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے انہوں نے کہا کتاب میں لکھا ہے کہ ایک شخص لوہے کا سینگ یعنی نہایت قوی ہوگا اور اس کو وہ دیا جائیگا جو نبی اللہ حزقیل کو دیا گیا تھا جن کی دعا سے مردے زندہ ہوئے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا مانع جد فی کتاب الله حزقیل ولا احياء الموتى باذن الله الا عيسى یعنی ہماری کتاب میں نہ حزقیل کا نام ہے اور نہ یہ کہ سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے اور کسی نے باذن اللہ مردے کو زندہ کئے۔ انہوں نے کہا کیا تمہاری کتاب میں یہ نہیں ہے ورسلا لم نقصصهم علیک یعنی بہت رسولوں کے قصے قرآن میں نہیں بیان کئے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے انہوں نے کہا کہ حزقیل نے جو مردے زندہ کئے تھے اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بار بنی

اسرائیل میں ایک عام مرض پھیلا تھا جس سے بہت لوگ بھاگ گئے ایک میل کے فاصلہ پر وہ لوگ ہوں گے کہ یکبارگی وہ سب حکم الہی مر گئے اور ایک مدت تک وہیں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی اس وقت حزقیل نبی اللہ کا وہاں گزر ہوا اور انہوں نے ان کے زندہ ہونے کی دعا کی چنانچہ وہ سب زندہ ہو گئے اس لئے اس واقعہ کی تصدیق میں آیہ شریفہ الم تر الى الذين خرجوا من ديارهم وهم الوف نازل ہوئی۔ اس کے سوا اور بہت سی روایتیں درمنثور میں منقول ہیں مجملہ ان کے ایک یہ ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فی قوله الم تر الى الذين خرجوا من ديارهم وهم الوف حذر الموت قال كانوا اربعة الاف خرجوا فرارا من الطاعون وقالوا ناتی ارضا لیس بها موت حتی اذا كانوا بموضع کذا وکذا قال لهم موتوا فمرو علیہم نبی من الانبیاء فدعا ربہ ان یحییہم حتی یعبودہ فاحیاهم یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ چار ہزار شخص طاعون سے اس غرض سے بھاگے تھے کہ کسی ایسے مقام میں جا بیس کہ جہاں موت نہ ہو۔ راستہ میں ان کو حکم ہوا کہ مر جاؤ اس کے بعد کسی نبی کا ان پر گزر ہوا اور انہوں نے دعا کی کہ وہ زندہ ہوں اور عبادت کریں چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا۔ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ وہ لوگ شاید تھوڑی دیر کے لئے زندہ ہوئے ہونگے۔ اس لئے کہ روایتوں سے ثابت ہے کہ وہ لوگ بہت روز زندہ رہے چنانچہ درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہی زندہ شدہ لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تھا جس کا ذکر اسی قصہ کے متصل اس آیہ شریفہ میں ہے۔ وقاللوا فی سبیل الله واعلموا ان الله مسمیع علیم۔ غرض کہ ہزار ہا مردوں کا زندہ ہونا اور مثل اور زندوں کے زندگی کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ مرزا صاحب اگر قرآن وحدیث ہی کو نہ مانیں تو اس کا علاج نہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فہای حدیث بعدہ یومنون یعنی جب قرآن ہی پر

ایمان نہ لائیں تو اب کا ہے پر ایمان لائیں گے۔

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْقَلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنْتُمْ نَظُرُونَ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ یعنی یاد کرو جب تم یعنی تمہارے بڑوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ جب تک ہم اپنے خدا کو ظاہر میں نہ دیکھ لیں کسی طرح تمہاری بات کا یقین نہ کریں گے۔ اس پر تم کو یعنی تمہارے بڑوں کو بجلی نے آدو چا اور تم دیکھا کئے پھر تمہارے مرے بیچے ہم نے تم کو جلا اٹھایا تا کہ شاید تم شکر کرو۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے عن الربيع بن انس في قوله وَاذْقَلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً قَالَ هُم السَّبْعُونَ الَّذِينَ اخْتَارَهُمُ مُوسَىٰ فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ قَالُوا مَا تَوَاثَمَ بَعْثُنَا فَبِعَنَّا مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لِيَسْتَوْفُوا أَجَالَهُمْ. یعنی ربیع بن انس سے روایت ہے کہ جن لوگوں پر بجلی گری تھی وہ ستر آدمی تھے جن کو موسیٰ علیہ السلام نے انتخاب کیا تھا وہ سب مرنے کے بعد زندہ ہوئے۔

اب اہل اسلام کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہم نے اتنی آیات و حدیث و اقوال صنف پیش کر دیئے جن سے صراحتاً ثابت ہے کہ ہزار ہا مردے زندہ ہو چکے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ قرآن کے ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر رحمہ اللہ میں روایت ہے عن عبد اللہ بن مسعود قال كان من كفر بحرف من القرآن أو بآية فقد كفر به كله یعنی قرآن کی ایک آیت یا ایک حرف کا بھی کوئی انکار کرے تو گویا اس نے تمام قرآن کا انکار کر دیا۔ اب ذرا تامل کیا جائے کہ جب ایک حرف کا انکار تمام قرآن کا انکار ہے تو اتنی آیتوں کا انکار کس طرح جائز ہوگا پھر علاوہ ان آیات کے احادیث بھی بکثرت ان کو مؤید ہیں اور تمام امت خصوصاً اہل سنت و جماعت کا ابتداء سے آج تک

اسی پر اتفاق ہے کسی کو اس میں کلام نہیں اور مرزا صاحب نے جو ان تمام آیات و احادیث وغیرہ کا انکار کر دیا اس میں صرف ان کی ذاتی غرض ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت فرض کر کے یہ ذہن نشین کریں کہ کوئی شخص مرنے کے بعد زندہ نہیں ہو سکتا اور احادیث سے عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی قیامت کے قریب ثابت ہے اس لئے ان احادیث میں تاویل میں کر کے اور ان کے ساتھ الہاموں کی جوڑ لگا کر چاہتے ہیں کہ عیسیٰ موعود خود بن جائیں۔

اب ان آیات و احادیث و اجماع امت اور واقعات پر اطلاع ہونے کے بعد ہر شخص مختار ہے خواہ قرآن و حدیث اور ہزار ہا کتب اہل سنت و جماعت جن میں یہ مسئلہ مذکور اور مسلم ہے سب کی تکذیب کر کے مرزا صاحب کے قول پر ایمان لائے یا اپنے ایمان کو عزیز رکھ کر قرآن و حدیث پر ایمان لائے کیونکہ خود حق تعالیٰ نے فرما دیا ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ یعنی جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر ہو جائے مگر یہ یاد رہے کہ اسی کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے إِنَّا اعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا. یعنی ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔

مرزا صاحب کو صحیح موعود ہونے کا تو بہت کچھ شوق ہے لیکن اس کے لوازم و آثار کو وہ پورے نہ کر سکے جس کا حال معلوم ہوا بلکہ جو صفات ان میں پائی جاتی ہیں وہ منافی عیسویت ہیں۔ مثلاً دین کے حیرانہ میں دنیا طلبی وہ بھی کمال بدنامہ طریقہ سے اس بات پر دلیل قطعی ہے کہ وہ عیسیٰ موعود نہیں ہو سکتے دیکھ لیجئے براہین احمدیہ کی نسبت انہوں نے لکھا تھا کہ اس کی چندہ جلدیں تیار ہیں۔ چنانچہ اس کی قیمت سو سو روپیہ پیشگی وصول کر لی گئی اور ایک جلد کے اندازہ میں چھاپ کر اس کا خاتمہ ایک بات پر کر دیا کہ خدا اپنے دین کا خود حافظ ہے یعنی زیادہ لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سراج منیر چھاپنے کے نام سے پیشگی چندہ وصول کر لیا گیا اور کتاب نہ ارد۔ عطائے فرزند وغیرہ کی دعا پر پیشگی اجرت وصول کی

جاتی ہے اپنی اور اپنے متعلقین کی تصویریں بچ کر روپیہ جمع کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس تدبیر سے وصول کی جاتی ہے کہ ہر مسلمان کو زیور وغیرہ کی زکوٰۃ دینی ضروری ہے اور اس وقت اسلام یتیم ہو گیا ہے اس لئے چاہیے کہ زکوٰۃ کے روپیہ سے اپنی تصانیف خرید کر کے تقسیم کی جائیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے زکوٰۃ کا مصرف جو قرار فرمایا ہے اس کو ہر طالب علم جانتا ہے کہ فقراء اور مساکین وغیرہ ہیں۔ کعبہ جو اپنے گھر میں بنایا اس سے یہی غرض ہے کہ حج کی رقم اپنے گھر میں آیا کرے اس کے سوا ان کی اور بہت سی کاروائیاں ہیں مثل الحاد و تحریف قرآن اور خدا پر افترا وغیرہ وغیرہ جن میں سے چند اس کتاب میں بھی مذکور ہوئیں۔ الحاصل ان امور کو دیکھنے کے بعد ان کا دعویٰ عیسویت بدایہ باطل ہو جاتا ہے۔

تمت بالخیر



انوار الحق

تصنیف لطیف

انوار العرش لکھنؤ شیعہ الاسلام بحارف باللہ
مولانا حافظ محمد انوار اللہ صاحب حنفی جلالہ علیہ
حضرت فضیلت جنگ استاد سلاطین دکن و بالی جامعہ نظامیہ
(حیدر آباد دکن)

فہرست مضامین النَّوَّارُ الْحَقُّ

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
5	ابطال فرقہ باطلہ	1
6	انتیاد فسق و باطل	2
11	مرزا صاحب کی گالیاں	3
12	مسلم بن عقبہ نے مدینہ کی بے حرمتی کی	4
13	امر بالمعروف کے شرائط	5
16	اہل ہوا سے دور رہنے کا حکم	6
19	قصہ خوارج	7
22	ولی کو بیچنا مشکل ہے	8
25	زمانہ کا تنزل بحسب حدیث	9
26	فاجروں سے دین کی تائید	10
27	مرزا صاحب نے اپنی عیسویت کی جو تمہید کی وہ غلط ہے	11
29	فضائل امت نبوی	12
30	خوف قتلہ و جال	13
31	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بوجہ احترام امت	14
32	دجال کا مردوں کو زندہ کرنا	15

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين. بیشتر ایک رسالہ مسمیٰ "بافادۃ الافہام" لکھنے کا اتفاق ہوا تھا جس میں "ازالۃ الادہام" کے ان استدلالوں کا جواب دیا گیا جو مرزا صاحب نے آیات قرآنی سے کیا۔ اس کے بعد "تائید الحق" مصنفہ مولوی حسن علی صاحب لکچر اردو لکھنے میں آئی جس میں انہوں نے ایک لمبی چوڑی تمہید کر کے مدبرانہ انداز سے مرزا صاحب کی تائید کی اس تقریر کا یہ اثر دیکھا گیا کہ ہمارے ہم مشرب بعض حضرات بھی اسکی تحسین کرنے لگے اور تعجب نہیں کہ اس نے بہتوں کو متزلزل کر دیا ہو۔ انہیں شک نہیں کہ بعض جاوہری تقریریں ایسے ہی پر تاثیر ہوا کرتی ہیں کہ دلوں کو جلا دیتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے وان من البیان لسحرا۔ مگر جب اہل انصاف حاکمین حق کے رو برو صلی واقعات اور طبع سازیاں مقررہ کی بیان کی جاتی ہیں تو وہ فوراً اپنے خیال سے رجوع کر جاتے ہیں اور جو لوگ نفسانیت کی راہ سے سخن پروری میں پڑ جاتے ہیں وہ اسی خیال پر اڑے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پر اثر تقریروں کے زور سے مذاہب باطلہ بکثرت بنتے گئے اور عوام الناس کہیں ان کے دام میں آ بھی گئے تو علماء کے سمجھانے سے پھر رادراست پر آ گئے لیکن چند سخن پرور انہیں خیالات پرستے رہتے تھے جن کے اتباع ان مذاہب کو زندہ رکھنے والے اب تک موجود ہیں اور ہر وقت اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ان باطل مذاہب کو ترقی دیں۔ الحاصل جب کبھی نئے مذاہب کی بنیاد پڑی تو عمائے حقانی نے اس کے قمع و قمع کی فکر کی اور بفضلہ تعالیٰ اس کا اثر بھی ہوتا گیا کہ عموماً وہ مذاہب باطلہ کے لقب کے ساتھ مشہور رہے اور اہل انصاف و حق پسند اس سے محترز رہے۔ فی الواقع یہ علماء کا فرض منصبی ہے کہ بقدر وسع حق کی تائید میں کمی نہ کریں ہر چند اس نواہج و مذہب قادیانی کے رد کی طرف بعض علماء متوجہ ہیں مگر

فہرست مضامین انوار الحق

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
16	پادری دجال ہو سکتا ہے یا نہیں؟	34
17	موضوعیت احادیث	36
18	مرزا صاحب نے کل مسلمانوں کو مشرک قرار دیا	37
19	دجال اور کے معنی	40
20	علامات قیامت	45
21	ابن صیاد کا ذکر اور وہ دجال نہ تھا	47
22	قسم کی اقسام	53
23	حدیث تمہید داری و بارہ دجال	55
24	دجال کے خوارق عادات	62
25	سب کام مشیت و تخلیق سے ہوتے ہیں	69
26	مکاشفہ	76
27	نبی اکرم ﷺ کے چند کشف	81
28	فتنہ و ابیائیں	89
29	مرزا صاحب کی تحریفیں	92
30	قصہ حضرت عزیر علیہ السلام	93
31	مرزا صاحب کا دعویٰ رسالت	109
32	قرآن مجید میں قادیان کا نام (معاذ اللہ)	111
33	اہلہام کی اقسام	116
34	بقول مرزا قادیان و دمشق میں مش بہت	119

بحسب اقتضائے زمانہ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آخری زمانہ میں باطل کا شیوع ہوگا کچھ تو عموماً صاحب نفع ہی ایسے امور کی طرف مائل اور متوجہ ہیں اور کچھ تقاعد علماء کے وجہ سے اس مذہب کی روز افزوں ترقی میں کمی نہیں ہوئی چونکہ ایسی بدعت تازہ کے شیوع کے وقت ہر شخص کو ضرور ہے کہ جہاں تک ہو سکے روکنے کی فکر کرے اور یہ خیال نہ کرے کہ آخری زمانہ میں اس قسم کے فتنوں کا شیوع لازمی ہے کیونکہ کچھ نہ ہوتا اتنا تو ضرور ہوگا کہ من کثر سواد قوم فہو منہم کا مصداق بنے گا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ ”نازحہ الحق“ کا بھی جواب لکھوں اور اس کے ضمن میں ”ازالۃ الاہام“ کے بعض مباحث پر بحسب ضرورت بحث کروں جس سے حقیقت اس مذہب کی کھل جائے اور اہل انصاف و طابین حق کے بکا رآمد ہو واللہ یقول الحق وهو یہدی السبیل و ما علینا الا البلاغ۔

مولوی صاحب نے تمہید میں پہلا عنوان یہ قائم کیا کہ سچے خیر خواہوں کے ساتھ ہمیشہ کیسا سوک ہو اس میں بہت سی نظیریں پیش کیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مرزا صاحب کی تکفیر و تفسیق جو ہو رہی ہے وہ بھی اسی قسم کی ہے اس موقع میں ہم یہ بیان کرنا نہیں چاہتے کہ مرزا صاحب کیسے شخص ہیں اور ان القاب کے مستحق ہیں یا نہیں اس وقت ہمارا روئے سخن صرف اس تمہید کی طرف ہے کہ آیا وہ مسکت خصم ہے یا نہیں۔ سب تو تاریخ سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے زمانہ سے اب تک کوئی زمانہ نہیں گذرا جس میں مغتری کذاب بے دین پیدا نہ ہوئے اور اس زمانے کے عمامہ دین اور علمائے حقانی نے ان کی تکفیر نہ کی ہو۔ جتنے مذاہب باطلہ آج کے زمانہ میں پائے جاتے ہیں سب کے موجد زمانہ سابقہ ہی کے لوگ ہیں اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ایسے لوگ اس زمانے میں نہیں نکلے یا ان کی تکفیر نہیں ہوئی، نہ یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تفسیق بے موقع تھی کیا وہ اپنے مذاہب کی اشاعت کیلئے اپنی مظلومی بیان کر کے اسی قسم کے استدلال نہ کرتے ہوں گے پھر کیا اس قسم کے نظائر حقانیت پر دلیل

ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی گئیں وہ ایک قسم کا عذاب الہی تھا جس کی طرف اشارہ اس آئے شریفہ میں ہے وَلَنَذِیْبُنَّہُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْاٰذْنٰی ذُوْنَ الْعَذَابِ الْاٰخِرِ لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ یَعْنٰی چکھائیں گے ہم ان کو چھوئے عذاب سوائے بڑے عذابوں کے کہ شاید وہ رجوع کریں۔ اور فرماتا ہے وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہُمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْہُمْ رَجْسًا اِلٰی رَجْسِہُمْ وَمَاتُوْا وَہُمْ کَافِرُوْنَ ۝ اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتَوَلَّوْنَ وَلَا ہُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۝ یعنی جن کے دل میں بیماری ہے سو ان کو براہائی گندگی پر گندگی اور مرے جب تک وہ کافر رہے یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے میں آتے ہیں ہر برس ایک بار یا دو بار پھر تو پتہ نہیں کرتے اور نصیحت نہیں قبول کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ لاف و غیرہ سے تو بہ کرنے کیلئے بھی عذاب کیا جاتا ہے تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔ الی اصل نظیریں دونوں قسم کی موجود ہیں بلکہ اس قسم کی نظیریں دس ہیں میں تو اہل باطل کی تکفیر و تفسیق و تعذیب کی نظیریں ہزار ہا ملیں گی۔ غرض یہ نظائر مولوی صاحب کے مفید مدعا نہیں ہو سکتیں۔

مولوی صاحب جو لکھتے ہیں کہ یہ جہاں دارالامتحان ہے اس عالم میں سب باتیں کھول کر دکھائی نہیں جاتیں۔ فی الحقیقۃ عادت اللہ ایسی ہی جاری ہے کہ حق و باطل اس جہاں میں مشتہر اور ملتہس رہا کئے۔ سحر و استدراج کو ہمیشہ معجزہ اور کرامت کی امسری کا دعویٰ اور کلام الہی پر سحر و بیان کا دھوکا لگا رہا اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے صفات کو کبھی قتل و بیکاری نہیں خواہ یہ عالم ہو خواہ دوسرا اس لئے کہ صفات جلال و جمال ہمیشہ اپنے کاموں میں مصروف و مشغول ہیں اگرچہ بظاہر افراد بنی نوع انسان سے ہدایت اور شیطین سے ضلالت متعلق ہے مگر جب تک حق تعالیٰ نہ چاہے نہ ہدایت ہوتی ہے اور نہ ضلالت۔ جس کو خدا تعالیٰ ہدایت کرنا چاہے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کرنا چاہے اسے کوئی ہدایت

نہیں کر سکتا۔ قال تعالیٰ ومن یہدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ انہیں صفات کا ظہور ہے کہ ہر ذمہ نے میں حق تعالیٰ کسی ایسے شخص کو پیدا کر دیتا ہے جس سے بہت سے ہدایت پاتے ہیں اور بہت گمراہ ہوتے ہیں۔ انبیاء کو خاص ہدایت کیلئے مبعوث تھے مگر ان کے نہ ماننے والے گمراہ ہوئے اور بہت سے مفتری کذاب گو گمراہ کرنے کے واسطے پیدا ہوئے ہیں مگر ان سے بھی صفت جمال اپنا کام لیتی ہے کہ ان کے نہ ماننے والے ہدایت پر سمجھے جاتے ہیں جس کو خدا تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ حق بات کے ماننے کیلئے وسیع اور کشادہ ہو جاتا ہے اور جس کی گمراہی منظور ہوتی ہے اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ فمن یرد اللہ ان یرہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضللہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کأنما یصعد فی السماء (سورہ انعام) وسعت سینہ کی یہ دلیل ہے کہ ہدایت کی بات اس میں سما جائے علی ہذا القیاس۔ تنگی سینہ کی یہ دلیل ہے کہ وہ بات اس کے سینے میں گنجائش نہ کرے اور یہ ظاہر ہے کہ اہل باطل کا سینہ باطل کیلئے کشادہ اور اہل حق کا دل اس سے تنگ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وسعت و تنگی دونوں کیلئے ہوا کرتی ہے اس وجہ سے کوئی شخص حق و باطل میں اپنے دل کے مشورہ سے تیز نہیں کر سکتا بلکہ دو جس بات کا قائل ہوتا ہے اس چیز کو حق سمجھنے لگتا ہے جس سے پوچھئے اس کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں اور اس سے نہایت خوش رہتا ہے کما قال تعالیٰ کل حزب بما لدہیم فرحون اور صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ چاہتا بھی ہے کہ سارا جہاں اپنا ہم مشرب ہو جائے اس کا تصفیہ باہم ممکن نہیں کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ کیونکہ جس مسئلہ میں دو فریق ہو جائیں تو ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھے گا اور تیسرا حتم بنے تو کسی ایک فریق میں شریک ہو جائے گا یا وہ بھی ایک فریق بنائیں کر اپنے ہی کو حق پر سمجھنے لگے گا۔ غرض اس عالم میں اس کا تصفیہ ممکن نہیں کہ شرح صدر کس کا حق پر ہے اور کس کا باطل پر؟ حق تعالیٰ ہی قیامت کے روز

اس کا فیصلہ فرمائے گا کما قال تعالیٰ ان ربک ہو یفصل بینہم یوم القیمة فیما کانوا فیہ یختلفون۔ (سورہ اہجد) اب مولوی صاحب جو اپنا اضمینان اور شرح صدر مرزا صاحب کی حقانیت پر ظاہر فرماتے ہیں وہ کیونکر اس امر کی دلیل ہو سکتے کہ مرزا صاحب کج گنج عیسیٰ موعود ہیں ہمیں اس میں کام نہیں کہ مرزا صاحب بڑے مرتاض ہونگے مگر مشکل یہ ہے کہ جتنے مفتری و غاباز جعلا ساز ہوتے ہیں جب تک وہ اچھے عادات اچھے حالات اور مستند لوگوں کی صورتوں میں اپنے کو ظاہر نہیں کرتے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا۔ قرامطہ کا حال آپ نے تواریخ میں دیکھا ہوگا کہ ابتداء کیا تھی اور اثبات کیسی ہوئی۔ تاریخ دول اسلامیہ میں لکھا ہے کہ ایک شخص خوزستان سے سواد کوہ میں آ کر ایک مدت تک اظہار تقدس میں مشغول رہا باز بد تقویٰ اور کثرت صلوٰۃ کی یہ صورت کہ تمام اقران و معاصرین میں ممتاز، اکل حلال کی یہ کیفیت کہ اپنے ہاتھ سے بوریاؤں کو اس سے اوقات بسر کرتا کسی سے کچھ قبول نہ کرتا جب کوئی اس کے پاس جاتا تو سوائے وعظ و نصیحت کے کسی بات سے سروکار نہیں غرض تقویٰ اظہارت، زہد، ریاضت میں اس کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ کسی زاہد و عابد کو اس کے مقابلہ میں فروغ نہ رہا جب دیکھا کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی بات کا پورا اثر ہونے لگا تو مشہور مشہور مسائل نماز وغیرہ میں تصرف کر کے خلاف اجماع و مذاہب تعلیم شروع کی جب اس میں بھی کامیابی ہوئی تو آہستہ آہستہ خیر خواہانہ یہ تمہید کی کہ طایفین حق و ضرور ہے کہ کسی ایسے امام کے ہاتھ پر بیعت کریں جو اہل بیت نبوی سے ہو غرض پوری طور پر اپنے مقصود کی تمہید ذہن نشین کر کے شام کو چلا گیا وہاں بھی یہی طریقہ اختیار کر کے لوگوں کو امام برحق کا مشتاق بنادیا چونکہ دعوت اس کی کسی معین شخص کے ظرف نہ تھی اس لئے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ محمد بن اسماعیل امام وقت ہوں گے اور بعض کسی دوسرے کو خیال کرتے تھے بہر حال سب کو یہی اظہار تھا کہ امام وقت اب ظاہر ہونا چاہئے ہیں کہ ایک شخص قرامطہ سے جن میں یہ شخص تھا

ظاہر ہو کر مہدویت کا دعویٰ کیا اس مہدی کا اصلی نام ذکر وہ یہ یحییٰ تھا مگر اپنا نام محمد بن عبد اللہ بن اسماعیل بن جعفر صادق ظاہر کیا حالانکہ اسماعیل ابن جعفر کا کوئی فرزند عبد اللہ نام نہ تھا ضرورت اس مجلس ازی کی اس لئے ہوئی کہ احادیث میں امام مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ وارد ہے جو لوگ صرف امام کے منتظر تھے ان کو امام مہدی موعود کا بلانا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی اس کے نکتے ہی کل ہم مشرب اکٹھے ہو گئے اور یہ رائے قرار پائی کہ اصلاح قوم کی فکر کی جائے چنانچہ بڑے بڑے گزرگاہوں پر فوجیں روانہ ہوئیں اور حرمین وغیرہ کے راستوں میں رہزنی شروع کر دی گئی اور تمام ملک حجاز و شام و مصر وغیرہ میں آتش فتنہ و فساد مشتعل ہوئی چنانچہ ان میں سے ایک شخص ابوطاہر نام مع فوج کثیر مکہ معظمہ پر مسلط ہوا کسی کو وہاں یہ طاقت نہ تھی کہ اس سیلاب بڑا کو روک سکے۔ ابوطاہر گھوڑے کو دوڑا کر خاص حرم شریف کے اندر گھس آیا اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آکھڑا ہوا اور اس غرض سے سیٹی دی کہ گھوڑا بول و براز کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا پھر اس نے پکار کر کہا کہ کہاں میں وہ لوگ جو خدا کا کلام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے کہ ومن دخلہ مکان امننا یہ کہ کر قس عام کا حکم دیا لکھتے ہیں کہ ٹھیننا تمیں ہزار مسلمان مکہ معظمہ میں شہید کئے گئے جس میں سترہ سو خاص مظاف میں جام شہادت سے سیراب ہوئے اور کشتوں کے سرکات کر صرف سروں سے چاہ زعمزعم بھر دیا گیا اور تمام لاشے بغیر کفن و نماز جنازہ کے اندرون و بیرون شہر کے کنوؤں اور گڑھوں میں ڈال دیئے گئے حجر اسود اکھاڑ لیا گیا جس کی وجہ سے پچیس سال تک کعبہ شریف حجر اسود سے خالی رہا تمام مکانات لوٹ لئے گئے۔ غرض مکہ معظمہ میں اس مہدی کا یہ فتنہ ایسا ہوا کہ اس کی نظیر کسی تاریخ میں مل نہیں سکتی۔

الحاصل بدنام ہونا بڑے جہاں نامزائیں پانہ حقانیت پر قرینہ نہیں ہو سکتا ورنہ جہاں ز و غبار زہد معاش جن سے جیل خانے ہمیشہ بھرے رہتے ہیں سب کو اہل اللہ کہنا پڑے گا اور نہ

انکھار تقدس اس کا قرینہ ہے جیسا کہ قرامطہ وغیرہ کے حال سے ظاہر ہے۔
مولوی صاحب نے جہاں اسلام کے موجودہ دشمن فرقوں کی فہرست لکھ کر ان کی روز افزوں ترقی اور اس کی وجہ سے مرزا صاحب کی ضرورت ثابت کی ہے ان میں مولوی اور مشائخ کو بھی شریک کیا اور ان کو یہ خطاب عطا فرمائے۔ شیطان، حشرات الارض، زر پرست، نفس پرست، کمر بخت، موذی، نائب شیطان، ناپاک، مجموعہ صفات ذمید، شریر، فتنہ پرداز، مسلمانوں کے گمراہ کرنے والے شیطان کے شاگرد رشید، مکار وغیرہ۔ اس بات میں مولوی صاحب اپنے پیر کی سنت پر عمل کر رہے ہیں کیونکہ مرزا صاحب بھی علماء اور مشائخین کو ایسے خطابوں سے ذکر کیا کرتے ہیں چنانچہ ان کی تصانیف میں یہ موجود ہیں اسے بد ذات فرقہ مولویان! تم نے جس بے ایمانی کا پیالہ پیسا ہے وہی عوام کو بھی پلایا علماء سوء، اندھیرے کے کیڑو، کتے، گدھے، حمار، عقارب، عقب الحکب یعنی کتے کے بچے، خنزیر سے زیادہ پلید، ایمان و انصاف سے دور بھاگنے والے احمق، پلید، دجال، مغتری، اشرار، ارذل الکافرین، اوباش، بے ایمان، بے حیا، بد دیانت، فتنہ انگیز، تمام دنیا سے بدتر، جھوٹ کا گوہار، جابل، جعل ساز، ہمار، ڈوموں کی طرح مسخرہ، دشمن قرآن، روسیاء سفلی، سیاہ دل، سفہاء، شریر، مکار، شیخ نجدی، عدو انفس، غول الاغوال، غدار شریعت، فرعون رنگ، کینہ در کینہ، مادر زاد اندھے، گندے مردار، نا اہل نمک حرام، نابکار، نالایق، نا اہل، ایمان سے دور بھاگنے والے، ابولہب، فرعون، بد ذات، خبیث، زندیق، علیہم۔ لعن اللہ الف الف مرۃ، وغیرہ وغیرہ جس کو صاحب عصائے موسیٰ نے مرزا صاحب کی کتابوں سے نقل کیا ہے غرض کوئی گالی ان حضرات نے انھانہ رکھی اور عذر یہ کیا کہ کمال جوش اور حرارت اسمانی میں یہ سب گالیاں دی گئیں گویا اس جوش نے ان کو مرنوع القلم بنادیا ان گالیوں کے پہلے آپ نے یہ تمہید بھی کر دی ہے کہ مصلحان قوم اپنی قوم کو بعض وقت بہت سخت لفظ میں

مطلب کرتے ہیں لیکن ان سخت الفاظ کے اندر محبت اور شفقت بھری رہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ مصلح قوم ہیں جس قدر گالیاں دیں اس کے مستحق ہیں چونکہ اصلاح قوم اسی درجہ کی عبادت ہے اور یہ سخت و ست کہنا اس کا ذریعہ ہے یا مادہ، اس وجہ سے مولوی صاحب اور ان کے پیروں کو عبادت اور باعث تقرب الہی سمجھتے ہوں گے اس موقع میں واقعہ حرہ اور مسلم بن عقبہ کی کارگزاری یاد آتی ہے تاریخ دانوں پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اہل مدینہ منورہ جب یزید کے مخالف ہو گئے تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ان کی تادیب و تعذیب کیلئے مامور کیا وہ مقام حرہ میں جو مدینہ کے پاس ہے بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ آ پہنچا اور بعد سوال و جواب کے قتل عام و غارت کا حکم دیا اور تین روز تک مدینہ منورہ کو لشکریوں پر مباح کر دیا۔ تاریخ اختلاف اور جذب القلوب وغیرہ میں لکھا ہے کہ ہزار ہا کروڑ کیوں کا کبر حرام سے زائل کیا گیا اور تمام شہر کے گھر لوٹے گئے جہاں کوئی ملتا، راجا جانا صرف علماء و سادات و شہید کئے گئے جن میں تین سو صحابہ تھے مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے گئے خاص روضہ شریف گھوڑوں کی لید اور پیشاب سے متلغ رہا۔ یہ سب مسلم بن عقبہ کے حکم سے ہوا اب اس کی خوش اعتقادی سنئے جب اس کی موت کا وقت آپہنچا تو آخری دعا یہ کہ اللھم انی لم اعمل قط بعد شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد اعبده ورسولہ عملاً احب الی من قتلی اهل المدينۃ ولا ارجی عندی فی الاخرة۔ (ذکر ابن اثیر نے درہ کمال) یعنی یا اللہ بعد شہادت کلمہ طیبہ کے جو کچھ اعمال صالحہ میں نے اپنی عمر میں کئے ان سب سے زیادہ مجھے وہ عمل پسند ہے جو مدینہ کے لوگوں کو میں نے قتل کیا اور اسی عمل سے مجھے زیادہ تر توقع ہے کہ آخرت میں کام آئے گا۔

مسلم بن عقبہ کو صرف تادیب اہل مدینہ پر ناز تھا ہمارے مرزا صاحب کو اس سے زیادہ ناز و فخر ہونا چاہیے کیونکہ وہ تمام اہل اسلام کی تادیب فرما رہے ہیں اور وہاں صرف

جراحات نہ ان تھیں یہاں جراحات لسان ہیں جو التیام پذیر نہیں۔ جراحات اللسان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان۔

پھر یہ گالیاں کن کو دیئے جارہے ہیں عوام الناس بازار یوں کو نہیں جن کی عادت میں گالیاں دینا اور سننا داخل ہے بلکہ ان افراد قوم کو جن کو قوم نے اپنا رہبر مہر مہر ملی اور حامی دین بنا رکھا ہے اور ہر ایک ان پر سوچاں سے فدا ہے۔ معزز اور شریف لوگ قوم کے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ گالیاں سن کر قوم کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ سب کو جانے دیجئے خود مولوی صاحب اور ان کے پیروں پر غور کریں کہ کوئی ارذل یا ان کا ہمسرا ان کے والد بزرگوار یا پیر کی شان میں یہ الفاظ کہے تو ان کا کیا حال ہوگا اگر غیرت دار ہوں تو کیا اس ذلت کے مقابلہ میں مرجانا آسان نہ ہوگا۔ عرف میں ایسا شخص بڑا ہی بے شرم سمجھا جاتا ہے کہ اس کے باپ یا استاد یا پیر کو کوئی گالی دے اور وہ چپ رہے۔ نہایت افسوس اور شرمناک حالت سے جس کے مرتکب مولوی صاحب اور مرزا صاحب ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ولا تسبوا الدین بدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ۔ یعنی بتوں کو گالیاں مت دو کہ وہ اللہ کو گالیاں دینگے۔ بادی برحق اور نبی صادق کو حق تعالیٰ تعلیم فرماتا ہے۔ اذع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنیة وجاهدہم بالئییٰ ہی احسن۔ یعنی بلاؤ اپنے رب کی راہ پر حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور الزام دو ان کو جس طرح بہتر ہو۔ کیا مصلح قوم کی یہی شان ہے کہ اشتعاک طبع پیدا کرنے والے الفاظ سے طبیعتوں کو مشتعل کرے اور اس قابل بنائے کہ حق بات سننے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہے۔ مولوی صاحب نے اپنے آپ کو جو مصلح قوم قرار دیا ہے وہ خود انہی کی تقریر سے باطل ہو گیا اور نہ شرف اس قابل ہے کہ مصلح قوم سمجھے جائیں، نہ عرفا۔ پھر یہ جو شکایت ہو رہی ہے کہ مولویوں کی وجہ سے مسلمان اہل ہورہے ہیں سچ ہے جس قوم کے مصلح رذالت سے کام لیں اس کو ذلت نہ ہو تو کیا ہو۔

یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آیا جو میرے ایک دوست کا دیکھا ہوا ہے کہ تراویح کی جماعت کسی مسجد میں ہو رہی تھی جس میں وہ بھی شریک تھے ان کے قریب ایک شخص نے عین نماز میں اپنے بازو والے سے کچھ بات کہی ایک شخص نے نماز ہی کی حالت میں اس سے کہا کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تیسرے نے کہا تمہاری نماز کب باقی رہی چوتھے نے کہا الحمد للہ میں نے تو کوئی بات نہ کی۔ ایسا ہی مولوی صاحب جو اوروں پر الزام لگا رہے ہیں اس میں خود بھی مبتلا ہیں مگر سمجھتے نہیں علمائے ربانی وہ ہیں جو اپنے عیوب کی تفتیش کر کے اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہتے ہیں اور حتی الوسع دوسرے کے عیوب پر نگاہ نہیں ڈالتے اور اگر امر بالمعروف کی ضرورت سمجھتے ہیں تو ایسے ملامت اور دل نشین طریقے سے کرتے ہیں جس کا اثر ظاہر ہو۔ عموماً تعلیم الہی امر بالمعروف کے بارے میں یہی رہی ہے کہ نہایت نرمی اور سہولت سے کام لیا جائے باوجودیکہ اژدہائے فحشاء و موسیٰ قاتلہ کی مدد کیلئے ساتھ دیا گیا تھا مگر ارشاد یہی ہوا کہ فرعون کے ساتھ نہایت نرمی سے گفتگو کی جائے کما قال تعالیٰ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ (سورہ طہ) یعنی کہ اس سے بات نرم شاید وہ سوچ کر رہے یا ڈرے۔ اور آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوا کہ اِذْفَعْ بِاللَّيْلِ جِهْرًا اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلْقِهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلْقِهَا اِلَّا ذُوْ حِجْظٍ عَظِيْمٌ (سورہ اسجد) ترجمہ: جواب میں کہئے اس سے بہتر پھر جو آپ دیکھو تو جس میں آپ میں دشمنی تھی وہ ایسا ہوگا جیسے دوست دارنا طے والا اور یہ بات قی ہے انہیں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے اسی وجہ سے ہر شخص امر بالمعروف کا اہل نہیں سمجھا جاتا کیونکہ امر بالمعروف میں عیوب پر مطلع کرنا ہوتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس کا عیب ظاہر کریں وہ دشمن ہو جائے گا جس سے مخالفت اور جھڑاپید ہونے کا سخت اندیشہ ہے جو ممنوع ہے کما قال تعالیٰ وَلَا تَنَازَعُوا فَعَفَا غَرَضُ فَتَغْلِبُوا

وَتَذْهَبْ رِيحُكُمْ (سورہ انفال) یعنی آپس میں نہ جھگڑو پھر نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلُّ إِذَا اهْتَضَيْتُمْ (سورہ انفال) یعنی اے ایمان والو! تم پر لازم ہے تمہارے جان کی تمہارا کچھ نہیں بگاڑتا جو کوئی بہکا جب تم راہ پر ہوئے۔ باوجودیکہ امر بالمعروف کی ضرورت دوسری آیات سے ثابت ہے مگر اس آیت شریفہ میں جو اس کی ممانعت ہے اس کی تطبیق کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ عوام الناس اس سے روکے گئے ہیں اور خواص کو اس کی اجازت ہے جن سے اصلاح کی امید ہے بعض صحابہ نے اس آیت شریفہ کا مضمون حضرت ﷺ سے دریافت کیا تو فرمایا تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جاؤ اس وقت تک کہ لوگ دنیا اختیار کر لیں اور خود راہی کرنے لگیں تو اس وقت صرف اپنی فکر کرو اور ان کو چھوڑ دو۔

بہر حال مولوی صاحب کا یہ امر بالمعروف کرنا اس زمانہ میں کسی طرح بجا اور برائے نہیں ہو سکتا پھر یہ امر بالمعروف بھی کس مسئلہ میں کہ مرزا صاحب عیسائی موعود ہیں جس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے، نہ حدیث سے، نہ اور کسی علم سے، حالانکہ امر بالمعروف کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس بات کا امر کیا جائے جو دین میں معروف ہو۔

اب غور فرمائیے گا کہ اگر مولوی صاحب کو مدراں کے عمامہ نے وعظ سے روک دیا تو کیا برا کیا۔ خود خدا اور رسول ان کو ایسے وعظ سے روک رہے ہیں وعظ سے روکنے والوں کا استدلال اس حدیث سے ہوگا جو سنن دارمی میں مروی ہے عن اسماء بن عبیدہ قال دخل رجلان علی ابن سیرین فقالا یا اباہک حذثک بحديث قال لا قالوا فقرأ علیک اية من کتاب اللہ قال لا لتقومان عنی اولا قوم من قال فخرجوا فقال بعض القوم یا اباہک وما کان علیک ان تقرأ علیک اية من کتاب اللہ العالی قال انی خشیت ان یقرأ علی اية فیحر فانها فیقر ذلک فی قلبی یعنی

اسماء بن عبید کہتے ہیں کہ دو شخص اصحاب ہوا سے ابن سیرین رحمہ اللہ کے پاس آئے اور کہا انہوں نے کہ ہم آپ سے ایک حدیث کہتے ہیں فرمایا میں نہیں سنتا انہوں نے کہا کہ ایک آیت قرآن کی پڑھتے ہیں کہا میں نہیں سنتا۔ یا تم یہاں سے اٹھ جاؤ یا میں اٹھ جاتا ہوں کسی نے ان سے پوچھا کہ اگر وہ آیت قرآن کی پڑھتے تو آپ کا کیا نقصان تھا فرمایا مجھ کو خوف اس بات کا ہوا کہ اگر وہ آیت پڑھیں اور کچھ الٹ پلٹ کر دیں جو میرے دل میں وہ ہم جائے۔ اور دوسری روایت اسی داری میں ہے عن الحسن وابن سیرین انہما قالا لا تجالسوا اصحاب الا هواء ولا تجادلوهم ولا تسمعوا منهم وهكذا قال ابو قلابہ رحمہ اللہ یعنی حسن بصری اور ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اصحاب ہوا کے ساتھ نہ بیٹھو، نہ ان سے مناظرہ کرو اور نہ ان سے کوئی بات سنو۔ مرزا صاحب نے جو یہ دعویٰ کیا ہے وہ بالکل نیا ہے تیرہ سو برس کے عرصہ میں نہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا، نہ یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور جن کے آنے کی خبر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ان کا قائم مقام کوئی دوسرا شخص ہوگا۔ اہل ہوا ایسے ہی لوگوں کو کہتے ہیں جو نئی باتیں اپنی خواہش کے مطابق دین میں تراش لیتے ہیں۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جو نئی بات نکالی جائے وہ مردود ہے اس سے احتراز اور اجتناب کیا جائے اسی وجہ سے صحابہ ایسے لوگوں سے جو نئی بات نکالتے، نہایت احتراز کیا کرتے۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے کوئی بات نئی نکالی ہے اگر یہ سچ ہے تو اس کو سلام کا جواب نہ پہنچاؤ۔ کما فی الدارمی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ جاءہ رجل فقال ان فلانا بقرا علیک السلام قال بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرا علیہ السلام۔ علیہ السلام کہتے ہیں میں خود آنحضرت ﷺ سے سنا ہوں کہ فرماتے تھے قریب ہے کہ فتنے اور نئی باتیں پیدا ہوں گی جو کوئی اس امت

کی اجتماعی حالت میں تفرقہ ڈالنا چاہے کوئی ہو اس کو تلوار سے روالو۔ کما فی مسلم عن عرفجہ رحمہ اللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ستكون ہنات و ہنات فمن اراد ان یغرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنات من کان۔

غرض اس قسم کے اسباب سے نئی نئی باتوں کے کہنے سننے سے روک دینا علماء کا فرض منصبی ہے اگر انہوں نے ایسے وعظ سے روک دیا تو یہ کوئی برہم ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ اس سے ان کو ممنون ہونا چاہیے۔ ورنہ اگر یہ راستہ بالکلیہ کھل جائے تو اس آخری زمانے میں جو دین پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں مخالفین دین کو موقع مل جائے گا اور ہر شخص نئی نئی باتیں ایجاد کر کے دین میں دھنسا کر دے گا۔ جب تک مرزا صاحب ادیان باطلہ کے رد کی طرف متوجہ تھے سب ان کے مدافع تھے بلکہ ان کو محمد بھی سمجھتے ہوں تو تعجب نہیں اور اب بھی اس حد تک کوئی برا نہیں سمجھتا جس میں تائید دین ہو اگر یہ چند نئی باتیں چھوڑ دیں تو ابھی کل اہل حق ان کے رفیق و مددگار ہو جاتے ہیں اور یہ ناحق کا جھڑا جس سے نہ دین کا فائدہ ہے، نہ دنیا کا مت کر کا نہ ہم بنیان موصو ص کا مضمون صادق آجاتا ہے اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ مرزا صاحب خود ازلۃ الابد ہم میں فرماتے ہیں ممکن ہے ایسا مسیح بھی آجائے جس پر حدیثوں کے بعض ظاہری الفاظ بھی صادق آجائیں جب یہ خود تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس مشکوک دعویٰ پر اصرار کر کے مسلمانوں کے ساتھ دشمنی قائم کرنے سے کیا فائدہ۔ نسائی اللہ التوفیق و ہو بالاجابة جدید۔

مولوی صاحب اسلام اور مسلمانوں پر کماں دسوزی ظاہر کر کے ایک مرثیہ رونے اور چلانے کیلئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کا قحط ہو گیا ہے اور دین اسلام گردش میں اور کفر کا زور و شور ہے اس مرثیہ میں اتنی کسر و گلی کہ چند بند مرزا

صاحب کی عیسویت پر بھی بڑھا دیتے کہ ہائے عیسیٰ بن مریم بھی اتر کے ہیں برس ہو گئے مگر بجائے اس کے کہ ان سے دین کی ترقی ہوتی کفر ہی کو ترقی ہو گئی اور ہوری ہے اگرچہ مقتضائے حسن ظن یہ ہے کہ یہ اظہار دوسری مولوی صاحب کی نیک نیتی پر حمل کی جاتی مگر مشکل یہ ہے کہ سرسید صاحب اور ان کے اتباع بھی اس سے زیادہ فوٹے اور داویلے لگتے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی نیک نیتی کے قائل مولوی صاحب بھی نہیں ہیں بلکہ ان کو دشمن اسلام قرار دیا ہے۔ اس امر کی تصدیق کیونکر ہو کہ وہ فی الواقع اصلی اسلام کے دوست اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں ان کا مقصد تو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ اگر مسلمان ہیں تو چند قادیانی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی سب بے دین ہیں چنانچہ صاف لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قتل ہو گیا ہے۔

اس طریقے کی ایجاد ابتداء سے اسلام ہی میں ہو چکی ہے چند لوگ ایسے پیدا ہوئے کہ کمال درجہ کا زہد، تقویٰ، پرہیز گاری، ایمان داری ظاہر کر کے کل صحابہ و تابعین کو بے دین قرار دیا اور ظاہری حالت ان کی دیکھ کر بہت سے ظاہرین ان کے طرف مائل اور ان کے ہم خیال ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت بن گئی جن کے قلع و قمع کی طرف سلطنت کو متوجہ ہونا پڑا اور پھر بھی نہ سکا ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ اگر مسلمان ہیں تو ہم ہیں باقی سب صحابہ و تابعین کافر ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)۔ ان لوگوں کے واقعات و حالات بہت ہیں مگر تھوڑا سا حال بقدر ضرورت یہاں لکھا جاتا ہے جس سے طرز رفتار معلوم ہو جائے۔ جو واقعات یہاں لکھے جاتے ہیں فضائل سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مولفہ امام نسائی، مستدرک حاکم، کنز العمال اور تاریخ کامل وغیرہ متعدد معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں وہی

ہذا۔

قصہ خوارج

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضی اللہ عنہما میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور طرفین سے ہزاروں اہل اسلام شہید ہوئے تو یہ رائے قرار پائی کہ دونوں طرف سے دو شخص معتمد علیہ حکم قرار دیئے جائیں وہ جو کچھ فیصلہ کریں نافذ ہو اور باہمی جھگڑے مٹ جائیں چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرف سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اور طرفین سے عہد نامہ لکھا گیا اور اشعث بن قیس اس کام پر مامور ہوئے کہ وہ عہد نامہ ہر قبیلہ میں جا کر سنا دیں جب وہ قبیلہ بنی تمیم میں جا کر عہد نامہ سنائے تو عمرو بن ادبیہ تمیمی نے کہا کہ عجیب بات ہے یہ لوگ آدمیوں کو حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے سوائے کوئی حکم نہیں کر سکتا حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الحکم الا للہ اور یہاں تک برہم ہوا کہ تلوار کھینچ کر اشعث پر حملہ کیا تو وہ بچ گئے مگر ان کا گھوڑا زخمی ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا بات تو سچی ہے مگر مقصود اس سے باطل ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر وہ ہم سے مقابلہ کریں تو ہم اول ان سے تقریر کر کے قائل کریں گے اور نہ مانیں تو قتل کر ڈالیں گے زید بن عاصم بخاری جو اس مجلس میں موجود تھا یہ سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور خطبہ پڑھا کہ یا اللہ ہم تجھ سے پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ اپنے دین میں دنیا و اعتبار کریں اور کم ہمتی و عمل میں لائیں۔ اے علی کیا تم ہم کو قتل سے ڈراتے ہو ہو شیار ہو واللہ ہم تمہیں قتل کر ڈالیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ خدا کی راہ پر تم چلتے ہو یا ہم پھر وہ اور اس کے بھائی نے ایک جماعت فراہم کی جن میں عبداللہ بن وہب راہی بھی تھا اس نے خطبہ پڑھا کہ ہم کو پہاڑوں یا دوسرے شہروں میں جانا ضرور ہے تاکہ گمراہ کرنے والے بدعتیوں سے ہمارا انکار ثابت ہو جائے پھر دنیا کی بے ثباتی اور متغیوں کے فضل بیان کر کے سب کو شہر

سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اس کے بعد یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امیر کون قرار دیا جائے بعد اختلاف کے یہ امر طے ہوا کہ عبداللہ بن وہب ہی اس کام کیلئے منتخب کیا جائے اس نے اول تو انکار کیا لیکن بعد دو وقار کے یہ کہہ کر قبول کیا کہ مجھے مطلقاً خواہش دنیوی نہیں نہ میں امارت چاہتا ہوں نہ مجھے اس سے کوئی خوف ہے اللہ کے واسطے یہ خدمت قبول کرتا ہوں اگر اس میں مرجاؤں تو کوئی پروا نہیں پھر اس نے کہا کہ اب ایسا شہر تجویز کرنا چاہیے کہ جس میں ہم سب جمع ہوں اور اللہ کا حکم جاری کریں کیونکہ اہل حق اب تمہیں لوگ ہو چنانچہ نہروان تجویز ہوا اور یہ سب خوارج وہاں چلے گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کے نام خط لکھا کہ اب بھی چلے آؤ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم اپنے کفر پر گواہی دیتے ہو اور نئے سرے سے توبہ کرتے ہو تو دیکھا جائیگا اب تو ہم نے تم کو دور کر دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ زیاد بن امیہ نے عروہ بن ادیہ خارجی سے پوچھا کہ ابو بکر ؓ اور عمر ؓ کا کیا حال تھا؟ کہا اچھے تھے۔ پھر عثمان ؓ کا حال دریافت کیا۔ کہا ابتداء میں چھ سال تک ان کو میں بہت دوست رکھتا تھا جب انہوں نے بدعتیں شروع کیں ان سے علیحدہ ہو گیا اس لئے کہ وہ آخر عمر میں کافر ہو گئے تھے۔ پھر علی ؓ کا حال دریافت کیا۔ کہا کہ وہ بھی اوائل میں اچھے تھے آخر میں کافر ہو گئے۔ بعد معاویہ ؓ کا حال پوچھا ان کو سخت گالی دی۔ پھر زیاد بن امیہ نے اپنا حال پوچھا۔ کہا تو اوائل میں اچھا تھا اور آخر میں گزندہ ہو گیا اور دونوں حالتوں کے بیچ میں تو اپنے رب کا نافرمان رہا۔ زیاد نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا پھر اس کے غلام کو بلا کر پوچھا کہ اس شخص کا مختصر حال بیان کر۔ کہا جب میں اس کے پاس کھانا لے جاتا یا اور کسی کام کیلئے جاتا تو اس کا یہی اعتقاد اور اجتہاد اور دسوزی پاتا غرض ضرورت سے زیادہ دسوزی بھی علت سے خالی نہیں۔ خوارج حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے صرف دو ہاتوں سے بگڑے جن میں ظاہراً اسماء دینداری معلوم ہوتی ہے۔ ایک حکم کا

مقرر کرنا جس کو انہوں نے شرک قرار دیا تھا اس وجہ سے کہ حکم خدائے تعالیٰ کا خاصہ ہے دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا کما قال تعالیٰ ان الحکم الا للہ دوسرے یہ کہ مسلمانوں سے انہوں نے لڑائی کیوں۔ اگر لڑنا ضرور تھا تو ان کا مال غنیمت کیوں نہ بنایا حالانکہ یہ دونوں امر قرآن سے ثابت ہیں ان کے زہد و تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب چھ ہزار خوارج ایک جگہ جمع ہوئے تو میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اجازت لے کر عروہ لہاس پہن کر ان کے پاس گیا انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ اے ابن عباس یہ لباس کیسا؟ میں نے جواب تو دے دیا مگر ان کی حالت یہ دیکھی کہ عبادت اور ریاضت میں کسی قوم کو ان کا نظیر نہیں پایا، نہ صحابہ کو، نہ تابعین کو ان کے چہرے شب بیداری کی وجہ سے سوکھے سوکھے اور ہاتھ پاؤں نہایت دبیلے۔ جناب ؓ فرماتے ہیں کہ جب علی کرم اللہ وجہہ نے خوارج کا پیچھا کیا ہم ان کے لشکر کے قریب پہنچے ان کی حالت دیکھی کہ ہر طرف سے قرآن پڑھنے کی آواز آرہی ہے سب لوگ تہبند باندھے ہوئے اور نوپیاں اوڑھے ہوئے یعنی کمال درجے کے زہد و عابد نظر آئے یہ حالت ان کی دیکھتے ہی میرے دل پر سخت صدمہ ہوا اور میں گھوڑے سے اتر کر جناب باری کی طرف رجوع کیا اور نماز کی حالت میں یہ دعا کرنے لگا کہ الہی اگر اس قوم کا قتل کرنا طاعت ہو تو مجھے اجازت دے اور اگر معصیت ہو تو مجھے اس پر مطلع فرمادے۔ میں اسی حالت میں تھا کہ علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے جناب! خدا کے غضب سے پناہ مانگو۔ اے جناب! یاد رکھو کہ ہم میں سے دس شخص شہید نہ ہوں گے اور ان میں سے دس نہ بچیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ طارق بن زیاد کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ قتل ہو چکے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ بات سچی کہیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گی اور دین سے وہ ایسے نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا

ہے ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک شخص سیاہ رنگ ہوگا جس کا ایک ہاتھ ناقص ہوگا اور اس پر چند سیاہ بال ہوں گے اس کی تلاش کرو اگر وہ مل گیا تو سمجھو کہ تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ورنہ بہترین خلق کو تم نے مارا۔ یہ سنتے ہی صحابہ کو فکر ہوئی اور بے اختیار رونے لگے اور اس کی تلاش میں سرگرم ہوئے چنانچہ تمام لاشوں میں ڈھونڈ کر اس کو نکالا اس کے ملنے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور تمام صحابہ مجددہ شکر میں گرے۔

خوارج کا یہی عقیدہ تھا کہ حق تعالیٰ عجم میں ایک نبی پیدا کرے گا اور اس پر ایک کتاب نازل ہوگی جو آسمانوں میں لکھی ہوئی ہے غرض جیسے یہ لوگ اپنے چند ہم مشربوں کو مسلمان قرار دے کر دوسروں کو گمراہ ٹھہرائے تھے مولوی صاحب بھی وہی کر رہے ہیں۔ ان واقعات سے کئی امور مستفاد ہوتے ہیں ایک یہ کہ کمال دسوزی اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر ظاہر کرنا دینداری اور حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی دوسرا کمال ریاضت و مجاہدہ و ترک دنیا حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ تیسرا مسلمانوں کو بے دین اور خود کو دیندار قرار دینا اہل باطل کا شعار ہے۔ چوتھا تمام مسلمانوں کے خلاف میں ایک نئی بات ایجاد کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا خدا اور رسول کے پاس مذموم ہے۔

مولوی صاحب کو اپنی طبیعت خدا داد پر ناز ہے کہ وہی کو پہچان لیتے ہیں اسی سے مرزا صاحب کو پہچان لیا اس کی تصدیق میں ہمیں کلام ہے جب صحابہ کو خوارج کی ولایت اور ان کے بہترین خلق ہونے کا گمان ہوا اور فی الواقع وہ دھوکا ثابت ہوا تو اب ان سے بڑھ کر وہی کو کون پہچان سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہی کو حق تعالیٰ پوشیدہ رکھتا ہے مگر مولوی صاحب اس لحاظ سے کہ وہی راوی می شناسد، اپنے کو وہی سمجھتے ہیں تو یہ دوسری بات ہے۔ صحابہ کی تو یہ حالت تھی کہ بجائے اس کے کہ اپنے کو وہی سمجھیں خود اپنے ایمان کو متہم رکھتے تھے چنانچہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر حدیثہ سے پوچھا کرتے

تھے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے منافقوں میں تو شریک نہیں فرمایا۔ حظلہ رضی اللہ عنہ ایک وقت اپنی حالت قلبی دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھے کہ منافق حنظلہ یعنی حظلہ منافق ہو گیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کے ہم زبان ہو گئے۔ یہ روایت صحاح میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی دلالت تو کیا اپنی دلالت بھی ہر شخص کو معلوم ہونا ضرور نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ دلالت افعال و اعمال کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نسبت ہے جو بندہ اور معبود کے بیچ میں ہوتی ہے جس کا حاصل تقرب الہی ہے پھر جس کو تقرب الہی ہو تو ضرور نہیں کہ دوسرے کا تقرب بھی اس کو معلوم ہو اور جس کو تقرب ہی نہ ہو تو کسی کا تقرب اسے کیوں کر معلوم ہو سکے۔ رہی یہ بات کہ اعمال صالحہ اور قرآن سے کسی کا تقرب معلوم کریں سو وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا ہماری شریف میں ہے قال رسول اللہ ﷺ ان الرجل لیعمل عمل اہل الجنة لیسما یبدو للناس وهو من اہل النار وان الرجل لیعمل عمل اہل النار فیما یدو للناس وهو من اہل الجنة۔ یعنی دیکھنے میں بعضوں کے عمل جنتیوں کے ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ دوزخی ہوتے ہیں اور بعضوں کے عمل دیکھنے میں دوزخیوں کے ہوتے ہیں اور وہ جنتی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ظاہری اعمال سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی ہے ابھی قرآن طہ اور خوارج کا حال معلوم ہوا بلعم باعور کا قصہ تفاسیر میں مصرح ہے کہ نہایت مقدس مستجاب الدعوات تھا اور انجام کار بے دین ہر کر مرا جس کی مذمت قرآن شریف میں ہے ان تحمل علیہ یلہث او ترکہ یلہث۔ (سورہ اعراف)

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ رندازدہ نیاز ہدار اسلام رفت
ہر شخص جس کسی کا مرید ہوتا ہے اس کو وہی سمجھتا ہے پھر ان میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں کہ پیر و مرید دونوں خسرو الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہرستی نباید دادوست
صحابہ کا زمانہ دوسرے تمام زمانوں سے بہتر اور افضل ہونا اور اس کے بعد اتری
اور خرابی بڑھتی جانا صحیح حدیثوں سے ثابت ہے جب اس زمانہ کا یہ حال ہو کہ صحابہ جن
حسن ظن کریں وہ خوارج نکلیں تو ہم آخری زمانے والے جن پر حسن ظن کریں خدا ہی جانتے
ان کی کیا حالت ہو۔ امام سخاوی رحمہ اللہ علیہ نے الجواہر المکملہ فی الاحادیث
المسلسلہ میں بسند متصل عروہ رحمہ اللہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اکابر
لبید ابن ربیعہ کے یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم وبقيت في خلف كجلد الاجرب
يتحدثون مخافة وملامة ويعاب قائلهم وان لم يشغب
یعنی جاتے رہے وہ لوگ جن کے پناہ میں زندگی بسر کی جاتی تھی اور رہ گئی میں
ایسے ناخلف لوگوں میں جن کی حالت خارش زدہ اونٹ کے چمڑے کی سی ہے باتیں کرتے
ہیں وہ لوگ خوف اور ملامت کی اور ان میں کہنے والا اگرچہ کجروی نہ کرے عیب لگایا جاتا
ہے۔ عروہ اس حدیث کی روایت کرنے کے وقت کہا کرتے کہ اگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
ہمارے زمانے میں ہوتیں تو معلوم نہیں کیا کہتیں۔ ہشام جو عروہ سے اس حدیث کو روایت
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عروہ اگر ہمارے زمانے میں ہوتے تو معلوم نہیں کیا کہتے۔ اسی
طرح امام سخاوی رحمہ اللہ علیہ واصل الروایۃ، وهذا وبالسند المذكور الی ابی
بکر بن شاذان حدثنا ابوبکر احمد بن محمد بن اسمعيل الهيثبي بكسر
الهاء والفاء قافية وبينهما تحتانيه وهو ثقة ثنا يعيش بن الجهم ثنى عن ابی
حمزة هو انس بن عياض عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشة رضی اللہ عنہا

انہا كانت تتمثل بابيات لبید بن ربیعة.

ذهب الذين يعاش في اكنافهم وبقيت في خلف كجلد الاجرب
يتحدثون مخافة وملامة ويعاب قائلهم وان لم يشغب
قال عروة رحمه الله عائشة كيف لو ادركت زماننا هذا وقال
هشام رحمه الله عروة كيف لو ادرك زماننا هذا وقال ابو حمزة رحمه الله
هشام كيف لو ادرك زماننا هذا وقال يعيش رحمه الله ابا حمزة كيف
لو ادرك زماننا هذا وقال الهيثبي رحمه الله يعيش كيف لو ادرك زماننا هذا
وقال ابن شاذان رحمه الله الهيثبي كيف لو ادرك زماننا هذا وقال ابو الفتح
رحم الله شاذان كيف لو ادرك زماننا هذا وقال المبارك رحمه الله ابو الفتح
كيف لو ادرك زماننا هذا وقال السلفي رحمه الله المبارك كيف
لو ادرك زماننا هذا وقال ابو الحسن رحمه الله السلفي كيف لو ادرك
زماننا هذا وقال الطبري رحمه الله ابا الحسن كيف لو ادرك زماننا هذا
وقال كل من العفيف والقروي رحمه الله الطبري كيف لو ادرك زماننا هذا
وقال لنا القروشي رحمه الله القروي كيف لو ادرك زماننا هذا وكذا قالت
لنا مريم رحمه الله العفيف كيف لو ادرك زماننا هذا وقول رحمه الله كلامنا
مشاننا كيف لو ادرك زماننا هذا.

زیر بن عدی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے انس رضی اللہ عنہ کے پاس حجاج بن
یوسف کی شکایت کی فرمایا صبر کرو جو زمانہ تم پر آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہوگا یہ
بات آپ نے خود نبی کریم ﷺ سے سنی ہے۔ کما فی البخاری عن الزبیر بن عدی
قال اتينا انس بن مالك فشكونا اليه ما نلقى من الحجاج فقال اصبروا

فانه لا ياتي عليكم زمان الا الذي بعده شرمه حتى تلقوا ربكم سمعته من نبيكم ﷺ۔ اس حدیث سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ جب حجاج کے زمانہ سے جس کو تخمیناً بارہ سو برس ہوتے ہیں بدتری اور خرابی روز افزوں ترقی پذیر ہے تو اس زمانے کے فتنہ انگیز حجاج سے کس درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے۔ سچ ہے کہ اس کا فتنہ صرف جسم پر اثر کرتا تھا اور زمانہ کے فتنے ایمان پر اثر ڈالتے ہیں اس فتنے کا اثر اسی عالم تک محدود تھا ان فتنوں کا اثر عالم اخروی میں ظاہر ہو نہ سکتا ہے اس فتنے کا اثر چند روز میں فنا ہو گیا ان فتنوں کا اثر جس پر ہوا بدالہ آباد باقی رہا۔

ازین الفیون کہ ساقی درمی انگند حریفان راند سرماندہ دستار
حق تعالیٰ ہم کو اور ہرے احباب اور جمیع اہل اسلام کو توفیق عطا فرمائے کہ اپنے ایمان کی قدر کریں اور ہر کس و ناکس کے فریب میں آکر ایسے گوبرے بہا کو اکھونہ بیٹھیں۔
مولوی صاحب مرزا صاحب کی تائید اسلام اور تقدس سے متعلق جتنی باتیں بیان کرتے ہیں ان کا انکار کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں مگر یہ حقانیت کا قرینہ قطعی نہیں ہو سکتا۔
کتب تاریخ سے ظاہر ہے کہ حجاج بن یوسف نے بخارا سے ملتان تک صد ہا شہر فتح کر کے سرحد اسلام میں داخل کر دیا جن میں کروڑ ہا اہل اسلام پیدا ہوئے اور بفضلہ تعالیٰ اسی تائید کا اثر قیامت تک جاری رہے گا۔ باوجود اس کے دیکھ لیجئے کہ اسلام میں حجاج ظالم کی کیا وقعت ہے۔ یہ تو ہمارے دین کا خاصہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کی تائید بدکاروں سے بھی کر لیا کرتا ہے جیسا کہ صراحتاً اس حدیث شریف سے ظاہر ہے قال النبی ﷺ و ان الله ليليد هذا الدين بالرجل الفاجر (ردو انظار)

غرض مرزا صاحب کی تائید اسلام میں ہماری گفتگو نہیں۔ کلام ہے تو صرف اس میں ہے کہ مرزا صاحب عیسیٰ موعود بننا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اس میں بھی ہمیں کلام کرنے کی

ضرورت نہیں اس لئے کہ اس زمانہ میں نبوت تو کیا اگر کوئی خدائی کا بھی دعویٰ کرے تو کوئی نہیں پوچھتا مگر چونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے ارشادات میں وہ تصرف کر رہے ہیں اس لئے ہم پر حق ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان کی حفاظت کریں اور اپنے ہم مشربوں کو ان کا اصلی مطلب معلوم کرادیں اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو ہمارا کوئی نقصان نہیں ہم کو اپنا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ و ماعلینا الا البلاغ۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مسلمانوں کے صفات اور حالات ایسے ہوں گے جیسے مسیح ابن مریم کے مبعوث ہونے کے وقت یہودی کی حالت تھی بلکہ یہ لفظ یعنی عیسیٰ ابن مریم اس غرض سے اختیار کیا گیا ہے تاہر ایک کو خیال آجائے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے ان مسلمانوں کو جن میں ابن مریم کے اترنے کا وعدہ دیا تھا یہود ٹھہرا لیا ہے جیسے یہودیوں کا نام خدا تعالیٰ نے بندر اور سور رکھا اور فرمایا وجعل منہم القردة والخنزیر اسی طرح اپنا نام عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا اور اپنے الہام میں فرمایا وجعلناک المسیح ابن مریم اچھی۔ پھر دس بیس صفات مذمومہ مثل بغض و حسد اور تفرقہ وغیرہ جو اس زمانے کے بعض مسلمانوں میں دیکھے جاتے ہیں وہ اس زمانہ کے یہود میں بیان کئے جو عیسیٰ ﷺ کے مبعوث ہونے کے وقت تھے مقصود اس سے یہ کہ ان لوگوں میں یہ صفات ہونے کی وجہ سے عیسیٰ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اب بھی وہی صفات اس وقت کے مسلمانوں میں آگئے ہیں اس لئے اب وہ یہود ہیں اور عیسیٰ کی ان کے لئے ضرورت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے لکل فرعون موسیٰ اس صورت میں وہ عیسیٰ مراد نہیں جو نبی تھے بلکہ ان کا مثل اور شبیہ مراد ہے۔ صفات مذمومہ جو دونوں فرقوں میں مشترک بنائے گئے ہیں اس کا ثبوت کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب سے نہیں دیا گیا۔ عیسیٰ ﷺ کے نزول کا جن احادیث میں ذکر ہے ان میں نہ تو یہود کا نام ہے، نہ ان کے ان صفات کا ذکر

جو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں آگئی تھیں۔ یہ مسلم ہے کہ جب تک کسی قوم میں صفات مذمومہ نہیں پائی جاتیں۔ اس قوم میں نبی مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں جیسا کہ آیہ شریفہ ان ارد الا اصلاح سے ظاہر ہے اور وہ صفات مذمومہ اسی قسم کے ہوتے ہیں جو بیان کی گئی ہیں مگر اس میں قوم یہودی تخصیص سمجھ میں نہیں آتی اگر کوئی خصوصیت تھی تو چاہیے تھا کہ پہلے وہ خصوصیت قرآن وحدیث سے بیان کی جاتی اس وقت لکل یہودی عیسیٰ صحیح ہوتا جیسے لکل فرعون موسیٰ صحیح ہے یہ تو اس واسطے صحیح ہے کہ فرعون کا سرکش ہونا اور موسیٰ کا سرکوب ہونا ہر شخص جانتا ہے اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہود میں کوئی صفات تھیں جس کی اصلاح کیلئے عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اگر بالفرض وہ صفات معلوم بھی ہوتے تو دونوں طرف علم تو یسوی کہے جاتے جیسے لکل فرعون موسیٰ میں ہے اگر زید شرارت کرے تو زید موسیٰ کہنا ہرگز محاورہ کے مطابق نہ ہوگا یہی صورت یہاں بھی ہو رہی ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس قدر فرمایا کہ تم میں عیسیٰ آئیں گے یہ کسی حدیث میں نہ کہ تم یہود ہو جاؤ گے یا تم میں یہود کے صفات آجائیں گے اس لئے تم میں عیسیٰ آئے گا البتہ یہ ثابت ہے کہ آخری زمانے والے ام سابقہ کی پیروی کریں گے چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی کہ میری امت اگلی امتوں کے پورے پورے صفات اختیار نہ کر لیں صحابہ نے عرض کیا وہ لوگ فارس اور روم کے جیسے ہو جائیں گے فرمایا ان کے سوا اور کون۔ کنز العمال میں یہ حدیث بخاری سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے جلد ہفتم صفحہ ۱۷۳)

اب اس تصریح کے بعد یہ کہنا کہ امت یہود ہو جائے اس لئے کوئی عیسیٰ آئے گا خلاف احادیث ہے۔ کنز العمال میں صد ہا حدیثیں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور تغیر حال امت اور علامات قیامت کے باب میں وارد ہیں کوئی حدیث ان میں ایسی نہیں جس

سے یہ معلوم ہو کہ امت میں یہود کے صفات پیدا ہو جائیں گے اس کی وجہ سے عیسیٰ پیدا ہوں گے پھر جس طرح فساد امت کے باب میں احادیث وارد ہیں اس کی مدح میں بھی آیات واحادیث وارد ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ کنتم خیر امة اخرجت للناس نامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر یعنی کل امتوں سے یہ امت بہتر ہے اور احادیث میں وارد ہے کہ کبھی یہ امت گمراہی پر اتفاق نہ کرے گی۔ (کنز العمال جلد ۶ حدیث نمبر ۲۰۰) اہل باطل اس امت کے اہل حق پر غالب نہ ہوں گے۔ بلکہ آخر امت کی بھی خاص خاص فضیلتیں وارد ہیں ارشاد ہوتا ہے کہ میرے امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کا پانی نہیں معلوم کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر۔ (کنز العمال جلد ۷، حدیث نمبر ۱۹۵۷)

اور فرماتے ہیں کیونکر ہلاک ہوگی وہ امت جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم اور وسط میں مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوں گے۔ (کنز العمال)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا حضرت نے استفسار فرمایا کہ تمام اہل ایمان میں افضل کون لوگ ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ملائکہ ہوں گے۔ فرمایا کہ ان کے ایمان میں کیا شک ان کا مرتبہ ایسا ہی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا انبیاء ہوں گے؟ فرمایا ان کے ایمان میں کیا شک ان کا بھی ایسا ہی مرتبہ ہے۔ عرض کیا شہداء ہوں گے جو انبیاء کے ساتھ رہے۔ فرمایا ان کو خدا تعالیٰ نے ایسا ہی مرتبہ دیا ہے کہ انبیاء کے ساتھ حاضر رہے۔ فرمایا ان کے سوا کبھی۔ سب نے عرض کیا حضرت ہی فرمائیں۔ ارشاد ہوا وہ لوگ وہ ہیں جو اب تک موجود نہیں ہوئے وہ میرے بعد پیدا ہوں گے اور بغیر دیکھے کے مجھ پر ایمان لائیں گے اور صرف اوراق دیکھ کر اس پر عمل کریں گے ایمان والوں میں یہ لوگ افضل ہیں۔ (کنز العمال) ان کے سوا اور کئی حدیثیں اس امت مرحومہ کی فضیلت پر درال ہیں ان احادیث سے اس امر کی تائید بخوبی ہو سکتی ہے کہ اس امت

کی عظمت اور رفعت شان کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام جو نبی اللہ تھے وہی اس امت میں تشریف لائیں گے اس لئے کہ دجال کا فتنہ جو اس امت مرحومہ کے اخیر میں ہونے والا ہے ایک ایسا پر آشوب فتنہ ہے کہ خدا ہی اس سے پناہ دے۔ تمامی انبیاء اپنی اپنی امتوں کو اس سے ڈراتے آئے چنانچہ بناری شریف میں یہ حدیث مروی ہے۔ ان عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ فی الناس فائس علی اللہ بما ہو اہلہ ثم ذکر الدجال فقال انی لا اذکر کموہ وما من نبی الا اذکر قومہ لقد اذکر نوح قومہ ولکنی اقول لکم فیہ قولا لم یقلہ نبی لقومہ تعلمون انه اعور وان اللہ لبس باعور یعنی ایک روز نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا اور حمد کے بعد دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ میں اس سے تم کو ڈراتا ہوں کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا نہیں یہاں تک کہ نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اس سے ڈرایا لیکن میں ایک ایسی بات تمہیں کہتا ہوں کہ کسی نبی نے نہیں کہی یاد رکھو کہ وہ کاٹا ہے اور اللہ کا نا نہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ باوجودیکہ اس فتنہ کا وقت علم الہی میں معین تھا کہ قریب قیامت میں حضرت کی آخر امت میں ہوگا مگر شہرت اس کی نوح علیہ السلام ہی کے وقت سے دی گئی جس سے ہر فرد بشر پناہ مانگتا تھا اور انبیاء ڈراتے رہے۔ وہ فتنہ کس بلا کا ہوگا۔ جس کی دھوم عالم میں قبل از وقوع واقعہ اس قدر مچی ہوئی تھی حالانکہ دنیا میں صد ہا بلکہ ہزار ہا اشد وقائع اور فتنے ہوئے مگر کسی زمانے میں ان سے پناہ مانگی نہ گئی۔ یہ فتنہ معمولی نہیں بلکہ قیامت کا ضو نہ ہوگا کہ نقشہ قیامت کا پیش نظر کر دے گا جو فتنہ غیر معمولی اور فوق طاقت بشری ہو اس کے دفع کرنے کا اہتمام بھی غیر معمولی طور پر ہونا مقتضائے حکمت ہے۔ جس سے اس فتنے کی وقعت اور بھی زیادہ ہو جائے یعنی اس اہتمام سے یہ خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ جس کے دفع کرنے کے لئے انبیاء اولو العزم سے خاص ایک نبی جلیل القدر مقرر ہو وہ کیسا فتنہ ہوگا۔

غرض جس طرح تمام انبیاء کا ڈرانا اہل ایمان کے دلوں کو متزلزل اور اللہ تعالیٰ کے طرف پناہ لینے پر مضطر کرتا ہے عیسیٰ علیہ السلام کو خاص اس کے فرو کرنے کے لئے متعین کرنا اس اثر قلبی کو دوبالا کرتا ہے۔ اور اس میں بڑی مصلحت یہ ہے کہ کمال درجہ کی خصوصیت اس امت مرحومہ کی اور کمال درجہ کا فضل و احسان اس پر مبذول ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چند وہ فتنہ کتنا ہی عظیم الشان ہو مگر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی خاص طور پر پہلے ہی سے کر دی گئی تاکہ ہر مسلمان بصدق دل حق تعالیٰ کا شکر گزار اور اپنی نبی کریم ﷺ پر سو جان سے ٹادر ہے کہ ان کی وجاہت اور رواداری کے طفیل سے کیسی کیسی بلائیں ہمارے سر سے حق تعالیٰ نال دیتا ہے اگر ایسی نعمت عظمیٰ کی قدر ہم نہ کریں تو بڑی کفران نعمت ہے۔ حاصل یہ کہ اس امت کی خرابیاں اس امر پر قرینہ نہیں کہ عیسیٰ فرضی ان خرابیوں کو دفع کرنے کے لئے آئے گا بلکہ اس امت کی جلالت شان اس امر پر قرینہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے عیسیٰ علیہ السلام کو مامور فرمایا کہ اشد ضرورت کے وقت تشریف لا کر دشمن قوی کے ہاتھ سے اس کو بچائیں اور اس کے دشمن کو مقبور کر کے نئے سرے سے اس امت کا سکہ تمام عالم میں جمادیں اور خود بھی سید المرسلین علیہم السلام کے امتی ہونے کا فخر جس کی ایک زمانہ دراز سے آرزو تھی حاصل کریں ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔ يفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یوید۔ حدیث مذکورہ بالا میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ میں دجال کی وہ علامت تم سے کہتا ہوں جو کسی نبی نے نہیں کہی وہ یہ ہے کہ دجال اعور ہے اور اللہ اعور نہیں۔ اس کا مطلب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا کیونکہ اس کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور اس کو ایک صفت مختصہ سے ممتاز کر دینا اس بات پر دلیل بین ہے کہ لوگوں کو اس کی شوکت اور اس کی قدرت ظاہر سے اس کی الوہیت کا گمان ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو جس کو حق تعالیٰ کے طرف سے اتنی قدرت حاصل ہو جائے کہ مردوں کو

زندہ کرنے لگے تو ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی الوہیت کا شبہ ضروری ہوگا۔

اس کا مُردوں کو زندہ کرنا اس حدیث شریف سے ثابت ہے جو بخاری شریف میں ہے ان ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال حدثنا النبی ﷺ یوماً حدیثاً طویلاً عن الدجال فکان فیما یحدثنا به انه قال یأتی الدجال وهو محرم علیہ ان یدخل نقاب المدینة فینزل بعض السباغ التي تلی المدینة فیخرج الیہ یومئذ رجل وهو خیر الناس او من خیار الناس فیقول اشهد انک الدجال الذی حدثنا رسول اللہ ﷺ حدیثہ فیقول الدجال اراہم ان قتلت هذا ثم حییتہ هل تشکون فیقولون لا فیقتلہ ثم یحییہ فیقول واللہ ما کنت فیک اشد بصیرة منی الیوم فیرید الدجال ان یقتلہ فلا یسلط علیہ کذا رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی یعنی ایک روز آنحضرت ﷺ نے دجال کے بہت سے احوال بیان فرمائے مجملہ ان کے یہ ہے کہ وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا مگر کسی زمین شور میں اس کے مقام کرے گا اس وقت ایک بزرگ اس کے پاس جا کر کہیں گے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی دجال ہے وہ اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کروں تو کیا جب بھی میرے کام میں یعنی خدائی میں تمہیں شک رہے گا۔ لوگ کہیں گے نہیں۔ تب وہ ان کو قتل کر ڈالے گا پھر زندہ کرے گا وہ بزرگ زندہ ہوتے ہی کہیں گے کہ اب تو تیرے دجال ہونے کا مجھ کو اور بھی یقین ہو گیا۔ غرض اس قسم کی قدرتیں اس کو حاصل ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو خبردار فرمادیا کہ کتنی ہی قدرت اس کو حاصل ہو مگر سمجھ رکھو کہ وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ کانا ہے اور خدا کا نانی نہیں ہے۔

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ دجال کسی ایک آدمی کا نام نہیں ہے بلکہ اس ہے گردہ پادریاں مراد ہے انہوں نے ان کو اس لئے اختیار کیا کہ اگر شخص معین مراد ہو تو ان کا دعویٰ

یسویت صحیح نہیں ہو سکتا کسی شخص کو دجال معین کر کے بٹلانا پڑتا اگرچہ ممکن تھا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو بتا دیتے اس لئے کہ وہ ان کے سخت مخالف ہیں مگر ان سب صفات کی تطبیق مشکل تھی غرض بچوری ایک گروہ کو دجال قرار دینے کی انہیں ضرورت ہوئی۔

یوں تو دجال کے باب میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں مگر چونکہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو بہت مانتے ہیں جیسا کہ ازالۃ الاوہام وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے بالفعل ہم انہیں دو حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جو ابھی لکھی گئیں انہیں میں غور کیا جائے کہ آیا دجال ایک شخص معلوم ہوتا ہے یا ایک قوم ہے۔ ان حدیثوں میں لفظ دجال مفرد ہے اگر جماعت مقصود ہوتی تو لفظ دجالون آتا جیسا کہ دوسرے احادیث میں وارد ہے۔ قال النبی ﷺ فی امتی کذابون ودجالون (کنز العمال)

یہ دجال لوگ دجال موعود نہیں جس کے لئے عیسیٰ ﷺ آئیں گے صرف مشابہت کی وجہ سے وہ دجال ٹھہرائے گئے ہیں کیونکہ دجال موعود کی خصوصیات ان میں پائی نہیں جاتیں پھر یہ دجال جن کی کثرت اس حدیث شریف سے معلوم ہوئی ہے مثل پادریوں کے غیر محدود نہیں بلکہ ان کی تعداد بعض روایات میں ستائیس اور بعض میں تیسک وارد ہے۔ (کنز العمال) اور ان دجالوں کی شناخت بھی حضرت نے فرمادی ہے کہ وہ سب یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں اور چونکہ اب تک سنا نہیں گیا کہ کسی پادری نے رسالت کا دعویٰ کیا ہوا سلسلے کسی پادری پر لفظ دجال صادق نہیں آ سکتا۔ اور اگر دجال سے پوری قوم پادریاں مراد ہے جیسے مرزا صاحب ازالۃ الاوہام میں لکھتے ہیں کہ لغت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ پہلے تو وہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ معنی لغوی بیان کئے گئے ہیں جب تک کسی کتاب لغت سے نہ بتائے جائیں قابل تسلیم نہیں اور اگر بفرض محال تسلیم بھی کر لئے جائیں تو ہمیں یہاں لغوی معنی سے بحث نہیں ہمارا کلام اس میں ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے دجال کو جو استعمال فرمایا اس کے معنی یہاں کل قوم پادری ہو سکتے ہیں نہیں۔

حدیث مذکورہ بالا میں مصرح ہے کہ دجال مدینہ شریف کی کسی زمین شور میں اترے گا اور یہ بھی احادیث سے ثابت ہے کہ وہاں اس کا جانا قبل نزول عیسیٰ (علیہ السلام) ہوگا حالانکہ ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ کل گروہ پادریاں نہ اب تک وہاں پہنچا، نہ آئندہ کے لئے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ سب کے سب جمع ہو کر تمام ایشیا اور یورپ کو خالی کر کے اس زمین پاک میں جائیں گے پھر مجموعہ گروہ پادریاں لفظ دجال سے کیونکر مراد ہو سکتی ہے۔

پھر ان بزرگوار کا جن کا ذکر حدیث موصوف میں ہے لاکھوں آدمیوں کے مقابلہ میں جا کر یہ کہنا کہ اشهد انک الدجال کیونکر صحیح ہوگا اس وقت یوں کہنا چاہیے اشهد انکم الدجالون یا انکم الدجال، اسی طرح اس کا ساتھیوں سے پوچھنا کہ اگر میں اس کو مار کر زندہ کروں تو جب بھی تمہیں شک باقی رہے گا کیونکر صحیح ہوگا۔ کیا اس جملے کو لاکھوں پادری ہم زبان ہو کر ادا کریں گے اور سب مل کر ہاتھوں ہاتھ ان کو مار ڈالیں گے پھر سب ملکر زندہ کریں گے اسی طرح اس بزرگ کا مخاطبہ (ما کنت اشد بصيرة فیک) صیغہ واحد کے ساتھ وغیرہ ان قرائن سے ہر شخص کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پیش نظر اس ارشاد کے وقت ایک ہی شخص تھا یہ بات دوسری ہے کہ قرائن خارجیہ کے لحاظ سے کسی ضعیف الایمان کی عقل اس کی تیز نہیں کرتی ہو جس کی پابندی مرزا صاحب کر رہے ہیں ہمارا کلام صرف اسی نقلی امر میں ہے جو حدیث شریف سے سمجھا جاتا ہے جس پر ایمان لانا ہر ایمان دار کو ضرور ہے۔

الحاصل ان حدیثوں پر غور کرنے کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ گروہ پادریوں کو آنحضرت ﷺ نے دجال قرار دیا۔ ان کے سوا کئی حدیثیں ہیں جن سے صاف ظہر ہے کہ

دجال پادریوں کا نام نہیں۔ چنانچہ مجملہ ان کے چند حدیثوں کا مضمون یہاں لکھا جاتا ہے۔ (کتر اعمال)

- ۱۔ دجال کے ماں باپ کو تیس سال تک اولاد نہ ہوگی۔
- ۲۔ دجال کا باپ دراز قدم گوشت ہوگا اور اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں کے پستان دراز ہوں گی۔
- ۳۔ دجال یہودی ہوگا۔ (حدیث نمبر ۴۷۵) مرزا صاحب نصاریٰ کے پادریوں کو دجال کہتے ہیں۔
- ۴۔ دجال کا حلیہ یہ ہے کہ وہ جوان ہوگا اور اس کی تشبیہ ایک شخص کے ساتھ دی گئی جو حضرت کے زمانے میں موجود تھا اور صحابہ اس کو پہچانتے تھے۔
- ۵۔ اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔
- ۶۔ اس کو اولاد نہ ہوگی۔
- ۷۔ جب دوسوے گا تو اس کی آنکھیں بند رہیں گی اور دل بیدار۔
- ۸۔ وہ اصفہان کے بعض دیہات سے نکلے گا۔
- ۹۔ وہ ایک بڑے لشکر کے ساتھ سیاحت کرے گا۔
- ۱۰۔ انہر ادون پر دجال کا مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ ہوگا مسلمان غربی جانب میں ہوں گے اور وہ شرقی جانب میں۔
- ۱۱۔ عیسیٰ (علیہ السلام) اترتے ہی اس کو اور اس کے لشکر کو ہزیمت دیں گے اور اس کو قتل کریں گے اس وقت ہر چیز یہاں تک کہ دیواریں اور چھاڑوں کی شہنیاں مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کافر یہاں چھپا ہوا ہے اس کو مار لو۔
- ۱۲۔ دجال کے زمانہ میں مسلمانوں کی غذا تسبیح و تقدیس ہوگی جس سے ان کی بھوک جاتی

رہے گی۔

۱۳۔۔۔ دجال جس احد پر چڑھ کر مدینہ شریف کو دیکھے گا اور اپنے ساتھیوں سے کہے گا کہ سفید محل احمد (ﷺ) کی مسجد ہے۔ پھر مدینہ میں جانا چاہے گا مگر جانہ سکے گا اس وقت مدینہ کو تین زلزلے ہوں گے جن سے منافق اور فاسق نکل پڑیں گے۔

ان کے سوا اور بہت سے حالات اور خصوصیات دجال کے احادیث میں مذکور ہیں جن میں سے چند علامات کو مرزا صاحب نے ازلیۃ الادبام میں ذکر کر کے بعض کو تو روای کر دیا اور بعضوں میں تاویلیں کیں۔

اگرچہ محدثین بھی بعض احادیث کو موضوع اور بعض کو ضعیف ٹھہرایا کرتے ہیں لیکن ان کے پاس یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب تک کسی حدیث کے راویوں میں کوئی جھوٹا حدیثیں دل سے تراشنے والا ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت کو ساقط الاعتبار نہیں کر سکتے پھر اگر ایسا شخص کسی حدیث کے راویوں میں پایا جانے کی وجہ سے حدیث کو موضوع یا ضعیف ٹھہراتے ہیں تو جب بھی یہ کھکا ان کو لگا رہتا ہے کہ شاید وہ حدیث موضوع نہ ہو اس لئے کہ آخر جھوٹا کبھی سچ بھی کہتا ہے اس وجہ سے وہ تلاش کرتے ہیں کہ وہ روایت کسی اور طریقہ سے آئی ہے یا نہیں۔

غرض وہ کمال احتیاط سے کام لیتے ہیں کیونکہ جو بات نبی کریم ﷺ نے واقع میں فرمائی ہو اس کو لغو کر دینا یا نہ ماننا کمال درجہ کی بے ایمانی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وما اناکم الرسول فخذوه وما نهکم عنہ فانتهوا۔ ترجمہ: جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دے اس کو لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اس تحقیق و تنقیح سے مقصود یہ کہ واقعی طور پر حضرت کا فرمان ثابت ہو جائے اس کام کیلئے انہوں نے خاص ایک علم اصول حدیث مدون کیا ہے جس میں تحقیق و تنقیح کے قواعد مقرر ہیں اور ایک فن خاص راویان حدیث کی تحقیق

کے لئے مدون کیا ہے، جس کو فن رجال کہتے ہیں اس میں راویان حدیث کی سوانح عمریاں لکھی جاتی ہیں۔ ہر محدث کا فرض ٹھہرایا گیا ہے کہ جس محدث سے ملاقات ہو خواہ وہ استاد ہو یا ہم عصر اس کے حالات کی پوری پوری تحقیق کر کے اپنے شاگردوں اور ملاقاتیوں کو اس پر مطلع کر دیں تاکہ آئندہ آنے والوں کو اس کے پورے احوال معلوم رہیں جس سے اس کی روایتوں کے ضعف و قوت کا اندازہ کر سکیں۔ کسی حدیث کے خلاف عقل یا غفل ہونے سے اس حدیث کو وہ رد نہیں کر سکتے جب تک اس کا راوی مخدوش و مجروح ثابت نہ ہو کیونکہ جب نبی کا ارشاد سچے لوگوں کی روایت سے ثابت ہو جائے تو مومن کو اس کا ماننا ضرور ہے اس میں عقل کو دخل ہی کیا جتنے لوگ کافر رہ گئے اکثر بلکہ کل کو عقل ہی نے تباہ کیا۔

مگر مرزا صاحب نے یہ نیا طریقہ ایجاد کیا ہے کہ جو حدیث ان کے مقصود کے معنی یا مخالف ہو اس کو صاف باطل کہہ دیتے ہیں پھر اس پر بھی اکتفا نہیں اس کے ماننے والوں کو مشرک اور بے دین بھی ٹھہراتے ہیں دیکھ لیجئے جن احادیث میں دجال کے استدراج مثلاً زندہ کرنا، پانی برسانا وغیرہ امور مذکور ہیں ذکر کر کے صاف لکھ رہے ہیں کہ یہ مشرکوں کے اعتقاد ہیں۔ اب غور کیجئے یہ سب احادیث حدیثوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کتابوں پر کس کو اعتقاد نہیں تمام فقہاء انہیں کتابوں سے استدلال کرتے ہیں تمام اولیاء اللہ انہیں سے استفادہ کرتے ہیں تمام اہل اسلام انہیں کتابوں کو اپنے دین کی کتابیں سمجھتے ہیں اگر بقول مرزا صاحب یہ اعتقادات شرک ہیں تو ان کتابوں کو شرک سے بھری ہوئی کہنا پڑے گا اور ان کے جمع کرنے والے مشرک (معاذ اللہ)۔

ابھی معلوم ہوا کہ دجال کے زندہ کرنے کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے اور کنز العمال سے ظاہر ہے کہ تقریباً کل محدثین نے دجال کے اس قسم کے استدراج کی حدیثیں بکثرت روایت کی ہیں۔ اول درجہ میں ان حضرات پر ازام شرک کا عائد ہوتا ہے پھر

ان کتابوں کے معتقدوں پر جن میں جمیع اہل سنت و جماعت شریک ہیں پھر یہ سلسلہ صرف محدثین ہی پر ختم نہیں ہو سکتا ان حدیثوں کے کل روادے صحابہ تک اس الزام سے بچ نہیں سکتے اور بڑے غضب کی یہ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد فرمانا وہ بھی عین خطبہ میں جو خاص احکام الہی پہنچانے کے لئے موضوع ہے کس قدر وحشت انگیز ہوگا۔

اس سے بڑھ کر سنیے۔ ازالۃ الاوہام کے صفحہ ۳۲۲ میں لکھتے ہیں کہ یہ اعتقاد بالکل فاسد اور غلط اور مشرکانہ خیال ہے کہ مسیح مصلیٰ کے پرندے بنا کر اور ان میں پھونک مار کر انہیں بچ بچ کے جانور بنا دیتا تھا۔ یہ مشرکانہ خیال کس اعتقاد کے نسبت جو قرآن شریف سے بہت ہے قال اللہ تعالیٰ واذ تخلق من الطین کھینۃ الطیر باذنہ فتنفخ فیہا فنکون طیرا باذنہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے بنا کر ان میں پھونکتے تو حق تعالیٰ کے اذن سے وہ پرندے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد ہمیں تقریر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اہل ایمان خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر اور کیا بے باکی ہوگی۔

آن کس کہ دفتر قرآن و خبر و نہی آست جوابش کہ جوابش ندھی ہم نے مانا کہ مرزا صاحب ان احادیث میں تاویل کر کے اپنی مرضی کے موافق بنالیتے ہیں مگر اس کا کیا جواب ہوگا کہ خود ازالۃ الاوہام میں تحریر فرماتے ہیں کہ النصوص بحمل علی الظواہر مسلم ہے یعنی یہ بات مسلم ہے کہ نصوص کے ظاہری معنی لئے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ وغیرہم نے ان احادیث کے معنی وہی سمجھے جو شش روز روشن ظاہر و باہر ہیں اور اس پر قرینہ قطعیہ یہ ہے کہ نہ آنحضرت ﷺ نے ان کی تاویل کی طرف کبھی اشارہ فرمایا نہ صحابہ سے کوئی تاویل مروی ہے نہ کسی محدث و فقیہ نے تاویل کی بلکہ جہاں ان کا مضمون بیان کیا وہی بیان کیا جو ہر شخص سمجھتا ہے بہر حال تاویل نہ کرنے والے شروع سے آخر تک بقول مرزا صاحب مشرک ٹھہرا رہے ہیں جن کی کوئی دوسری بات

بھی قابل اعتبار نہیں رہ سکتی اس لئے کہ مستند اور معتبر تو وہ شخص ہو سکتا ہے جو متدین ہو اور آدمی کو غیر متدین بنانے والی شرک سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب نے اس مسئلہ میں اپنی تمام جودت طبع صرف کر کے ایسے ایسے مضامین تحریر فرمائے ہیں کہ کسی کو اب تک نہ سوجھے۔ شرک کی وہ ذانت بتائی کہ بھولے بھالے خوش اعتقاد لوگ گھبرا کر مرزا صاحب کا کلمہ پڑھنے لگے اور شد و شد ایک گروہ بن گیا۔

ابھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں اسی قسم کا شرک آیہ شریفہ ان الحکم الا للہ سے بھی ثابت کر کے حضرت علی کریم اللہ و ہدیہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذمے لگایا گیا تھا جس نے بہتوں کو راہ استقامت سے ہٹا کر زمرہ خوارج و اہل ہوا میں شریک کر دیا۔ جن کا سلسلہ آج تک ختم نہیں ہوا مگر اہل حق اس شرک مصنوعی کو عین ایمان سمجھ کر حضرت علی کریم اللہ و ہدیہ کی اتباع سے ایک قدم نہ ہٹے اب بھی اہل ایمان کو چاہیے کہ کمال استقلال سے اپنے قدیم عقیدہ پر ثابت قدم رہیں ورنہ وہ حق خوارج کا حال ہوگا۔

اس موقع میں بھی جب ہم سلف صالح پر نظر ڈالتے ہیں تو کل اہل سنت و جماعت بلکہ کل امت مرحومہ کا اتفاق اور صحابہ کا اجماع اس شرک مصنوعی پر مرزا صاحب کی مخالفتانہ توحید کو کس خطر میں ڈال رہا ہے۔

ترسم کہ صرف نہر و روز باز خواست نان حلال شی زآب حرام ما اور یہ آیہ شریفہ وَتَبِيعَ غَيْرِ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُولِي مَا نُولَى وَنُصَلِّبُ جَهَنَّمَ وَمَاءَاتٍ مَّصِيْرًا (سورہ انس) اس نے ایمان کی طرف ایک قدم بڑھنے نہیں دیتی اور بے اختیار یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔

ہر چہ گیرد علت علت شود کفر گیرد کافے ملت شود

علامتیں اپنے دشمن کی معلوم کر رکھیں اور موقع پر اس کو پہچان کر اس کے شر سے بچیں مگر مرزا صاحب کو یہ خیر خواہی منظور نہ ہوئی۔ بالفرض اگر مرزا صاحب کی چل جائے اور پادریوں ہی کو دجال سمجھ بیٹھیں اور دجال اور وقت مقررہ پر نکل آئے اور ضرور لٹکے گا تو اس وقت یہ اس سے خالی الذہن رہیں گے اور جو مقصود آنحضرت ﷺ کا اس کی علامات بیان فرمانے سے تھا وہ تو خدا نخواستہ فوت ہو جائے گا۔ معلوم نہیں اس سے مرزا صاحب کا کیا فائدہ ہوگا اور حضرت کو کیا جواب دیں گے؟ ازالۃ الادہام اور مناظرہ مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب بھی بخاری شریف کو اصح الکتاب سمجھتے ہیں۔ پھر اس کی روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ دجال الوہیت کا دعویٰ کرے گا اور مردہ کو زندہ کر کے اس کی تصدیق بھی کر دکھائے گا تو اب مرزا صاحب کا پادریوں کو دجال قرار دینا بے موقع ہے اس لئے کہ بچارے پادریوں میں تو سوائے معمولی باتوں کے ایک بھی بات ایسی پائی نہیں جاتی جس سے کوئی جاہل سے جاہل بھی ان کی خدائی کا خیال کرے ان سے بچانے کیلئے تو ایک ہی عام حکم کافی ہے۔ قوله تعالى يا ايها الذين امنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء بعضهم اولياء بعض ومن يتولهم فانه منهم (۲۶) المائدۃ) یعنی جو کسی یہودی یا نصرانی کو دوست رکھے گا وہ بھی انہیں میں ہے اسی وجہ سے پادریوں کو کوئی جاہل مسلمان بھی دوست نہیں رکھتا اور جودل سے دوستی رکھتا ہے وہ کمرستان ہو ہی جاتا ہے اس میں پادریوں کا کیا تصور جن پر طمع دنیوی غالب ہوتی ہے ہمیشہ ان کے دین و ایمان کی نیکی کیفیت رہی ہے۔ دجال امور اصطلاحی مرزا صاحب خود صریح دنیوی اور پیٹ کے دھندے میں گرفتار تھا چنانچہ اس کا انجیل میں تحریف کرنا اسی غرض سے تھا کہ کچھ پیسے مل جائیں قال الله تعالى فويل للذين يكتبون الكتاب بأيديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا (۲۷) بقرۃ) اور دجال ارد بھی اسی

آفت میں پھنسا ہوا ہے اس کو دعویٰ الوہیت سے کیا سروکار وہ بے چارہ تو سر راہ پنا کرتا ہے اور اپنی مظلومی کو باعث فخر سمجھتا ہے قتل کر کے زندہ کرنا تو درکنار گور نمٹ کے خوف سے کسی کو قتل کی تہدید بھی نہیں کر سکتا۔

مرزا صاحب ہندوستان کے پادریوں کے فتنے جس قدر بیان کرتے ہیں سب واقعی ہیں مگر ایسے فتنے تو ہمیشہ اس امت میں ہوتے ہی رہے ہیں شروع سے دیکھئے کیا یزید کا فتنہ کم تھا اس کے بعد حجاج کا فتنہ جس سے صحابہ اور تابعین انحرار کرتے تھے۔ علی ہذا القیاس۔ قرامطہ اور چنگیز خان و ہلاکو وغیرہ کے فتنے عرب، عجم، افریقہ وغیرہ بلاد اسلام میں ہوتے ہی رہے ہیں پادریوں کا فتنہ ہندوستان میں ان فتنوں کے پائنت میں نہیں ان کا اثر تو انہیں لوگوں پر ہوتا ہے جو ضعیف ایمان اور طمع دنیوی میں گرفتار ہیں۔

پھر مرزا صاحب جو ہندوستان کے پادریوں کو دجال قرار دیتے ہیں ان کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ دجال کا فتنہ ہندوستان کے ساتھ خاص ہے اور ممکن نہیں کہ کسی حدیث سے یہ ثابت ہو سکے کہ دجال ہندوستان میں نکلے گا برخلاف اس کے احادیث مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ وہ اصفہان کے دیہات سے نکلے گا اور حرمین شریفین و شام میں پہنچے گا حالانکہ پادریوں کا ان دونوں جگہ گذر ہی نہیں ان تصریحات کے بعد ہندوستان والے پادریوں کو دجال سمجھنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب کو دجال کی تلاش کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ عیسویت اور مہدویت کا دعویٰ بغیر اس کے صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان تینوں کے ظہور کا زمانہ بہت ہی قریب قریب ہے۔ مرزا صاحب نے اس موقع میں کمال لڑا ہمت سے کام لے کر ان تینوں کا اتفاق پبلک کے سامنے پیش کر دیا کہ خود تو مہدی اور عیسیٰ ہیں اور پادری دجال۔ ان کے پہلے جن لوگوں نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا ان میں کس کو یہ نہ

سو جی انہوں نے صرف یہ خیال کر لیا تھا کہ دعویٰ مہدویت کے زمانے میں نہ عیسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے نہ دجال کی کیونکہ احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی علیہ السلام نصاریٰ کے ساتھ پہلے جنگ کریں گے اس کے بعد دجال نکلے گا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ دجال اور عیسیٰ کی خبر اگر پوچھی جائے گی تو کہہ دیا جائے گا کہ وہ بھی ابھی آتے ہیں مرزا صاحب نے اس سوال و جواب کی بھی ضرورت باقی نہ رکھی کیونکہ جب دجال مہدی عیسیٰ اکٹھے ہو گئے تو اب کوئی حالت منتظر ہے جس کے پوچھنے کی ضرورت ہو۔ غرض سیدھے سادھے مسلمان ان لوگوں کے دعویٰ کو بھی قبول کرتے رہے اور لاکھوں کا مجمع ان کے ساتھ ہو گیا اب بھی وہی کیفیت ہے۔

اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قیامت کی بہت سی علامتیں ذکر فرما کر آخری علامتوں میں یہ فرمادیا تھا کہ مہدی نکلیں گے اور اسلام کی تائید میں نصاریٰ سے سخت جنگ کر کے فتح پائیں گے اور پھر دجال نکلے گا اور اس کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے چونکہ ہر مسلمان کا کامل اعتقاد ہے کہ حضرت کی جملہ پیشین گوئیاں باطلاح وحی الہی تھیں جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ اس لئے جب وہ کوئی تغیر اور نئی بات دیکھتے فوراً قیامت ان کی پیش نظر ہو جاتی اس کا انتظار صحابہ ہی کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا چنانچہ ابن صیاد یہودی سے جب بعض خوارق عادات صادر ہونے لگے تو بعض صحابہ کو گمان ہو گیا تھا کہ کہیں یہی دجال نہ ہو چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا ارادہ مصمم کر لیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے ان کو روک دیا کہ اگر یہ وہی دجال موعود ہے تو اس کو قتل نہیں کر سکتے اس کا قتل عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر مقدر ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کا قتل بے جا ہے۔

یہاں یہ غلطی ہوتا ہے کہ دجال کا واقعہ تو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جیسا

کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں اس کو دجال کیوں سمجھا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں نہایت حزم و احتیاط تھی جس کا حال ان کی سوانح عمری سے ظاہر ہے چنانچہ مشہور ہے کہ شجر بیعت رضوان باوجود یکہ متبرک مانا جاتا تھا اور لوگ دور دور سے اس کی زیارت کو جاتے تھے مگر انہوں نے اس احتیاط کے لحاظ سے کہ کہیں پرستش شروع نہ ہو جائے اس کو نواڈالا۔ غرض جب آپ نے دیکھا کہ ابن صیاد یہودی بھی ہے اور خوارق عادات بھی کچھ کچھ اس سے صادر ہو رہے ہیں اور دجال میں بھی یہی باتیں ہوں گی اپنے اقتضائے طبع کے مطابق حفظ، تقدم اور حزم کے لحاظ سے چاہا کہ ابتدا ہی میں اس شجرہ خبیثہ کی بیخ کنی کر دی جائے۔ یہاں ایک اور شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یقینی طور پر کیوں نہیں فرمادیا کہ وہ دجال ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ قیامت کا وقت مبہم رہے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہ بہت دور ہے تا کہ مسلمانوں کا ہر وقت خیال لگا رہے کہ شاید وہ ابھی قائم ہو جائے جس کی وجہ سے عمل خیر میں ساعی رہیں ارشاد ہوتا ہے و بَسْطَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ اِيَّانَ مَرَسَهَا قُلْ اِنَّمَا عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيَكُمْ اِلَّا بَغْتَةً بَسْطَلُونَكَ كَانَكَ حَفِيَّ عَنِهَا قُلْ اِنَّمَا عَلِمَهَا عِنْدَ اللَّهِ۔ ترجمہ: آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا کب ٹھہراؤ ہے کہیں اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دے گا اس کو اپنے وقت۔ بھاری ہے وہ آسمان اور زمین میں وہ تم پر آئے گی تو کیا یک آئے گی۔ ایسے پوچھنے لگتے ہیں گویا آپ اس کے تلاشی ہو تو آپ کہتے کہ اس کا علم خاص اللہ کے پاس ہے۔

اور یہ بھی ارشاد ہے وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ اَنْ يَكُونَ قَرِيْبًا (سورہ نبي)

یعنی لوگ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہے آپ کہتے کہ شاید وہ قریب ہی ہو۔

اور آنحضرت ﷺ بھی اکثر فرمایا کرتے کہ میں قیامت کے قریب مبعوث ہوا ہوں۔ غرض ان آیات و احادیث سے قیامت ہر وقت صحابہ کے پیش نظر رہتی تھی اور اپنی عادت کے مطابق قریب کے معنی سمجھتے تھے یہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قریب کس مقدار کے زمانہ کا نام ہے وہاں تو ایک دن ہزار برس کا ہے کما قال تعالیٰ و ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون (سورہ الحج) یعنی ایک دن تمہارے رب کے پاس ان ہزار سال کے برابر ہے جو تم شمار کرتے ہو۔ اس حساب سے تو آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے آج تک ڈیڑھ دن بھی نہیں گزرا اگر اس زمانہ میں کہا جاتا کہ قیامت کل ہے تو بھی دو ہزار سال تک کسی کو پوچھنے کا حق نہ تھا اور فردائے قیامت اس پر برابر صادق آسکتا۔

غرض مصلحت الہی اسی کو مقتضی ہے کہ قیامت کا حال پوشیدہ رہے اور لوگ اس کو قریب سمجھتے رہیں چونکہ آنحضرت ﷺ اعلیٰ درجہ کے مرضی شناس حق تعالیٰ کے تھے اس وجہ سے ابن صیاد کے دجال موعود ہونے کی نہ آپ نے تصدیق کی، نہ انکار فرمایا بلکہ ایک ایسا مجمل کلام فرمایا کہ مقصود فوت نہ ہو۔ یعنی ارشاد ہوا کہ اگر یہ وہی دجال ہے تو تم اس کو مار نہ سکو گے اور اگر نہیں ہے تو اس کا قتل ہے جاوے۔

اب ابن صیاد کا بھی تھوڑا حال سنئے کہ کیسا پہلو دار ہے جامع ترمذی میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا کہ دجال کی ماں باپ کو تمیں برس تک بچہ نہ ہوگا اور اس کے بعد ایک لڑکا ہوگا ایک چشمی جس کا ضرر زیادہ ہوگا اور نفع کم اس کے سونے کی یہ کیفیت ہوگی کہ آنکھوں میں تو نیند رہے گی اور دل ہوشیار اور باپ اس کا بہت بلند قد کم گوشت اس کی ناک چونچ کے جیسی ہوگی اور اس کی ماں موٹی دراز پستان ہوگی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک لڑکے کی شہرت ہوئی کہ عجائب روزگار سے ہے میں اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما اس کے گھر گئے دیکھا کہ ایک مرد اور اس کی عورت کا وہی صلیہ ہے جو

آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا تھا ہم نے ان سے پوچھا کہ تمہیں کوئی لڑکا بھی ہے انہوں نے کہا کہ تیس برس کے بعد ہمیں ایک لڑکا پیدا ہوا جو ایک چشمی ہے اس سے نقصان بہت ہے اور نفع کم۔ سوتا ہے تو آنکھیں بند رہتی ہیں اور دل ہوشیار۔ ہم ان کے پاس سے جب نکلے تو وہ دھوپ میں کچھ اوڑھا ہوا پڑا انگنار ہا ہے ہماری آہٹ سن کر پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے ہم نے کہا کہ کیا تو نے سنا کہا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار سفر حج میں میرا اور اس کا ساتھ ہوا اس نے بہت سی باتیں کہیں کہ صحابہ مجھے دجال سمجھتے ہیں حالانکہ دجال جنس و چننا ہے اور وہ باتیں مجھ میں نہیں ہیں اس کی باتیں میرے دل میں اثر کر رہی تھیں کہ کسی نے پوچھا کہ اگر تو ہی دجال ہو تو تجھے اچھا معلوم ہوگا یا نہیں؟ کہا اگر وہ خدمت پیش کی جائے تو میں اس کو مکروہ نہ سمجھوں گا اور پھر اس نے کہا کہ خدا کی قسم دجال کی پیدائش کی جگہ اور اس کا مقام میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اب وہ کہاں ہے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں سن کر مجھے پھر اشتباہ ہو گیا ابھی ملخصاً۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ابن صیاد مدینہ شریف کے کسی راستہ میں مجھے ملا اتنا پھولا کہ راستہ بھر گیا میں نے اس کو دھتکار کر کہا کہ تیری کچھ قدر نہیں یہ کہتے ہی وہ سٹ گیا اور میں راستہ پا کر چلا گیا ابھی ملخصاً۔

اس کے سوا اس کے بہت سے واقعات ہیں جن سے صحابہ کو اس کے دجال ہونے کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر دس قسمیں کھانا بہتر سمجھتا ہوں اس سے کہ اس کے دجال نہ ہونے پر ایک قسم کھالوں یعنی دس حصہ گمان ہے کہ وہی دجال ہوگا۔ (کنز العمال)

پھر موت میں بھی اس کے اختلاف ہے بعض روایات سے اس کا مرنا معلوم ہوتا

ہے مگر سنن ابی داؤد میں یہ روایت ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں یزید کا ظلم مدینہ طیبہ پر آیا تھا ابن صیاد دم ہو گیا۔ الحاصل جب منظور الہی تھا کہ علی انصین قیام قیامت کا زمانہ کسی کو معلوم نہ ہو اور اس کو دور بھی نہ سمجھیں جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہے تو حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ حضرت علی کے زمانہ میں ایک ایسا شخص پیدا ہو کہ اس کے دجال ہونے کا گمان تمام مسلمانوں کو ہو جائے اور اس کے ظہور سے خائف و ترساں رہ کر اپنے ایمان کے استحکام کی فکر میں لگے رہیں اور خدا تعالیٰ سے پناہ مانگا کریں کہ الہی اس کے فتنے سے ہمیں بچائو۔ اسی وجہ سے ہمارے خیر خواہ سرور عالم ﷺ نے ہمیں تعلیم فرمادی کہ ہر نماز کے آخر میں یہ دعا کیا کریں۔ واعدو ذہک من شر فتنۃ المسیح الدجال۔

آپ حضرات اس تقریر سے سمجھ گئے ہوں گے کہ اس زمانہ میں نہ ابن صیاد کو کوئی ایسا شخص تھا کہ اس کی ذات سے کچھ خوف ہو، نہ اس کے دجال سمجھنے سے یہ خیال کیا گیا کہ اس حالت موجودہ کے لحاظ سے وہ قابل خوف تھا۔ چنانچہ مسلم شریف میں یہ روایت موجود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو ایک لکڑی ایسی ماری کہ اس کے جسم پر ٹوٹ گئی حالانکہ وہ بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ مسیح الدجال یہی ابن صیاد ہے جیسا کہ ازالتہ الادبام میں لکھا ہے۔ البتہ خوف اس کے اس فتنے کا تھا جو قیامت کے قریب ہونے والا ہے جس کے انسداد کی غرض سے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرنا چاہا اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا فان یکن الذی تخاف لن نستطیع قتله (رواہ سلم) یعنی اگر یہ وہی دجال ہے جس سے تمہیں خوف ہے تو تم اس کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ عیسیٰ ابن مریم اس کو قتل کریں گے۔ (رواہ احمد بن حنبلہ و ترمذی و ابن ماجہ)

اصل واقعات ابن صیاد کے یہ تھے جو مذکور ہوئے مرزا صاحب کو چونکہ عیسویت جمانے کی غرض سے دجال کی بہت تلاش تھی کمال پریشانی میں لفظ دجال ابن صیاد کے نسبت جو مل گیا بے خود ہو گئے کہ اب کیا ہے دجال کو مار لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ دجال معبود

حضرت علی کے زمانہ میں مر گیا اب از خود رفتہ ہیں کبھی تو تمام اہل سنت و جماعت پر بلکہ تمام اہل اسلام پر حملہ کر رہے ہیں کہ یہ سب مشرک ہیں کہ دجال موعود کو خدا کا شریک بنا رہے ہیں کبھی اکابر علماء امت پر وار ہے کہ ان ملاؤں نے دجال کو ہونا دکھا ہے کبھی اکابر محدثین پر طعن ہے کہ ان کی ایک کتب بھی خواہ بخاری ہو یا مسلم قابل اعتبار نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ دجال کے آخر زمانے میں نکلنے کی حدیثیں بخاری و مسلم وغیرہ میں ہیں اور ابن صیاد کے دجال ہونے کی روایتیں بھی انہیں میں ہیں اس لئے اذنا تعارضاً تساقطاً پر عمل کر کے دونوں قسم کی حدیثوں کو ساقط الاعتبار کرنا چاہیے اور دجال کے استدراج میں جو احادیث صحاح میں وارد ہیں نقل کر کے لکھتے ہیں۔ سوچنا چاہیے کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے۔ جملہ اہل سنت و جماعت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری ہے اور خود مرزا صاحب بھی اپنے استدلال کے موقع میں یہ فقرہ پیش کیا کرتے ہیں اور بقیہ کتب صحاح کے نسبت اجماع ہے کہ ان میں کوئی حدیث موضوع نہیں مگر مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں تحت حیرت کا مقام ہے۔

ابن صیاد کو دجال سمجھنے اور قیامت کے قریب خروج دجال میں مرزا صاحب تعارض قرار دے کر کل حدیث کی کتابوں کو جو بے اعتبار بنا رہے ہیں معلوم نہیں یہ کس بنا پر ہے تعارض تو جب ہوتا کہ صحابہ اس کی تصریح بھی کر دیتے کہ دجال نکل چکا اور اب وہ قیامت تک نہ نکلے گا حالانکہ یہ تصریح کسی کتاب میں نہیں آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا فان یکن الذی تخاف لن نستطیع قتله انما صاحبہ عیسیٰ ابن مریم اس سے ظاہر ہے کہ اس کا خوف عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی حالت موجودہ کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اس کے اس فتنے کے لحاظ سے تھا جس کو بارہا آنحضرت ﷺ سے سن چکے تھے ورنہ کس و خبر تھی کہ دجال کس بلا کا نام ہے اس کا نام تو ابن صیاد مشہور تھا پھر اس سے کوئی فتنہ بھی ایسا ظہور میں نہیں

آیا جو دجال کے ساتھ خاص ہے۔ چنانچہ خود مرزا صاحب ازالۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں۔ ابن صیاد نے کوئی کام بھی ایسا نہیں دکھایا جو دجال معبود کے نشانیوں میں سے سمجھا جائے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو دجال معبود سمجھتے تو صحابہ ضرور خطبہ کرتے کہ اس کا خروج توقیہ مت کے قریب ہوگا پہلے بیت المقدس فتح ہوگا اس کے ساتھ مدینہ منورہ کی ویرانی اس کے بعد جنگ عظیم ہوگا اور امام مہدیؑ نکلیں گے اور وہ شہر فتح ہوگا جس کا ایک جانب سمندر میں ہے اور ایک جانب خشکی میں اور سب غنیمت کی تقسیم میں مصروف ہوں گے کہ ایک ہارگی ایک شخص دوڑتا ہوا آکر پکار دے گا کہ دجال نکلا اور ان سب علامتوں کے پہلے آنحضرت ﷺ نے دوسری علامتیں بکثرت بیان فرمائی ہیں جن میں چند یہ ہیں کہ لوگ اونچے اونچے مکان بنائیں گے اور علم بالکل مغفود ہو جائے گا زنا اور لواطت اور شراب خواری علانیہ اور کثرت سے ہوگی زفر لے بہت ہوں گے ترک و کرمان و غم کے ساتھ جنگ ہوگا تقریباً تین چوبیس ہونے پیدا ہوں گے جو رسالت کا دعویٰ کریں گے ان کے سوا اور بہت سی علامتیں ہیں جو خروج دجال سے ظہور میں آئیں گے۔ الغرض اس کو دجال کہنے سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اگر یہ ہوتی کہ ظہور ابن صیاد کا خروج دجال موعود ہے تو دوسرے صحابہ صاف کہہ دیتے حضرت ہی کی زبان مبارک سے ہم نے دجال کا نام سنا ہے اور اس کے خروج کا وقت حضرت ہی نے بیان فرمادیا ہے کہ ان تمام امور کے ظہور کے بعد ہوگا پھر سب سے پہلے وہ کیوں کر نکل آیا۔ بلکہ حضرت خود فرمادیتے کہ میں اس کا وقت خروج ان علامات کے بعد بتا رہا ہوں اور تم اس کو ابھی سے نکال رہے ہو غرض اس سے ظاہر ہے کہ اس کو دجال کہنا مجاز تھا ھینہ نہ تھا۔ جابر رضی اللہ عنہ جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ابن صیاد ہی دجال ہے یہ بھی روایت کر رہے ہیں کہ دجال نکلنے کے بعد عیسیٰؑ اتریں گے لوگ ان سے کہیں گے کہ اے روح اللہ امانت کیجئے وہ کہیں گے کہ تمہارا ہی امام نماز پڑھائے چنانچہ نماز کے بعد آگے بڑھ کر دجال کو قتل

کریں گے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن صیاد کو آئندہ کے لحاظ سے دجال کہا گیا جس کے نکلنے کا وقت قریب قیامت ہے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ دجال کے پہلے تین چوبیس نکلیں گے سب کے آخر میں دجال نکلے گا اور اس کا فتنہ سب سے بڑا ہوگا اگر وہ ابن صیاد کو دجال موعود سمجھتے تو ان حدیثوں کو روایت نہ کرتے ورنہ محل اعتراض تھا کہ اجتماع ضدین کیسا؟ اس سے معلوم ہوا کہ ان کو ظن غالب تھا کہ یہی ابن صیاد خروج کرے گا جس کو عیسیٰؑ قتل کریں گے۔

اور نیز عبد اللہ بن عمر جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ مجھے ابن صیاد کے دجال ہونے میں شک نہیں اس حدیث کو روایت کرتے ہیں کہ دجال مدینہ منورہ کی زمین شور میں آئے گا اور آخر میں مارا جائے گا اس سے ظاہر ہے کہ اس کو اس حالت میں یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ موعود ہی ہے اور فتنہ اس کا وقوع میں آچکا۔

اور نیز جابر رضی اللہ عنہ باوجود ابن صیاد ہونے پر قسم کھاتے ہیں یہ روایت کرتے ہیں کہ دجال کی پیشانی پر ک ف رکھا ہوگا حالانکہ خود انہوں نے دیکھا تھا کہ ابن صیاد کی پیشانی پر کچھ بھی نہ تھا جیسا کہ ازالۃ الاولیاء میں ہے اس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس میں ان علامات کے ظہور کا وقت دوسرا ہے ورنہ بجائے اس کے کہ اس کے دجال ہونے پر وہ قسمیں کھائیں دجال نہ ہونے پر قسمیں کھاتے۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ صحابہ کے پاس ابن صیاد کے دجال ہونے کا یہ مطلب نہ تھا کہ اس کا خروج موعود ہو چکا بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کا فتنہ اور سب علامات اسی وقت ظہور میں آئیں گے جب دوبارہ وقت معین پر نکلے گا الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قسم کھانا اس بات پر دلیل نہیں کہ دجال مر گیا اور نہ آنحضرت ﷺ کا سکوت اس امر پر دلیل ہو سکتا ہے کہ دجال کے فتنہ موعودہ میں شک تھا بلکہ اس بات پر

ولایت کرتا ہے کہ جس دجال کو عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے وہ بھی شخص ہے یا اور کوئی۔

مرزا صاحب جو تمام صحاح کو ساقط الاعتبار بنا رہے ہیں اس کا منشاء صرف یہی ہے کہ دو چار صحابیوں نے جو کہا تھا کہ ابن صیاد دجال ہے اس کو حقیقت پر محمول کر رہے ہیں اگر اس کو مجاز پر محمول کرتے تو کوئی اشکال پیدا نہ ہوتا آخر عیسیٰ اور دجال کے معنی بھی تو وہ مجاز ہی لے رہے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خود ہیں اور شخص دجال گروہ پادریان۔

مرزا صاحب کا بڑا اعتراض یہ ہوگا کہ اگر وہ قیامت کے قریب دجال ہونے والا تھا تو اس وقت اس کو دجال کیوں کہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کل اہل عربیت جانتے ہیں کہ اس کو مجاز باعتبار مایہ دل کہتے ہیں جو مجاز مرسل کی ایک قسم ہے قرآن شریف میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ اعصروا ظاہر ہے کہ خمر نہیں پھوڑا جاتا شیرے کو خمر باعتبار مایہ دل کہا گیا وقال اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتیمی ظلمًا انما یاکلون فی بطونہم ناراً (سورۃ اسراء) یعنی جو لوگ یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ لوگ آگ کھاتے ہیں۔ اموال کو حق تعالیٰ نے باعتبار مایہ دل آگ فرمایا وقال تعالیٰ حتی تنکح زوجاً غیرہ (سورۃ البقرۃ) ظاہر ہے کہ نکاح زوج کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ نکاح کے وقت وہ اجنبی ہوتا ہے جس پر زوج کا اطلاق ہوا۔ قافلہ سفر سے واپس آنے والے گروہ کہتے ہیں کیونکہ قفول کے معنی سفر سے واپس آنے کے ہیں حالانکہ جانے والے گروہ کو بھی قافلہ کہتے ہیں اور یہ تو ہمارے عرف میں بھی شائع ہے کہ حج کے جانے والے کو حاجی صاحب اور رزکوں کو مولوی صاحب کہتے ہیں حالانکہ ہنوز وہ ان الفاظ کے معنی کے مستحق نہیں ہوتے۔

الحاصل ابن صیاد کو قتل دجال ہونے کے دجال کہنا بھی اسی قسم کا ہے۔ اب دیکھئے کہ ان احادیث میں تعارض کہاں رہا دونوں کا مطلب یہی ہوا کہ دجال موعود آخری زمانہ میں نکلے گا۔ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حزم کرنے سے اتنا معلوم ہوا کہ وہ پیدا ہو چکا ہے

اور اپنے ظہور موعود کے وقت تک زندہ رہے گا اور یہ کوئی غیر ممکن بات نہیں ہزار سال کی عمر نوح علیہ السلام کی نص قطعی سے ثابت ہے پھر اگر اس سے زیادہ کسی کو خدا تعالیٰ زندہ رکھے تو کیا تعجب ہے۔

یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ابن صیاد کے دجال ہونے پر قابل غور ہے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے دجال ہونے کا علم کس قسم کا تھا یہ تو ظاہر ہے کہ اس کا دجال ہونا نہ اولیات سے ہے، نہ فطریات سے، نہ مشاہدات سے، نہ وجدانیات سے، نہ تجربات و وہیات محسوسہ و حدیثیات سے اور نہ متواترات سے اس لئے کہ اس وقت تک کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ دجال ہے۔ رہا یہ کہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے سنا ہوگا سو یہ ممکن نہیں اس لئے کہ خود حضرت نے ان کی تصدیق نہیں کی بہر حال یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ اس کے دجال ہونے کا علم عمر رضی اللہ عنہ کو یقینی نہ تھا کیونکہ یقینیات کے کسی قسم میں وہ داخل نہیں ہو سکتا جو مذکور ہوئے البتہ قرآن خارجیہ کے لحاظ سے اس کا ظن ہو گیا ہو تو ممکن ہے۔

مرزا صاحب کے اصول پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا کبھی ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسے جمیل القدر صحابی کا ایسی بات پر قسم کھانا جس کا ثبوت نہ شرعاً ہو، نہ عقلاً ہرگز قرین قیاس نہیں ہو سکتا مگر چونکہ یہ روایت معتبر کتابوں میں ہے اس لئے ہمیں ضرور ہے کہ حتی الوسع اس کی مناسبت توجیہ کریں۔ بات یہ ہے کہ عرب کا دستور تھا اور اب تک ہے کہ مصلحتات و مصلحتات پر بھی قسم کھایا کرتے ہیں اس قسم کی قسم کو یحییٰ انہو کہتے ہیں جس کے خلاف واقع ہونے پر کوئی مواخذہ نہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لا یؤاخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم تفسیر در مشور میں ہے کہ ایک ہر آنحضرت ﷺ کے روبرو صحابہ تیر اندازی کر رہے تھے ایک شخص نے کہا اصبت واللہ یعنی بخدا نشانہ پر مار دیا اور وہ خلاف واقع تھا۔ کسی

نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص حادث ہو گیا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا یہ یمن لغو ہے اس میں کفار نہیں۔ اور ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہم یمن لغو کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ آدمی جس چیز پر قسم کھاتا ہو اس کے سچ ہونے کا گمان کرے اگرچہ درحقیقت وہ سچا نہ ہو اسی ملخصاً۔

الحاصل جب یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ ابن صیاد کے دجال ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قسم کھانا ممکن نہیں کہ یقین پڑتی ہو جیسا کہ ابھی معلوم ہوا تو ضرور ہوا کہ وہ یمن لغو شارب کی جائے کیونکہ اس کی تعریف بھی اس یمن پر صادق آرہی ہے اور صحابہ کے اقوال سے ثابت ہوا کہ ایسی قسم خلاف واقع پر بھی ہوا کرتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ اس کا دجال ہونا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسم ہی سے مشکوک ہو گیا۔

اب ہم ایک دلیل مستند پیش کرتے ہیں جس سے اس کا دجال نہ ہونا ثابت ہو جائے وہ یہ روایت ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اعلان دیا کہ سب حاضر ہوں اس کے بعد حضرت نہایت خوش تبسم فرماتے ہوئے منبر پر تشریف رکھے اور فرمایا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کس لئے جمع کیا اس وقت کوئی ترغیب و ترہیب مقصود نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ تمہیں داری جو ایک نصرانی شخص تھے اسلام لائے اور ایک واقعہ ایسا بیان کیا کہ میں نے جو تمہیں دجال کی خبر دی تھی اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری کشتی شدت ہوا کی وجہ سے کئی کنارے پر جا لگی جب ہم اس جزیرے میں گئے تو ایک عجیب شخص سے ملاقات ہوئی ہم نے تو اس کو شیطان

۱۔ لعلہ ابراہیمہ بن ابی موسیٰ الاشعری و ابراہیم بن عبدالرحمن عوف الزہری

والدہم شریف الدین علی عز

ہی سمجھا تھا مگر اس نے چند باتیں پوچھیں جس کا ہم نے جواب دیا منجملہ اس کے ایک بات یہ تھی کہ نبی امین کی کیا حالت ہے؟ ہم نے کہا وہ مکہ سے نکل کر شرب میں ٹھہرے ہیں۔ کہا عرب نے ان سے جنگ کیا؟ ہم نے کہا ہاں۔ پھر کیا ہوا؟ ہم نے کہا قریب قریب کے لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی ہے۔ پوچھا ایسا ہوا ہے؟ ہم نے کہا ہاں۔ کہا ان کی اطاعت ان لوگوں کے حق میں بہتر ہے پھر کہا میں تم سے اپنا حال کہتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں قریب ہے کہ مجھے لکھنے کی اجازت مل جائے میں تمام زمین میں پھروں گا مگر مکہ اور طیبہ میں نہ جاسکوں گا حضرت نے فرمایا یہ طیبہ ہے یعنی مدینہ۔ پھر حضرت نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پیشتر ہی میں تم سے یہ کہہ چکا ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا درست ہے۔ فرمایا تمہیں داری کا یہ واقعہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا کہ جو میں نے تم سے کہا تھا اسی کے موافق ہے پھر فرمایا یہ طیبہ ہے اور وہی دجال ہے ابھی ملخصاً۔

اب دیکھئے کہ جب آنحضرت ﷺ نے تمہیں داری ﷺ کی خبر کی تصدیق کی اور عمر رضی اللہ عنہ کے تحقیق و گمان کی تصدیق نہیں کی تو اس سے یقیناً معلوم ہو گیا کہ ابن صیاد دجال نہ تھا کیونکہ ایک روایت سے تو اس کا مرنا ہی ثابت ہے اور جو روایت اس کے خلاف ہے اس سے اس کے مفقود ہونے کا زمانہ خلفائے راشدین کے بعد کا ہے بہر حال کسی طرح ابن صیاد وہ دجال نہیں ہو سکتا جس کی خبر تمہیں داری ﷺ نے دی اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

ازالۃ الاہام میں اس حدیث کا جواب مرزا صاحب اس طور سے دیتے ہیں کہ مسلم شریف میں تمہیں داری کی حدیث کے آخر میں یہ ہے الا انه فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ما هو و اومی ییدہ الی المشرق یعنی من قبل المشرق ما هو کہا دجال بحر شام میں ہے یا بحرین میں نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے

نکے گائیں وہ یعنی وہ نہیں لکھے گا بلکہ اس کا مثل لکھے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

مرزا صاحب نے عبارت مذکورہ حدیث میں کسی غرض سے اختصار کیا ہے پوری عبارت یہ ہے لا بل من قبل المشرق ما هو من قبل المشرق ما هو واومی بیده الی المشرق. مرزا صاحب نے من قبل المشرق ما هو کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔ ”وہ مشرق کے طرف سے لکھے گا نہیں وہ“۔ اردو جاننے والے معتقد تو مرفوع القلم ہیں ان کے حق میں مرزا صاحب کا قول خود بجائے وحی ہے مگر عربی دان سمجھ سکتے ہیں کہ من قبل المشرق کے لفظ سے ”وہ مشرق کی طرف سے لکھے گا“۔ سمجھنا درست ہے یا نہیں کیونکہ اس جزو جملہ میں کوئی ضمیر نہیں جو دجال کی طرف راجع ہو اور نہ لفظ یخرج کہیں مذکور ہے شاید من کا متعلق یہ نکالا ہے حالانکہ وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ من زائدہ ہے جیسا کہ مغنی الملیب میں اس کی بہت سی مثالیں لکھی ہیں مثلاً ان کے ایک یہ ہے ان من اشد الناس عذاباً یوم القيامة المصورون۔

ما هو کے معنی ”نہیں وہ“ انہوں نے لکھا ہے اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ وہ لکھے گا بلکہ مثل لکھے گا حالانکہ سیاق کلام سے یہ بالکل مخالف ہے اس لئے کہ مقصود یہاں دجال کا مقام معین کرنا ہے کہ وہ بحر شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اس کے بعد ”نہیں وہ“ کہنے کا کوئی موقع نہیں۔

مرزا صاحب کی تقریر کا ماحصل یہاں یہ ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ نے تمیم داری سے دجال کا سارا قصہ سن کر سب صحابہ کو جمع کیا اور خطبہ اس مضمون کا پڑھا کہ میں نے دجال کا حال جو تم سے کہا تھا تمیم داری کے چشم دید واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ دجال سے مل کر اور اس سے گفتگو کر کے آئے ہیں وہ مشرقی دریا میں ہے وہ نہیں اب غور کیجئے اس قدر اہتمام کے بعد یہ فرمانا کہ وہ نہیں کس قدر حیرت انگیز ہوگا پھر من قبل المشرق

ما هو کو تین تین بار دہرا کر فرمانے کا کیا مطلب ہوگا۔ مرزا صاحب اس ما کو نافیہ لیتے ہیں اس صورت میں اس جملہ کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ مشرق کی طرف نہیں وہ مشرق کی طرف نہیں یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس نے کہا تھا کہ وہ مشرق کی طرف ہے جس کا انکار حضرت کبریا و مرات فرما رہے ہیں اور اگر حسب تجویز مرزا صاحب، اس عبارت کے دو جملے قرار دیے جائیں ایک من قبل المشرق یعنی دجال مشرق کی طرف سے لکھے گا اور دوسرا ما هو یعنی وہ نہیں تو حضرت کا تین بار یہ فرمانا کہ دجال مشرق کی طرف سے لکھے گا وہ نہیں دجال مشرق کی طرف سے لکھے گا وہ نہیں کس قدر بے موقع ہوگا۔

اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ ان متضاد مضمونوں کے دو جملوں کی تکرار فصاحت سے کیسی اجنبی ہوگی۔ پھر یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت کا مقصود اس سے یہ سمجھا جائے کہ دجال نہ لکھے گا بلکہ ہندوستان سے اس کا مثل لکھے گا تو صحابہ ضرور یہ پوچھ لیتے کہ تمیم داری سے جس دجال کو دیکھ آئے ہیں اور وہ مشرق کی طرف سے لکھے گا وہ نہ لکھے گا تو اور کبھی نہ لکھے گا تو اس کے دجال ہونے سے ہمارا کیا نقصان یہ تو بڑی بشارت کی بات ہے کہ جس دجال سے آپ ڈراتے تھے اس سے تو بے فکری ہوگئی غرض کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس عبارت سے وہ مضمون سمجھا جاتا ہے جو مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

یہ سب خرابیاں ما هو کے ما کو نافیہ لینے سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ مرزا صاحب کو مثل دجال ثابت کرنا ہے اس لئے اس تحریف کی ضرورت ہوئی امام نووی رحمہ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے قال القاضی لفظ ما هو زائدة صلة للكلام ليست بنافيه والمراد اثبات انه في جهات المشرق احي۔ دراصل یہ ما زائدہ وغیرہ کا نافیہ ہے جس کی مثالیں مغنی الملیب میں یہ لکھی ہیں شتان مازید وعصرو۔ اور قول مہمل لو بابائین جاء یخطبها زمل ما انف خاطف بدم اس صورت میں بل من قبل

المشرق ما هو کے معنی یہ ہوئے کہ وہ دریائے شام اور یمن میں نہیں بلکہ مشرق کی طرف ہے اور اس جملہ کو مکرر کرنے سے یہ غرض تھی کہ اس کو یاد رکھیں اور یقینی سمجھ لیں کہ دجال ایک شخص معین مشرق کی جانب میں اس وقت زندہ موجود ہے۔ اب دیکھئے کہ آنحضرت ﷺ تو اس قدر اہتمام اور تاکید سے اس کے شخص معین اور زندہ ہونے کی خبر دیں اور مرزا صاحب اس کی کچھ پروا نہ کر کے یہ کہیں کہ دجال کوئی چیز نہیں صرف پادریوں کا نام ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

اسی مقام میں مرزا صاحب لکھتے ہیں یاد رہے کہ اس خبر تمیم داری ﷺ کی تصدیق کے بارے میں ایسے الفاظ آنحضرت ﷺ کے منہ سے ہرگز نہیں نکلے جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس تمیم داری ﷺ کے دجال کا یقین کیا تھا بلکہ تصدیق اس بات کی پائی جاتی ہے کہ دجال مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں داخل نہیں ہوگا۔

آپ تمیم داری کی حدیث کا ترجمہ ابھی پڑھ چکے ہیں جس میں یہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو جمع کر کے تمیم داری کا پورا واقعہ بیان فرمایا کہ وہ دجال سے ملے اور اس سے سوال و جواب کئے اور دجال نے ان سے کہا کہ میں مسیح دجال ہوں اور قریب میں مجھے نکلنے کی اجازت ملنے والی ہے پھر حضرت نے اس کی تصدیق کی کہ وہی دجال تھا چنانچہ لفظ و ذلک الدجال صراحۃً موجود ہے باوجود اس کے مرزا صاحب کس ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ اس پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی حضرت کے زبان سے نہیں نکلے اس کا کیا علاج۔ اگر کسی کو ہمارے بیان میں شبہ ہو تو مسلم شریف میں دیکھ لے کہ وہ سب قصہ اور لفظ و ذلک الدجال اس میں موجود ہے یا نہیں۔

اور اسی حدیث میں یہ بھی موجود ہے کہ تمیم داری کا دیکھا ہوا واقعہ بیان کر کے آنحضرت ﷺ نے فرمایا الا اهل کنت حدیثکم ذلک فقال الناس نعم فانه

اعجبنی حدیث تمیم انه وافق الذی کنت احدکم عنہ ماحصل اس کا یہ ہے کہ سب صحابہ سے حضرت نے پوچھا کہ کیوں دجال کی خبر میں نے تمہیں پیشتر دی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں پھر فرمایا کہ تمیم داری کا چشم دید واقعہ مجھے اچھا معلوم ہوا جس سے میری اس بات کی تصدیق ہوتی ہے جو تم سے اکثر کہا کرتا تھا۔ اس حدیث سے علاوہ اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے واقعہ تمیم داری کی تصدیق کی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت نے پیشتر بھی خبر دی تھی کہ دجال ایک شخص معین ہے اور کسی جزیرہ میں مقید ہے اور معین وقت پر نکلے گا جس کی تصدیق تمیم داری کے واقعہ سے ہوئی اور چونکہ اس خبر کا ثبوت مشاہدہ سے ہو گیا اس وجہ سے آنحضرت ﷺ کو کمال درجہ کی فرحت ہوئی اور نہایت خوشی سے مسکراتے ہوئے برسر منبر بیان فرمایا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور آخر میں لفظ اعجبنی سے اس کی تصریح بھی کی مگر افسوس ہے کہ جس چیز سے آنحضرت ﷺ کو خوشی ہوئی تھی مرزا صاحب پر سخت صدمہ ہے۔ غرض مرزا صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت نے تمیم داری کی تصدیق نہیں کی کس قدر حیرت انگیز ہے اور جرات قابل غور ہے کہ مسلم شریف جیسی مشہور و معروف کتاب میں ایسے تصرفات کرتے ہیں اور جو جی چاہتا ہے خلاف واقعہ لکھ دیتے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اہل علم اس کو کیا سمجھیں گے۔ تو اس پر قیاس کرنا چاہیے کہ الہامات اور خواب جو لکھا کرتے ہیں ان کا کیا حال ہوگا اور لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جو اخبار و حکایات بیان کردہ کی تصدیق کرتے تھے اس کے لئے یہ ضرور نہیں ہوتا تھا کہ وہ تصدیق و جی کی رو سے ہو بلکہ محض خبر کے اعتبار کے خیال سے تصدیق کر لیا کرتے تھے انبیاء و اوزام بشریت سے بالکل الگ نہیں کئے جاتے محض عقلی طور پر اعتبار راوی کے لحاظ سے حضرت نے اس کی تصدیق کی کیونکہ تمیم داری ﷺ اس قصہ کے بیان کرنے کے وقت مسلمان ہو چکا تھا اور بوجہ مشرف باسلام ہونے کے اس لائق تھا کہ اس کے بیان کو عزت اور اعتبار کے نظر سے دیکھا

جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ تصدیق فرمانا اعتبار کے قابل نہیں بلکہ وہ عقلی طور پر ہونے کی وجہ سے اس میں غلطی ہوگی اور ثبوت غلطی کا اس طور سے ہوا کہ مرزا صاحب کی جانچ میں سوائے پادریوں کے اور کوئی دجال نہیں اس دعویٰ اور دلیل کی تصدیق سوائے مرزا صاحب پر ایمان لانے والوں کے دوسرا کوئی مسلمان نہیں کر سکتا بلکہ اہل ایمان کے پاس ایسا خیال کفر سے کم نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ یہ تصدیق وحی کی رو سے نہ تھی۔ معلوم نہیں مرزا صاحب نے اس کا ایک طرف قطعی فیصلہ کس طرح کر ڈالا۔ ہم اہل اسلام کو تو حق تعالیٰ نے علم قطعی کر دیا ہے کہ جو کچھ آنحضرت ﷺ فرمادیں اس کو مان لیں کسی کو چوں و چرا کی مجال نہیں کہ حضرت نے یوں ہی عقل سے یہ فرمادیا کوئی وحی بھی آئی تھی اور وحی آئی تھی تو کس کے روبرو دو گواہ بھی اس وقت موجود تھے یا نہیں اور اگر موجود تھے تو انہوں نے جبرئیل کو وحی سناتے وقت دیکھا اور پہچانا بھی تھا یا قرآن سے کہہ دیا اور قرآن قطعی تھے یا لطفی۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وما اتانا کم الرسول فخذوه اور فرماتا ہے وما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى یعنی کوئی بات حضرت اپنے خواہش سے نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں صرف وحی سے فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے مگر مرزا صاحب کو نہ آنحضرت ﷺ کے فرمانے پر اعتبار آتا ہے، نہ خود حضرت کا اعتبار ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تصدیق جو حضرت نے کی تھی صرف تمیم داری کے اعتبار پر تھی۔ تہذیبی حیرانہ میں انہوں نے اس مقدمہ میں اپنا عقیدہ ظاہر کر دیا کہ اپنی رائے سے جھوٹی خبر کی تصدیق حضرت نے کر دی (نعوذ باللہ من ذلک)۔ وہ لکھتے ہیں کہ تمیم مشرف باسلام ہونے کی وجہ سے وہ اس لائق تھا کہ اس کا بیان عزت اور اعتبار کی نظر سے دیکھا جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ باوجودیکہ حضرت نے ان کو قابل اعتبار سمجھا مگر

انہوں نے جھوٹ کہنے میں کمی نہ کی پھر جھوٹ بھی کیسا کہ افضل الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روبرو جس کو حضرت نے منبر پر چڑھ کر ایک مجمع کثیر صحابہ کے روبرو کمال بشارت سے بیان فرمایا۔

اب اہل ایمان غور کریں کہ کیا کوئی مسلمان یہ خیال کر سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جھوٹی خبر بیان کرنے کے لئے صحابہ کو فراہم کریں اور منبر پر چڑھ کر وہ خبر بیان فرمادیں پھر اتنے بڑے واقعہ کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت کو اطلاع نہ کہ وہ خبر دراصل جھوٹی تھی اور اس کی غلطی نکالنے کا موقع ایک پنجابی کے ہاتھ آئے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ادنیٰ ادنیٰ امور کی اطلاع بذریعہ وحی یا الہام حضرت کو ہو جایا کرتی تھی ایسا بڑا واقعہ جس سے مرزا صاحب اور ان کے اتباع کی نظر میں حضرت (نعوذ باللہ) بے اعتبار ہوئے جاتے ہیں اس کی اطلاع حضرت کو کسی طرح نہ ہوئی کیونکہ اگر اطلاع ہوتی تو حضرت ضرور فرمادیتے کہ تمیم داری نے جو خبر دی تھی جھوٹ ثابت ہوئی۔ اس مقام میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ زمانہ کا مقتضی ہے کہ ایسے خیالات کے لوگ بھی مقتدی بنائے جاتے ہیں اللہم الا نعوذ بک من فتنۃ المحییا والممات ومن شر فتنۃ المسیح الدجال۔ اب اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ مرزا صاحب کا یہ قول کہ دجال معبود آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ظاہر ہو گیا اور مر بھی گیا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے بلکہ خود مرزا صاحب ہی کا استدلال احادیث ابن صیاد سے ان کے دعویٰ کو مضر اور ہارے لئے مفید ہے اس وجہ سے کہ احادیث ابن صیاد سے اتنا تو ضرور معلوم ہوا کہ صحابہ دجال کو ایک معین شخص سمجھتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق بھی کی تو معلوم ہوا کہ حضرت نے کسی قوم کا نام دجال نہیں رکھا جیسا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ دجال گروہ پادریان کا نام ہے بلکہ گویا حضرت نے یہ فرما دیا کہ وہ ایک شخص ہوگا جیسا کہ تم سمجھتے ہو اس لئے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

ابن صیاد کو دجال قرار دے کر اس کو قتل کرنا چاہا تو جس صورت میں دجال جھوٹوں کے گروہ کا نام ہوتا جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں تو ان کی غلط فہمی کی اصلاح آنحضرت ﷺ فرمادیتے اور یہ ارشاد ہوتا کہ دجال ایک شخص نہیں جس کو تم مارنا چاہتے ہو وہ تو ایک جماعت ہوگی جو آخر زمانے میں پیدا ہوگی۔ کسی اور شخص کے کلام کے معنی اس کی مراد کے خلاف بیان کئے جائیں تو وہ اپنی مراد ظاہر کر کے اس غلط فہمی کی اصلاح کر دیتا ہے شارع کو بطریق اولیٰ ضرور ہے کہ اپنی مراد بیان کر کے غلط فہمی سے اپنی امت کو بچالیں۔ شاید مرزا صاحب قیم داری ﷺ کی حدیث پر اعتراض کریں گے کہ بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ کوئی شخص خواہ آدمی ہو یا جانور آنحضرت ﷺ کے بعد سو برس زندہ نہ رہا وہ حدیث یہ ہے ان عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال صلی لنا رسول اللہ ﷺ العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قام فقال ارایتکم لیلکم ہذہ فان راس مائۃ سنۃ من لا یبقی ممن ہو علی ظہر الارض احد (رواہ البخاری) پھر قیم داری ﷺ نے جس دجال کی خبر دی ہے وہ آخری زمانے میں کیونکر نکل سکتا ہے۔

اس کے جواب کے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انتقال کے قریب جو یہ ارشاد فرمایا ہے اس کا منشا کیا ہوگا یہ تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ کوئی وصیت ہے جس پر عمل کرنا مطلوب ہو، نہ کوئی ایسی چیز ہے جو ذات الہی یا امور اخروی سے متعلق ہو کیونکہ الیوم اکملت لکم دینکم سے صاف ظاہر ہے کہ دینی اعتقادات سے متعلق کل امور کو حضرت نے بیان کر کے دین کا تکملہ فرمادیا سو برس کے اندر تمام آدمیوں اور جانوروں کا مرجانا ایسا کوئی ایسی بات نہیں جس کو حضرت دینی امر تصور فرمائے ہوں۔ اور وہ علامات قیامت میں بھی نہیں ورنہ تصریح فرمادیتے جیسے دوسرے علامات میں موجود ہے پھر ایک لمبی بات کی خبر دینا وہ بھی عشاء کے بعد جس وقت خاص خاص حضرات حاضر رہتے تھے اس میں

کوئی خاص غرض ضرورت تھی۔

قارئین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب الیوم اکملت لکم دینکم اور سورۃ اذاجاء نصر اللہ سے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اب اس عالم میں آپ کے تشریف فرما رہنے کی ضرورت نہ رہی ادھر سے جذبات اور ادھر سے عشق و اشتیاق بڑھنے لگے تو آپ نے سفر آخرت کا ارادہ مصمم فرمایا مگر اس کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ شیفتگان جمال نبوی کا اس مفارقت سے کیا حال ہوگا کیونکہ ان کی دل بستگی اور شیفتگی کو حضرت ﷺ جانتے تھے کہ یہ صدمہ ان کی حالت کو خطرناک بنا دے گا ان کی زبان حال باوازا بلند کہہ رہی تھی۔

از فراق تلخ میگوئی غن ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن

صحابہ تو صحابہ ہی تھے استن حنانہ جو ایک چوب خشک تھا حضرت کی مفارقت سے روتے روتے بیخود ہو گیا تھا جس کا حال بخاری شریف میں موجود ہے۔ حضرت کی سواری مبارک کا گدھا جس کا نام یعقور تھا اس پر اس مفارقت کا یہ صدمہ ہوا کہ بجز دو فوات شریف کے کمال بے ثباتی سے کنویں میں گر کر جان دے دی اور ناقہ سواری خاص کو اس غم نے ایسا مدہوش بنا دیا کہ کھانا چننا چھوڑ کر اسی صدمہ سے مر گئی یہ روایتیں مواہب اللدنیہ وغیرہ معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ اب اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب اونٹ اور گدھے اور چوب خشک کا مفارقت جان عالم ﷺ میں یہ حال ہو تو ان حضرات کا کیا حال ہوگا جو پروانہ وار شمع جمال پر جان دینے کو ہر وقت مستعد تھے انہیں ایام میں آنحضرت ﷺ نے تذکرہ فرمایا کہ ایک بندہ کو خدا تعالیٰ نے اختیار دیا کہ چاہے دنیا کی نعمت اور آسائش اختیار کرے یا اس چیز کو جو اللہ کے پاس ہے اس بندے نے وہی اختیار کیا جو اللہ کے پاس ہے یہ سنتے ہی بعض صحابہ روتے روتے بیخود ہو گئے اور باوازا بلند کہنے لگے کہ ہم اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کرتے ہیں۔ (رواہ بخاری) حالانکہ صراحتاً اس میں کوئی بات نہیں مگر صرف خیال نے یہ اثر پیدا کر دیا۔

ہر چند صحابہ جانتے تھے کہ اس مفارقت کا زمانہ چالیس پچاس برس سے زیادہ نہ ہوگا کیونکہ جب ارشاد سراپا ارشاد سے معلوم ہو گیا تھا کہ اکثر لوگوں کی عمر ستر سال سے کم ہی رہے گی مگر اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ بعضوں کی عمر اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے پھر خدا جانے وہ کون ہوگا اور اس زیادتی کی نوبت کہاں تک پہنچے گی۔ اگر بالفرض مثل ام سائبہ سینکڑوں کی نوبت پہنچ جائے جیسے قرآن شریف سے ہزار سال کی عمر بعض حضرات کی ثابت ہے تو اس مفارقت میں بڑی مصیبتیں جھیلنی پڑیں گی اور معلوم نہیں یہ فراق کیا رنگ لائے اس خیال کے دفع کرنے کے لئے حضرت نے اس خاص وقت میں فرمادیا کہ آج کی رات یاد رکھو کہ زیادہ سے زیادہ اگر کسی کی عمر ہوگی تو اس وقت سے سو برس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ الغرض اس سے صحابہ کی تسکین مقصود تھی اور یہ بیان کرنا تھا کہ ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اس پر قرینہ مبینہ یہ ہے کہ حضرت نے اپنے انتقال کے قریب یہ خبر دی۔ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ مشرق و مغرب اور یورپ و ایشیا کے سب لوگ مرجائیں گے اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر کہا جائے کہ صحابہ کی اس حدیث میں تخصیص نہیں بلکہ عام ارشاد ہے کہ جو کوئی اس رات میں روئے زمین پر موجود ہے ان میں سے اس مدت میں کوئی باقی نہ رہے گا ایسے عام لفظ کو صحابہ کے ساتھ خاص کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصول فقہ میں یہ مصرح ہے کہ مامن عام الا وقد خص منه البعض یعنی کوئی عام ایسا نہیں جس کی تخصیص نہ ہوئی ہو اور اس کے کئی شواہد و نظائر قرآن شریف میں موجود ہیں مثلاً ان کے ایک یہ ہے قولہ تعالیٰ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض یعنی جو لوگ اللہ ورسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی جزا یہی ہے کہ قتل کئے جائیں یا سولی پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ

پاؤں کاٹنے جائیں یا زمین سے نکال دیئے جائیں۔ ظاہر ہے کہ زندوں کو کل روئے زمین سے نکال دینا ممکن نہیں اس لئے الارض کی تخصیص ضروری ہے اور اس سے وہی زمین مراد ہے جہاں وہ رہتے ہیں۔ اسی طرح علی ظہور الارض جو اس حدیث شریف میں ہے اس سے بھی کل روئے زمین مراد نہ ہوگی بلکہ وہی زمین مراد ہوگی جہاں صحابہ رہتے تھے اور اگر تعمیم کی جائے اس طور پر کہ اس رات کے موجودہ کل آدمی مرجائیں گے تو اول تو اس سے کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ نہ وہ قیامت کی خبر ہے، نہ صحابہ کا اس سے کوئی نفع و ضرر۔

اور قطع نظر اس کے یہ تعمیم کسی طرح بن بھی نہیں سکتی اس لئے کہ ظاہر الفاظ سے یہی مستفاد ہے کہ اس رات سے سو برس تک جتنے لوگ روئے زمین پر ہونگے سب مرجائیں گے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے اس رات والوں کی تخصیص سمجھی جائے اگر یہی مقصود تھا تو من علی ظہور الارض اللیلۃ ارشاد فرماتے اور اگر اللیلۃ کا لفظ ہم اپنے طرف سے بڑھائیں تو جب بھی تخصیص ہی ہوئی بہر حال کسی نہ کسی طرح سے اس حدیث میں تخصیص کرنے کی ضرورت ہے ورنہ عام رکھا جائے تو اس حدیث کا مطلب یہ کہنا پڑے گا کہ سو برس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی کیونکہ کوئی باقی نہ رہے گا حالانکہ یہ باطل ہے فرق یہ ہے کہ ہم لفظ احد کو منکم کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور مقترض علی ظہور الارض کو اللیلۃ کے ساتھ۔

اب ہمارے اور مقترض کی توجیہات کے نتائج کو دیکھئے ہماری توجیہ میں ایک بہتم بالشان فائدہ ہے اور مقترض کی توجیہ میں کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔

ایک جماعت کثیرہ اولیاء اللہ کی مثل حضرت غوث الثقلین علیہ السلام وغیرہ کے اپنے مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں کہ ہم نے حضرت کو چہرہ خود دیکھا ہے اور ان سے فیضیاب ہوئے مقترض کی توجیہ پر سب کی تکذیب ہو جائے گی اور ہماری توجیہ پر ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

اور ہماری توجیہ پر بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ بخاری اور مسلم کی حدیثوں میں تعارض نہیں رہتا جس سے حدیث تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بحال خود صحیح رہتی ہے بخلاف معترض کی توجیہ کے کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک کو موضوع ٹھہرانے کی ضرورت ہوگی اگر کہا جائے کہ بخاری بہ نسبت مسلم کے زیادہ معتبر ہے اس لئے تعارض کے وقت بخاری کی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں ترجیح دینے کا یہ مطلب ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کی تصدیق نہیں کی جس سے یہ لازم آئے گا کہ مسلم کی حدیث موضوع ہے اس قسم کی ترجیح اس اجماع کو باطل کرتی ہے جو مسلم شریف کے صحیح ہونے پر ہوا ہے اور ہماری توجیہ پر دونوں حدیثیں صحیح رہتی ہیں۔ غرض ہم نے بخاری شریف کی حدیث کی تخصیص کی ہے وہ بہ نسبت اس تخصیص کے جو معترض نے کی ہے کئی طرح سے مفید ثابت ہے۔

الحاصل حدیث تمیم داری رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے کہ ابن صیاد دجال معبود نہ تھا اور مرزا صاحب ابن صیاد کو دجال قرار دے کر دجال شخص کی بلا اپنے سر سے نالٹ چاہتے ہیں وہ ٹل نہیں سکتی یعنی جب تک ایک معین شخص دجال نہ بتائیں جس کے لئے عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے ان کی عیسویت ثابت نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ اس بحث کی دو ناگہیں تھیں ایک مسیح ابن مریم کا آخری زمانہ میں اترنا دوسری ناگہ دجال معبود کا آخری زمانے میں ظاہر ہونا سو یہ دونوں ناگہیں ٹوٹ گئیں۔

ناظرین تقریر بالا سے سمجھ گئے ہوں گے کہ مرزا صاحب کی عیسویت کی تین ناگہیں تھیں ایک ابن صیاد کا دجال موعود ہونا جو گنہگار چکا، دوسری ناگہ پادریوں کا دجال ہونا، تیسری مسلمانوں میں صفات یہودیت آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہونا۔ سو یہ تینوں ناگہیں بفضلہ تعالیٰ ٹوٹ گئیں۔ جب یہ بات کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتی کہ مسلمانوں میں یہود کے صفات آنے کی وجہ سے عیسیٰ کی ضرورت ہوگی بلکہ صداہا حدیثوں

سے اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دجال کے نکلنے کے بعد اس کے قتل کے لئے اتریں گے۔ اور پادریوں کو جو مرزا صاحب نے دجال قرار دیا اس کا خلاف واقع ہونا اور ابن صیاد کا دجال موعود نہ ہونا ثابت ہو گیا تو اب وہ عیسیٰ موعود تو نہیں ہو سکتے ہاں جیسے عیسیٰ خان اور موسیٰ خان نام ہوتے ہیں تبرکاً اگر یہ نام اختیار کیا ہے تو ہمیں اس میں کلام نہیں مگر اس کے لئے یہ دعویٰ ضرورت سے زیادہ ہے کہ دم عیسوی سے وہ دجال یعنی پادریوں کو قتل کر رہے ہیں اگر یہ دعویٰ بھی صحیح ہوتا تو جب بھی مضائقہ نہ تھا مسلمان لوگ اس خوشی میں کہ ہمارا دشمن تو ہلاک ہو گیا اغماض کر جاتے یہاں تو پادریوں اور ان کی دجالیت کی ترقی روز افزوں ہو رہی ہے جس کے خود مولوی صاحب شاکی ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہر سال لاکھوں کرستان بنائے جاتے ہیں۔

مرزا صاحب جو دعویٰ عیسویت کرتے ہیں اس کی بنا احادیث پر ہے کیونکہ بقول مرزا صاحب قرآن سے عیسیٰ علیہ السلام کا آنا ثابت نہیں پھر جن احادیث میں عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کا ذکر ہے ان میں یہ بھی مصرح ہے کہ وہ اترتے ہی دجال کو مار ڈالیں گے اور ہمیں معلوم ہے کہ مرزا صاحب بیس سال سے پہلے کا دیان میں اتر کے دعویٰ عیسویت کر رہے ہیں اور اب تک ان کا دجال مرانہیں تو ان کا دعویٰ انہیں کی دلیں سے باطل ہو گیا کیونکہ عیسیٰ کو دجال کا مار ڈالنا لازم ہے اور یہ لزوم انہیں احادیث سے ثابت ہے۔ جن پر مرزا صاحب کا استدلال ہے اس صورت میں بحسب قاعدہ عقلیہ مسلمہ انتقائے لازم سے انتقاء مزوم ضروری ہے۔ یعنی پادریوں کے معدوم نہ ہونے سے مرزا صاحب کا عیسیٰ نہ ہونا انہیں دلائل سے ثابت ہوا جن پر مرزا صاحب استدلال کرتے ہیں۔

یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب تو دجال یعنی پادریوں کو مار ہی ڈال رہے ہیں مگر مجبوری یہ ہے کہ وہ مرتانہیں۔ واقعی اس مجبوری کا علاج نہیں بجز اس کے کہ اس

دشمن قوی کے ہلاک ہونے کی دعا کی جائے چنانچہ ہم بھی دعا گو ہیں اور بصدق دل چاہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو اس دجال پر فتح نصیب ہو اگرچہ قرآن بینہ اور وجدان گواہی دیتے ہیں کہ اس دعا کا اثر مرزا صاحب کی زندگی میں ظاہر ہونا ممکن نہیں۔ خبر یہ دعا تو ہوتی رہے گی ہم بھی کرتے ہیں مرزا صاحب بھی کرتے ہوں گے مگر کلام عیسویت میں ہے کہ پھونکنے پھونکنے عیسیٰ کا ناک میں دم آئے اور دم عیسوی ہوا اور برباد ہو جائے اور دشمن کو اس سے کچھ جنبش نہ ہو بلکہ اور اشتعال زیادہ ہو ایسے عیسیٰ سے تو بیمار بھی بھلا جس کی حالت کو دیکھ کر دونوں پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کو اس کا اضطراب چارہ جوئی پر مجبور کرتا ہے۔ کاش مرزا صاحب وہ درد جواز لہ الا وہام کے آخر میں ظاہر کرتے ہیں کہ

ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
قوم کی رو برو پیش کر کے اپنی چچی حالت کا ثبوت دیتے تو طیبیان قوم ایسے کسی القاب نہ تھے
کہ اس طرف کچھ توجہ نہ کرے مگر افسوس ہے کہ طبیعت مرزائی نے ذلت کو گوارہ نہ کر کے
ایسے راست بازی کے طریقے سے روکا جو مستحکم اور قوی الاثر تھا۔

ازلۃ الا وہام میں مرزا صاحب مسلم شریف کی وہ حدیث جس میں دجال کی
سرعت سیر اور پانی برسانا کھیتی اگانا اور احیائے موتی وغیرہ امور کا ذکر ہے نقل کر کے بیان
کرتے ہیں کہ اگر ظاہر معنوں پر اس کو حمل کریں تو اس بات پر ایمان لانا ہوگا کہ فی الحقیقت
دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی وہ کن سے سب کچھ کرے گا سو چنا چاہیے کہ یہ
سب کتنا بڑا شرک ہے کچھ انتہا بھی ہے انہوں نے (یعنی عشاء نے) ایک طوفان شرک
برپا کر دیا تھی ملخصاً۔

معلوم نہیں مرزا صاحب اس اعتقاد کو کس لحاظ سے شرک ٹھہراتے ہیں اکابر علماء
نے جنہوں نے اس حدیث کو صحیح مان لیا ہے جس کی بنا پر تمام اہل اسلام کا اعتقاد اس پر جما

ہوا ہے ان تک تو شرک کی ہوا بھی نہیں آسکتی کیونکہ انہوں نے قرآن شریف اول سے آخر
تک پڑھا ہے اور ہر آیت ان کے فیش نظر تھی وہ جانتے تھے اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے
کما قال تعالیٰ وهو علی کل شیء قدير وہی پیدا کرتا ہے۔ وہی دیتا ہے اس کے سوا
کسی میں یہ قدرت نہیں قال تعالیٰ وهو الذی یحیی و یمیت وہی رزق دینے والا
ہے۔ وهو الرزاق وقوله تعالیٰ نحن نرزقکم وایاہم پانی برسانا اسی کا کام ہے وهو
الذی ینزل من السماء ماء یکتبی کا اگانا اس کا کام ہے وهو الذی انزل من
السماء ماء فاحیا به الارض گمراہ کرنے کے واسطے وہی شیاطین کو بھیجتا ہے انا
ارسلنا الشیاطین علی الکافرین توڑھم ازاً گمراہ کرنے والوں کو ہر جگہ وہی مقرر
فرماتا ہے وكذلك جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیہا لیمکروا فیہا بعضوں
کو خاص فتنوں کے لئے قرار دیتا ہے وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ جیسا کہ وہ آدمیوں کو
پیدا کرتا ہے ان کے کاموں کو بھی پیدا کرتا ہے واللہ خلقکم وما تعملون ہدایت
و گمراہی کے اسباب وہی پیدا کرتا ہے یضل بہ کثیراً و یہدی بہ کثیراً کاموں کی
نسبت جو بندوں کی طرف ہے مجازی ہے حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے افعال ہیں فلم
تقتلہم ولكن الله قتلہم وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمی اگرچہ ہدایت
انبیاء کے طرف منسوب ہے کما قال تعالیٰ ومن خلقنا امۃ یہدون بالحق لیکن
درحقیقت وہ اللہ ہی کا کام ہے انک لانہدی من احببت ولكن الله یہدی من
یشاء اور برے کاموں کی رغبت اگرچہ شیطان دلاتا ہے کما قال تعالیٰ وزین لہم
الشیطان اعمالہم مگر درحقیقت وہ بھی اللہ ہی کا کام ہے وزین لہم اعمالہم فہم
یعمہون جب تک خدا تعالیٰ کی مشیت کسی کام سے متعلق نہیں ہوتی کسی کا خیال اس طرف
متوجہ نہیں ہو سکتا وما تشاءون الا ان یشاء الله رب العلمین فتح و شکست اسی کے

ہاتھ ہے جس کو چاہتا ہے زمین کا مالک بنادیتا ہے ان الارض لله يورثها من يشاء من عباده وقوله تعالى ومكنهم في الارض ما لم نمكن لكم ہدایت والوں کو دونوں کو اور گمراہی والوں کو دونوں کو وہی مدد دیتا ہے کلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك اس کی مصلحت میں کسی کو دخل نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون انبیاء کو ہدایت کرنے کے لئے بھیجتا ہے اور شیطان اور آدمیوں کو ان کا دشمن بنادیتا ہے جن سے ان کو سخت مصیبتیں پہنچتی ہیں وکذلك جعلنا لكل نبي عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربك ما فعلوه مگر ان کے دلوں کو ثابت رکھتا ہے ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیہم شیئا قلیلا جن کی گمراہی مقصود ہے ان کو انبیاء وغیرہم کتنا ہی سمجھائیں اور کیسے ہی دلائل بتائیں نہ وہ سمجھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں وجعلنا علی قلوبہم اکنة ان یفقیہوہ وفی اذانہم وقرا، ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوہ، ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من الجن والانس لہم قلوب لا یفقیہون بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ولہم اذان لا یسمعون بہا واما کتب وفتار ہے اپنے مخلوق میں جو چاہے کرے کسی کو مجال نہیں کہ اس سے پوچھ سکے لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون۔

غرض نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ دنیا میں جتنے کام ہوتے ہیں خواہ خیر ہوں یا شر معمولی ہوں یا غیر معمولی یعنی خوارق عادات سب کو حق تعالیٰ پیدا کرتا ہے شیطان ہو یا دجال اپنی خود مختاری سے کچھ نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے ازل ہی میں سب کام معین اور تقسیم ہو چکے ہیں کہ فلاں کام فلاں شخص فلاں وقت میں کرے گا۔ وعنده ام الكتاب وقال النبی ﷺ جف بالقلم بما هو کانن۔ ازل میں حق تعالیٰ ہی مقرر

فرما چکا ہے کہ دجال اس قسم کے فتنے برپا کرے جس کی خبر جمیع انبیاء نے پہلے سے دی ہے۔ چونکہ مشیت الہی متقضی ہے کہ اس کی وجہ سے سوائے چند اہل ایمان کے کل گمراہ ہو جائیں اور قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہو کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے اولاً دجال کو ان تمام فتنہ پرداز یوں اور دعویٰ الوہیت کا الہام ہوگا۔ آپ حضرات شاید لفظ الہام پر برا فروخت ہوئے ہوں گے کہ دعویٰ الوہیت کو الہام سے کیا نسبت تو اس کا جواب اجمالاً سن لیجئے کہ جھوٹے خواہ دعویٰ نبوت کا کریں یا الوہیت کا جب تک الہام نہیں ہوتا نہیں کر سکتے ہر اچھے اور برے کام کیلئے الہام ہوا کرتا ہے ونفس وما سواہا فالیہم فاجورہا ونفوسہا غرض جب وہ بحسب الہام ضلالت دعویٰ الوہیت کرے گا تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو مدد ملے گی۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور چند لوازم الوہیت مثلاً پانی کا برسانا زمین شور سے زراعت کا اگانا مڑدوں کو زندہ کرنا اس سے ظہور میں آئیں گے اور جس طرح عادت اللہ جاری ہے کہ کلمہ کن سے ہر چیز کو پیدا فرماتا ہے اسی طرح یہ سب چیزیں خاص اللہ تعالیٰ ہی کے امر کن سے وجود میں آئیں گی دجال کے فعل کو اس میں کچھ دخل نہیں مگر چونکہ دجال کے دعویٰ کے بعد ان امور کا ظہور ہوگا اس لئے ظاہر میں بے ایمان یہی سمجھیں گے کہ وہ سب اپنے حکم سے ہوئے جیسا کہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ دجال کو ایک قسم کی قوت خدائی دی جائے گی اور کن سے وہ سب کچھ کرے گا۔ اور جس طرح بنی اسرائیل نے گوسالہ میں غیر معمولی بات دیکھ کر اس کو معبود بنالیا تھا اسی طرح ان خوارق عادات کی وجہ سے دجال کو معبود خالق رازق مجی میٹ سمجھ لیں گے کیوں کہ قرآن پر تو ان کا اعتقاد ہی نہ ہوگا اور جن کا اعتقاد قرآن پر ہوگا وہ صاف کہہ دیں گے کہ تو دجال جھوٹا ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ دجال کو چنان و جنین سمجھنا شرک ہے فی الواقع صحیح ہے جو لوگ اس کو رازق مجی

وغیرہ سمجھیں گے وہ بیشک مشرک ہوں گے مگر احادیث صحیحہ پر وہ جو الزام لگاتے ہیں کہ ان میں شرک بھرا ہوا ہے اس الزام سے وہ احادیث مبرا ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اولاً توحید انفعالی کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ فرمادیا اور جن آیات میں اس کا ذکر ہے باعلان شائع کر کے سب کو ان کا عامل بنادیا جس سے ہر اہل ایمان سمجھ سکتا ہے دجال نہ رازق ہو سکتا ہے، نہ مٹی، نہ میت۔ اب اگر کوئی شخص قرآن نہ پڑھا ہو یا اس پر ایمان نہ رکھتا ہو اور تعلیم نبوی سے ناواقف ہو تو وہ بیشک اس حدیث شریف کو اعتراض کی نظر سے دیکھے گا مگر ایسا بے علم یا متکبر شخص قابل التفات نہیں کلام ان علماء کے اعتقاد میں ہے جن کے پیش نظر یہ سب آیات اور تعلیم نبوی تھے کیا یہ حضرات اور پورے قرآن پر کامل ایمان رکھنے والے بھی اس شرک کے قائل ہوں گے جس میں مرزا صاحب گرفتار ہیں؟ ہرگز نہیں۔

مرزا صاحب کو محمد دیت بلکہ مہدویت بلکہ عیسویت کا دعویٰ ہے اور یہ کل امور ایسے ہیں جن کا مدار ایمان پر ہے ان کی اس تقریر سے تو یہ مقولہ پیش نظر ہو جاتا ہے کہ غیر ماہمہ دار و ایمان ندارد کیونکہ اگر ان کو ان آیات پر ایمان ہوتا تو وہ دجال کی الوہیت لازم آنے کے قائل نہ ہوتے اور جب وہ اس کے قائل ہیں تو لازم آتا ہے کہ سہمری کی قدرت خدائی پر ان کو ایمان ہوگا اور مان لیا ہوگا کہ مثل حق تعالیٰ کے کن کہہ کر گوسالہ کو اسی نے سے بنی اسرائیل کا معبود بنادیا جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے فاضلہم السامری اور فاضلہم عجلہ جسدہ لہ خوار فقالوا هذا الہکم واللہ موسیٰ فلسی کیوں کہ سونے اور چاندی سے ایسا پتھر بنانا جو زندہ اور آواز کرتا ہو کوئی معمولی بات نہیں ورنہ ایک خلق کثیر اس کی الوہیت کی کیوں کر قائل ہوتی اگر وہ معمولی بات ہوتی تو حق تعالیٰ ان کی حماقت کے بیان میں فرماتا کہ وہ گوسالہ کوئی غیر معمولی نہ تھا جس کی الوہیت کے وہ قائل ہو گئے تھے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ نہ وہ ان کی بات کا جواب

دیتا تھا اور نہ وہ ان کے نفع و ضرر کا مالک تھا کما قال تعالیٰ افلا یرون الا یرجع الیہم قولہ ولا یملک لہم ضرراً ولا نفعاً اب اہل انصاف غور کر سکتے ہیں کہ جن حدیثوں میں دجال کے خوارق عادات مذکور ہیں ان احادیث پر ایمان لانے کی وجہ سے صحابہ اور محدثین اور کل امت مرحومہ پر الزام شرک عائد ہو سکتا ہے یا اس اعتقاد کی وجہ سے مرزا صاحب پر ۔

زاہد غرور داشت سلامت نبرد رام زندا زہ نیاز ہدار السلام رفت

حق تعالیٰ اہل ایمان کو سمجھ عطا فرمائے کہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ مرزا صاحب ایک استدلال یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ عیسیٰ ابن مریم اور دجال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اسی منہ۔ اور لکھتے ہیں جو کچھ دمشق حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے اکثر باتیں اس کی بطور اختصار اس حدیث میں درج ہیں اور پیغمبر ﷺ نے صاف اور صریح طور پر اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ میرا مکاشفہ ہے یا ایک خواب ہے اس جگہ سے یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ دمشق والی حدیث جو پہلے ہم لکھ آئے ہیں وہ بھی آنحضرت ﷺ کا ایک خواب ہے جیسا کہ اس میں یہ اشارہ بھی کائن کا لفظ بیان کر کے کیا گیا ہے۔

دمشق والی حدیث جس کا حوالہ مرزا صاحب دیتے ہیں اس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ نے دجال کا ذکر کر کے فرمایا کہ اگر وہ میرے زمانہ میں نکلے گا تو میں خود اس کا مقابلہ کر لوں گا۔ اور اگر میں نہ رہوں تو ہر شخص اپنے طور پر حجت قائم کر لے (اس کی علامتیں یہ ہیں) وہ جواب ہوگا اس کے بال مزے ہوئے ہوں گے اور ایک آنکھ اس کی پھولی ہوئی ہوگی وہ عبد العزیز بن قطن کے مشابہ ہوگا اسی ملخصاً۔

مرزا صاحب اس حدیث کے ساتھ طواف والی حدیث کو جوڑ لگاتے ہیں اس

غرض سے کہ جیسے طواف کی تعبیر ضروری ہے ویسے ہی دجال کی تاویل ضروری ہے اسی وجہ سے دجال سے گروہ پادریان مراد ہے اور اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں مکاشفات بھی مثل خواب قابل تعبیر ہیں لفظ کائن سے اس طرف اشارہ ہے۔ مرزا صاحب یہاں ایک نیا قاعدہ ایسا کر رہے ہیں کہ کائن سے خواب کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے حالانکہ یہ نص قطعی کے خلاف ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فلما جاءت قبل اهلكذا عرشك قالت كانه هو ظاهر ہے کہ بتائیں کا یہ قول خواب میں نہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ کائن تشبیہ کیلئے ہے چونکہ آنحضرت ﷺ کا مقصود یہ تھا کہ دجال کو ایسے طور پر معین و مشخص فرمادیں کہ امت کو اس کے پہچاننے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے تاکہ اس کے فتنہ سے محفوظ رہیں اس لئے اولاً اس کے تمام حالات و خوارق عادات بیان کر دیئے پھر اس کا حلیہ بیان فرمادیا اس پر بھی استغناء کر کے ایک ایسے شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر اس کو مشخص فرمادیا جس کو لوگ پہچانتے تھے تاکہ لوگ معصوم نہ رہیں کہ وہ کیسے ہی دعویٰ کرے مگر دراصل وہ ایک آدمی ہوگا مشابہ عبدالعزیٰ کے چنانچہ ایک موقع میں صراحت فرمادیا کہ میں اس کی وہ علامتیں تمہیں بتاتا ہوں کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔

اہل انصاف خود غور فرمائیں کہ اس تشبیہ سے آنحضرت ﷺ کو دجال کی تعیین و تشخیص مقصود تھی یا الہام جب لفظ کائن سے یہ ثابت کیا جائے کہ وہ قابل تعبیر ہے تو ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق تعبیر اور تاویل کرے گا کیونکہ حضرت نے اس کی تعبیر کچھ بیان ہی نہیں فرمائی اس صورت میں حضرت کا وہ تمام اہتمام جو اس کی تعیین کے باب میں فرمایا سب بیکار ہو جائے گا عقل و عادت یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی غائب کو معین کر کے بتلادینا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اس کے احوال مختصہ بیان کئے جاتے ہیں پھر اس کا حلیہ بیان کیا جاتا ہے اور چونکہ حلیہ میں بھی مخفیہ کلمہ ہوتا ہے جس سے تعیین شخصی نہیں ہوتی اس لئے اس کے مشابہ

کوئی ہو تو اس کو دکھا کر کہا جاتا ہے کہ وہ غائب اس کے مشابہ ہے آنحضرت ﷺ نے بھی دجال کی تعیین و تشخیص کے بارے میں یہ تینوں مدارج طے فرمادیئے کنز العمال دیکھ لیجئے کہ ان تینوں قسم سے متعلق احادیث بکثرت موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب کو ضد ہے کہ آنحضرت ﷺ کتنا ہی اس کو مشخص فرمادیں وہ مشخص ہونے نہیں دیتے بلکہ اس کو شش میں ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ابہام بڑھایا جائے۔

گورنمنٹ کی مخالفت کے خیال کو جو پھیلنے لگا تھا اس میں پیدا ہوتا تھا کس اہتمام سے مرزا صاحب نے دفع کیا چنانچہ کشف الغطا میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے عربی فارسی اردو کتابیں لکھ کر عرب، شام، کابل، بخارا وغیرہ کے مسلمانوں کو بار بار تاکید کی اور معقول وجوہ سے ان کو اس طرف جھکا دیا کہ گورنمنٹ کی اطاعت بہ دل و جان اختیار کریں۔ دیکھئے ان تمام اسلامی بلاد کے مسلمانوں کو مرزا صاحب نے جو بار بار تاکید کی کہ ان اسلامی شہروں کو سلطنت اسلامی سے خارج کر کے نصاریٰ کے قبضہ میں دے دیں اور وہ اس طرف مائل بھی ہو گئے اس میں کس قدر مرزا صاحب کا رویہ صرف ہوا ہوگا مگر اس کی کچھ پروا نہ کی اور یہ سب کچھ رفع الزام مخالفت گورنمنٹ میں گوارا کیا مگر افسوس ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ضد اور مخالفت اعلانیہ کر رہے ہیں اور اس کی کچھ پروا نہیں اور اس سے زیادہ قابل افسوس یہ ہے کہ اس قسم کی مخالفتوں پر دین کا مدار سمجھا جا رہا ہے۔

مرزا صاحب آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ کو اپنے مکاشفہ پر قیاس کر کے اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ اس مکاشفہ سے کشف و ظہور نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں ایک ایسا ابہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے یعنی مکاشفہ میں جو چیز دیکھی جاتی ہے درحقیقت وہ چیز نہیں ہوتی جیسے خواب میں اگر دودھ دیکھا جائے تو اس سے مراد مثلاً علم ہے دودھ نہیں اسی وجہ سے خواب دیکھنے والے پریشان ہو کر تعبیر پوچھتے پھرتے ہیں پھر اگر کوئی شخص اس کی

تعبیر بھی بیان کر دے تو وہ بھی قابل یقین نہیں ہو سکتی کیونکہ جب تعبیر؛ اعتبار صفات و لوازم مناسبات لی جاتی ہے اور ہر چیز کے لوازم و مناسبات بکثرت ہو سکتے ہیں تو کیونکر یقین ہو کہ جن مناسبتوں کا لحاظ تعبیر میں رکھا گیا وہی واقع میں بھی ہیں۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے مکافہ اور خواب کا ایک ہی حال فرض کریں جب بھی ہم کہیں گے کہ آنحضرت ﷺ کا خواب اور وہاں کے الہام سے افضل تھا اس لئے کہ اس کا مقصود حضرت پر ظاہر ہو جاتا تھا جس کو تعبیر کے پیرایہ میں بیان فرما دیتے تھے چنانچہ احادیث سے ظاہر ہے کہ خود حضرت کوئی خواب دیکھتے یا صحابہ اپنے خواب عرض کرتے حضرت اس کی تعبیر دے کر اس کے الہام کو اٹھا دیتے تھے اگر اس مکافہ میں عبدالعزیز صورت مثالی دجال کی تھی جس کی تعبیر کی حاجت ہے تو مثل اور خوابوں کے اس کی بھی تعبیر خود بیان فرما دیتے ورنہ صورت مثالی کو بیان کر کے مصداق اور تعبیر بیان نہ کرتے شان نبوت سے بعید ہے کیونکہ ایسی مبہم چیز کے بیان سے سوائے سامعین کی پریشانی خاطر کے کوئی نتیجہ نہیں اور پیشین گوئی کے مکافہ کو صحابہ قابل تعبیر سمجھتے تو جیسے اور خوابوں کی تعبیر پوچھتے تھے اس کی بھی تعبیر پوچھ لیتے کہ عبدالعزیز کے مشابہ ہونے کا کیا مطلب ہے پھر دجال کا واقعہ کوئی معمولی نہ تھا کہ چنداں قابل التفات نہ ہو اس کی خوفناک حالتیں حضرت ہمیشہ بیان فرماتے اہم سابقہ کا اس سے ڈرنا اور انبیاء کا ڈرنا صحابہ کو معلوم تھا نماز میں دعا کرتے و اعوذ بک من فتنة المسيح الدجال ایسی حالت میں اگر مکافہ دجال کو قابل تعبیر سمجھتے تو صحابہ کی شان نہ تھی کہ ایسے اہم معاملہ کو مبہم چھوڑ دیتے اور اگر بالفرض کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیا تھا تو کسی کو تو افسوس ہوتا کہ کاش کہ حضرت سے اس کی تعبیر پوچھ لی ہوتی حالانکہ کوئی روایت اس قسم کے افسوس کی نہ مرزا صاحب نے بتائی، نہ بتا سکتے ہیں ایک بار آنحضرت ﷺ نے اپنا خواب بیان فرمایا کہ میرے پیچھے گویا کالی بکریوں کا ایک منہ (ریوز) چلا آ رہا ہے پھر

سفید بکریوں کا اتنا بڑا منہ (ریوز) آ گیا کہ اس میں کالی بکریاں چھپ گئیں۔ صدیق اکبر ﷺ نے عرض کی شاید کالی بکریوں سے عرب اور سفید بکریوں سے عجم مراد ہوں گے فرمایا ہاں صبح کے قریب ایک فرشتے نے بھی یہی تعبیر دی۔ دیکھئے حضرت ﷺ کے تعبیر بیان فرمانے سے پہلے صدیق اکبر ﷺ نے تعبیر دے دی۔ اس سے ظاہر ہے کہ مبہم اور تعبیر طلب امور کی تعبیر معلوم کرنے میں صحابہ بے چین ہو جاتے تھے۔

جب ادنیٰ ادنیٰ شہادت کو صحابہ پوچھ کر اعتقاد کو مستحکم کر لیا کرتے تھے تو ایسے پر خطر اور خوفناک واقعہ کو صحابہ ضرور پوچھتے کہ حضرت ﷺ انبیاء سابقین نے دجال کو ہذا بنا رکھا تھا (جیسا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں) یا واقع میں وہ کوئی چیز بھی ہے اور اگر ہے تو کسی قوم کا نام ہے یا کوئی معین شخص ہوگا جس کا یہ حلیہ بیان ہو رہا ہے اور تشبیہ دی جا رہی ہے۔

آپ حضرات خود سمجھ سکتے ہیں کہ بعد اس کے کہ دجال کا حلیہ بیان فرمایا گیا اور ایک شخص کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر معین فرما دیا اس پر بھی اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت اس کو آپ نے ہذا بنا رکھا ہے یا وہ کوئی قوم ہے تو یہ سوال کیسا سمجھا جاتا اور اس کا جواب کیا ہوتا کاش مرزا صاحب کا ہم خیال اس وقت کوئی ہوتا اور خود آنحضرت ﷺ سے پوچھ لیتا تو اس سوال و جواب کا لطف خن شناسوں کو قیامت تک آتا رہتا۔

کشف کے معنی مرزا صاحب یہ لیتے ہیں کہ اس میں صورت مثالی ظاہر ہوتی ہے اگر یہی معنی کشف کے ہیں تو چاہیے کہ اگر کسی چیز کا خیال کر لیا جائے تو اس کو بھی کشف کہیں اس لئے کہ اس میں بھی آخر صورت خیالی کا کشف ہوتا ہے اور دونوں میں اصل واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر بعد تعبیر کے انطباق صورت مثالیہ کا صورت خارجیہ پر ممکن ہے تو بعد تحقیق کے صورت خیالیہ کا انطباق بھی صورت خارجیہ پر ممکن ہے پھر ایسا کشف جس کو خیال پر بھی فضیلت نہ ہو سکے اس کو کشف کہنا ہی اندھیر ہے۔

تمام اہل کشف کا اتفاق ہے جس سے اولیاء اللہ کے تذکرے بھرے ہوئے ہیں کہ جس چیز کا کشف ہوتا ہے اس کو وہ کھرا ی العین دیکھ لیتے ہیں اور جو کچھ وہ خبر دیتے ہیں برابر اس کا ظہور ہوتا ہے مگر مرزا صاحب اس کو کیوں ماننے لگے تھے اگر ان کے رو برو حضرت یازید بسطامی یا حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہما کے اقوال بھی پیش کئے جائیں تو وہ نہ مانیں گے اور اگر اپنے مطلب کی بات ہو تو نواب صدیق حسن خان صاحب کا قول پیش کرتے ہیں چنانچہ از لہ الادبام میں لکھتے ہیں کہ سلف صالح میں سے بہت سے صاحب مکاشفات مسیح کے آنے کا وقت چودھویں صدی کا شروع بتلا گئے ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی صدیق حسن خان صاحب (بھوپالی) نے ایسا ہی لکھا ہے مگر مرزا صاحب نے یا تو بہت سے اہل مکاشفات و سلف صالح سے سوائے ان دو شخصوں کے کسی کا نام قابل ذکر نہیں سمجھا یا اس قول موافق کی وجہ سے ان کی قدر افزائی کر کے سلف صالح اور اہل مکاشفات میں ان کا حساب کر لیا بہر حال ان کے صرف اس خیال اور تمیننی قول کی وجہ سے جو من وجہ مفید مدعا ہے اگر سلف صالح ہیں تو وہ ہیں اور ولی کامل اور صاحب مکاشفہ ہیں تو وہ ہیں اور جس کا قول ان کے مخالف ہو خواہ وہ محدث ہو یا صحابی صاف کہہ دیتے ہیں کہ یہ سراسر غلط ہے بلکہ تمام اکابرین پر شرک کا الزام لگا ہی دیا جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اور طرفہ یہ ہے کہ اگر قابل تاویل و تعبیر ہو تو آنحضرت ﷺ کا کشف ہو اور ایسے لوگوں کے کشف و پیشین گوئی میں نہ تاویل کی ضرورت ہے، نہ تعبیر کی چنانچہ ان کے کشف کے مطابق چودھویں صدی کے شروع میں عیسیٰ آ بھی گیا انیسویں ہے کہ مرزا صاحب کو صدیق حسن خان صاحب کی پیشین گوئی کی جتنی وقعت ہے آنحضرت ﷺ کی اتنی بھی وقعت نہیں اس پر یہ دعویٰ مہدویت وغیرہ وغیرہ اسی طرح اپنے کشفوں کی نسبت ہمیشہ زور دیا جاتا ہے کہ وہ صحیح نکلے گو ہر طرف سے اس کا انکار ہو رہا ہو۔ مسلمہ شریف کی حدیث چونکہ ان کے مدعا کے

مخالف ہے لکھتے ہیں کہ دمشق کی حدیث میں مسلم نے بیان کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دجال کی علامتیں جو حدیث مسلم میں وارد ہیں حضرت نے نہیں بیان فرمایا بلکہ مسلم نے بیان کیا ہے یعنی بنالیا ہے حالانکہ وہ حدیث خاص آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اور دجال کو خواب میں دیکھنے کی حدیث کو چونکہ مفید مدعا سمجھتے ہیں کمال عقیدت اور اہتمام سے لکھتے ہیں کہ جعفر بن خذافہ نے صاف و صریح طور پر بیان فرمادیا یہ خبر میرا مکاشفہ یا ایک خواب ہے حالانکہ اس حدیث میں نہ مکاشفہ کا لفظ ہے، نہ خواب کا نام۔

اصل گفتگو یہ تھی کہ کشف سے واقعہ منکشف ہو جاتا ہے یا وہ قابل تعبیر اور مبہم رہتا ہے قرآن شریف سے تو ثابت ہے کہ اصل واقعہ مشہور ہو جاتا ہے دیکھ لیجئے خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو صرف اس کشف کی بنا پر مار ڈالا کہ اگر وہ جوان ہوگا تو اپنے ماں باپ کو کافر بنادے گا اب غور کیجئے کہ کس درجہ کا ان کو اپنے کشف پر وثوق تھا کہ ایک لڑکے کو بغیر کسی گناہ کے نبی وقت کے رو برو مارنے کی کچھ پروا نہ کی اگر ذرا بھی ان کو اشتباہ ہوتا تو یہ قتل ہرگز جائز نہ ہوتا اور حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی خبر جو اپنے کلام پاک میں دی اس سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو یقینی کشف و عیان عطا فرماتا ہے اس موقع میں اہل ایمان و اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ باوجودیکہ خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ثابت نہیں ان کا کشف جب یقینی ہو تو افضل انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کشف یقین کے کس درجہ میں ہونا چاہیے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کو میرے پیش نظر کر دیا ہے میں اس کو اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو میں ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو علانیہ دیکھتا ہوں۔ غرض اب وجوہ سے بت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دجال کی خبر جو کشف سے دی ہے اس میں نہ حضرت کو کسی قسم کا اشتباہ تھا، نہ کوئی اہل ایمان شبہ کر سکتا ہے اور وہ کشف مثل خوابوں کے قابل تعبیر بھی

نہیں بلکہ جس طرح وصال کا حلیہ بیان فرمایا اور عبد العزی کے ساتھ اس کو تشبیہ دی دیا ہی وہ ہوگا۔

اب ہم چند کشف آنحضرت ﷺ کے بیان کرتے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ جو کچھ حضرت نے بیان فرمایا بلکم وکاست و بغیر احتیاج تعبیر و تاویل اس کا ظہور ہوا۔ یوں تو حضرت کے مکاشفات بے حد و بے شمار ہیں مگر یہ چند بمنزلہ نمونہ از خردار یہاں لکھے جاتے ہیں جن روایات ذیل میں کسی کتاب کا نام نہیں لکھا گیا انھیں انکبری سے لکھی گئی ہیں چونکہ یہ کتاب چھپ گئی ہے اس لئے بروایت کا حاصل مضمون لکھا گیا۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا دو شخص کچھ پوچھنے کی غرض سے آئے ایک ثقفی دوسرا انصاری۔ اولاً آپ نے ثقفی سے فرمایا کہ جو تم پوچھنا چاہتے ہو پوچھو اور اگر منظور ہو تو تمہارا سوال بھی میں ہی بیان کر دوں عرض کیا یہ اور زیادہ نادر ہوگا فرمایا کہ تم رات کی نماز اور رکوع و سجود و غسل جناہت کا حال پوچھنا چاہتے ہو انہوں نے قسم کھا کر حضرت کی تصدیق کی۔ پھر انصاری سے خطاب کر کے فرمایا کیا تمہارا بھی سوال میں ہی بیان کر دوں عرض کیا ارشاد ہو فرمایا تمہارا قصد بیت اللہ جانے کا ہے مسائل وقوف عرفات و حلق راس و طواف وری ہمارا پوچھنا چاہتے ہو انہوں نے بھی قسم کھا کر تصدیق کی۔

جس روز نجاشی بادشاہ حبش کا انتقال ہوا حضرت نے ان کے وفات کی خبر دی اور عید گاہ تشریف لے گئے جہاں جنازوں پر نماز پڑھی جاتی تھی اور ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ نماز جنازہ غائب پر نہ تھی بلکہ جنازہ حضرت کے پیش نظر تھا۔ ام سلمہ فرماتی ہیں کہ انہیں دنوں مشک وغیرہ ہدیہ میں نے نجاشی کو بھیجا تھا مجھے اسی روز یقین ہو گیا کہ وہ ہدیہ واپس آجائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ نے ایک لشکر موتہ (نام مقام) پر روانہ فرمایا تھا جس روز کفار کے ساتھ ان کا مقابلہ ہوا آپ خبر دے رہے تھے کہ رایت یعنی نشان کو زید رضی اللہ عنہ نے لیا اور وہ شہید ہو گئے پھر جعفر رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لیا وہ بھی شہید ہوئے یہ فرما رہے تھے اور چشم مبارک سے اشک جاری تھے فرمایا پھر سیف اللہ خالد بن ولید نے بغیر امارت کے لیا اللہ تعالیٰ نے فتح دی۔ (رواہ ابودری)

جب مسجد قبا کی آپ نے بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے پتھر رکھا پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ عمارت آپ بنا فرماتے ہیں اور یہی تین صاحب آپ کے ساتھ ہیں فرمایا کہ تینوں شخص میرے بعد میرے خلفاء اور ملک کے والی ہوں گے۔

فرمایا خلافت نبوت میری امت میں تیس (۳۰) سال رہے گی اس کے بعد بادشاہی ہو جائے گی اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ خلافت راشدہ کی مدت اسی قدر ہے اور فرمایا کہ میں نے بنی امیہ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر ایسے کورے ہیں جیسے بندر۔

اور فرمایا کہ بنی امیہ کے سرکشوں سے ایک سرکش کا خون رعاف میرے اس منبر پر بہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عمر بن سعید بن العاص کا خون رعاف منبر شریف پر بہا۔ ام فضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جب لڑکا پیدا ہوا تو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا ان کا نام آپ نے عبد اللہ رکھ کر فرمایا کہ خلیفوں کے باپ کو لے جاؤ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو حضرت سے استفسار کیا فرمایا ہاں یہ خلفاء کے باپ ہیں ان کی اولاد میں سفاح مہدی وغیرہ ہوں گے۔

اور فرمایا بنی امیہ کے ہر روز کے معاوضہ میں بنی عباس دو روز اور ہر مہینے کے معاوضہ میں دو مہینے حکومت کریں گے یعنی خلفاء عباسیہ کی حکومت کی مدت بنی امیہ کی مدت

حکومت سے دو چند ہوگی۔ امام سیوطی رحمہ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ خاص بنی امیہ کی حکومت تراسی (۸۳) سال رہی اور بنی عباس کی حکومت ایک سو ساٹھ (۱۶۰) برس سے چند سال زیادہ رہی۔

فرمایا جب تک تم میں عمرؓ ہیں دروازہ فتنوں کا بند ہے اور ان کی شہادت کے بعد ہمیشہ آپس میں کشت و خون ہوا کریں گے۔ اہل علم پر یہ امر اظہار من الشمس ہے۔
فرمایا قیصر و کسریٰ جواب موجود ہیں ان کے بعد پھر قیصر و کسریٰ کوئی نہ ہوگا، ایسا ہی ہوا۔ فرمایا فارس اور روم کو اہل اسلام فتح کریں گے فارس کے ایک دو حملے ہوں گے اور اس کا خاتمہ ہو جائے گا مگر روم کے حملے مدتوں ہوتے رہیں گے۔ کتب تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

فرمایا کسریٰ کے وہ خزانے جو سفید محل میں رکھے ہوئے ہیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گے اور کل خزانے کسریٰ و قیصر کے راہ خدا میں صرف کئے جائیں گے تواریخ سے اس کی تصدیق ظاہر ہے۔

ایک روز آنحضرت ﷺ نے سراقہ بن مالک کے ہاتھ دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے دست بند اور کمر میں اس کا کمر بند اور سر پر اس کا تاج ہے جس روز تم یہ زیور پہنو گے تمہاری کیا حالت ہوگی۔ جب فتح فارس کے بعد دست بند وغیرہ کسریٰ کے حضرت عمرؓ کے رو برو آئے تو آپ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور وہ سب پہنا کر خدا کا شکر بجالایا کہ زیور کسریٰ جیسے بادشاہ سے چھین کر سراقہ کو جو ایک بدوی شخص ہے پہنایا۔

غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حیرہ بیضا کو (جو ایک شہر ہے) میں دیکھ رہا ہوں اور یہ شیما بنت نفیلہ ازویہ کالی اور حنی لپیٹے ہوئے فخر پر سوار

ہے۔ خرم بن اوس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ عورت مجھے عطا فرما دیجئے جس وقت ہم حیرہ کو فتح کریں اور اس کو پائیں تو میں اس کو لے لوں اور فرمایا اچھا ہم نے تمہیں کو دیدیا۔ خرمؓ کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ہم حیرہ پر گئے پہلے وہی شیما بنت نفیلہ اسی حالت سے سامنے آئی جس طرح حضرت نے خبر دی تھی میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا یہ وہی عورت ہے جسے آنحضرت ﷺ نے مجھے پہن کر دیا ہے خالد بن ولید نے اس دعویٰ پر مجھ سے گواہ طلب کئے میں نے دو گواہ پیش کئے جب وہ میرے قبضہ میں آگئی تو اس کا بھائی میرے پاس آیا کہ شیما کو قیمت لے کر دے دو میں نے کہا کہ دس سو سے کم میں ہرگز نہ دوں گا اس نے ہزار درہم دے کر لے گیا لوگوں نے کہا تم نے کیا کیا اگر لاکھ درہم مانگتے تو وہ تمہیں دیتا میں نے کہا مجھے خبر نہ تھی کہ دس سو سے زیادہ بھی کوئی عدد ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو خلعت خلافت پہنائے گا اور لوگ چاہیں گے کہ تم اس کو اتار دو تو تم ہرگز ان کی بات نہ مانو قسم ہے اگر تم وہ خلعت اتار دو گے تو ہرگز جنت میں نہ جاؤ گے۔ فرمایا بعد حضرت عثمانؓ کے مدینہ کوئی چیز نہیں۔ غالباً حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ نے اسی وجہ سے کوفہ کی اقامت اختیار کی۔

ابوزرؓ کو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب مکانات سلع تک (جو ایک پہاڑ ہے مدینہ طیبہ میں) پہنچ جائیں تو تم شام کی طرف چلے جانا اور میں جانتا ہوں کہ تمہارے امراء تمہارا پیچھا نہ چھوڑیں گے۔ عرض کیا ان لوگوں کو قتل نہ کروں جو آپ کے حکم میں حائل ہوں فرمایا نہیں ان کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ غلام جشی ہو جب وہ حسب ارشاد شام گئے معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ ابوزرؓ کو شام میں بگاڑ رہے ہیں حضرت عثمانؓ نے ان کو بلایا پھر وہ وہاں بھی نہ رہ سکے۔ ربذہ کو چلے گئے وہاں کا حکم عثمانؓ کا غلام تھا ایک روز نماز کی جماعت قائم ہوئی غلام نے چاہا کہ حضرت ابوزرؓ

امامت کریں آپ نے کہا کہ تمہیں آگے بڑھو کیونکہ تم غلام حبشی ہو اور مجھے حضرت کا حکم ہو چکا ہے کہ غلام حبشی کی اطاعت کروں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو جب ابن ملجم نے زخمی کیا آپ نے اثنائے وصیت میں فرمایا جتنے اختلاف آنحضرت ﷺ کے بعد ہوئے اور آئندہ ہونے والے ہیں سب کی خبر حضرت نے مجھے دی ہے یہاں تک کہ یہ میرا زخمی ہونا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا ملک ہونا اور ان کا بیٹا ان کا جانشین ہونا پھر مروان کی اولاد کے بعد دیگرے وارث ہونا اور بنی امیہ کے خاندان سے بنی عباس کے خاندان میں حکومت کا منتقل ہونا مجھے معلوم کرا دیا اور وہ خاک بھی بتلا دی جس میں حسین قتل ہوں گے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جہانتوں میں صلح کرا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا اور معاویہ سے صلح کر لی۔

فرمایا میرے اہل بیت کے لئے حق تعالیٰ نے آخرت پسندی ہے میرے بعد ان کو بلاؤں کا سامنا ہوگا لکالے جائیں گے قتل کئے جائیں گے۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے تذکرہ فرمایا کہ بعض امہات المؤمنین خلیفہ وقت سے جنگ کرنے کو نکلیں گے اور خواب (نام مقام) کے سکتے ان کو دیکھ کر بھونکیں گے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سن کر نہیں آپ نے فرمایا اے خیر ادیکھو کہیں تمہیں نہ ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس وقت وہاں موجود تھے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جب یہ تمہارے قبضہ میں آجائیں تو نرمی سے پیش آنا اور ان کے گھران کو پکڑنا دینا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بارادہ مقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پہنچیں کتے بھونکنے لگے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حواب۔ سنتے ہی آنحضرت ﷺ کا ارشاد یاد آگیا اور فوراً واپس ہونے کا ارادہ کر لیا مگر زہیر رضی اللہ عنہ نے ترغیب دی کہ شاید آپ کی وجہ سے مسلمانوں

میں صلح ہو جائے غرض جو کچھ حضرت نے فرمایا تھا وہ سب ظہور میں آیا۔

حضرت نے زہیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تم علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے جنگ جمل میں زہیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لشکر میں تھے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں آئے آپ نے ان سے کہا کہ میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تمہیں یا انہیں کہ ایک روز تم اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھے حضرت نے تم سے پوچھا کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو تم نے کہا کون چیز اس سے مانع ہے فرمایا تم ان سے جنگ کرو گے اور تم ظالم ہو گے۔ زہیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھول گیا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گئے۔

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حضرت نے فرمایا کہ تم کو گروہ باغی قتل کرے گا حضرت کے وفات کے بعد ایک بار وہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ امید منقطع ہو گئی چنانچہ ایک دفعہ غشی ہوئی جس سے سب گھروالے رونے لگے جب ہوش میں آئے تو کہا کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں بچھونے پر مردوں کا ہرگز نہیں حضرت نے مجھ سے فرما دیا ہے کہ گروہ باغی مجھے قتل کرے گا۔ آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں ان کو معاویہ کے لوگوں نے شہید کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ تم امیر اور خلیفہ بنائے جاؤ گے اور قتل بھی کئے جاؤ گے اور داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگیں ہوگی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھصہ عراق اونٹ پر سوار ہو رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام آئے اور کہا کہ آپ اگر عراق کو جائیں تو آپ کو تلوار کا سخت زخم لگے گا فرمایا خدا کی قسم یہی بات حضرت ﷺ نے مجھ سے بھی فرمائی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جب تمہیں خلافت کا لباس پہنایا جائے گا تو تمہاری کیا حالت ہوگی سوچو کہ اس وقت کیا کرو گے ام

جسیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کیا میرے بھائی خلیفہ ہوں گے فرمایا ہاں لیکن اس میں بہت شرف و فساد ہوں گے۔

جسیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے حضور میں حاضر تھے کہ حکم بن ابی العاص کا گزر ہوا حضرت نے فرمایا میری امت کو اس شخص سے جو اس کی پیٹھ میں ہے بڑی بڑی مصیبتیں پہنچیں گی۔

کتب تواریخ سے ظاہر ہے کہ مروان بن الحکم کی وجہ سے مسلمانوں کو کیسی کیسی مصیبتیں پہنچیں دراصل بانی فساد یہی تھا جس کی وجہ سے اہل مصر برہم ہوئے اور واقعہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا پیش آیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جتنی لڑائیاں ہوئیں سب کا ظاہری منشا یہی شہادت تھی جس کا باعث مروان ہوا غرض مروان اسلام کے حق میں ایک بادل بن گیا تھا۔

ایک بار معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے حضرت نے فرمایا بہت سے فتنے تیرہ و تار پے در پے ہونے والے ہیں ان میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں تم گنتے جاؤ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ایک ایک فتنہ کا نام لیتے تھے اور میں انگلیوں پر گنتا تھا چنانچہ پانچواں فتنہ یزید کا بیان کر کے فرمایا لا یمارک اللہ فی یزید اور چشم مبارک سے اشک رواں ہو گئے فرمایا کہ حسین رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر مجھے دی گئی اور ان کی قتل گاہ اور ان کے قاتل کا نام بھی مجھے معلوم ہے اس کے بعد اور فتنے بیان کر کے دسواں ولید کا فتنہ بیان فرمایا کہ وہ ایک فرعون ہوگا کہ اسلام کے شرائع کو ڈھائے گا۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں ولید کا حال لکھا ہے کہ وہ ۱۲۵ھ میں خلیفہ ہوا اور ہمیشہ لہو و لعب میں مشغول رہتا تھا شراب خواری کی یہ کیفیت کہ ایک حوض شراب سے بھرا رکھتا تھا جب خوش ہوتا اس میں کود پڑتا اور خوب پیتا۔ ایک بار حج کا ارادہ اس غرض سے کیا کہ کعبہ

شریف کے سقف پر جا کر شراب پئے۔ ایک روز لونڈی کے ساتھ مرتکب ہو کر بیٹھا تھا کہ موذن نے اذان دی کہا خدا کی قسم آج اس لونڈی کو امام بنا دوں گا چنانچہ اپنا لباس اس کو پہنا کر مسجد کو بھیجا اور حالت جنابت میں اس نے امامت کی۔ ایک بار قرآن کی قائل دیکھی یہ آیت نکلی واستفتحوا وخاب کل جبار عنید برہم ہو کر قرآن شریف کو پارہ پارہ کر دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

اتوعد کل جبار عنید فہا انا ذاک جبار عنید
اذا ما جئت ربک یوم حشر فقل یارب مزن فی ولید
حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب جنگ صفین سے واپس تشریف لائے حاضرین سے فرمایا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو مکروہ نہ جانو جب وہ تم میں نہ رہیں گے تو مثل حنظل کے سر لڑھکا کریں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ ۶۰ھ اور ۷۰ھ کی امارت نہ دکھائیو۔ ان حضرات کی پیشین گوئی کا منشا یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کی خبر پہلے دی تھی چنانچہ ایک بار فرمایا کہ یہ امر یعنی اسلام کا معاملہ سیدھا اور قائم رہے گا اس وقت تک کہ ایک شخص ہی بنی اُمیہ سے جس کا نام یزید ہے اس میں سوراخ اور رخسہ ڈالے گا۔

ایک بار آنحضرت ﷺ کا گزر ۷ھ پر ہوا وہ جو مدینہ طیبہ کے قریب ہے حضرت کھڑے ہو گئے اور انا للہ پڑھا صحابہ نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا اس مقام پر میری امت کے بہتر اور عمدہ لوگ قتل کئے جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یزید کی خلافت میں مقام ۷ھ پر صرف علماء و سات سو قتل ہوئے جن میں تین سو صحابہ تھے۔

سعید بن مسیب نے کہا کہ خلیفہ ابو بکر ہیں اور دو عمر۔ کسی نے پوچھا دوسرے عمر کون؟ کہا قریب ہے کہ تم پہچان لو گے نہ جانتی کہتے ہیں کہ دوسرے عمر، عمر بن عبد العزیز ہیں۔

سعید ابن مسیب کا انتقال ان کے دو سال پہلے ہوا اس لئے وہ بتلا نہ سکے۔

علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں بنی امیہ پر لعنت مت کرو ان میں ایک صالح امیر ہیں یعنی عمر بن عبدالعزیز۔ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئیاں آنحضرت ﷺ کے اطلاع دینے کی وجہ سے تھیں۔

فرمایا قیامت تک تمیں جھوٹے نکمیں گے جن میں مسیلہ، غسی اور مختار ہے اور عرب میں بدتر قبیلہ بنی امیہ اور بنی ثقیف ہیں۔ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص مسیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہ وہ اچھوں سے کوئی اچھی بات قبول کرے گا، نہ بروں کی خطا معاف کرے گا بلکہ جاہلیت کا سنا حکم کرے گا۔

ابوایمان کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ جوج ثقفی نکلنے والا ہے جس کے اوصاف انہوں نے بیان کر دیے اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ مسیلہ کذاب، غسی، مختار اور حجاج کیسے بلائے بے درماں تھے جن کی خبر حضرت نے دی ہے۔

فرمایا میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو لوگ غیلمان کہیں گے اس کا ضرر اٹھیں گے ضرر سے بڑھا ہوا ہوگا۔ یہ شخص دمشق میں تھا مذہب قدریہ کو اس نے ایجو کیا اس کا قول تھا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں آدی اپنے فعل کا آپ مختار اور خالق ہے۔

خوارج کے قتل کا واقعہ اوپر مذکور ہوا جس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ اس واقعہ کی خبر دے چکے تھے اور سب پیشین گوئیاں بلا کم و کاست ظہور میں آئیں۔

آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ ایک آگ نکلے گی جس سے بصری میں اونٹوں کی گردنیں نظر آئیں گی، ام سیوطی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آگ ۳۵ھ میں نکلے تھی۔ خلاصہ انوفاء میں لکھا ہے کہ اکابر محدثین مثل ام منوی اور قطب قسطلانی وغیرہ نے جو اس زمانہ میں موجود تھے اس آگ کے حالات میں مستقل رسالے لکھے ہیں اور اہل شام کے نزدیک اس

آگ کا ٹکڑا بتواتر ثابت ہے۔ اس کا واقعہ مواہب اللدنیہ اور خلاصۃ انوفاء وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے کہ ایک آگ مقام ہیلا میں پیدا ہوئی جو مدینہ منورہ سے شرق کے جانب ایک منزل پر واقع ہے اس آگ کا طول چار فرسخ یعنی سولہ میل اور عرض چار میل تھا اور ہیبت مجموعی ایک وسیع آگ کا شہر نظر آتا تھا جس کے اطراف فصیل اور اس کے اوپر سنگرے اور برج آگ کے محسوس ہوتے تھے اور ارتقاع میں اس قدر تھی کہ مکہ معظمہ کے لوگوں نے اس کو دیکھا اور بصری کے اونٹوں کی گردنیں اس سے چمکتی نہیں جب اپنے مقام سے وہ حرکت کی تو جس پہاڑ پر اس کا گذر ہوتا اس کو گلا دیتی اور بڑھتی ہوئی مدینہ تک پہنچی دو یا تین مہینے حد حرم پر رہی۔ قرطبی رحمہ اللہ علیہ نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں یعنی ۲۷ ربیع الثانی کو وہ آگ بجھی۔ خوارج کے متعلق پیشین گوئیاں اوپر مذکور ہوئیں اور ان کے وقوع کا حال بھی معلوم ہوا۔

اسی طرح وہابیوں کے فتنہ کی بھی پوری پوری خبریں حضرت نے دیں چنانچہ الدرر السنیہ میں شیخ وطان رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس فتنہ کے باب میں صحیح صحیح احادیث وارد ہیں بعض بخاری اور مسلم میں ہیں اور بعض دوسری کتابوں میں۔ ان میں سے چند حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں قال النبی ﷺ الفتنۃ من ہہنا الفتنۃ من ہہنا وإشارہ الی المشرق یعنی فرمایا کہ فتنہ ادھر سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ وقال ﷺ الیہم بارک لنا فی شامنا وبارک لنا فی یمنا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا قال ہناک الزلازل والفتن وبہا یطلع قرن الشیطان مختصر یعنی ایک بار حضرت نے دعا کی کہ یا اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت دیجیہ لوگوں نے کہا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی دعا فرمائیے ارشاد ہوا وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور شیطان کا سینک وہاں سے نکلے گا۔ وفی روایۃ سینظر من نجد شیطان یتزلزل جزیرۃ العرب

من فتنۃ یعنی فرمایا قریب ہے کہ ظاہر ہوگا نجد کی طرف سے ایک شیطان جس کے فتنے سے جزیرہ عرب متزلزل ہو جائے گا۔ وقال ﷺ بخروج ناس من المشرق بقرءون القرآن لا تجاوز تراقيهم بمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية لا يعودون فيه حتى يعود السهم الى فوقه سيماهم التحليق یعنی فرمایا بہت سے لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے وہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے پھر وہ ہرگز دین میں نہ لوٹیں گے اور نشانی ان کی سرمنڈوانا ہے۔ قال ﷺ ان من ضببضی هذا ای ذی الخویصرة اوفی عقب هذا قومًا بقرءون القرآن لايجاوز حناجرهم بمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية يقتلون اهل الاسلام و بدعون اهل الاوثان یعنی زوالِ خویصرہ تمہیں کے خاندان سے ایک قوم نکلے گی وہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا دین سے وہ ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیر نکل جاتا ہے اہل اسلام کو وہ قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے۔

شیخ وحیدان نے الدرر السنیہ میں اس قسم کی اور روایتیں ذکر کر کے لکھا ہے ابن عبد الوہاب نجدی قبیلہ بنو تمیم کا ایک شخص تھا ۱۱۳۳ھ میں اس کا فتنہ نجد سے شروع ہوا اول تو لوگوں کو خالص توحید کے طرف بلاتا اور شرک کی مذمتیں بیان کرتا تھا جب اہل اسلام نے سادگی سے اس کا اتباع قبول کر لیا اور رفتہ رفتہ ایک گروہ بن گیا تو اس نے قتل و غارت شروع کر دیا اور ظالمانہ طریقہ سے بزرگ و شیر تسلط برحالتا گیا یہاں تک کہ حرمین شریفین بلکہ کل جزیرہ عرب پر اس گروہ کا تسلط ہو گیا حالت ان کی یہ تھی کہ جمیع انبیاء اور آنحضرت ﷺ کی تنقیص اور کرہان کے ساتھ ان کو نہایت دل چسپی تھی شہداء اور اولیاء اللہ کی قبریں کھدوا کر

نجاتیں بھردی جاتی تھیں دلائل الخیرات اور اوراد و اذکار کی کتابیں اور بزرگان دین کے تذکرے جلادئے تھے اور ضروریات دین سے یہ بات ٹھہرائی گئی تھی کہ ۶۰۰ھ سے اس طرف جتنے علماء و سادات و مشائخین و اولیاء اللہ ہوئے ہیں سب کی تکفیر کی جائے اگر اس میں کوئی تاہل کرتا تو فوراً قتل کر دیا جاتا غرض ان طمانہ اور ظالمانہ حرکات سے تمام جزیرہ عرب ۱۲۲۷ھ تک ایک تہمتہ عظیم میں گرفتار تھا۔ اس نے اپنے ہم مشربوں کی علامت تخلیق اس قرار دی تھی اگر کوئی سر نہ منڈوانا تو اس کو اپنے گروہ میں نہ سمجھتا اس باب میں اس کو اس قدر اصرار تھا کہ عورتوں کو بھی سر منڈوانے پر مجبور کیا آخر ایک عورت نے کہا کہ ہمارے سر کے بال ایسے ہیں جیسے مردوں کی داڑھیاں مرد لوگ اگر داڑھیاں منڈوا دیں تو ہمارا سر منڈوانا بجا ہوگا اس جواب سے لا جواب ہو کر عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ غرض اس کا نجدی اور خاندان بنی تمیم سے ہونا اور مدینہ کے شرقی جانب سے جو نجد اسی جانب میں واقع ہے نکلنا اور بت پرستوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کو قتل کرنا اور تمام جزیرہ عرب اس کے فتنے سے متزلزل ہونا اور قرآن کا کوئی اثر اس قوم کے دل میں نہ ہونا اور تخلیق کو اپنے گروہ کی علامت قرار دینا جس طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا بلا کم و کاست ظہور میں آیا۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ آخری زمانہ کے مسلمان بنی اسرائیل کی پیروی کریں گے اور بعضوں میں مطلقاً امم سابقہ کی تصریح ہے جن میں نصاریٰ اور فارسی بھی شریک ہیں۔ اس پیشین گوئی کا وقوع ظاہر ہے کہ اس زمانے کے مسلمان نصاریٰ کی کس قدر پیروی کر رہے ہیں۔ کھانا پینا لباس وضع رفتار گفتار نشست برخاست وغیرہ جمیع امور معاشرت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہوتا۔ باوجودیکہ مومنین بڑھانے میں سخت وعید وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسے شخص کی شفاعت نہ کریں گے مگر اس کی کچھ پروا نہیں صرف انگریزی دانوں کی تقریریں سن کر علوم اسلامی میں نکتہ چیں ہوتی ہیں حکمت جدیدہ کا اگر کوئی مسئلہ پیش ہو گیا تو قبل اس کے

کہ اس کی دلیل معلوم کریں قرآن وحدیث پر اعتراض ہونے لگتے ہیں نہایت ذہین اور محقق وہ شخص مانا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں تحریف وتاویل کر کے نئے خیالات کے مطابق کر دے۔ نصاریٰ اپنے مکانات کی آرائش تصاویر سے کیا کرتے ہیں مسلمانوں نے بھی وہی اختیار کیا حالانکہ حدیث شریف میں وارد ہے لا تدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا تصاویر (حق علیہ) اور جبریل علیہ السلام کا قول حضرت نے نقل فرمایا کہ لا تدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ یعنی جس گھر میں کتا اور تصویر ہوتی ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں جاتے۔ مرزا صاحب کے مریدوں کے گھر میں ان کی تصویر ضرور رہا کرتی ہے اور مرزا صاحب نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا ہے۔

کلام الہی میں تحریف کرنے کی عادت یہودیوں کی تھی جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے یحرفون الکلم عن مواضعہ یعنی کلمات کو اپنے مقام ومعانی سے دوسرے طرف پھیر دیتے ہیں۔ مرزا صاحب نے اور ان سے پہلے سرسید صاحب نے وہی اختیار کیا جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تصانیف سے ظاہر ہے یہاں چند تحریفیں جو مرزا صاحب نے کی ہیں لکھی جاتی ہیں جس سے آنحضرت ﷺ کی تصدیق ظاہر ہے۔

مرزا صاحب ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں کہ اس میں تو کچھ شک نہیں کہ اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ درحقیقت حضرت مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی فوت ہو گیا ہے ہر ایک مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ نبی ہرگز دنیا میں دوبارہ نہیں آ سکتا کیونکہ قرآن وحدیث دونوں بالاتفاق اس بات پر شہد ہیں کہ جو شخص مر گیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئیگا۔ اور قرآن کریم انہم لایرجعون کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے اور قصہ عزیر وغیرہ جو قرآن کریم میں ہے اس بات کے مخالف نہیں کیونکہ لغت میں موت بمعنی نوم و غشی بھی آیا ہے دیکھو قوموں اور جو عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر

ہے وہ حقیقت میں ایک الگ بیان ہے جس میں یہ بتانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر اس میں جان ڈالتا ہے۔ ماسوا اس کے کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا پس اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہیں تھی ورنہ اس کے بعد ضرور کہیں اس کی موت کا ذکر ہوتا ہی۔

جس آیت شریفہ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا ذکر ہے وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ او کالذی مّر علی قریۃ وہی خاویۃ علی عروشہا قال انی یحییٰ ہذہ بعد موتہا فاما ۃ اللہ مائۃ عام ثم یعنہ قال کم لبثت قال لبثت یوما و ابعض یوم قال بل لبثت مائۃ عام فانظر الی طعامک و شرابک لم یتسنہ وانظر الی حمارک و لتجعلک آیۃ للناس وانظر الی العظام کیف ننشزہا ثم نکسوها لحمًا فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قذیر ترجمہ: یا جیسے وہ شخص کہ گذرا ایک شہر پر جو گر پڑا تھا اپنے چھتوں پر بولا کہاں جلا دیگا اس کو اللہ مر گئے پیچھے۔ پھر مار دکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا کہا تو کتنی دیر رہا بولا میں رہا ایک دن یا اس سے کچھ کم کہا نہیں بلکہ رہا تو سو برس اب دیکھ اپنا کھانا پینا سر نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو اور تجھ کو ہم نمونہ کیا چاہیں لوگوں کے واسطے۔ اور دیکھ ہڈیاں کس طرح ان کو ابھارتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت، پھر جب اس پر ظاہر ہوا تو بولا میں جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تفسیر درمنثور میں مستدرک حاکم اور بیہقی وغیرہ کتب سے حضرت علی کریم علیہ السلام سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عزیر علیہ السلام سو برس کے بعد جب زندہ کئے گئے تو پہلے حق تعالیٰ نے ان کی آنکھیں پیدا کیں جن سے وہ اپنے ہڈیوں کو دیکھتے تھے کہ ایک دوسرے سے متصل، ورنہ ہی ہے اس کے بعد ان پر گوشت پہنایا گیا۔ اور اسی میں ابن عباس

اور کعب اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ملک الموت نے ان کی روح قبض کی اور سو برس تک وہ مردہ رہے جب زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو ان کے پوتے بوڑھے ہو گئے تھے اور آپ کی عمر چالیس برس کی تھی۔ اس لئے کہ مرتے وقت آپ کی عمر چالیس ہی برس کی تھی۔ اس کے سوائے اور کئی روایتیں اس مضمون کی مؤید درمشتور میں موجود ہیں۔

مگر مرزا صاحب ان احادیث کو نہیں مانتے اور آیہ شریفہ میں جو فاعل اللہ ہے اس کے معنی یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کو سلا دیا یا بیہوش کر دیا۔

یہاں یہ دیکھنا چاہیے کہ عزیر علیہ السلام کو استبعاد کس امر کا تھا سو کے اٹھنے کا یا مردے زندہ ہونے کا اس آیہ شریفہ میں تو انہی یحییٰ ہذہ اللہ بعد موتہا سے صاف ظاہر ہے کہ احيائے اموات کا استبعاد تھا اور ظاہر ہے کہ یہ استبعاد سو کے اٹھنے یا بیہوشی سے ہوش میں آنے سے ہرگز دور نہیں ہو سکتا اس صورت میں مرزا صاحب کی یہ توجیہ کہ موت بمعنی نوم یا غشی ہے کیونکر صحیح ہوگی ہاں سو برس کی نیند یا بیہوشی کے بعد اٹھنا البتہ ایک حیرت خیز بات ہے مگر اس سے بھی انکار استبعاد احياء دور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ موت ظاہر اعداد محض ہے اور نوم و غشی طویل میں صرف طول عمر ہے جو قابل استبعاد نہیں اور طول عمر پر اعادہ معدوم کا قیاس بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر اگر ناقص نظیر کے طور پر اس کو مان بھی لیں تو اس تطویل مدت کا ان کو مشاہدہ بھی نہیں ہوا اسی وجہ سے جواب میں انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ لبثت یومنا او بعض یوم یعنی تقریباً ایک دن گزرا ہوگا جس کے بعد ارشاد ہوا کہ سو برس گزر چکے ہیں اس کی تصدیق بھی انہوں نے ایمانی طور پر کی جیسے احيائے اموات کی تصدیق پہلے سے ان کو حاصل تھی۔ البتہ ان کا استبعاد اس طور سے دور ہو سکتا تھا کہ پچھتم خود مردہ کو زندہ ہوتے دیکھ لیتے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پہلے ان کی آنکھیں زندہ کی گئیں جس سے انہوں نے خود اپنے تمام جسم کے زندہ ہونے کو دیکھ لیا پھر گدھے کے زندہ ہونے کو دیکھا جیسا کہ حدیث شریف سے

ثابت ہے۔ اگر ان کے استبعاد کے دور کرنے کا وہی طریقہ بیان کیا جائے جو مرزا صاحب کہتے ہیں تو عوام الناس کو خصوصاً منکرین حشر کو بڑا موقع اعتراض کا ہاتھ آجائے گا کہ حق تعالیٰ میں احيائے اموات کی (نعوذ باللہ) قدرت ہی نہیں کیونکہ اگر قدرت ہوتی تو ایسے موقع میں کہ نبی استبعاد ظاہر کر رہے ہیں ضرور اس کا اظہار ہوتا جس سے وہ اعتراف کر لیتے۔ مگر جب ہمیں ان کا اعتراف یقیناً معلوم ہو گیا جیسا کہ اس قصہ کے اخیر میں ہے فلما تبین لہ قال اعلم ان اللہ علی کل شیء قدير تو اس سے قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ درحقیقت انہوں نے اپنے اور اپنے گدھے کے مرکز زندہ ہونے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا ورنہ تبیین درست نہ ہوگا۔

مرزا صاحب کا مذاق چونکہ فلسفی ہے اور اکثر فلسفہ کے خلاف میں جو آیات و احادیث وارد ہوتے ہیں ان کو رد کر دیتے ہیں چنانچہ اسی بنا پر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے باب میں لکھتے ہیں کہ اس کو نہ فلسفہ قدیمہ قبول کرتا ہے، نہ فلسفہ جدیدہ اس لئے رد و محال ہے اسی طرح عزیر علیہ السلام کی پہلی موت اور اس کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں اور ہر چند نوم و غشی کے معنی سابق و سیاق کے بالکل مخالف ہیں مگر مذاق فلسفیانہ کی مخالفت کی وجہ سے اس کی کچھ پروا نہ کر کے بیہوشی کے معنی لیتے ہیں۔

یہاں حیرت اس امر کی ہوتی ہے کہ فلسفہ نے یہ اجازت کیونکر دی کہ آدمی بغیر کھانے پینے کے سو برس تک زندہ رہ سکتا ہے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ رہنے میں تو بڑا ہی زور لگایا کہ کیا وہاں ظروف بھی ہوں گے مطبخ بھی ہوگا پانچنا بھی ہوگا۔ معلوم نہیں اس سو برس کیسے جس کے چھتیس ہزار دن ہوتے ہیں مطبخ وغیرہ کی کیا فکر کی گئی۔ مرزا صاحب ہیں بڑے ہوشیار اگرچہ لکھا نہیں مگر اس مائلہ عام میں کوئی نہ کوئی نکتہ معتقدین کے لئے سینہ بسینہ ضرور رکھا ہوگا۔ چونکہ ان کی طبیعت نکتہ اس حساب جمل وغیرہ سے اکثر کام لیتی ہے

چنانچہ اپنی عیسویت کو غلام احمد قادیانی کے اعداد سے ثابت کر ہی دیا کہ اس نام کے تیرہ سو عدد ہیں اور دنیا میں اس نام والا کوئی شخص نہیں اس لئے خود عیسوی موعود ہیں۔ تعجب نہیں کہ اس مقام میں بھی اسی قسم کا نکتہ پیش نظر ہوگا کہ یہاں لفظ سید، حول اور شریف وغیرہ چھوڑ کر لفظ عام استعمال کیا گیا اور لفظ عام کے اعداد ۱۱۱ ہیں چونکہ یہ شکل بارہ کے لئے موضوع ہے اسی وجہ سے تمام گھڑیوں میں یہی شکل بارہ کے لئے مخصوص کی گئی ہے کہ جب کاغذ اس شکل پر آتا ہے تو بارہ بجتے ہیں اس سے قطعاً اور یقیناً ثابت ہے کہ بارہ گھنٹے وہ سورہ تھے اور قبولہ کا وقت بھی بارہ ہی کا ہے۔ ہر چند اس نکتہ میں عائدہ عام سے عائدہ کے معنی متروک ہوتے ہیں مگر نکات میں سیاق و سباق کا لحاظ چنداں ضروری نہیں سمجھا جاتا جیسے اپنے نام کے صرف اعداد سے عیسویت کا ثبوت اسی بنا پر ہوتا ہے کہ نہ وہ سیاق میں ہے، نہ سباق میں اور نیز اسی آیہ شریفہ کے معنی سے جو مرزا صاحب کے اجتہاد سے پیدا ہوتے ہیں ابھی معلوم ہوگا یہ نکتہ تو ہمارے بادی المرآئے میں سمجھا گیا مرزا صاحب جو غور و تأمل سے نکالے ہوں گے وہ اس سے زیادہ تر پتا ہوگا۔

قولہ: قرآن وحدیث دونوں اس بات پر شاہد ہیں کہ جو شخص مرگیا پھر دنیا میں ہرگز نہیں آئے گا۔

خاہر آیت موصوفہ اور احادیث مذکورہ سے ثابت ہے کہ عزیر (ع) بعد موت کے دنیا میں زندہ کئے گئے اور دوسری آیت واحادیث سے ثابت ہے کہ ہزاروں آدمی بعد موت کے دنیا میں ہی زندہ کئے گئے کما قال تعالیٰ الم توالی الذین خرجوا من دیارہم وہم الوف حذر الموت فقال لهم اللہ موتوا ثم احیاءم ترجمہ: تم نے نہیں دیکھا وہ لوگ گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا ان کو اللہ تعالیٰ نے مرجاؤ پھر ان کو زندہ کیا یعنی حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے

بکثرت روایتیں تفاسیر میں موجود ہیں کہ وہ لوگ چار ہزار تھے جو طاعون سے بھاگ کر کسی مقام میں ٹھہرے تھے۔ حق تعالیٰ نے سب کو مار ڈالا پھر کئی روز کے بعد حزقیل (ع) کی دعا سے وہ سب زندہ ہوئے۔ اب دیکھئے کہ قرآن وحدیث کی گواہی سے ہمارا حق ثابت ہو رہا ہے یا مرزا صاحب کا۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ مرزا صاحب نہ حدیث کو مانتے ہیں، نہ قرآن کو۔

قولہ: قرآن الہم لایرجعون کہہ کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے ان کو رخصت کرتا ہے۔

پوری آیت شریفہ یہ ہے وحرام علی قریہ اہلکناھا انہم لایرجعون یعنی جس گاؤں کو ہم لوگ ہلاک کرتے ہیں وہ پھر نہیں لوٹتے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ ہلاک کی ہوئی بستیاں خود بخود مٹتی ہیں کیونکہ لایرجعون بصریہ معروف ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ بھی کسی کو زندہ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ابھی قرآن شریف سے معلوم ہوا کہ ہزار ہا مردوں کو ایک وقت میں حق تعالیٰ نے زندہ کر دیا۔

قولہ: عزیر کے قصہ میں ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کا ذکر ہے وہ درحقیقت الگ بیان ہے جس میں یہ بتلانا منظور ہے کہ رحم میں خدائے تعالیٰ ایک مردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس کی ہڈیوں پر گوشت چڑھاتا ہے اور پھر جان ڈالتا ہے۔

یہاں بھی مرزا صاحب نے عجیب لطف لیا ہے کہ نہ وہاں گدھا مرا ہوا تھا، نہ اس کی ہڈیاں تھیں بلکہ ایک عورت کا رحم پیش نظر تھا جس کے اندر ہڈیوں پر گوشت چڑھا تھا کیونکہ حق تعالیٰ نے عزیر (ع) کی طرف خطاب کر کے فرمایا انظر الی العظام کیف ننشئھا اس سے معلوم ہوا کہ رحم کی طرف وہ دیکھ رہے ہوں گے مگر قرآن شریف میں کوئی لفظ یہاں ایسا نہیں ہے جس سے معنی رحم کے سمجھ میں آئیں اور جب گدھے کے زندہ ہونے

اور اس کے ہڈیوں پر گوشت چڑھنے سے کوئی تعلق نہیں اور رحم کی حالت جداگانہ بتلانا منظور تھا تو معلوم نہیں کہ انظر الی حمارک کہہ کر صرف گدھے کو بتلادینے سے کیا مقصود تھا کیا گدھا بھی کوئی ایسی چیز تھا کہ اس وقت اس کا دیکھ لینا ان کو ضرور تھا۔ پھر بھی اس کا ذکر بڑے اہتمام سے قرآن شریف میں کیا گیا ہے کہ ان کو گدھا دکھلایا گیا تھا گدھے تو اب بھی ہر قسم کے موجود ہیں اس گدھے میں ایسی کوئی بات تھی جس کی حکایت کی جارہی ہے۔ اب اہل وجدان سلیم سمجھ سکتے ہیں کہ جن ہڈیوں پر گوشت چڑھائے جانے کا ذکر ہے وہ مردہ گدھے کی ہڈیاں تھیں یا رحم کے بچے کی اور صورت ثانیہ یہ بھی غور طلب ہے کہ ہڈیاں رحم میں پہلے بن کر اس پر گوشت چڑھایا جاتا ہے یا گوشت پہلے بنتا ہے۔ اگر اہل انصاف صرف اسی بحث کو کرات و مرات بغور ملاحظہ فرمائیں تو مرزا صاحب کی قرآن فہمی کا حال بخوبی واضح ہوگا اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اپنی بات بنانے کو وہ کس قدر کلام الہی میں تصرف کرتے ہیں یوں تو معتزلہ وغیرہ اہل ہوا بھی قرآن شریف میں تاویل کرتے ہیں مگر مرزا صاحب کا نمبر سب سے بڑھا ہوا ہے۔

قولہ: کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ عزیر دوبارہ زندہ ہو کر پھر بھی فوت ہوا اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ عزیر کی زندگی دوم دنیوی زندگی نہ تھی۔

مطلب یہ ہوا کہ فامانہ اللہ میں عزیر علیہ السلام کی موت کا جو ذکر ہوا اس کے بعد دوسری ان کی موت کا ذکر نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ بعثتہ اللہ سے مراد اس عالم کی زندگی نہیں بلکہ اس عالم اخروی میں زندہ ہونا مراد ہے اس سے ظاہر ہے کہ اماتہ اللہ سے مراد موت حقیقی لی گئی حالانکہ اس کا انکار کر کے نوم و غشی کے معنی ابھی بیان کرائے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان کو اماتہ سے کام ہے نہ بعثتہ سے جہاں کوئی موقع مل گیا الٹ پھیر کر کے اپنی جمائے جاتے ہیں۔

اب مرزا صاحب کی توجہات کے مطابق آپ یہ موصوفہ کی تفسیر سنئے کہ عزیر علیہ السلام نے احیائے اموات پر استبعاد ظاہر کیا اس پر حق تعالیٰ نے ان کو بیہوش کر دیا اور عالم اخروی میں ان کو زندہ کر کے پوچھا کہ کتنے روز تم کو مر کر ہوئے انہوں نے کہا تقریباً ایک روز۔ ارشاد ہوا کہ سو برس تم کو مر کر ہوئے دیکھو تمہارا کھانا پینا متغیر نہیں ہوا اور گدھے کو دیکھ لو اور رحم میں دیکھو کہ بچے کے ہڈیوں پر کس طرح ہم گوشت چڑھاتے ہیں یعنی مرنے کے سو برس بعد۔ اس کا استبعاد دور ہو گیا معلوم نہیں سو برس تک وہ کہاں رہے اس عالم سے تو مری گئے تھے اور اس عالم میں سو برس کے بعد زندہ ہوئے پھر کھانا پینا بھی ساتھ ساتھ گویا سفر آخرت کا توشہ تھا جس کے دیکھنے کا حکم ہوا اور گدھا جو دکھلایا گیا وہ بھی شاید سواری اس سفر کی تھی بھلا یہ زادراہ اور سواری تو قرین قیاس بھی ہے کہ آخر سفر کا لازمہ ہے مگر رحم کے بچے کو دیکھنے میں تاویل ہونا ہے کہ اس کی وہاں کیا ضرورت تھی۔ بہر حال مرزا صاحب کے ان حقائق و معارف قرآنی کو ہم بدیہ ناظرین کر دیتے ہیں وہ خود فیصلہ کر لیں گے کہ قرآن شریف میں مرزا صاحب کیسے کیسے تصرفات و تحریفات کرتے ہیں لفظ امات میں تحریف کی پھر لاپرواہیوں میں پھر انظر الی العظام میں پھر نکسوھا لحمائیں۔ اگرچہ ہنوز اس میں غور و فکر کو گنجائش ہے مگر بنظر ملال ناظرین اسی پر اختصار کیا گیا۔

مرزا صاحب ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

فی الحقیقت مرزا صاحب نے قرآن کے حقائق و معارف بیان کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان اس میں ان کا ہم پلہ ہو سکے کیونکہ یہ بیچارے اس حدیث شریف کے لحاظ سے ناردوزخ سے خائف اور لرزاں ہیں۔ قال رسول اللہ ﷺ من قال فی القرآن برأیہ فلیتبعوا مقعده من النار (رواہ الترمذی کذا فی المستدرک) یعنی

فرمایا حضور ﷺ نے جو کوئی قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے تو اپنی جگہ دوزخ میں بنائے اور مرزا صاحب کو اس کا کچھ خوف نہیں کیونکہ مذاق فلسفی میں اس نادر کا تو وجود ہی نہیں پھر اس سے خوف کیا ہے۔

ازالة الاوهام میں لکھتے ہیں اور ترقی فی السماء قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا یعنی کفار کہتے ہیں تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھاتے ہیں ایمان لے آئیں گے ان کو کہہ دوں گے میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالافتاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دیکھ دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں صاف جواب ملا کہ یہ عادت نہیں کہ کسی جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے۔

مرزا صاحب نے خود غرضی سے اس آیت شریفہ میں اختصار و حذف وغیرہ کیا ہے پوری آیت یہ ہے وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او نكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار خالها نفعجرا وتسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتي باله والملكه قبلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن نؤمن حتى تنزل علينا كتابا نقرؤه قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا ترجمہ: بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ بہانے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا پھر بہائے تو اس کے بیج نہریں چلا کر یا گر کر اوے آسمان ہم پر جیسا کہ کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے یا لے آئے اللہ اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جائے تجھ کو ایک ستھرا گھریا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم یقین نہ کریں گے چڑھنا جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک لکھ جو ہم پر نہ لیں تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی بھیجا ہوا ہی۔ اب

اس پوری آیت پڑھنے کے بعد بھی کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے جب تک وہ تدبیر نہ کی جائے جو مرزا صاحب نے کی انہوں نے اپنی کامیابی کا یہ طریقہ نکالا کہ جو جملے اپنے مدعا کے مخالف ہوں ان کو نکال دور کر کے چند متفرق الفاظ اکٹھے کئے اور کہہ دیا کہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدعا ثابت ہے دیکھ لیجئے تمام آیت میں سے اور ترقی کا جملہ لے لیا اور لن نؤمن لرفیک کو حذف کر کے قل سبحان کے جملہ کے ساتھ اس کی جوڑ لگا دی تاکہ اس ترک و حذف سے اصل مضمون خبط ہو کر نیا مضمون پیدا ہو جائے۔ چونکہ مرزا صاحب کو یہ ثابت کرنا ہے کہ جسم خاکی کا آسمان پر جانا محال ہے اس لئے انہوں نے کفار کی کل درخواستوں کو چھوڑ دیا کیونکہ ان میں چند چیزیں ایسی بھی ہیں کہ اہل اسلام کے پاس ممکن الوقوع ہیں مثلاً چشمہ جاری کرنا جس کو موسیٰ علیہ السلام نے کر دکھایا تھا اور کھجور اور انگور کا باغ اور ستھرے مکان حضرت کیلئے تیار ہو جانا کوئی مشکل بات نہ تھی گو کفار کے پاس یہ چیزیں بھی محال تھیں ان کو خوف ہوا کہ اگر کسی کی نظر ان چیزوں پر پڑ جائے گی تو حضرت کا آسمان پر جانا بھی انہیں نظر میں سمجھ لیں گے اور مقصود فوت ہو جائے گا۔ اور ترقی فی السماء کے بعد کا جملہ یعنی ولن نؤمن لرفیک حتی تنزل علينا کو اس واسطے حذف کیا کہ اس میں کتاب نازل کرنے کی درخواست تھی اور ترقی کے جواب میں هل كنت الا بشرا سے جب یہ استدلال ہو کہ جسم خاکی آسمان پر نہیں جاسکتا تو وہی جواب حتی تنزل علينا کا بھی ہے اس سے بھی یہی سمجھا جائے گا کہ کتاب بھی نازل نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن شریف برابر نازل ہوتا تھا اور اکثر کفار اس کا اعجاز دیکھ کر منزل من اللہ سمجھتے اور ایمان لاتے تھے۔

ہر چند مرزا صاحب نے تحریف کا اصرار اپنے ذمہ لیا مگر اس سے بھی ان کا مطلب ثابت نہیں ہو سکتا۔ تھوڑی دیر کے لئے اتنی ہی آیت فرض کیجئے جس کا ترجمہ انہوں نے

استدلال میں پیش کیا ہے یعنی وقالوا لن نومن لك حتى ترقى في السماء قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ کفار نے حضرت سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تو ان کو یہ جواب ملا کہ میں تو ایک بشر ہوں یعنی خدا نہیں کہ اپنی ذاتی قدرت سے ایسے خوارق عادات ظاہر کروں اس سے یقینی طور پر معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے اگر کسی جسم کو آسمان پر لے جائے تو اس کی قدرت سے بعید نہیں۔ رہا یہ کہ عادت نہیں تو جتنے معجزات ظہور میں آئے تھے سب خوارق عادت تھے۔ کوئی کم فہم بھی اس جملہ سے کہ ”میں تو ایک بشر رسول ہوں۔“ یہ سمجھ نہیں سکتا کہ یہ عادت نہیں کہ خدا جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے اب دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب کی تحریف اور عبارت آرائی نے کیا نفع دیا۔

شکوہ آصفی واپس ہاؤ منطق طیر ہیا درفت وازان خولہ پنج طرف نہ بست

اس بے شکے استدلال سے تو یہ استدلال کسی قدر قریب الفہم ہوگا کہ ان کے جواب میں حضرت نے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا کہہ رہے ہو میں کوئی عامی شخص نہیں بلکہ میں بشر رسول ہوں بفضلہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہوں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شب معراج اسی جسم خاکی سے آسمانوں پر تشریف لے گئے جس کی تصدیق صد ہا حدیثیں کر رہی ہیں اور تمام امت کا اجماع ہے مرزا صاحب کو فلسفہ پر کامل اعتقاد ہونے کی وجہ سے معراج کا انکار کرتے ہیں مگر کوئی مسلمان جس کو خدا کی قدرت پر ایمان ہے اور آنحضرت ﷺ کے اخبار کو سچے سمجھتا ہے وہ تو ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔

چونکہ مرزا صاحب کو (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ کی شان کو گھٹانے کی یہاں ضرورت تھی اس لئے ہل کنت الا بشرا رسولا کے ترجمہ میں رسول کے لفظ کو چھوڑ کر اسی پر اکتفا کیا کہ ”میں بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ ایک آدمی۔“ تاکہ اردو پڑھنے والوں

کا خیال رسالت کی طرف منتقل ہی نہ ہو کیونکہ رتبہ رسالت الہی عموماً و فطرۃ معظم و کرم سمجھا گیا ہے اسی وجہ سے کفار اس رتبے کے مستحق ملائکہ کو سمجھتے تھے چنانچہ ان کا قول کما قال تعالیٰ لولا انزل علیہ ملک فیکون معہ ذبیوا اور صرف بشریت کی وجہ سے ان انتم الا بشرا مثلنا کہہ کر انبیاء کی رسالت میں کلام کرتے تھے مرزا صاحب نے خیال کیا کہ اگر لفظ رسول ترجمہ میں شریک کیا جائے تو مبادا کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ حضرت کو جب رسالت کی قوت اعجازی دی گئی تھی تو ممکن ہے کہ آسمان پر جانے کی قدرت بھی ہو اس وجہ سے انہوں نے اس لفظ کو ترجمہ میں ترک ہی کر دیا۔

مرزا صاحب نے آیہ موصوفہ میں سبحان ربی کی توجیہ یہ کی کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشانیاں دکھا دے اس کا مطلب ظاہر ہے کہ کھلے کھلے قدرت کی نشانیاں دکھانا خدا تعالیٰ کی نسبت ایک ایسا سخت عیب ہے جس سے تنزیہ کرنے کی ضرورت ہے معلوم نہیں کہ خدائے تعالیٰ کی یہ قدرت نمایاں کس وجہ سے عیب ٹھہرائی گئی ہیں یہ تو ہر شخص جانتا ہے جس میں کوئی کمال ہو اس کا ظاہر کرنا کمال متحسن سمجھا جاتا ہے پھر خدا تعالیٰ کی قدرت جو غایت درجہ کا کمال ہے اس کا اظہار کس وجہ سے نقص اور عیب ہوگا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ عیب (نعوذ باللہ) حق تعالیٰ پر جو لگایا گیا ہے اس کا منشا صرف یہی ہے کہ اس سے مرزا صاحب کی عیسویت کو صدمہ پہنچتا ہے اس لئے کہ اگر جسم خاکی آسمان پر جاسکے تو عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ثابت ہو جاتی ہے پھر مرزا صاحب کو کون پوچھے غرض سبحان ربی سے یہ مطلب نکالنا صرف تحریف ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب سوال کوئی بے موقع اور بدناما ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ لفظ بصورت عجب کہا جاتا ہے چنانچہ اس حدیث شریف سے بھی ظاہر ہے جو بخاری شریف میں ہے۔ عن عائشة ان امرأة سالت النبی ﷺ عن غسلها من الحيض فامرھا

کیف تغتسل قال خذی فرصة من مسک فتطهری لها قالت کیف تطهر
لها قال تطهری لها کیف قال سبحان الله تطهری فاجتنبتها الی فقلت
لتبعی اثر الد۔ ترجمہ: یعنی ایک عورت نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ حیض کا غسل کس
طرح کیا جائے فرمایا کہ ایک کپڑے کے ٹکڑے میں مشک لگا کر اس سے پاک کر۔ کہا کیسے
پاک کروں؟ فرمایا پاک کر۔ پھر اس نے پوچھا کیسے؟ فرمایا سبحان اللہ پاک کر۔ عائشہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے اس کو اپنی طرف کھینچ کر تہ پہننا دی۔ اب دیکھئے کہ خدائے
تعالیٰ کی تعزیر بیان کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں بلکہ صرف اس بے موقع سوال کے
جواب میں بطور تعجب یہ لفظ فرمایا اسی طرح کفار کے ان بے موقع اور مہمل سوالوں کے جواب
میں اس لفظ کا استعمال کیا گیا وہ سوال بے موقع اس وجہ سے تھے کہ حضرت نے یہ دعویٰ کب
کیا تھا کہ اپنی خود مختاری سے تمام خوارق عادت ظاہر فرمادیں گے حضرت تو ہمیشہ اپنی
عبودیت کے معترف تھے۔ مرزا صاحب کو اپنی عیسویت اور تعلیٰ ثابت کرنے کیلئے کیا
کیا دقتیں پیش آ رہی ہیں کبھی تمام علمائے اسلام کو مشرک بنانے کی ضرورت ہوتی ہے اور کبھی
نبی ﷺ کی توہین اور حق تعالیٰ پر عیب لگانے کی احتیاج (نعوذ باللہ من ذلک)۔

اس تقریر سے ایک اور امر مستفاد ہے کہ مرزا صاحب معجزات کے بھی قائل نہیں
اس لئے کہ معجزات تو وہی ہوتے ہیں جو قدرت الہیہ کی نشانیاں ہوں اور قدرت بشری سے
خارج ہوں پھر جب ایسی نشانیاں کا اظہار عیب اور خدائے تعالیٰ کو اس سے منزه سمجھنے کی
ضرورت ہو تو ممکن نہیں کہ ان کا وقوع ہو سکے اس صورت میں بخاری و مسلم وغیرہ کتب
حدیث جو معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء سے بھری ہوئی ہیں (نعوذ باللہ) سب کو جھوٹی سمجھنا
پڑے گا بلکہ خود قرآن شریف میں بھی جو معجزات اور خوارق عادت مذکور ہیں وہ بھی بقول
مرزا صاحب قابل اعتبار نہ ہوں گے ہر چند مرزا صاحب اپنے کو ہم خیال معتزلہ کا بیان

کرتے ہیں چنانچہ ضرورۃ الہام میں لکھتے ہیں کہ میں معتزلہ وغیرہ کے قول کو مسیح کی وفات
کے بارے میں صحیح قرار دیتا ہوں اور دوسرے اہل سنت کو غلطی کا مرتکب سمجھتا ہوں مگر معجزات
کے انکار سے ظاہر ہے کہ مذاق فلسفی میں سرسید صاحب کے بھی ہم خیال ہیں۔ فرق اتنا ہے
کہ انہوں نے جس قدر دینی مسائل میں تفرقہ اندازی کی مقصود اس سے بظاہر مسلمانوں کی
دنیوی خیر خواہی تھی اور مرزا صاحب کو اس سے بھی کچھ کام نہیں چاہے دین و دنیا دونوں تباہ
ہو جائیں مگر ان کی مجددیت امامت مہدویت عیسویت وغیرہ جم جائے تو بس ہے۔

ازالۃ الالہام میں لکھتے ہیں کہ اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے اس کے
مثیل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ محمد جلالی نام ہے اور احمد جمالی۔ اور احمد و عیسیٰ اپنے
جمالی معنوں کے رد سے ایک ہی ہیں اسی کے طرف یہ اشارہ ہے مہشورا ہو رسولی یاتنی
من بعدی اسمہ احمد مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہیں یعنی جامع
جلال و جہل ہیں لیکن آخری زمانہ میں بر طبق پیشین گوئی مجرد احمد جو اپنے اندر حقیقت
عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی قدرت بیان کر کے اپنا الہام بیان
کیا وجعلناک مسیح ابن مریم اس کے بعد لکھ کہ جو عام طور پر مشائخ و علماء ہیں ان
میں موت روحانی پھیل گئی اس کے بعد لکھا کہ اب اس تحقیق سے ثابت ہے کہ مسیح ابن مریم
کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشین گوئی موجود ہے قرآن شریف نے جو
مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس کی مدت ٹھہرائی ہے بہت سے اولیاء بھی اپنے مکاشفات کی رو
سے اس مدت کو مانتے ہیں اور آیت وانا علی ذہاب بہ لقادرون جس کے بحساب
جمل ۴۷۰۰۰ عدد ہیں اسلامی چاند کی سطح کی راتوں کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں نئے
چاند کے نکلنے کی بشارت چھپی ہوئی ہے جو غلام احمد قادیانی کے عدد میں بحساب جمل پائی
جاتی ہے۔

جس آیت کو مرزا صاحب نے ذکر کیا وہ یہ ہے واذا قال عیسیٰ ابن مریم
 یٰبنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التورۃ و مبشرا
 برسول یناتی من بعدی اسمہ احمد۔ ترجمہ: جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے بنی
 اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچانے والا اس کو جو مجھ سے آگے ہے تو ریت
 اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا مجھ سے پیچھے اس کا نام ہے احمد۔

مرزا صاحب آپ اور عیسیٰ جہاں بن کر آنحضرت ﷺ کو اس آیت کے مصداق
 ہونے سے خارج کر رہے ہیں مگر ان کو ضرور تھا کہ پہلے قرآن وحدیث سے یہ ثابت
 کر دیتے کہ عیسیٰ اور احمد جہاں نام ہیں اور محمد جہاں اس کے بعد یہ ثابت کرنے کی بھی
 ضرورت تھی کہ جہاں نام والے کی پیشین گوئی جہاں نام والے کے واسطے ہونا ضرور ہے اس
 میں جہاں نام والا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ مرزا صاحب کی خود سری بھی حد سے بڑھی ہوئی
 ہے احادیث کی وقعت تو ان کے پاس اتنی بھی نہیں جتنی صدیق حسن خان صاحب کے قول
 کی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ رہا کلام اللہ اس کی حالت بھی دیکھ لیجئے حق تعالیٰ تو فرماتا ہے
 کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اس رسول کی بشارت دی جس کا نام احمد ہے اور وہ کہتے ہیں نہیں وہ غلام
 احمد قادیانی کی بشارت ہے کیونکہ وہ لکھتے ہیں لیکن آخری زمانہ میں برطبق پیشین گوئی احمد بھیجا
 گیا پھر ایک الہام کا جوڑ لگا کر کہ وجعلناک مسیح ابن مریم لکھتے ہیں کہ مسیح ابن مریم
 کی آخری زمانہ میں آنے کی قرآن شریف میں پیشین گوئی موجود ہے یعنی آیہ شریفہ
 ومبشرا برسول یناتی من بعدی اسمہ احمد اپنے آنے کی پیشین گوئی ہے اس لئے
 کہ الہام سے آپ مسیح ابن مریم ہیں اور احمد عیسیٰ جہاں نام والے کے رو سے ایک ہی ہیں تو جو احمد
 کی پیشین گوئی ہے وہی عیسیٰ کی پیشین گوئی ہوئی۔ اس سے حاصل مطلب صاف ظاہر ہے
 کہ رسول یناتی من بعد اسمہ احمد سے مراد غلام احمد ہے جو عیسیٰ ابن مریم بھی ہے

اور ہمارے نبی ﷺ مراد نہیں۔

قولہ: مگر ہمارے نبی ﷺ فقط احمد ہی نہیں۔ یعنی اگر حضرت کا نام صرف احمد
 ہی ہوتا تو ممکن تھا کہ اس پیشین گوئی سے کچھ حاصل جاتا کیونکہ آخر خود بھی تو احمد ہیں اور
 جب حضرت کا نام صرف احمد ہی نہیں بلکہ محمد بھی ہے تو آپ بالکل اس سے بے تعلق ہیں اس
 لئے کہ جہاں و جہاں سے مرکب ہونے کی وجہ سے خالص جمال نہ رہا جو عیسیٰ میں تھا اور
 پیشین گوئی اسی وقت صادق آئے گی کہ عیسیٰ کی حقیقت بھی اندر موجود ہو جیسا کہ لکھتے ہیں
 برطبق پیشین گوئی مجر د احمد جو اپنے اندر حقیقت عیسویت رکھتا ہے بھیجا گیا۔

اس تحقیق سے ایک قاعدہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء مبہم السلام کسی کی نسبت پیشین گوئی
 کرتے ہیں تو ان کی حقیقت اس میں ہوا کرتی ہے جیسا کہ عیسیٰ کی حقیقت مرزا صاحب
 میں ہے احادیث صحیحہ سے اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ
 تک کل انبیاء نے دجال کی پیشین گوئی کی ہے اس قاعدہ کے رو سے مرزا صاحب کے اعتقاد
 میں یہ بات ضرور ہوگی کہ کل انبیاء کی حقیقت اس دجال میں ہے جس کے قتل کرنے کے لئے
 مرزا صاحب آئے ہیں مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب مرزا صاحب کو افضل کہنا
 چاہیے یا پادریوں کو کیونکہ مرزا صاحب میں تو صرف حقیقت عیسوی ہے اور پادریوں میں
 بحسب قاعدہ مذکورہ تمام انبیاء کی حقیقت ہے۔

قولہ: اور اس آنے والے کا نام جو احمد رکھا گیا ہے وہ بھی اس کے مثیل ہونے
 کی طرف اشارہ ہے اور اسی طرف یہ اشارہ ہے ومبشرا برسول یناتی من بعدی
 اسمہ احمد۔ اب دیکھنا چاہیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد قیامت تک جتنے آنے والوں کا نام
 احمد ہو وہ تمام احمد ہو یا احمد بیگ یا احمد خان سب مثیل عیسیٰ ہوں گے یا ان میں کوئی ماہر امتیاز
 بھی ہے اگر بالکل تعیر کی جائے تو مرزا صاحب کی شیخی باقی نہیں رہتی اور اس تخصیص کا کوئی

قرینہ نہیں جس سے مرزا صاحب ہی داخل ہوں لیکن جب ہم آپ شریفہ کو دیکھتے ہیں تو وہ بزبان فصیح کہہ رہی ہے کہ وہ خاص رسول ہے جس کا متبرک نام احمد ہے، نہ ان میں کوئی غلام ہے، نہ بیگ، نہ خان۔ اس کے بعد مرزا صاحب کا اس غرض سے کہ خود بھی شریک ہو جائیں یہ کہنا کہ آنے والے کا نام احمد رکھا گیا ہے غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے ہر چند مرزا صاحب نے اس میں آنکھ پچا کر داخل ہونے کی یہ تدبیر نکالی کہ لفظ رسول کو چھوڑ کر صرف آنے والے کا نام احمد ہے لکھ دیا تاکہ لوگ رسالت کے دعویٰ سے چونک نہ جائیں مگر سمجھنے والے سمجھ ہی جاتے ہیں۔

چشم مخمور تو دار و زلم قصد جگر ترک مست است مگر میں کہا ہے وارو

اگر یہ کہتے کہ اس آنے والے رسول کا نام احمد ہے اور میں وہی ہوں تو ہر طرف سے دار و گیر شروع ہو جاتی مگر داخل ہونے کے بعد چپ نہ رو سکے دبی آواز میں رسالت کا دعویٰ بھی کرتی دیا چنانچہ اسی بحث کے آخر میں کہتے ہیں کہ میں آخری زمانہ میں بھیجا گیا تاکہ اس آپ شریفہ کا پورا مصداق بن جائیں اور رسول یانی من بعدی اسمہ احمد میں کوئی کسر نہ جائے یہاں شاید یہ کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے وارسلنا الیہ اور انا ارسلنا الشیاطین وغیرہ بھی فرمایا ہے جب ہوائیں اور شیاطین کو اللہ تعالیٰ بھیجا کرتا ہے تو اگر مرزا صاحب نے اپنے کو بھیجا گیا ہوں کہا تو کوئی بری بات ہوگئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فی الواقع ہر چیز کو خاص کام کے لئے حق تعالیٰ بھیجا کرتا ہے مثلاً ہواؤں کو پانی برسانے کے لئے۔ اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ کس کام کے لئے بھیجے گئے ہیں وہ ایک جلیل القدر شخص ہیں اس واسطے تو نہیں بھیجے گئے ہوں گے کہ زراعت وغیرہ میں لگائے جائیں کیونکہ انہوں نے زمین داری چھوڑ کر علمی خدمت اختیار کی ہے جس سے ہدایت یا ضلالت متعلق ہے اگر انا ارسلنا الشیاطین کے مد میں داخل ہیں تو ممکن ہے کیونکہ شیاطین کے لئے کوئی

حد مقرر نہیں کی گئی قیامت تک گمراہ کرنے والے ہر زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں گے مگر مرزا صاحب اس کو قبول نہ کریں گے اور یہی فرمائیں گے کہ میں ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہوں جس سے مقصود یہ کہ رسولوں کے زمرہ میں شریک ہوں تو یہ بات اہل اسلام ہرگز قبول نہیں کر سکتے اس لئے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کے لئے تمام مدعیوں کو مایوس کر دیا غرض میں بھیجا گیا ہوں کہنا ان کے سوائے دعویٰ رسالت کے اور کوئی بات نہیں اور یہ دعویٰ بمقتضائے مقام ان کو لازم بھی تھا اس لئے کہ جب آنحضرت ﷺ اس آیت شریفہ کے مصداق نہ ہوئے تو بقول مرزا صاحب ضرور ہوا کہ وہ اس کے مصداق نہیں ورنہ خبر قرآنی خلاف واقع ہو جاتی تھی اور وہ خود کہتے بھی ہیں رسول یانی من بعدی اسمہ احمد سے اپنی طرف اشارہ ہے غرض اس تقریر سے اور نیز بعض الہامات سے جس کو خود انہوں نے بیان کیا ہے مثلاً الی رسول اللہ البکم جمیعاً صاف ظاہر ہے کہ ان کو دعویٰ رسالت ضرور ہے۔

اب ہم یہاں نہایت مختصر سے دل سے گزارش کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مدعی رسالت ہیں اور جو مدعی رسالت ہو وہ دجال ہے۔ صغریٰ کا ثبوت ابھی معلوم ہوا اور کبریٰ کا ثبوت اس حدیث شریف سے ہے قال النبی ﷺ لانقوم الساعة حی یبعث دجالون کذابون قریبنا من ثلاثین کلہم یزعم انہ رسول اللہ (رواد احمد و بخاری و مسلم و دار و اثر مدنی من ابی ہریرۃ کذا فی تہذیب التہذیب) یعنی فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک جھوٹے دجال قریب تم میں کے نہ نکلیں گے سب کا دعویٰ یہی ہوگا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

شکل اول سے یہ نتیجہ نکلا کہ غلام احمد قادیانی دجال ہے تو پہلے ہی ایسا نام رکھا گیا کہ وہ مادہ تاریخ اس خدمت کا بن سکے یعنی مسماے غلام احمد قادیانی بشکل اول دجال ہو تو

ان کے نام نامی سے مادہ تاریخ اس خدمت کی نکل آنا ایک مناسبت کے ساتھ ہوگا بخلاف اس کے کہ اس عدد سے عیسویت ثابت کی جائے جیسا کہ مرزا صاحب نے کی ہے مرزا صاحب جواز الہ الاہام میں لکھے ہیں کہ گورنمنٹ انگریزی و جال ہے۔ سو اس سے کیا فائدہ۔

قولہ: قرآن شریف نے جو مسیح کے نکلنے کی چودہ سو برس مدت ٹھہرائی اٹل۔ پہلے اس آیت کے بتلانے کی ضرورت تھی کہ چودہ سو برس تک مسیح کبھی نہ بھی نکل آئے گا اور اگر حساب جمل سے نکل آنے کا نام قرار دامت ہے تو جن آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان کے اعداد نکال کر دیکھ لیجئے کہ چودہ سو برس پر انحصار نہیں ہو سکتا پہلے سب سے زیادہ مستحق اعداد نکالنے کے لئے وہ آیت ہے جس میں حقیقت عیسیٰ یعنی احمد آنے کا ذکر ہے۔ یعنی آیت ومبشرا برسول یاتى من بعدی اسمہ احمد مگر اس میں سولہ سو نکلتے ہیں چونکہ اس میں بہت سے تخریج کی ضرورت ہے اس لئے مرزا صاحب اپنے کام میں اس کو نہ لائے جب ان کو اس مضمون کی کوئی آیت نہ ملی جس میں عیسیٰ یا احمد کا ذکر ہو تو یہ مجبوری یہ آیت اختیار کی وانا علی ذہاب بہ لقادرون جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس کے لئے جانے پر قادر ہیں۔ اب یہ نہیں معلوم کہ کس کے لئے جانے پر قادر ہیں کیونکہ آیت تو پوری ذکر ہی نہیں کی جس سے ضمیر کا مرجع معلوم ہو اس لئے کہ اس کے اعداد بہت بڑھ جاتے ہیں اس البہام کو انہوں نے اس طرح اٹھایا کہ اس میں اسلامی چاند کے سلج کی راتوں کی طرف اشارہ ہے جس سے ہر شخص سمجھ جائے کہ ضمیر چاند کی طرف پھرتی ہے اور چاند جانے سے سلج ہو جاتا ہے مگر پوری آیت جو دیکھی گئی تو اس میں چاند کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ ذکر ہے کہ ہم آسمان سے اندازہ کا پانی برسا کر اس کو زمین میں رکھتے ہیں پھر اس کے بعد فرمایا کہ ہم اس کو بھی لے جانے پر قادر ہیں کما قال تعالیٰ والزلنا من السماء ماء بقدر فاسکناہ

فی الارض وانا علی ذہاب بہ لقادرون۔ اس صورت میں مرزا صاحب نے سن ۱۲۷۴ کے عدد کی آیت جو اس غرض سے نکالی تھی کہ اپنے ظہور کے پیشتر اسلام کا چاند ڈوب جائے گا وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں بھی تحریف کی ضرورت پڑی کیونکہ بدلی ضمیر کو چاند کی طرف پھیر دی جس کا ذکر ہی نہیں تاکہ جہاں اعتبار کر کے سمجھ لیں شاید اس کا ذکر ہوگا پھر غلام احمد قادیانی سے یہ نکالا کہ تیرہ سو برس میں عیسیٰ نکلے گا اب دیکھئے کہ اس سلسلہ تقریر کی ابتدا یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے خبر دی کہ میرے بعد ایک رسول آئیں گے جن کا نام احمد ہے اس میں یہ تحریف کی کہ آنحضرت ﷺ پر صادق نہیں آتی پھر یہ بات بنائی کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ چودہ سو برس تک عیسیٰ نکلے گا پھر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ عیسیٰ تیرہ سو برس میں نکل پڑا ایک آیت پیش کی کہ قرآن سے ثابت ہے کہ ۱۲۷۴ میں اسلام کا چاند غروب کرے گا حالانکہ نہ اس میں چاند کا ذکر ہے، نہ ۱۲۷۴ کا۔ پھر اپنے نام کے مجرد اعداد تیرہ سو (۱۳۰۰) سے یہ مطلب نکالا کہ عیسیٰ کے نکلنے کا سنہ یہی ہے معلوم نہیں کہ اس سنہ کے ساتھ عیسیٰ کو کیا مناسبت۔ پہلے کوئی آیت یا حدیث سے یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ سن ۱۳۰۰ میں نکلے گا اس کے بعد اگر یہ نام کے اعداد لکھے جاتے تو ایک شرعاً مضمون کی دلیل بن سکتی اس تقریر سے تو وہ بھی نہ بنی۔

مرزا صاحب نے جو طریقہ ایجاد کیا ہے کہ کچھ کئی وزیوتی کر کے آیت یا حدیث کو اپنے مطلب کی تائید میں لے لیتے ہیں یہ طریقہ کوئی قابل تحسین نہیں اکثر آزاد غیر متدین یہی کام کیا کرتے ہیں مرزا صاحب ازالۃ الاہام میں لکھتے ہیں اور یہ البہام انا انزلناہ قریبا من القادیان وبالحق انزلناہ وبالحق نزل وکان وعد اللہ مفعولا جو براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے بصراحت اور باواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں یا احادیث نبویہ میں بدعتیں گویا موجود ہے اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

کشفی طور پر میں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر میرے قریب بیٹھ کر باواز بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے ہیں انہوں نے ان فقرات کو پڑھا۔ انا انزلناہ قریبا من القادیان تو میں نے سن کو بہت تعجب سے کہا کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے تب انہوں نے کہا یہ دیکھو لکھا ہوا ہے تب میں نے نظر جو ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقع پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے تب میں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے اور میں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے مکہ، مدینہ، قادیان۔ مرزا صاحب کے دعویٰ عیسویت پر جب یہ اعتراض ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا صحیح احادیث سے ثابت ہے تو انہوں نے خدیوہ سوال کر کے اس کا جواب دیا کہ دمشق کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے چونکہ امام حسین کا مظلومانہ واقعہ خدائے تعالیٰ کے نظر میں بہت عظمت و وقعت رکھتا ہے اور یہ واقعہ حضرت مسیح کے واقعہ سے ایسا ہرنگ ہے کہ عیسائیوں کو بھی اس میں کلام نہیں ہوگا اس لئے خدائے تعالیٰ نے چاہا کہ آنے والے زمانہ کو بھی اس کی عظمت اور سچی مشابہت سے تنبیہ کرے اس وجہ سے دمشق کا لفظ بطور استعارہ کہا گیا تاکہ پڑھنے والوں کی آنکھوں کے سامنے وہ زمانہ آجائے جس میں نخت جبر رسول اللہ ﷺ حضرت مسیح کے طرح کمال درجہ کے ظلم اور جوہر جفا کے راہ سے دمشق اشقیاء کے محاصرہ میں آکر قتل کئے گئے سو خدائے تعالیٰ اس دمشق کو جس سے ایسے ظلم پر احکام نکلتے تھے اور جس ایسے سنگدل اور سیاہ دروں لوگ پیدا ہو گئے تھے اس غرض سے تشابہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل دمشق عدل اور ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی خالموں کی ہستی ہی میں آتے رہے ہیں اور خدائے تعالیٰ لعنت کی جگہ کو برکت کے مکانات بناتا رہتا ہے اس استعارہ کو خدائے تعالیٰ نے اس

لئے اختیار کیا کہ پڑھنے والے دو فائدہ اس سے حاصل کریں ایک یہ کہ امام مظلوم حسین علیہ السلام کا دردناک واقعہ شہادت جس کی دمشق کے لفظ میں بطور پیشین گوئی اشارہ کی طرز پر حدیث نبوی میں خبر دی گئی اس کی عظمت اور وقعت دنوں پر کھل جائے دوسرا یہ کہ تاریخی طور پر معلوم کر جائیں کہ جیسے دمشق میں رہنے والے دراصل یہودی نہیں تھے مگر یہودیوں کے کام انہوں نے کئے ایسا ہی جو مسیح آنے والا ہے دراصل مسیح نہیں ہے مگر مسیح کے روحانی حالت کا مثیل ہے اور اس جگہ بغیر اس شخص کے کہ جس کے دل میں حسین کی وہ عظمت نہ ہو جو ہونی چاہیے ہر ایک شخص اس دمشق خصوصیت کو جو ہم نے بیان کی ہے کمال انشراح صدر سے ضرور قبول کرے گا اور نہ صرف قبول بلکہ اس مضمون پر نظر امعان کرنے سے حقائق تک پہنچ جائے گا۔

اس تقریر میں مرزا صاحب نے کئی امور ثابت کئے ہیں۔

۱..... قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے۔

۲..... قادیان و دمشق میں مشابہت معنوی ہے۔

۳..... حدیث شریف میں قادیان بلفظ دمشق بیان کیا گیا۔

۴..... دمشق کے لوگ ظالم ہونے کی وجہ سے قادیان میں برکت پھیلی اور عدل کا ہیڈ کوارٹر ہوا۔

۵..... عیسیٰ علیہ السلام کے دمشق میں اترنے کی پیشین گوئی جو حدیث شریف میں ہے لفظ دمشق میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کا اشارہ ہے۔

۶..... یہ بات یقینی طور سے معلوم ہو گئی کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔

قرآن میں قادیان کا نام تلاش کرنے کی ضرورت مرزا صاحب کو اس وجہ سے

ہوئی کہ انا انزلناہ قریباً من القادیان کا الہام ہوا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور باواز بلند ظاہر کر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں موجود ہے۔

اس سے ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ الہام میں جس چیز کا نام ہو وہ نام قرآن میں ضرور ہوا کرتا ہے اگر صرف یہی ایک آیت انا انزلناہ قریباً من القادیان قرآن میں بڑھادی جاتی تو چنداں فکر کی بات نہ تھی یہ ایک مصیبت تھی کسی طرح نمٹ لی جاتی مگر اس قاعدے نے تو کمر ہی توڑ دیا کہ جو چیز الہام میں ہو وہ قرآن میں بھی ہوگی مرزا صاحب کے الہاموں کا سلسلہ ایک مدت دراز سے جاری ہے اور ابھی اس کے ختم ہونے کی توقع بھی نہیں بلکہ زیادتی ہی کا اندیشہ ہے اس لئے کہ جس قدر پختگی بڑھتی جائے گی الہاموں کی آمد زیادہ ہوگی اور اگلے پچھلے الہاموں کی آیتیں بڑھتی جائیں گی جس سے بجائے خود ایک دوسرا قرآن تیار ہو جائے گا۔ قادیان والی آیت ایک عالم کو برہم کر رہی ہے جب وہ پوٹ کا پوٹ نیا قرآن نکلے گا تو معلوم نہیں کیسی قیامت برپا کرے گا۔

روز اول کہ بسر زلف تو دیدم گفتم کہ پریشانی این سلسلہ را آخر نیست

اس الہام میں یہ نہیں معلوم ہوا کہ انا انزلناہ کی ضمیر کس طرف پھرتی ہے اگر قرآن کی طرف ہے تو چنداں مضائقہ نہیں اس لئے کہ جو قرآن قادیان میں اترتا ہے اس میں قادیان کا نام بے موقع نہ ہوگا مگر مرزا صاحب کا اس پر راضی ہونا دشوار ہے وہ تو یہی فرمائیں گے کہ اگر جعلی قرآن میں بھائی صاحب نے یہ آیت بڑھادی تو لطف ہی کیا رہا۔ عظمت و شان قادیان تو جب ہوگی کہ قرآن قدیم میں یہ آیت بڑھے اسی وجہ سے یہ لکھتے ہیں کہ قادیان کا نام اعزاز کے ساتھ مکہ و مدینہ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے اور انزلناہ کی ضمیر مسیح وغیرہ کے طرف پھر نہیں سکتی اس لئے کہ اس کا ذکر پہلے نہیں جو شرط ضمیر غائب ہے اور اگر یہی مطلب ہوتا تو مثل دوسرے الہاموں کے انزلناک بصیغہ خطاب ہوتا یا مرزا

صاحب خود کہہ دیتے کہ انا انزلناہ کی ضمیر میری طرف پھرتی ہے اور جہاں قرآن شریف میں انا انزلناہ اور وبالحق انزلناہ وبالحق نزل وارد ہے قرآن شریف کی طرف ضمیر پھرتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انا انزلناہ کی ضمیر قرآن ہی کی طرف پھرتی ہے مگر جب واقعہ پر نظر ڈالی جائے تو یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ قرآن قریب قادیان نہیں اتر گیا اور ہم مرزا صاحب پر بھی جھوٹ کا انزام نہیں لگا سکتے کہ بغیر الہام ہونے کے کہہ دیا کہ مجھ پر یہ الہام ہوا اب سخت دشواری یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب کو سچا کہیں تو قرآن کا قادیان میں اترنا واقع کے خلاف ہے اور اگر واقعہ کا لحاظ کریں تو مرزا صاحب جھوٹے ہوئے جاتے ہیں مگر تطبیق و توفیق کی ضرورت نے ہمیں ایک ایسا کھلا راستہ دکھلادیا کہ ہم اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کر سکتے وہ یہ کہ انا انزلناہ کا کہنے والا کوئی دوسرا ہی ہے جس کی تصدیق خود مرزا صاحب ہر جگہ کرتے ہیں چنانچہ ضرورۃ الامام میں لکھتے ہیں جب کہ سید عبدالقادر جیسے اہل اللہ و مرد فرود کو شیطانی الہام ہوا تو دوسرے عامۃ الناس اس سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔ اس صورت میں مرزا صاحب کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے کہ ان کو الہام ضرور ہوا اور قرآن شریف کا قادیان میں اترنا بھی نہیں لازم آتا البتہ صرف اتنی جرأت کی ضرورت ہے کہ وہ الہام شیطانی مان لیا جائے اور یہ چنداں بدناما بھی نہیں اس لئے کہ جب ہم خلاف واقع اور جھوٹ کے مقابلہ میں اس کو لا کر دیکھتے ہیں تو بمصداق من ابغی بلیتین فخیار اھونھما کے اس کو الہام شیطانی سمجھنا مرزا صاحب کو بھی مفید ہے اس لئے کہ جھوٹا رسول ہرگز نہیں ہو سکتا جس کا دعویٰ مرزا صاحب کو ہے اور نہ مجدد و امام زمان کی یہ شان ہے کہ خلاف واقعہ یا جھوٹ کوئی خبر دے۔ رہا الہام شیطانی سو بقول مرزا صاحب بڑے بڑے لوگوں کو ہو چکا ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اس صورت میں مرزا صاحب اپنی ذات سے بری الذمہ ہو جائیں گے کہ جو کچھ انہوں نے واقعہ میں دیکھا کہہ دیا اس سے کیا بحث کہ دکھانے

والا کون تھا وہ فضل مرزا صاحب کا نہیں جو اس کے ذمہ دار ہوں بلکہ دکھانے والا قابل مواخذہ ہوگا ہر چند وہ اپنی براءت ظاہر کرے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اَكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّى بَرِئٌ مِّنْكَ اِنِّى اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ مگر مواخذہ سے وہ بری نہیں ہو سکتا جیسا کہ اسی آیت شریفہ کے آخر میں ہے فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا اَنَّهُمَا فِى النَّارِ۔

البتہ ایک الزام مرزا صاحب کے ذمہ عائد ہوگا کہ انہوں نے الہام شیطانی اور رحمانی میں فرق نہ کیا مگر اہل دانش اس باب میں بھی ان کو معذور رکھ سکتے ہیں کہ الہام ایک کیفیت وجدانی کا نام ہے جو انسان میں پائی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے میں احساس کرتا ہے یہ کیا معلوم وہ کہاں سے آئی جب شیطان الہام کرنے پر قادر ہے تو وہ ایسا بے وقوف نہیں کہ اپنا نام اس الہام کے وقت بتا کر خبردار کر دے جس سے اس کا مقصود فوت ہو جائے غرض اس الہام کو شیطانی کہیں تو مرزا صاحب کے ذمہ اس کا قصور عائد نہیں ہو سکتا مگر مرزا صاحب کو یہ فرمانا سزاوار نہیں کہ قرآن شریف میں قادیان کا نام ہے مرزا صاحب کو اپنے الہام و مکاشفہ پر کس قدر وثوق ہے جو لکھتے ہیں کہ یہ الہام بصراحت اور بلند کبر رہا ہے کہ قادیان کا نام قرآن شریف میں ہے اور آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس میں ایک ایسا الہام رہتا ہے کہ اس کی تعبیر کی حاجت ہوتی ہے چنانچہ اوپر معلوم ہوا۔ ادنیٰ تا مل سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اپنے مکاشفہ کو آنحضرت ﷺ کے مکاشفہ سے کس قدر بڑھا رہے ہیں اور کس قدر اپنی فضیلت آنحضرت ﷺ پر اس باب میں بیان کر رہے ہیں مگر آخری زمانہ کے مسلمانوں کو اس کی کیا پروا۔ وہ لکھتے ہیں کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت معنوی ہے اس لئے کہ امام حسین اور عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے نہایت ہم رنگ ہیں مطلب اس کا یہ ہوا کہ قادیان مشہور اور دمشق مشہور ہے اور وجہ شبہ مظلومیت کا مقام ہونا مرزا صاحب کو

ضد تھا کہ دونوں واقعوں کی ہم رنگی پہلے ثابت کرتے کیونکہ قرآن شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ ﷺ نہ مارے گئے، نہ سولی پر چڑھائے گئے بلکہ نہایت عظمت و شان کے ساتھ شاداں و فرحاں آسمان پر چلے گئے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلْبُوهُ وَلٰكِنْ شَبَّهَ لَهُمْ وَقَوْلَ تَعَالٰی وَمَا قَتَلُوهُ یَقِیْنًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اور اگر بالفرض عیسیٰ ﷺ بحالت مظلومی سولی پر چڑھائے بھی گئے جیسے مرزا صاحب کہتے ہیں تو پہلے یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ ﷺ پر قادیان میں ظلم ہوا تھا تا کہ قادیان اور دمشق میں مشابہت ثابت ہو جو مقصود اس تقریر سے ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ثابت کیا جاتا کہ امام حسین علیہ السلام دمشق میں مظلوم شہید ہوئے کیونکہ ان دونوں شہروں میں جو مشابہت بیان کی جا رہی ہے اس میں وجہ شبہ یہی ہے کہ دونوں مظلومیت کے مقام ہیں اور اگر وجہ شبہ یہ ہے کہ اجرائے احکام ظلم کے مقام ہیں تو یہ ثابت کرنا ضرور تھا کہ عیسیٰ ﷺ کو سولی پر چڑھانے کے احکام قادیان سے جاری ہوئے اور یہ دونوں امر خلاف واقع ہیں یعنی نہ دمشق میں امام حسین پر ظلم ہوا، نہ قادیان میں عیسیٰ ﷺ پر۔ پھر ان دونوں واقعوں کے ہم رنگ ہونے سے قادیان و دمشق میں مشابہت کہاں سے آگئی کیونکہ وجہ شبہ طرفین میں موجود نہیں حالانکہ مشابہت کے لئے اس کا طرفین میں موجود ہونا ضرور تھا۔

پھر مرزا صاحب جو لکھتے ہیں کہ لفظ دمشق بطور استعارہ قادیان پر استعمال کیا گیا اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے اِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ فِیَنْزِلْ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَیضَاءِ شَرْقِیْ دِمَشْقَ یعنی عیسیٰ ﷺ دمشق کے شرقی جانب منارہ کے پاس اتریں گے مقصود ان کا یہ ہے کہ دمشق سے مراد قادیان ہے عموماً اہل علم اس بات کو جانتے ہیں کہ استعارہ ایک قسم کا مجاز ہے اس لئے کہ اس میں بھی لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں مستعمل نہیں ہوتا اس وجہ سے وہاں ایسے قرینہ کی ضرورت ہے کہ معنی موضوع لہ مراد نہ

ہونے کو صراحتاً بتا دئے یہ امر ظاہر ہے کہ اگر کوئی کہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا تو اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ شیر کو دیکھا ہوگا یہ کوئی نہ سمجھے گا کہ کسی جو انفرادی کو اس نے دیکھا ہے جب تک کوئی قرینہ اس پر قائم نہ کیا جائے اور اگر یوں کہے میں نے ایک شیر کو دیکھا جو تیر چلار ہاتھ تو اس سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ اس نے شیر کو دیکھا نہیں بلکہ کسی جو انفرادی کو دیکھا ہے کیونکہ تیر چلانا اس امر پر قرینہ ہے کہ شیر کے حقیقی معنی مراد نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک قرینہ قائم نہ ہو معنی حقیقی متروک نہیں ہو سکتے اب دیکھئے کہ اگر اس حدیث شریف میں دمشق کے حقیقی معنی متروک ہوتے اور قادیان اس سے مراد ہوتا تو اس پر کوئی قرینہ ضرور ہوتا حالانکہ کوئی قرینہ نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق اپنے معنی موضوعہ میں مستعمل ہے اور قادیان اس سے مراد سمجھنا محض غلط ہے۔

اور نیز علم بیان میں مصرح ہے کہ استعارہ اعلام میں جائز نہیں مثلاً کہا جائے کہ فلاں شخص مکہ معظمہ میں داخل ہوا اور اس سے یہ مراد لی کہ وہی یا لکھنؤ میں داخل ہوا تو ہرگز صحیح نہیں اسی طرح دمشق سے قادیان مراد لینا صحیح نہیں شاید یہاں یہ کہا جائے گا کہ نئی کو حاتم کہنا صحیح ہے حالانکہ حاتم بھی ایک شخص کا نام تھا اس کا جواب یہ ہے کہ حاتم سخاوت میں ایسا مشہور ہے کہ شخصی معنی کے طرف ذہن نہیں جاتا بلکہ حاتم کہنا اور جواد کہنا برابر ہے۔

اس وجہ سے گویا علمی معنی اس کے متروک ہو گئے چنانچہ تمام کتب فن میں مصرح ہے اور ظاہر ہے کہ دمشق میں یہ بات صادق نہیں آتی جس وقت آنحضرت ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کا دمشق میں اترنا بیان فرمایا اس وقت یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ محل اجرائے احکام ظلم ہے بلکہ برعکس اس کے مسلمانوں کے اعتقاد میں وہ نہایت عمدہ اور برگزیدہ مقام تھا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے نہایت فضیلت اس کی بیان فرمائی تھی چنانچہ صحیح روایتوں میں وارد ہے کہ شام اللہ تعالیٰ کے پاس تمام شہروں میں برگزیدہ اور پسندیدہ مقام اور خدائے تعالیٰ کے

بہترین عہاد کے رہنے کی جگہ ہے اور خاص دمشق کی فضیلت میں یہ وارد ہے کہ شام کے تمام شہروں میں دمشق بہتر ہے۔ اب غور کیا جائے کہ جب آنحضرت ﷺ نے دمشق کے فضائل بیان فرمائے تو صحابہ اور تمام امت میں اس کی عمدگی مشہور ہوگی یا بقول مرزا صاحب اس کی خرابی کہ وہاں کے لوگ بدترین خلق ہیں اگر چند روز یزید نے ظلم کے احکام جاری کئے تو اس سے دمشق کی ذاتی فضیلت کو کیا نقصان جیسے ابو جہل وغیرہ سے مکہ معظمہ کی عظمت میں کوئی نقص نہ آیا یہ تو قاعدہ ہے کہ جہاں اچھے لوگ بکثرت ہوتے ہیں چند برے بھی ہوتے ہیں بڑی حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ تو دمشق کو اچھا اور اس میں رہنے والوں کی تعریفیں فرمائیں اور مرزا صاحب برخلاف اس کے یہ کہتے ہیں کہ وہ برا اور اس میں رہنے والے نہایت برے ہیں یہ کیسی بے باکی ہے کہ امتی ہونے کا دعویٰ اور اس پر یہ مخالفت (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اب دیکھئے کہ نہ دمشق میں کوئی ذاتی برائی ہے، نہ باعتبار واقعہ کے اس میں کوئی برائی آئی، نہ قادیان و دمشق میں کسی بات میں مشابہت ہے، نہ استعارہ و دمشق کا علم ہونے کی وجہ سے صحیح ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب زبردستی نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث کو جھوٹی بنانے کی فکر میں ہیں کہتے ہیں کہ نہ عیسیٰ اتریں گے، نہ دمشق ان کے اترنے کی جگہ ہے۔ اگر عیسیٰ ہوں تو میں ہوں اور اگر ان کے اترنے کی جگہ ہے تو قادیان ہے یہاں مجنوں کی حکایت یاد آتی ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ خلافت امام حسین کا حق تھا یا یزید کا اس نے کہا کہ نہ ان کا حق تھا نہ اس کا میری لیلیٰ کا حق تھا مرزا صاحب بھی چونکہ عیسویت کے عاشق ہیں اس قسم کی بات کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں مگر مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے مجنونانہ مضامین کو قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے دمشق کو نشانہ بنا کر لکھا کہ اب مثیل و دمشق عدل و ایمان پھیلانے کا ہیڈ کوارٹر ہوگا کیونکہ اکثر نبی ظالموں کی ہستی میں آتے رہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ قادیان مثیل دمشق ہے یعنی ظالموں کی بستی ہے اور ایسے بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اس لئے خود بدولت قادیان میں عدل پھیلانے کو آئے ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ختم نبوت کے قائل نہیں جیسی تو کہا کہ انبیاء ایسی بستیوں میں آتے رہتے ہیں۔ اگر ختم نبوت کے قائل ہوتے تو کہتے کہ آتے رہتے تھے۔ جب قادیان کا ظالموں کی بستی ہونا ثابت کر کے کہا کہ ایسی بستیوں میں انبیاء آتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا کہ میں اس میں ایمان و عدل پھیلانے کو آیا ہوں اور نیز لکھتے ہیں کہ آخری زمانہ میں بر طبق پیشین گوئی احمد بھیجا گیا جیسا کہ اوپر معلوم ہوا تو اب ان کے دعویٰ نبوت میں کیا شک ہے۔

مرزا صاحب نبوت کی طمع میں قادیان کے لوگوں کو زبردستی ظالم بنارہے ہیں ہم نے تو نہ کسی سے یہ سنا کہ قادیان ظالموں کی بستی ہے، نہ کوئی اس میں ظلم کا ایسا واقعہ کتب تواریخ سے ثابت ہے کہ غیر معمولی طور پر یادگار ہوا ہوا بدلتہ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ مرزا صاحب پروہاں کے لوگوں نے پورش کی ہوگی مگر وہ بیچارے اس میں معذور ہیں کیونکہ مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دل آزاری اور اشتعالک طمع کا کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا ان کے علماء و مشائخین زمانہ پر گالیوں اور لعنت کی وہ بوچھاڑ کی کہ الامان۔ جس کو آپ دیکھ چکے ان کی دینی کتابوں کو لکھا کہ شرک سے بھری ہوئی ہیں ان کے اعلیٰ درجہ کے مقتدا یعنی صحابہ اور تابعین و محدثین وغیرہم پر شرک کا الزام لگایا ان کے نبی کی شان میں جو آیت وارد ہوئی اس کے مصداق خود بن بیٹھے ان کی کتاب یعنی قرآن شریف میں تحریف کر کے بگاڑنے کا گویا بیڑ اٹھایا۔ نبوت اور رسالت کا دعویٰ کر کے ان کے نبی کی ریاست کو جو قیامت تک قائم ہے چھیننا چاہا اس پر بھی اگر وہ لوگ برہم نہ ہوتے تو خدا اور رسول کے پاس ان کا نام کس زمرہ میں لکھا جاتا اور ہم چشموں میں ان کی کس درجہ کی بے حرمتی اور بے غیرتی ثابت

ہوتی کیسای بے غیرت مسلمان ہو ممکن نہیں کہ اتنی باتیں سن کر اس کی دگ حمیت جوش میں نہ آئے۔ مرزا صاحب اگر گورنمنٹ کی حمایت میں نہ ہوتے تو دیکھتے کہ قادیان ہی کے لوگ کیا کرتے اب بھی کسی اسلامی سلطنت میں اپنے تعذیفات لے جائیں اور پھر دیکھیں کہ کیا کیفیت ہوتی ہے۔ مرزا صاحب کو گورنمنٹ کا بہت شکریہ کرنا چاہیے مگر بجائے شکریہ کہ گورنمنٹ کو دجال کہتے ہیں جیسا کہ رسالہ عقائد مرزا مطبوعہ امرتسر میں لکھا ہے اور وہ قادیان کی گورنمنٹ کو ظالم قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کو دمشق کے ساتھ تشبیہ دے رہے ہیں جس کا مطا صاف ظاہر ہے کہ جیسے دمشق کی حکومت سے حضرت امام حسین ؑ پر ظلم اور بیداد کے احکام جاری ہوئے قادیان کی حکومت سے بھی ایسا ہی ہوا۔ ورنہ ہر شخص جانتا ہے کہ حضرت امام حسین ؑ پر دمشق میں ظلم نہیں ہوا جس سے مرزا صاحب کی مظلومیت قادیان میں بطور تشبیہ ثابت ہو۔ لسان شرع شریف سے تو دمشق کی مدح ثابت ہے مگر مرزا صاحب اس کی مذمت اس بنا پر کرتے ہیں کہ اس میں حضرت امام حسین ؑ پر آنحضرت ؐ کے پچاس برس بعد ظلم ہوا حالانکہ حضرت نے شہادت کا واقعہ جو بیان فرمایا اس میں اگر دمشق کا نام بھی ہوتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ شہر دارالظلم ہوگا برخلاف اس کے خاص طور پر صراحتہ دمشق کی تعریف کی جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اگر صرف اس بنا پر کہ کسی زمانہ میں کسی شہر میں ظلم ہوا اور ایسے شہر کا نام لینے سے اس ظلم کی طرف اشارہ ہوتا ہو تو یہ لازم آئیگا کہ جہاں مکہ معظمہ کا نام قرآن وحدیث میں آئے ان تمام اذیتوں کی طرف اشارہ ہو جائے جو آنحضرت ؐ پر دس بارہ سال تک ہوتی رہیں جن کا حال متعدد احادیث میں موجود ہے اہل اسلام پر اپنے نبی کریم ؐ کی ادنیٰ تکلیف کا صدمہ اس قدر ہونا چاہیے کہ اپنی یا اور کسی کی موت سے ہو چہ جائیکہ اتنی مدت مدیدہ تک پیہم صدمات و تکالیف شاقہ جاری رہے جس سے ہجرت کی نوبت پہنچے اگر ذکر مکہ سے اشارہ ان تمام اذیتوں کی طرف ہو تو وہ شہر مبارک بقول مرزا صاحب

(معاذ اللہ) مبغوض ہونا چاہیے حالانکہ نہ کسی حدیث سے مرزا صاحب اس کا مبغوض ہونا ثابت کر سکیں گے۔ نہ کوئی مسلمان اس کو مبغوض کہہ سکتا ہے کیونکہ چند بد معاشوں کے ظلم و زیادتی سے کوئی متبرک اور ممدوح شہر مبغوض نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب جو دمشق کو مبغوض قرار دے رہے ہیں صرف کار سازی اور خود غرضی ہے مقصود صرف ان کا یہ ہے عوام الناس کو جو طہرین ہوتے ہیں ایک واقعہ جانکاہ یاد دلانے کی خرابی کی جہت کی طرف متوجہ کر دیں اور ساتھ ہی وہی جہت قادیان میں قائم کر کے دمشق سے مراد قادیان لے لیں جس سے اپنی عیسویت جہلاء کے پاس جم جائے اور آنحضرت ﷺ کا مقصود صریح فوت ہو جائے اس لئے کہ مقصود اس حدیث شریف سے اسی قدر ہے کہ عیسیٰ ﷺ دمشق میں اتریں گے۔ نہ اس کے سیاق و سباق میں امام حسین ﷺ کا نام ہے نہ دمشق کی خرابی، نہ کسی طرف اشارہ ہے اب دیکھئے کہ یہ کیسی کھلی کھلی تحریف ہے۔

مرزا صاحب کو منظور تھا کہ قادیان کو دمشق ثابت کریں اس لئے یہ واسطہ قائم کرنے کی ضرورت ہوئی کہ قادیان کے لوگ یزید الطبع ہیں اگر اس کو مکہ بنانا منظور ہوتا تو یہ آیہ شریفہ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکنا و ہدی للعلمین پیش کر کے وہی تقریر فرماتے کہ مکہ کا لفظ محض استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا چونکہ آنحضرت ﷺ پر نہایت ظلم ہوا اور قادیان میں ابوجہلی الطبع لوگوں نے اپنے پروپیسیا ظلم کیا اس لئے مکہ سے قادیان مراد ہے بمناسبت مردم یزیدی الطبع قادیان دمشق ہو تو یہ مناسبت ابوجہلی الطبع قادیان مکہ بننے کو کیا دیر۔

مرزا صاحب کی غم خواری حضرت امام حسین ﷺ کے نسبت سلام روستائی سے کم نہیں ان حضرات کو ان امور سے کام ہی کیا۔ وہاں تو اعلانیہ بے دھرمک حضرت امام حسین ﷺ پر اعتراضات ہوتے ہیں کہ انہوں نے خواہ مخواہ سلطنت میں مداخلت کر کے مخالفت

کی جیسا کہ صاحب عصائے موسیٰ نے مدلل لکھا ہے اور خط مولوی نور الدین صاحب جو مرزا صاحب کے اعلیٰ درجہ کے حواریین میں سے ہیں نقل کیا ہے جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ لا یدلغ المومنین من حجر واحد مر لین وارد ہے۔ حضرت امام اس حجر میں کیوں جا گئے صحابہ کی مشاورت کے خلاف کیوں کیا۔

لہجے جب حضرت امام حسین ﷺ کی حرکت و مخالفت قابل مواخذہ و اعتراض نظر رہے تو یہ اظہار خوش اعتقادی غرض آمیز نہیں تو کیا ہے اگر مرزا صاحب کی خوش اعتقادی دلی ہو تو ان کے مریدین کو بھی ایسی تقریروں کی جرأت نہ ہوتی۔

تحریر فرماتے ہیں کہ یقینی طور پر سے معلوم ہو گیا کہ جیسے دمشق میں مثیل یہود کے تھے ایسا ہی قادیان میں مسیح کا مثیل آئے گا۔ سبحان اللہ کجا دمشق کجا قادیان پھر طرفہ یہ کہ تمام مسلمانوں کو یقین بھی آ گیا مرزا صاحب کو یقین ایسی باتوں کا ہوا کرتا ہے لیکن احادیث صحیحہ پر یقین نہیں آتا اللہم انا نعوذ بک من شرور انفسنا۔

یہ چند تحریریں جو مرزا صاحب کی لکھی گئیں شتے نمونہ از خرداری ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحسب فرصت وقت اور بھی لکھی جائیں گی اس وقت اکثر احباب کی یہ رائے ہوئی کہ بالفعل یہ رسالہ ”انوار الحق“ جس قدر لکھا گیا طبع کر دیا جائے تاکہ جس کو توفیق ازلی ہو اس سے بہرہ یاب ہو اس لئے اس حصہ کو میں اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ الہی بطفیل اپنے حبیب کریم ﷺ کے اہل اسلام کو توفیق عطا فرما کہ جو راہ آنحضرت ﷺ نے بتلائی اور صحابہ سے آج تک اہل حق کا اس پر اتفاق و اجماع رہا اس کی پیروی میں مصروف اور نئے نئے دین و آئین و خیالات سے محترز اور محفوظ رہیں۔ آمین۔

نَمَتْ بِالْخَيْرِ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
حضرت مولانا فاضل محمد ضریاء الدین رحمہ اللہ علیہ
نہادہ نیشین سیال شریف

○ حالاتِ زندگی

○ رفقِ اکیانیت

شیخ طریقت، مجاہد جلیل حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین ابن حضرت خواجہ محمد الدین ابن حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی (قدس سرہ) ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں سیال شریف (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے "منصور حق" (۱۳۰۴ھ) مادہ تاریخ ہے۔ آپ کو بچپن ہی سے علوم دینیہ کا بے حد شوق تھا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد ممتاز افاضل سے علم دین کی تعلیم حاصل کی اور والد ماجد کے وصال کے بعد سجاد و نشین ہوئے۔ آپ نہ صرف قرآن کریم کے حافظ تھے بلکہ بائبل پر بھی مکمل عبور رکھتے تھے۔ مطالعہ کتب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ اکثر و بیشتر شام کا کھانا رات کے دو تین بجے تناول فرماتے تھے۔ ملک اور بیرون ملک سے کتب دینیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منگوا کر کتب خانہ میں خاصی توسیع کی۔ آستانہ عالیہ پر قائم شد و دارالعلوم کو خاطر خواہ ترقی دی۔ علامہ زمان مولانا معین الدین اجمیری اور ان کے جلیل القدر شاگرد امان اللہ، مولانا محمد حسین اور دیگر اجلہ فضلاء کو آپ ہی کی کشش سیال شریف کھینچ لائی تھی۔ علم دوستی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے کہ آپ نے اپنے فرزند ارجمند شیخ الاسلام و المسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین مدظلہ العالی کو تحصیل علم کے لئے اجمیر شریف مولانا محی الدین اجمیری کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام کا کمال علمی اور علوم دینیہ سے لگاؤ آپ ہی کا مرہون نظر ہے۔

آپ کے دل میں ملت اسلامیہ کا بے پناہ درد اور مکار فرنگی سے حد درجہ نفرت تھا۔ آپ نے تمام عمر انگریز کوزمین کا لگان نہ دیا۔ ملت مسلمہ کی اس خیر خواہی اور انگریز دشمنی کے تحت آپ نے تحریک "ترک موالات" کی حمایت کی۔ آپ نے نہ صرف خود انگریز کی مخالفت میں حصہ لیا بلکہ دیگر مشائخ کو بھی اس مخالفت میں حصہ لینے کی طرف رغبت دلائی۔ آپ نے دربار رسالت ﷺ میں مظلوم استغاثہ پیش کیا جس کے ایک ایک مصرعے سے درد

اور کرب کا اظہار ہوتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں : بیٹ

آپ کی امت ساد دنیا میں نہیں کوئی ذلیل ایں سزائے آں کہ اوشد پیغمبر زام الکتاب
قوم مسلم وہن کی علت میں ہے اب جتلا استقنا کا سآ شفاء من لدنک یا صاحب
عقل مسلم کی ہوئی گم، اس کا سراپا پھرا نیک را بدی شمار کج را داند صواب
رحم کر ہی پر جو ہے تو رحمۃ للعالمین چہرہ پر نور تاباں را نمائی بے نقاب
اے خدا بخش دے ہم کو ضیاء شمس دیں سرخرو ہاشیم و شاداں پیش تو یوم الحساب
ایک مرتبہ انگریز کمشنر حاضر ہو کر ۳۵ مربع اراضی کی لنگر کیلئے پیش کش کی لیکن
آپ نے یہ کہہ کر اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا کہ:

”اگر انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دیدے تو بھی میرا ایمان نہیں خرید سکتا۔ فقیر شاہی
خزانے کا مالک ہے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔“

عقلاء شکار کس نشود دام باز چسپیں کانبجا ہمیشہ یا و بدست است دام را
تحریک خلاف کے سلسلے میں جب گرفتاریاں شروع ہوئیں تو ضلع سرگودھا کے
قریب ۱۵۶ افراد گرفتار کئے گئے جن میں سیال شریف کے دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا
محمد حسین اور دیگر علماء بھی تھے۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین تدرس کے وارنٹ گرفتاری بھی
جاری ہوئے لیکن نوانہ قوم کے رؤساء نواب بخش اور خدا بخش وغیرہا نے انگریز کمشنر کو
واشکاف الفاظ میں متنبہ کیا کہ اگر حضرت کی طرف بری نگاہ سے دیکھا گیا تو ان سے پہلے ہم
جیل میں جائیں گے اور گورنمنٹ کے مخالف ہو جائیں گے۔ چنانچہ حالات کے خطرناک
تیور دیکھ کر آپ کو گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ آپ نے سون سیکسر کے پہاڑی علاقے
سے وہ پتھر اکھیڑ کر پھینک دیا جس پر ترکوں کے خلاف داد شجاعت دینے والے فوجیوں کے
نام کندہ تھے۔ آپ نے فرمایا:

”ہم ان بد بختوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے جنہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں۔“

آپ نے رد مزائیت میں ایک رسالہ معیار مسیح تحریر کیا جو ۱۳۲۹ھ میں چھپا۔
حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ بڑے والہانہ تعلقات تھے۔ عید
کے موقع پر آپ کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: بیٹ

عید شد ہر کس زیارے عید یے دار ہوس عید ما عیدنی ما دیدن روئے تو بس
عید مردم دیدن مد، عید ما دیدار تو این چنین عیدے نہ بیند درو عالم بچکس
۱۳ محرم الحرام، ۲۲ جون (۱۳۳۸ھ/۱۹۲۹ء) کو آپ کا وصال ہوا اور آپ سیال
شریف میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی تدرس کے پہلو میں محو
استراحت ہوئے۔

مولائے کریم! قوم کو ان سے بیش از بیش مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرما۔



مَعْيَارُ الْمَسِيحِ

تَصْنِيفُ لَطِيفُ

عَلِيٍّ الْحَقِّ وَالدِّينِ

حَضَرَتْ مَوْلَانَا فَظَّةُ مُحَمَّدٍ ضَيْاءُ الدِّينِ

سَهَابَةُ نُحُومِ سَيَالِ شَرْفِيَّ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي انزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا فيما لينذر
باسا شديدا من لدنه ويبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات ان لهم اجرا
حسنا ما كُتِبَ فيه ابدان وينذر الذين قالوا اتخذ الله ولدا. ونصلي على
رسوله الذي ارسل الله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره
المشركون. اما بعد

فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی بجواب رسالہ سردار خان بلوچ ترقیم کرتا ہے۔ اگرچہ
وہ رسالہ اس قابل نہیں کہ اس کے جواب میں تفتیح اوقات کی جائے۔ بنا بر قول شخصے
جواب چاہاں باشد خوشی

اس لئے کہ نہ تو اس رسالہ کی کوئی تردید وقت طلب امر ہے کیونکہ وہ خود بخود اپنے آپ کو رد
کر رہا ہے، نہ ان کا کوئی امر بحث طلب، نہ مؤلف کا مذہبی ثبوت اس سے ہو سکتا ہے۔ غرض
کسی طرح پر اس کو وقعت کی نظر سے دیکھا نہیں جاسکتا، نہ لفظاً، نہ معناً مگر چونکہ خان
موصوف نے اس کے جواب نہ دینے والے کو جاہل اور جاہلون فی سبیل اللہ سے
اعراض کرنے والا مقرر کیا ہے لہذا مؤلف کے چند مقامات کو جواب لباب اور موضوعاً
رسالہ کا ہیں جسے نمونہ از خردار سے مد نظر رکھ کر کچھ لکھا جاتا ہے۔

بعون تعالیٰ اگر مرزا علی اس پر اعتراض اور کج بحثی کریں۔ اور تاویل اور تحریف سے کام لیں تو
آپ کے فرمان من حرامی جہاں ڈھیر کے آپ ہی اس کے مصداق ٹھہریں گے۔ میں تو ایسے
الفاظ کو ہرگز استعمال نہ کرتا مگر یہ خورد نے عطاءئے توبہ لقاے توبہ آپ کا مہذباً نہ قول آپ ہی

خ اس سے چہ مراد ہے کہ عقلی تردید نہیں کی جاتی صرف مضمون اور مذہب کی تردید کی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہی کافی ہوگی۔ اگر نہ ہو تو
اس پر استغناء کیے تو ان شاء اللہ تعالیٰ غلط فہم اور طرفہ صرف ہو گیا ہے۔

کو واپس کیا جاتا ہے۔ سو پہلے اب یہ جانتا چاہیے کہ حضرت رسول کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اور اس پر قرآن مجید شہد ہے۔ مثلاً ما کان محمد اباً احداً من رجالکم ولكن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما اور اسی طرح احادیث متواترہ جیسے لا نبی بعدی ولا مرسل وانا خاتم النبیین۔ اور اس پر اجماع امت کا ہے اور صدق لانا اجماع امت پر حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔ لا نجتمع امتی علی الضلالة۔ اور مرزا صاحب کا بھی یہی قول ہے۔ دیکھو خاتم النبیین صفحہ اول و اشہد ان محمداً خاتم النبیین لا نبی بعده۔ اب اس پر پورا ایمان لانا پڑے گا۔ اور جب حضرت کے خاتم النبیین ہونے پر اقرار کیا جائے تو پھر مرزا صاحب کا پیغمبر ہونا لغو ہے۔ گو عیسیٰ بن مریم اتریں گے مگر کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب کی ان کو ضرورت نہ ہوگی۔ اور آخر ان زمان پیغمبر کہلانے کے بھی مستحق نہ ہوں گے۔ اور ان کے نزول کا ہو جب فرمان حضرت کے وہ وقت ہوگا جب ایک دجال شخص (جس کی حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی ہے اور اس کا حلیہ اور اس کے حالات مفصل بتائے ہیں) آویگا۔ اور جس کی تفصیل ان احادیث میں ہے۔ عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا یخفی علیکم ان اللہ لیس باعور وان المسیح الدجال اعور عین الیمنی کان عینہ عینہ طافئة۔ (متن علیہ) ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ سے کہ فرمایا پیغمبر خدا ﷺ نے تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ تم پر تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں کا نا اور تحقیق مسیح دجال کا نا ہوگا وائیں آنکھ کا گویا کہ آنکھ اس کی دانہ انگور کا ہے پھولا ہوا (متن علیہ) یعنی روایت کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ وہ خدائی کا دعویٰ کریگا اور اس کی دائیں آنکھ کافی ہوگی اور حضرت کا تشبیہ دینا اس کی آنکھ کو دانہ انگور کے ساتھ دوائی تشبیہ ہے جو بالکل ظاہر ہے اور جس میں تاویل کی حاجت نہیں۔ ایضا عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ الا

حدیثکم حدیثاً عن الدجال ما حدث به نبی قومہ انہ اعور وانہ یجی معہ مثل الجنة والنار فالتی یقول انہا الجنة ہی النار وانی انذرتکم بہ کما انذر بہ نوح قومہ۔ (متن علیہ) ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ سے کہا فرمایا رسول خدا ﷺ نے کہ آگاہ ہو خبر دوں میں تم کو خبر دجال کی سے خبر، کہ نہیں خبر دی ساتھ اس کے کسی نبی نے اپنی قوم کو کہ تحقیق دجال کا نا ہے۔ اور تحقیق دجال لاویگا ساتھ اپنے مانند جنت اور دوزخ کے جس کو کہے گا، یہ جنت ہے وہ ہوگی آگ اور تحقیق دراتا ہوں تم کو جیسے دیرایا ساتھ اس کے نوح نے قوم اپنی کو۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ کسی پیغمبر نے اپنی قوم کو ایسی صاف خبر نہیں دی لیکن آپ اس میں پھر شک لا کر تاویلات کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ کم از کم ہر پیغمبر نے یہ تو کہا ہوگا کہ اس کا دین ٹھیک نہ ہوگا مگر حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی خبر کو بطور تفصیل دوسروں پر اس لئے ترجیح دی ہے کہ پھر کسی تاویل کی حاجت نہ رہے۔

ایضا عن نواس ابن سمرعان قال ذکر رسول اللہ ﷺ ذکر الدجال فقال یخرج وانا فیکم فانما حبیبہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرء حبیب نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلم انہ شاب قُطِطَ عینہ طافئة کانی اشبهہ بعد العزى بن قطن فمن ادرك منکم فلیقرء علیہ فواتح سورة الکہف وفی رواية فلیقرء بفواتح سورة الکہف فانہا جوارکم من فتنہ انہ خارج خلۃ بین الشام والعراق فعات یمیناً وعات شمالاً با عباد اللہ فائتوا قلنا یا رسول اللہ وما لبثہ فی الارض قال اربعون یوماً یوم کسنة ویوم کشہر ویوم کجمعة وسائر ایامہ کا یا مکم قلنا یا رسول اللہ فذالک الیوم الذی کسنة اتکفینا فیہ صلوۃ یوم قال لا اقدروا لہ قدرہ قلنا یا رسول اللہ وما اسرعه فی الارض قال کالغیث استدرتہ الريح فباتی علی القوم فیدعوہم فیؤمنون بہ ویستجیبون لہ فیامر السماء فتمطر والارض فتنبث

فَتُرَوَّحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتِهِمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ تُدْرَى وَاسْبَغَهُ ضُرُوعًا وَأَمَدَهُ خَوَاصِرَ ثُمَّ بَاتَى الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيُرَدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُونَ مُتَجَلِّينَ لَيْسَ بَايِدِيهِمْ شَيْءٌ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِيبَةِ فَيَقُولُ لَهَا أَخْرِجِي كُنُوزَكِ فَتَتْبِعُهُ كُنُوزُهَا كَيْعَاسِيبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا مِمَّنْ لَنَا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسِّيفِ فَيَقْطَعُهُ جَزَلَتَيْنِ رَمِيَةِ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيَقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهَهُ وَيَضْحَكُ فَيَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقَى دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرَ وَذَتَيْنِ وَأَضْعَا كَفِيهِ عَلَى أَجْنَحَةِ مَلَكَيْنِ إِذَا طَاطَأَ رَأْسَهُ قَطْرٌ وَإِذَا رَفَعَهُ تَحَدَّرَ مِنْهُ جَمَانٌ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ بِجَدِّ رِيحٍ نَفْسُهُ إِلَّا مَاتَ وَنَفْسُهُ يَنْتَهِي حَيْثُ يَنْتَهِي طَرْفُهُ فَيُطْلَبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بَابٌ لَدَى فَيَقْتُلُهُ ثُمَّ يَأْتِي عِيسَى قَوْمَ قَدْ عَصَمَهُمُ اللَّهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وَجُوهِهِمْ وَيُحْدِثُ لَهُمْ بَدْرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَيَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَوْحَى اللَّهُ إِلَى عِيسَى أَنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا لِي لَا يَدَانِ لِأَحَدٍ بِقَتَالِهِمْ فَحَرَزَ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ وَيَبْعَثُ اللَّهُ يَاجُوجَ وَمَاجُوجَ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسَلُونَ فَيَمُرُّ أَوَّلَهُمْ عَلَى بَحِيرَةِ طَبْرِيَّةٍ فَيَشْرَبُونَ مَا فِيهَا وَيَمُرُّ آخِرُهُمْ فَيَقُولُونَ لَقَدْ كَانَ بِهِذِهِ مَرَّةً مَاءٌ ثُمَّ يَسِيرُونَ حَتَّى يَتَهَيَّئُوا إِلَى جَبَلِ الْحَمْرِ وَهُوَ جَبَلُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيَقُولُونَ لَقَدْ قَتَلْنَا مِنْ فِي الْأَرْضِ مِثْلَهُمْ فَلَنَقْتُلَنَّ مِنْ فِي السَّمَاءِ فَيُرْمُونَ بِشَبَابِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ فَيُرَوِّحُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ نَشِبَهُمْ مَخْضُوبَةً وَيَحْصُرُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابَهُ حَتَّى يَكُونَ رَأْسُ الثَّوْرِ لِأَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مَالَةِ دِينَارٍ لِأَحَدِهِمْ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابَهُ فَيُرْسِلُ عَلَيْهِمُ التَّغْفُفَ فِي رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُونَ فَرَسِي كَمُوتِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابَهُ إِلَى الْأَرْضِ فَلَا يَجِدُونَ فِي الْأَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ إِلَّا مَلَأَهُ زَهْمُهُمْ

وَنَتْنَهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللَّهِ عِيسَى وَأَصْحَابَهُ إِلَى اللَّهِ فَيُرْسِلُ اللَّهُ طَيْرًا كَاعْنَقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ وَفِي رِوَايَةٍ نَطْرَحُهُمْ بِالْهَيْلِ وَيَسْتَوْفِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِيَمِهِمْ وَنَشَابِهِمْ وَجَنَابِهِمْ سَبْعَ سَنِينَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللَّهُ مَطَرًا لَا يَكُنْ مِنْهُ بَيْتٌ مَدْرٌ وَلَا وَبَرٌ فَيَغْسِلُ الْأَرْضَ حَتَّى يَتْرَكَهَا كَالزَّلْفَةِ ثُمَّ يَقَالُ لِلْأَرْضِ انْبَتِي ثَمَرَتَكَ وَرَدِي بَرَكَتَكَ فَيَوْمَئِذٍ تَأْكُلُ الْعَصَابَةُ مِنَ الرِّمَانَةِ وَيَسْتَظِلُّونَ بِقَحْفَلِهَا وَيَبَارِكُ فِي الرُّسْلِ حَتَّى أَنْ اللَّفْحَةَ مِنَ الْأَبْلِ لَتَكْفِيَ الْفَتَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللَّفْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِيَ الْقَبِيلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللَّفْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِيَ الْفَحْدَ مِنَ النَّاسِ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللَّهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ أَبْطَالِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقَى شَرَارُ النَّاسِ يَنْتَهَارُونَ فِيهَا تَهَارُجُ الْحَمَرُ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ. (رواه مسلم) إِلَّا الرِّوَايَةُ الثَّالِثَةُ وَهِيَ قَوْلُهُ تَطْرَحُهُمْ بِالْهَيْلِ إِلَى قَوْلِهِ سَبْعَ سَنِينَ. (رواه ابن جرير)

ترجمہ: اور روایت ہے نواس بن سمان رضی اللہ عنہ سے کہا اس نے ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا پس فرمایا اگر لکھے دجال اور میں ہوں موجود تم میں پس میں جھگڑوں گا اس سے سامنے تمہارے۔ اگر لکھا اور نہ ہوا میں تم میں پس ہر شخص حجت کرنے والا ذات اپنی کا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ خلیفہ میرا ہے اوپر ہر مسلمان کے تحقیق دجال جوان ہوگا بہت مڑے ہوئے بالوں کا آنکھ اس کی پھولی ہوگی گویا کہ میں تشبیہ دیتا ہوں اس کو ساتھ عبد العزیز بنے قطن کے پس جو شخص پائے اس کو تم میں سے پس چاہیے کہ پڑھے سامنے اس کے آیتیں سورۃ کہف کی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ پس چاہیے کہ پڑھے اول کی آیتیں سورۃ کہف کی پس تحقیق وہ سب امان تمہاری کی ہیں فتنہ دجال کے ہے تحقیق دجال نکلنے والا ہے ایک راہ سے کہ واقع ہے درمیان شام اور عراق کے پس فساد کریگا دائیں اور فساد کریگا بائیں۔ اے اللہ کے بندو! پس ثابت رہنا۔ کہا ہم نے یا رسول اللہ اور کتنا ہوگا ٹھہرنا اس کا زمین

میں؟ فرمایا چالیس دن ایک دن مقدار برس روز کے ہوگا اور ایک دن مقدار مہینے کے ہوگا اور ایک دن مقدار ہفتہ کے اور باقی روز اس کے مانند دنوں تمہارے کے۔ عرض کیا ہم نے یا رسول اللہ پس وہ دن کہ ہوگا مقدار برس کے کیا کفایت کرے گی ہم کو اس میں نماز ایک دن کی؟ فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کرنا ادائے نماز کے لئے مقدار دن کے۔ کہا ہم نے یا رسول اللہ کس قدر ہوگا جلد چلنا اس کا زمین میں؟ فرمایا مانند مہینہ کے جس وقت کہ آتی ہے پیچھے اس کے باؤ پس گدہ ریگا ایک قوم پر اور بلا ریگا ان کو پس ایمان لائیں گے وہ اس پر پس حکم کریگا ابراہیم کو پس برسا دیگا ابراہیم کو اور حکم کریگا زمین کو پس اگلی پس شام کو آئیں گے ان پر موسیٰ ان کی دراز ترین اس کے کہ تھے از روئے کو بانوں کے اور خوب پوری اس کی کہ تھے از روئے تختوں کے خوب کچے ہوئے از روئے کو کبھوں کے پھر آئے گا دجال ایک اور قوم کے پاس پس بلائے گا ان کو پس رد کریں گے اس پر قول اس کا پس پھر ریگا ان سے پس ہوں گے قطع زدہ در حالیکہ نہ ہوگا ان کے ساتھ میں کچھ مالوں ان کے سے اور گذر ریگا دجال ویرانہ پر پس کہے گا ویرانہ کو نکال اپنے خزانوں کو پس پیچھے چلیں گے دجال کے خزانے اس ویرانہ کی مانند امیروں شہد کی مکھوں کے پھر بلا دیگا دجال ایک شخص کو کہ بھرا ہوگا جوانی میں پس مار ریگا اس کو تلوار کے پس کانے گا اس کو دو ٹکڑے مانند پھٹنے تیر کے نشانی پر پھر بلائے گا دجال اس جوان کو پس زندہ ہوگا منہ اس کا ہنستا ہو پس دجال ایسے کاموں میں ہوگا کہ: کہاں بھیجے گا اللہ تعالیٰ مسیح، مریم کے بیٹے علیہ السلام کو پس اتریں گے وہ نزدیک منارہ سفید کے جانب مشرقی دمشق کے در حالیکہ ہوں گے عیسیٰ درمیان دو پہڑوں زرد رنگ کے رکھنے والے ہوں گے مسیح دونوں ہتھیلیاں اپنی اوپر بازو دو فرشتوں کے جس وقت جھکا دیں گے سر اپنا ٹپکے گا پس نہ انکا اور جب اٹھائیں گے سر اتریں گے ان کے بالوں سے قطرے مانند دانوں چاندی کے کہ مانند موتیوں کے ہوں۔ پس نہ ہوگا کوئی کافر کہ پائے ہو دم عیسیٰ کی سے مگر کہ مر جائے گا اور

دم ان کا پیچھے گا جہاں تک پہنچے گی نگاہ ان کی پس دھونڈیں گے عیسیٰ دجال کو یہاں تک کہ پائیں گے اس کو دروازہ لہد پر پس قتل کریں گے اس کو پھر آئیں گے پاس ایک قوم کے بچایا ہوگا ان کو اللہ نے دجال کے شر سے پس پوچھیں گے ان کے مونہوں سے گرد و غبار اور خبر دیں گے ان کو مراتب ان کے سے پائیں گے بہشت میں۔ در ہنگامہ کے عیسیٰ اسی طرح سے ہوں گے ناگہاں وحی بھیجے گا اللہ تعالیٰ طرف عیسیٰ کے تحقیق میں نے نکالے ہیں کتنے ایک بندے اپنے۔ نہیں طاقت کسی کو ان سے لڑنے کی پس جمع کر میرے بندوں کو طرف کوہ طور کے اور بھیجے گا اللہ تعالیٰ یا جوج اور ماجوج کو اور وہ ہر زمین بلند سے دوڑیں گے۔ پس گذریں گے پیسے ان کے اوپر تالاب طبریہ کے پس پنی جائیں گے جو کچھ اس میں ہوگا پانی۔ اور گذر گئی جماعت ان کی کہ پیچھے آئے گی ان سے پس کہیں گے کہ تحقیق تھا اس میں کبھی پانی۔ پھر چلیں گے یہاں تک کہ پہنچیں گے طرف جبل حر کے اور وہ پہاڑ ہے بیت المقدس میں پس کہیں گے یا جوج ماجوج کہ تحقیق قتل کیا ہم نے ان شخصوں کو کہ زمین میں تھے آؤ پس چاہیے کہ قتل کریں ہم ان شخصوں کو کہ آسمان میں ہیں پس پھینکیں گے تیر اپنے طرف آسمان کے۔ پس پھیرے گا اللہ تعالیٰ ان پر تیر ان کے رنگ خون میں اور رو کے جائیں گے نبی اللہ کے اور یاران کے یہاں تک کہ ہوگا سربل کا واسطے ایک ان کی کے بہتر سودینوں سے واسطے ایک تمہارے کی آج کے دن پس دعا کریں گے نبی اللہ کے عیسیٰ اور یاران کے پس بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان پر کیزے ان کی گردنوں میں پس ہو جائیں گے مردہ مانند مرنے ایک جان کے پھر اتریں گے بغیر خدا عیسیٰ اور اتریں گے یاران کے طرف زمین کے پس نہیں پائیں گے زمین میں جگہ ایک بالشت مگر بھر دیا جائے گا اس کو چربی اور بد بو ان کی نے پس دعا کریں گے نبی خدا کے عیسیٰ اور یاران کے طرف اللہ کے پس بھیجے گا اللہ جہ نور پر بند کہ گردنیں ان کی مانند گردنوں اونٹ بختی کے ہوں گے پس اٹھائیں گے وہ جہ نور ان کو اور

پھینک دیں گے ان کو جہاں چاہا ہے اللہ نے اور ایک روایت میں ہے کہ ڈال دیں گے جانوران کو پہل میں اور جلاتے رہیں گے۔ مسلمان کمانوں ان کی سے اور تیروں ان کی سے اور ترشوں ان کی سے سات برس پھر بھیجے گا اللہ تعالیٰ ایک بڑا مینہ کہ نہیں چھپا دیگا کسی چیز کو اس مینہ سے گھر مٹی اور نہ گھر صوف کا، پس دھو ڈالے گا وہ مینہ زمین کو یہاں تک کہ کر دیگا اس کو مانند آئینہ کے صاف پھر کہا جائے گا زمین کو نکال تو میوے اپنے اور پھیر لا برکت اپنی پس اس دن کھا دیگا ایک گروہ ایک انار سے اور سایہ پکڑیں گے اس کے چھلکے میں اور برکت دی جائے گی دودھ میں یہاں تک کہ ایک اونٹنی دودھ کی البتہ کفایت کرے گی جماعت کثیر کو آدمیوں میں سے اور گائے دودھ کی البتہ کفایت کرے گی قبیلہ کو آدمیوں میں سے اور بکری دودھ کی البتہ کفایت کرے گی تھوڑی سی جماعت کو آدمیوں میں سے پس ایسے چین وسعت میں ہوں گے ناگہاں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ایک بار خوشبو کی پس پکڑے گی وہ ان کو نیچے بخلوں ان کی کے پس قبض کرے گی وہ روح ہر مومن کی اور ہر مسلمان کی اور باقی رہیں گے شریر لوگ مختلف ہوں گے زمین میں مانند اختلاف گدھوں کے آپس میں پس ان پر قائم ہوگی قیامت۔

روایت کی یہ مسلم نے مگر روایت دوسری کہ وہ قول حضرت کا ہے نظر جہم بالنہل الی قولہ سبع سنین، (روایت کی یہ بڑی ہے)

پس حضرت ﷺ نے بہت سے مسائل جو اس حدیث میں بیان کئے ہیں بالکل صاف ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ دجال حضرت ﷺ کے زمانہ میں نہیں آیا۔ آپ کے مفروضہ دجال تو اس زمانہ میں بھی موجود تھے مگر کہیں حضرت نے دجال کے لفظ سے ان کو خطاب نہیں فرمایا تھا۔ دوسرا یہ کہ جس دجال کی حضرت خبر دے رہے ہیں۔ اس کے شر سے امان میں رہنے کا سبب سورہ کہف کی اول آیتیں قرار دی ہیں اگر ان نصاریٰ کے آگے سب کی سب سورہ پڑھی جائے تو ان کی سزا جرم سے امان نہیں مل سکتی۔ اور تیسرا دجال کا مخرج

درمیان شام اور عراق کے ہے۔ اور چوتھا یہ کہ رہنا اس کا روئے زمین پر چالیس دن ہے پہلا دن سال کا ہوگا اور دوسرا دن مہینہ کا ہوگا اور تیسرا دن ہفتہ کا ہوگا اور باقی دن ہمارے دنوں کے برابر ہوں گے اور اس کی کوئی تاویل اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اصحابوں نے پوچھا حضرت ﷺ سے کہ جو دن سال کا ہوگا کیا پانچ نمازیں ہماری کافی ہوں گی۔ فرمایا حضرت ﷺ نے کہ ہرگز نہیں بلکہ اندازہ کر کے تمام سال کی نمازیں پڑھتے رہنا یہ بات بالکل مسلمہ ہے کہ سب روز حضرت ﷺ کے فرمان کے مطابق ہوں گے اور یہ نصاریٰ اس صورت میں دجال نہیں بن سکتے کیونکہ یہ حضرت ﷺ سے بھی پہلے کے ہیں اگر آپ فرمائیں کہ اس زمانہ میں ان کا یہ دعویٰ نہ تھا یعنی عیسیٰ ابن اللہ کہنا تو میں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ عیسیٰ کے زمانہ میں بھی انکا یہی دعویٰ تھا اور اب تک ان کا یہی دعویٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ وَاذْ قَالِ اللَّهُ يَغِيثُنِي ابْنُ مَرْيَمَ ؕ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَاُمِّي الْهَيْلِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ۔ دوسرا حضرت کے زمانے میں بھی ان کا یہی اعتقاد تھا۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيْرُ ابْنِ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللَّهِ۔ پانچواں جو شخص دجال پر ایمان لائے گا اور اس کو خدا جانے گا وہ قحط زدہ ہوگا۔ اس طرح کا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہوگی اور آج کل دیکھا جاتا ہے کہ جو انگریزوں کو اپنا خدا نہیں جانتے وہ بڑے مرفہ الحال کروڑوں کے مالک اور حکمران ہیں۔ مثلاً امیر کابل شاہ ایران شہنشاہ روم وغیرہ وغیرہ باہر نہ جاییے یہی اہل ہنود کہ ان کو کچھ بھی نہیں سمجھتے مگر کروڑوں کے مالک ہیں مگر سب سے بڑھ کر یہ امر قابل یقین ہے کہ کسی کو یہ اپنے دین پر مجبور نہیں کرتے اور یہ کہیں نہیں آیا کہ دجال عیسیٰ پر حکمرانی کرے گا اور جدھر جائے گا ادھر بلا لے گا بلکہ ازالہ حیثیت عرفی میں فرد جرم لگائے گا۔ الغرض قوم کا نام دجال نہیں صرف ایک شخص ہی ہوگا۔ جس طرح حضرت ﷺ فرما چکے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ریل گاڑی کو دجال کا گدھا قرار دیتے ہیں گویا دجال اور

گدھ لازم و ملزوم ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کی ریل ہے، وہی دجال ہے ریل تو شاہ روم اور اور کمپنیوں کی بھی ہے۔ پھر تو دجال ایک قوم بھی نہ رہا بلکہ بہت سے گروہ اور قوموں میں منقسم ہو گیا۔ صاحب ذرا ہوش میں آئے اور خیال فرمائیے کہ یہ نصاریٰ دجال نہیں بن سکتے اور ریل گدھانہیں بن سکتی اور علاوہ ازیں حدیث سے یہ بھی تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ بن مریم مشرق دمشق میں اتریں گے یعنی بیت المقدس میں دو فرشتوں کا کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اور ان کے دم سے کافر مرجائیں گے۔ دم ان کا جہاں تک ان کی نظریں پڑے گی پہنچے گا۔ مگر آپ کے مرزا صاحب کی آسمانی منکوہ یعنی محمدی بیگم کو اس کا خاوند پہلو میں بٹھا کر آج تک عیش اُڑا رہے اور زندہ ہے۔ حالانکہ مرزا صاحب کی پیشین گوئی بڑے زور سے نکلی تھی کہ یہ تین سال کے اندر مرجائیں گے مگر وہ عابر عکس پیشین گوئی غلط پڑی اور اسی افسوس میں مرزا صاحب اس سے پہلے ہی مر گئے۔ اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ دجال کو لہذ کے پہاڑ میں قتل کر دیں گے۔ اور لہذ ایک پہاڑ کا نام ہے ملک شام میں حالانکہ آپ کا عیسیٰ پہلے مر گیا اور یہ دجال بقول آپ کے ابھی تک موجود ہیں امید ہے کہ آپ کے خلیفہ المسیح کو بھی مار کر مرین گے۔ اور نیز اسی حدیث میں ہے کہ یا جوج اور ماجوج ایک اور قوم ہوں گے۔ جو بعد قتل ہونے دجال کے عیسیٰ کو خبر ان کی پہنچے گی اور حق تعالیٰ سے امر ہوگا کہ میرے بندوں کو وہ طور پر لے جا کر امان دے فرمائیے وہ طور آپ کے مسیح کا کونسا ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یا جوج ماجوج آسمان پر تیر پھینکیں گے اور خون آلودہ ہو کر آئیں گے جس کو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں اور تاویل کہتے ہیں کہ انگریز لوگ پچکاری سے نطفہ لے کر رحم میں ڈالتے ہیں اور یہ مطلب ہے آسمان پر تیر پھینکنے کا۔ صاحب آپ کو خوب معلوم ہوگا کہ ہمارے دیسی تاجران اُسپ انگریزوں کے آنے سے پہلے ہی یہ کیا کرتے تھے اور اب تک کر رہے ہیں بلکہ انگریزوں سے بھی کئی درجہ اچھا جیسا کہ رنگ وغیرہ نطفہ میں ماکر اسی رنگ

کا بچہ پیدا کر لیتے ہیں۔ بلکہ انگریزوں نے بھی یہ عمل ان لوگوں سے سیکھا ہے۔ دس بارہ سال قبل اس کے اسی عمل سے انگریز لوگ منکر تھے۔ اس کے ثبوت پر ایک رسالہ انگریزی میں چھپا ہوا میرے پاس موجود ہے پس آپ کی تاویل کا الزامی جواب یہ ہے کہ گویا ان دجالوں کے آنے سے پہلے بھی یا جوج ماجوج ہماری اپنی قوم کے ہمارے ملک میں موجود تھے۔ اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ نہ یہ دجال ہیں اور نہ یا جوج ماجوج اور نہ غلام احمد قادیانی عیسیٰ بن مریم ہے اگر اس کو عیسیٰ تسلیم کیا جائے تو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خبر (نعوذ باللہ) سراسر غلط اور لغو اور دھوکا دینے والی تصور کی جائے اور جو عیسیٰ ابن مریم کے نزول میں احادیث آئی ہیں وہ اب تحریر کرتا ہوں۔ وعن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ والذی نفسی بیدہ لبوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکمنا عادلاً فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ویفیض المال حتی لا یقیلہ احد حتی تكون السجدة الواحدة خیر من الدنیا وما فیہا ثم یقول ابو ہریرۃ فافرقوا ان شئتم وان من اهل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ (متن علیہ) ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے۔ قسم اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری زندگی ہے۔ تحقیق اتریں گے عیسیٰ بن مریم آسمان سے در آنحالیکہ حاکم عادل ہوں گے۔ پس توڑیں گے صلیب کو اور قتل کریں گے سوار کو اور رکھ دیں گے جزیہ اور بہت مال یہاں تک کہ نہیں قبول کرے گا کوئی یہاں تک کہ ہوگا ایک سجدہ بہتر دنیا سے اور ہر چیز سے جو

۱۔ اگر صرف جان عدم فریت جہاد کا فرض منہیں ہے تو عدم فریت کے جان کنندہ کو وضع ابھاد نہیں کہا جاتا۔ چنانچہ فریت کے جان کنندہ کو کہا نہیں کہا جاسکتا الغرض قادیانی صاحب کو فیض الجزیہ کا مصداق خیال کرنا سراسر غلطی ہے۔ جزیہ کا موقوف کرنا اس سے تصور ہو سکتا ہے جس کی قدرت میں جزیہ لینا ممکن ہو وہ تو خود رعایا میں تھا۔ رعایا و شاہ سے جزیہ نہیں لے سکتی۔

دنیا میں ہے پھر کہتے تھے ابو ہریرہ پس اگر شک وتردد رکھتے ہو اس خبر میں تو پڑھو اگر چاہو اس آیت کو کہ نہیں ہے کوئی اہل کتاب سے مگر کہ ایمان لائے گا عیسیٰ پر پہلے مرنے ان کے سے پس پڑھو ساری آیت۔ اس حدیث میں حضرت نے عیسیٰ ابن مریم کہا ہے، نہ کہ مثیل اس کا اور اترنے کے معنی بلندی سے اترنا ہے، نہ کہ زمین میں سے پیدا ہونا اور جو کہ فرمایا ہے اس کی تعریف میں حاکم عادل ہوگا۔ آپ فرمائیے کہ مرزا جی نے کونسا حکم اور کونسا عدل کیا ہے۔ وہ تو ساری عمر انگریزوں کے محکوم رہا اب ان کے عدل کا حال سنئے۔

ہم وہ خطوط نقل کرتے ہیں جو انہوں نے لکھ کر اپنے رشتہ داروں کے پاس بھیجے تھے۔ ان کے دیکھنے سے مرزا صاحب کا عدل پورا روشن ہو جائے گا۔ چنانچہ مرزا جی کا پہلا خط یہ ہے۔

نقل اصل خطوط جو مرزا صاحب قادیانی نے مرزا احمد بیگ

اور دیگر رشتہ داروں کو بھیجے تھے

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمدہ ونصلی
السلام علیک ورحمة الله وبرکاتہ:- قادیان میں جب واقعہ ہانکہ محمود فرزند آن
مکرم کی خبر سنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بوجہ اس کے کہ یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں

لے اس جگہ پر مرزا صاحب کے خاص دستخطی خطوط کو جو مجھے ایک دوست شیخ نظام الدین صاحب ہشت راہوں کی معرفت مرزا علی شیر صاحب سمجھی مرزا صاحب سے ملے ہیں درج کرتا ہوں۔ جس سے مرزا صاحب کی مسیح موعودی اور نبوت بخاری ظاہر ہوتی ہے۔ ان خطوط کے ملاحظہ سے ناظرین معلوم کر لیں گے کہ مرزا صاحب کیا ہیں کوئی اولیٰ اور چاہیں مسلمان بھی ایسا نہیں کرے گا اور نہ کر سکتا ہے۔

لکھ سکتا تھا۔ اس لئے عزا پر ہی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفات فرزند ان حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ خصوصاً بچوں کی ماؤں کیلئے تو سخت مصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا فرمائے اور عزیزی مرزا احمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی بات اس کے آگے ان ہونی نہیں۔ آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو۔ لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل کلی صاف ہے اور خدائے قادر مطلق سے آپ کے لئے خیر و برکت چاہتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی محبت اور خلوص اور ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ ظاہر پر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا اخیر فیصلہ قسم پر ہوتا ہے، جب ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ سو مجھے خدائے تعالیٰ قدر مطلق کی قسم ہے کہ میں اس بات میں بالکل سچا ہوں کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اسی عاجز سے ہوگا، اگر دوسری جگہ ہوگا تو خدا تعالیٰ کی تنہمیں وارد ہوگی اور آخر اسی جگہ ہوگا کیونکہ آپ میرے عزیز اور پیارے تھے اس لئے میں نے عین خیر خواہی سے آپ کو جتلا دیا ہے کہ دوسری جگہ اس رشتہ کا کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم طبع ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا۔ اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتقم ہوں کہ اس رشتہ سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی یادداشت:- مرزا احمد بیگ کی زوجہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تایا پچا زاد ہمشیرہ ہے۔ مرزا علی شیر صاحب کی لڑکی عزت بی بی فضل احمد پسر مرزا غلام احمد کی زوجہ تھی اب مرزا احمد حسین صاحب ساکن رابعون کے خط سے معلوم ہوا کہ باوجود بہت دھمکانے کے بھی فضل احمد نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی اس لئے فضل احمد کو بھی مرزا صاحب نے اگے کر دیا۔

کے لئے نہایت درجہ موجب برکت ہوگا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھول دیگا جو آپ کے خیال میں نہیں۔ کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہوگی جیسا کہ یہ اس کا حکم جس کے ہاتھ میں زمین اور آسمان کی کنجی ہے تو پھر کیوں اس میں خرابی ہوگی اور آپ کو شاید معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشین گوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا کہ جو اس پیشین گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہان کی اس کی طرف نظر لگی ہوئی ہے اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کریگا اور اپنے دین کی مدد کریگا۔ میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیشین گوئی کے ظہور کیلئے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ عاجز جیسے (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پر ایمان لایا ہے، ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے ایمان لاتا ہے اور آپ سے متمسک ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے معاون بنیں تاکہ خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ خدا تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کر سکتا اور جو امر آسمان پر ہو چکا ہے زمین پر وہ ہرگز بدل نہیں سکتا، خدا تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطا کرے اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالی جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ آپ کے سب غم دور ہوں اور دین اور دنیا دونوں آپ کو خدا تعالیٰ عطا فرمادے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی ناملائیم لفظ ہو تو معاف فرمادیں۔ واستقام خاکسار احقر عباد اللہ غلام احمد عفی عنہ..... ۷ جولائی ۱۸۹۰ء بروز جمعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی

مفتی محمد رفیع الدین صاحب سمد تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ..... اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں لیکن اب جو آپ کو ایک خبر سنا تا ہوں، آپ کو اس سے بہت رنج گزرے گا مگر میں محض اللہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری عداوت ہو رہی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں ساتھ ہیں آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں۔ بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ رسول کے دین کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار کیا جائے، ذلیل کیا جائے، روسیا کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں اب مجھ کو بچالینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور مجھے بچائے گا اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا، کیا میں چوڑھایا چہار تھا، جو مجھ کو لڑکی دینا عاریا ننگ تھی، بلکہ وہ تو اب تک ہاں سے ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لئے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لئے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض کہیں جائے مگر یہ تو آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور جن کی

لڑکی کے لئے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو، وہ میری وارث ہو، وہی میرے خون کے پیاسے، وہی میری عزت کے پیاسے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ خوار ہو اور اس کا روسیہ ہو، خدا بے نیاز ہے، جس کو چاہے روسیہ کرے مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو، خدا تعالیٰ سے خوف کرو، کسی نے جواب نہ دیا۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آ کر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے، صرف عزت بی بی نام کے لئے فضل احمد کے گھر میں ہے، بیشک وہ طلاق دے دے۔ ہم راضی ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے، ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہیں کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رجسٹری کر کر آپ کی بیوی صاحب کے نام خط بھیجا، مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے کیا ہمارا رشتہ باقی رہ گیا ہے۔ جو چاہے کرے، ہم اس کے لئے اپنے خویشتوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہو سکتے، مرتا مرتا رہ گیا، کہیں مرا بھی ہوتا یہ باتیں آپ کی بیوی صاحبہ کی مجھ تک پہنچی ہیں۔ بیشک میں ناچیز ہوں، ذلیل ہوں اور خوار ہوں، مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میری عزت ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اب جب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے لہذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں، پھر جیسا کہ آپ کی خود منشا ہے میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی کو اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا بلکہ ایک طرف جب (محمدی) کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دیدیگا اگر نہیں دیگا تو میں اس کو عاق اور لا وارث کروں گا اور اگر میرے لئے احمد بیگ سے مقابلہ کروں گے اور یہ ارادہ اس کا بند کرادوں گے تو میں بدل و جان حاضر ہوں اور فضل احمد کو جواب میرے قبضہ میں ہے، ہر طرح سے درست کر کے آپ کی لڑکی کی آبادی کے لئے کوشش کروں گا اور میرا مال ان کا مال ہوگا، لہذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ آپ اس

وقت کو سنبھال لیں۔

اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آ جائیں اور اپنی گھر کے لوگوں کو تاکید کریں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیوے، ورنہ مجھے خدا تعالیٰ کی قسم ہے اور اب ہمیشہ کے لئے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دوں گا اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے تو اسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں رکھے گا اور جب آپ کی بیوی کی خوشی ثابت ہو۔

ورنہ جہاں میں رخصت ہوا ایسا ہی سب رشتہ ناطے بھی ٹوٹ گئے، یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہوئی ہیں، میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہیں۔ واللہ اعلم
راقم خاکسار غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج ۲ مئی ۱۸۹۱ء

نقل اصل خط مرزا صاحب جو بنام والدہ عزت بی بی تحریر کیا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی

والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز تک (محمدی) مرزا احمد بیگ کی لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے سارے رشتہ ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہیگا، اس لئے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتے ہو اس کو سمجھا دو، اور اگر ایسا نہیں ہوگا تو آج میں نے مولوی نور دین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لئے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو وارث نہ سمجھا

جائے اور ایک پیسہ وراثت کا اس کو نہ ملے، سو امید رکھتا ہوں کہ شرعی طور پر اس کی طرف سے طلاق نام لکھا آجائیگا، جس کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کے غیر کے ساتھ نکاح کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جائے، عزت بی بی کو تین طلاق ہیں، سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی دوسرے سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی، سو یہ شرعی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں۔ اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاقی کر دوں گا اور پھر دو میرے وراثت سے ایک دانہ نہیں پاسکتا اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھاؤ تو آپ کے لئے بہتر ہوگا۔ مجھے افسوس ہے میں نے عزت بی بی کے بہتری کے لئے ہر طرح سے کوشش کرنا چاہا تھا اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی، مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی کجی بات نہیں کہی، مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے، جس دن نکاح ہوگا، اس دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہیں رہیگا۔

راقم مرزا غلام احمد از لودھیانہ اقبال گنج ۲۳ مئی ۱۸۹۱ء

از طرف عزت بی بی بطرف والدہ

اس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو، مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے، اگر تم اپنے بھائی میرے ماموں کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتے ہو، اگر نہیں تو پھر حلاق ہوگی اور ہزار طرح رسوائی ہوگی، اگر منظور نہیں تو خیر۔ جلدی مجھے اس جگہ سے لے جاؤ۔ پھر میرا اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔

(جیسا کہ عزت بی بی نے تاکید سے کہا ہے، اگر نکاح رک نہیں سکتا پھر بدلتو تف عزت بی بی

کے لئے کوئی قادیان سے آدمی بھیج دو، تاکہ اس کو لے جائے۔ حاشیہ بر صفحہ ۱۲۳، ملاحظہ ہو۔)

پس خان صاحب آپ کو بخوبی عدل مرزا صاحب کا ان خطوط سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ پس میں بھی کچھ جتنا دیتا ہوں اگرچہ ہندی کے چندے کی کچھ ضرورت نہ تھی مگر مکتوب علیہ میرا چنداں لیتی نہیں۔ سنئے صاحب اگر کچھ قصور تھا تو مرزا احمد بیگ کا تھا اس کی بہن کا کچھ بھی قصور نہ تھا۔ اچھا بالعرض مانا کہ اس نے بھائی کو نہ سمجھایا اس کی بیٹی کا کیا قصور کہ وہ بیچاری مطلقہ ہو کر اپنے حصہ زوج سے شرعاً محروم کی جائے اور فضل احمد بیچارے پر یہ سزا کہ اس بے گنہ کو اگر طلاق نہ دے تو اس کو عاقی کیا جائے اور ایک دانہ اور ایک پیسہ بھی مرزا صاحب کی وراثت سے اس کو نہ ملے۔ ایسا شہوت پرست نہ کہیں دیکھا، نہ سنا۔ خصوصاً نبی آخر الزمان کہلانے والا ہاں صفت موصوف نہیں ہو سکتا (نعوذ باللہ من ذلک) اور دیکھئے صاحب رشتہ ناٹھ توڑنے والے کو قرآن شریف اور احادیث میں کن لفظوں سے پکارا گیا ہے اور کن گروہ میں شامل کیا گیا ہے اور کیا سزا اس پر ہے۔ فہل عسیبتم ان تولیستم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم O اولئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعمى ابصارہم O افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب افقالتہا O ان الذین اوفدوا علی ادبارہم بعد ما تبین لہم الہدی الشیطان سول لہم واملی لہم O ترجمہ: پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور توڑو قرأتیں اپنی۔ یہ لوگ ہیں جنہیں لعنت کی ہے ان کو اللہ نے پس بہرا کر دیا ان کو اور اندھا کر دیا آنکھوں ان کی کو کیا پس نہیں فکر کرتے بیچ قرآن کے کیا اوپر دلوں کے

نہیں تو خیال کی نشانیوں میں لکھا چکا ہے کہ جو اس کی نہ ملے گا تو اس کے ہاتھ میں ایک فوس تک نہ رہے گا۔

قفل ہیں ان کے تحقیق جو لوگ پھر گئے اوپر پٹھنوں اپنی کے پیچھے اس کے کھڑے ہو واسطے ان کے ہدایت شیطان نے زینت دلائی ہے واسطے ان کے اور ذلیل دلائی ہے واسطے ان کے۔ اس آیت سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے بڑی لعنت کی ہے۔ ایسے کام کرنے والوں کو اور مفسد قرار دیا ہے۔ یہ آیت جو قفل کی گئی ہے پارہ ۲۶ سورۃ محمد کے تیسرے رکوع میں ہے۔ اور دوسری ایک اور آیت ان اللہ یا ممر بالعدل والاحسان وایئذ ذی القربی ونبھی عن الفحشاء والمنکر والبغی لعلمکم نذکرون ۵ تحقیق اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے ساتھ عدل کے اور احسان کے اور دینی قربت والوں کے اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول سے اور سرکشی سے نصیحت کرتا ہے تم کو تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ یہ خدا کا فرمان صاف صاف ہے کہ عدل کرو اور احسان کرو اور صدقہ کرو اور برے کاموں سے بچو جب قطع رحمی کی بناء ایک شہوت پرستی پر مبنی ہو تو کیسی فضیلت ہے اگر آپ فرمادیں کہ مرزا صاحب کی درخواست شہوت رانی کے لئے نہیں تھی وہ خدا کا حکم تھا اور خدا نے ان کا نکاح آسمان پر کیا تھا اس لئے مرزا صاحب تبلیغ احکام الہی کرتے تھے تو اس حکم خدا کے پورے نہ ہونے سے سب باتیں درہم برہم ہو گئیں اور اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کو الہام ربانی نہیں ہوا، بلکہ شیطانی ہوا۔ اور انہام شیطانی کے بارہ میں خدا نے خود قرآن شریف میں فرمایا ہے، چنانچہ یہ آیت هل انبکم علی من تنزل الشیاطین ۵ تنزل علی کل افاک الیم ۵ یلقون السمع واكثرهم کاذبون ۵ ترجمہ: کیا بتلاؤں میں تم کو اوپر کس کے اترے ہیں شیطان اترتے ہیں اور ہر جھوٹ باندھنے والے گنہگار کے رکھتے شیطان کا ان اپنے اور اکثر ان کے جھوٹے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو الہام مرزا صاحب کو ہوا تھا جھوٹا نکلا ایسی اور بہت سی آیات ہیں کہ صلہ رحمی کو محمود اور قطع رحمی کو مردود قرار دیتی ہیں اور کئی حدیثیں بھی لکھتا ہوں۔ قال رسول اللہ ﷺ ما من ذنب

اخری ان يجعل اللہ لصاحبه العقوبة فی الدنیا مع ما یزخره فی الآخرة من البغی وقطعت الرحم (روایت ترمذی و ابوداؤد) ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں کوئی گناہ لائق تر اس بات کے کہ جہدی کرے اللہ تعالیٰ صاحب گناہ کو عذاب دنیا میں باوجود خیرہ کرنے اس کے سچ آخرت کے نکل جانے سے اطاعت امام سے اور کائنات کے ناطے کے سے۔ (روایت ترمذی و ابوداؤد) وعن عبد اللہ بن ابی اوفی قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تنزل الرحمة علی قوم فیہم قاطع رحم (روایت ترمذی و ابوداؤد) ترجمہ: اور روایت ہے عبد اللہ بن ابی اوفی سے کہ کہا سنا میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے نہیں اترتی رحمت اس قوم پر کہ اس میں کائنات والا ہوتا ہے ناطے کا۔ (روایت یہ ہے شعب ابی یوسف) ایسی اور بہت سی احادیث ہیں جن کے معنی یہی ہیں اور آپ کو اس تحریر سے عدل مرزا کا بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔ ایسا عدل جو قرآن اور حدیث کے مخالف ہو اس کو ظلم کہا جاتا ہے نہ کہ عدل پھر اسی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں جو نزول عیسیٰ میں لکھی گئی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ عیسیٰ ابن مریم صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے یعنی سوائے ایمان کے اور کوئی وجہ سبب امان کا نہ ہوگا۔ پس فرمائیے کہ آپ کے مرزا نے کتنے عیسائی مسلمان کئے اور کتنے غیر مذہب والوں کو اسلام پر لائے دوسری حدیث نزول عیسیٰ میں یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ بنزل عیسیٰ ابن مریم الی ارض فیتنزوج ویولد ویمکت خمس واربعون سنة ثم یموت فیلدفن ینبغی قبری فاقوم انا عیسیٰ ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر وعمر (روایت ترمذی و ابوداؤد) ترجمہ: روایت ہے عبد اللہ بن عمر کے سے کہ کہا فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اتریں گے عیسیٰ بن مریم کے طرف زمین کی پس نکاح کریں گے اور پیدا کی جائے گی اولاد ان کے لئے اور ٹھہریں گے زمین میں بیستائیس (۲۵) برس پھر

وصال فرمائیں گے عیسیٰ پس دفن کئے جائیں گے نزدیک میرے (ﷺ) پس انھوں گا میں اور عیسیٰ ابن مریم ایک مقبرہ میں درمیان حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے۔ (روایت کی پابن جوزی نے کتاب وفاء میں) پس اس حدیث کے رو سے بھی سندھی بیگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نہیں بن سکتا۔ حضرت نے اس حدیث میں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کہا ہے جو آسمان سے زمین پر اتریں گے اور پینتالیس برس زمین پر رہیں گے اگر ان مرزا صاحب کا جب سے یہ پیدا ہوئے ہیں زمانہ نزول تصور کیا جائے تو اسی (۸۰) نوے (۹۰) برس کے مابین ہوگا اور اگر ان کے دعوے میعاد مقرر کیا جائے تو پینتالیس (۳۵) سال سے بہت کم یہ دونوں صورتیں مخالف پڑیں۔ اور آنحضرت نے اسی حدیث میں فرمایا ہے کہ جب وہ اتریں گے تو نکاح کریں گے۔ فرمائیے کہ آپ کے عیسیٰ بعد دعوی نبوت کتنے نکاح کرنے پر آمادہ ہوئے مگر کامیاب نہ ہوئے اور اسی حدیث میں ہے کہ وہ مر کر میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے۔ اور اس کے دفع شک کے لئے فرمایا کہ ہم انھیں گے بھی ایک مقبرہ سے مزید برآں یہ فرمایا حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے درمیان سے، حالانکہ مرزا صاحب قادیان میں مدفون ہیں۔ اگر ان سب احادیث اور آیات کے تاویلاً کچھ اور معنی لئے جائیں جو اصل کے مخالف ہوں تو خلاف جمیع امت مرحومہ کا آتا ہے کیونکہ نہ کسی اصحاب نے یہ معنی تاویلی ملحوظ رکھے ہیں اور نہ اجماع الامت کا اس پر ہے۔

۱۔ مرزا صاحب اس آیت کی رو سے جتنی قرار دیئے جاتے ہیں۔ و من يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا ترجمہ: اور جو کوئی برخلاف کرے رسول کے پیچھے اس کے کہ ظاہر ہوئے واسطے اس کے ہدایت اور ہدایت کے مخالف راہ مسلمانوں کے متوجہ کریں گے ہم اس کو جہنم متوجہ ہوا اور داخل کریں گے ہم اس کو وہ دوزخ میں اور بری ہے جہنم بحر ہونے کی۔

آج حضرت کے بعد تیرہ سو (۱۳۰۰) سال گزر چکے ہیں۔ کسی مجتہد الوقت اور مجتہد اور اولیاء امت نبوی نے یہ نہیں لکھا کہ عیسیٰ ابن مریم نہ آئیں گے بلکہ ان کا مثیل مرزا قادیانی ہوگا اگر آپ کے تاویلی معنی ملحوظ رکھے جائیں تو پھر حضرت کا کلام جو موصوفہ بفصل الخطاب تھے ایک امر مبہم پیکلی ٹھہرا اور اپنی امت کو تفرقہ میں ڈالا (نعوذ باللہ من ذلک) کیا آپ خواب کی تعبیر دے رہے تھے۔ یا امت کو تفرقہ میں ڈالایا امت کو ایک بڑے حادثہ سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ حالانکہ حضرت کو حق تعالیٰ سے بالذمومنین رؤف رحیم کا خطاب ملا ہے۔ اور یہ دونوں خداوند تعالیٰ کے اپنے تو صلی نام ہیں۔ ایسے انسان کامل سے ہرگز لعنت کی امید نہیں ہو سکتی خصوصاً و ما یبطن عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کا بھی مصداق ہو یہ پیشین گوئیوں کا غلط لفظنا آپ کے عیسیٰ جعلی کا حصہ ہے ہم اپنے حضرت سید المرسلین و خاتم النبیین کو ایسے الزاموں سے بالکل بری جانتے ہیں اور تاویلوں کے درپے نہیں ہوتے مگر وہ کہ جن کو خدا و رسول پر پورا ایمان نہ ہو جیسا کہ فاما الذین فی قلوبہم زیغ فیتبعون ما تشاہہ منه ابتغاء الفتنہ و ابتغاء تاویلہ و ما یعلم تاویلہ الا اللہ ترجمہ: پس وہ لوگ جو بیچ دلوں ان کی کے کجی ہے۔ پس بیروی کرتے ہیں اس چیز کی جو شبہ والی ہے اس میں سے واسطے چاہیے مگر اسی کے اور واسطے چاہیے تاویل اس کے اور نہیں جانتا تاویل اس کی کو گمراہی۔ اور یہ ان لوگوں کی تردید میں ہے جو تشابہات کی تاویلوں میں گم رہتے ہیں اور جو آیات محکمات ہیں ان کی تاویل تو بطریق اولیٰ ممنوع اور ناجائز ٹھہری پس صاحب اپنی من بھاتی تاویلوں سے تو بہ کریں اور قرآن اور حدیث کو پیکلی اور چیتان نہ قرار دیں خصوصاً ان آیات کو جن پر ایمان کی بنا ہے۔ اور خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر۔ ترجمہ: اور البتہ تحقیق آسان کیا ہم نے قرآن واسطے نصیحت کے پس کیا ہے کوئی نصیحت پکڑنے والا۔ یہ آیت چار

دفعہ حق تعالیٰ نے سورۃ قمر میں فرمائی ہے مناسب ہے کہ آپ اس سے نصیحت پکڑیں اور کاذب مسیح سے پرہیز کریں کہ ان کی طرح اور بھی پہلے نبوت کا دعویٰ کر چکے ہیں اور کئی بعد میں کرتے رہیں گے چنانچہ حضرت سرور دوعلم ﷺ نے پہلے ہی خبر فرمادی ہے۔ مثلاً ابن صیاد اور مسلمہ کذاب وغیرہ وغیرہ۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعة حتی یبعث کذابون دجالون قریب من ثلاثین کلہم یزعم انہ رسول اللہ۔

ترجمہ: روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ اٹھائے جائیں گے جھوٹے مکار تقریباً تیس تک۔ ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ رسول اللہ کا ہے۔ یعنی ہر ایک دعویٰ نبوت کا کرے گا اور بہت سے ہو گذرے ہیں ان میں سے شہروں میں۔ اور نہ کامیاب و ہلاک کیا ہے اللہ نے ان کو اور اسی طرح کرے گا۔ باقی مدعیوں کے ساتھ اور دجال خارج ہے اس گنتی سے کہ وہ دعویٰ الوہیت کا کرے گا۔ (زبدۃ صحت شرح مشکوٰۃ)

وعن ثوبان قال قال رسول اللہ ﷺ لا تقوم الساعة تلحق القبائل من امتی بالمشرکین و حتی یعبدوا الاوثان و انہ سیکون فی امتی ثلاثون کذابون کلہم یزعم انہ نبی و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (ہذا حدیث صحیح)

ترجمہ: روایت ہے ثوبان سے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہ قائم ہوگی قیامت یہاں تک کہ مل جائیں گے قبیلے میری امت سے مشرکوں کے ساتھ اور یہاں تک کہ پوچھیں گے بتوں کو اور تحقیق قریب ہے کہ ہوں گے میری امت سے تیس جھوٹے ہر ایک گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے اور میں (خود رسول کریم ﷺ) خاتم النبیین ہوں، نہیں کوئی نبی میرے بعد۔ (یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی شریف باب ما جاء في الساعاتی خرج کذبون، جلد ثانی، صفحہ ۱۸۵، دہلی)

اب میں اپنی دلائل کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے من گھڑت سوال جو ہماری طرف منسوب کئے ہیں اور ان کے جواب جو آپ نے دیئے ہیں، تردید کرتا ہوں۔ شاید ضمناً کچھ دلائل بھی ہوں گے۔

اولاً گزارش ہے کہ جو تفسیر سورۃ النقص میں آپ نے درنشان کی ہے اس کے رسم خطی اور عبارت دیکھ کر اطفالِ مکتب بھی کھلی مچاتے ہیں۔ آپ کی قابلیت کاف جو آپ شق بہ "قی" لکھتے ہو خیر ان باتوں سے کیا کام مطلب یہ ہے کہ جو آپ نے کلام ربانی کے ظاہری معانی چھوڑ کر کل الفاظ کی تاویلات ضعیفہ کر کر اپنے مطلب کو ثابت کیا ہے یہ اقوال صحابہ کرام و تفسیر مفسرین متقدمین کے برخلاف ہے۔ حالانکہ بہ مصداق حدیث خیر القرون قرنی ثم الدین یلونہم ثم فشم۔ ترجمہ: یعنی آپ نے فرمایا سب زمانوں سے میرا زمانہ اچھا ہے پھر وہ جو ان کو دیکھنے والے ہیں یعنی تابعین پھر وہ جو ان کو دیکھنے والے ہیں یعنی تبع تابعین، پھر پس۔ یعنی جو لوگ حضرت ﷺ کے زمانہ کے قریب ہیں وہ بعیدوں سے دین کے مسائل میں اچھے پہنچنے والے ہیں۔ دیکھئے تفسیر عباسی جو تفسیر عبداللہ بن عباس کہ جو ثقہ صحابہ سے ہیں اور تفسیر القرآن بخاری شریف و باقی تفاسیر جو تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کی بنائی ہوئی ہیں کیا کسی صحابہ نے یہ تاویلیں کی ہیں۔ یا آپ ہی کی من بھائی باتیں ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ من قال فی القرآن ہواہ فلیتبوا مقعده فی النار و فی روایۃ من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوا مقعده فی النار (رواہ ترمذی) ترجمہ: جو شخص کہ قرآن میں اپنی رائے سے کہے پس چاہیے کہ تیار کرے جگہ اپنی سچ آگ کے اور ایک روایت میں ہے جو کہ قرآن میں بغیر علم کے پس چاہیے کہ بنائے اپنی جگہ آگ میں۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار۔ ترجمہ: حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے

تا اعدادی کرو جماعت بڑی کی اس لئے کہ جو شخص اکیلا ہوا والا جائے گا آگ میں۔ پس جو شخص سواد اعظم کی اتباع چھوڑ کر سوا علم کے اپنی رائے سے قرآن کے الفاظ میں تاویلین کرے وہ ایسی حدیثوں کا مصداق ہوگا۔ اگر برخلاف اجماع امت مرحومہ کے جو آپ نے قمر سے مراد لی ہے وہ مانی بھی جائے تو بھی کیا وجہ ہے کہ اس سے خاص مرزا صاحب ہی مراد لئے جائیں اور عموماً خلفاء راشدین و اولیاء المکرمین کیوں نہ لئے جائیں اور یہ جو آپ نے بیان کیا ہے کہ قمر شمس کے تابع ہوتا ہے اور شمس سے نور حاصل کر کے اور ان کو مستفید کرتا ہے کیا یہ وصف ان خلفاء و نظام و اولیاء کرام میں جن کے الہامات و کرامات اظہر من الشمس ہیں موجود نہ تھے۔ خیال کیجئے کہ گروہ کے گروہ مشرکین و یہود و نصاریٰ ان کے ہاتھ سے اسلام لائے ہیں اور ظاہری و باطنی فیوض سے فیضیاب ہوئے ہیں آپ بتائیں کہ مرزا قادیانی کی دعوت سے کتنے مشرک یا نصاریٰ یہود اسلام لائے اور دینی فیض پایا۔ پھر بڑا تعجب ہے کہ ایک چودھویں صدی کا آدمی قمر بنا۔ حضرت قمر تو ہمیشہ شمس کے تابع ہوتا ہے نہ کہ تیرہ سو (۱۳۰۰) سال کے بعد۔ قمر تو قیامت تک شمس کا تابع رہے گا۔ آپ کا بنایا ہوا قمر تو خاک میں مل گیا ہے۔ ایسی کچی تاویلوں سے کام ہرگز نہیں لگتا یہ تو صرف خطہ اور پگھہ پن ہے۔ آپ کی یہ تفسیر سراپا مخالف اجماع جم غفیر ہے اس عقیدہ سے آپ کو باز آنا لازم ہے۔ واللہ بھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ اللہم اھدنا الصراط المستقیم آمین۔

آپ کے سوالات و جوابات جن کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے۔ ”مخالفان جماعت احمدیہ کا تسلی قلب قلع قلع“ قلع قلع کے معنی تو آپ کو نہ آتے ہوں گے مگر طوطی وار کہہ دیا ہے۔ قولہ سوال ”یہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ کہاں عیسیٰ مسیح یا امام آخر الزمان آئے ابھی کوئی نہیں آئے ہم کو کوئی ابھی گمان بھی نہیں“۔ الجواب تو آپ سوال بھی متفرق طور پر

کرتے ہو۔ اگر خواندہ ہو یا ناخواندہ مگر خواندہ ناخواندہ سے سیکھ کر کہتا ہے۔ یہ سوال ہمارے ملک میں تسلی بخش ہو رہا ہے ہم کو اس کا جواب دینا فرض ہوا۔ لیکن بھائی تم اپنے دل میں سوچ لو کہ یہ سوال کیسا گندہ اور کچا اور بودہ ہے کیونکہ کوئی دلائل قرآن اور حدیث سے نہیں صرف تمہارا زبانی جمع خرچ ہے۔ (۲۲ مئی ۱۹۰۰ء)

صاحب چونکہ سوال کی عبارت آرائی آپ جیسے منشی کریں تو پھر گندہ و بودہ کیوں نہ ہو۔ سبحان اللہ الجواب کے بعد پھر بھی سوال ہی کی تقریر شروع ہو رہی ہے۔ صاحب اسائل کا مشتاق تو یہ تھا کہ جس شخص کو تم عیسیٰ موعود و مہدی معبود بناتے ہو۔ اس میں تو ہمارے گمان میں عیسائیت و مہدویت کے حسب فرمان مخرصادق کے ایک نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ مثل مشہور ہے کہ کاٹھ کا بٹا تو میاؤں کون کرے۔ پھر آپ نے جواب کا خلاصہ یہ لکھا ہے۔ ”بھائی صاحبان تم نے قادیان شریف جا کر مرزا صاحب کی باتیں نہیں سنیں۔ اور ان کی کتابوں کی تحقیقات نہیں کی کیونکہ یہ نبی آخر الزمان ہے۔ اس پر گنتی رسولوں کی ختم ہو گئی۔ جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذا المرسل افقت اور جب رسولوں کی گنتی پوری ہو جائے گی۔ پس ابتداء و انتہا خدا تعالیٰ کے کاموں کا ہم مثل ہوتا ہے اور اس کے کام اس طرح سے سرانجام ہوتے ہیں اور دوسرا تم نے سجدہ شکر یہ ادا نہیں کیا۔ دونوں کام جو کئی برس کے لئے اور یہ کام شیطان کے تھے۔ جو تم نے کر لئے۔“ دیکھو یہ کلام کیسا لغو و بکواس ہے اور مخالف نص اور حدیث کے ہے۔ صاحب تم تو ماہر قرآن ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اب آیت ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ و حدیث لا نبی بعدی کو پس پشت ڈال کر کمثل الحمار یحمل اسفار ابن گئے۔ اسی کو کہتے ہیں ”من حرامی جہاں ڈھیر“۔ آپ نے ہمارے ذمہ دو شیطانی کام لگائے ہیں۔ ایک قادیان نہ جانا، دوسرا سجدہ شکر یہ نہ جانا لانا۔ صاحب اس دعوے کی آپ کے پاس کون سی آیت یا حدیث دلیل ہے یا صرف من

گھڑت بات ہے آپ کا عقیدہ جو مخالف آیت وحدیث مرقومہ ہے آپ کو خود شیطان بنارہا ہے۔ مثل ہے کہ جو جان بوجھ کر اندھا ہو اس کا دارو کیا۔ آپ کو اس گندہ عقیدہ سے باز آنا لازم ہے ورنہ بہت کچھ تباہی کے من بھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یصللہ فلا ہادی لہ۔

قولہ سوال ”مسیح اور مہدی کا ابھی کوئی نشان نہیں آیا۔ اگر آئے گا تو اور رنگ ہو جائے گا۔ وہ بادشاہی دنیا کی ہمراہ لائے گا ملک فتح کرے گا۔ کفار کو تہ تیغ کر کے اسلام پر لے آئے گا۔ اور دجال آئے گا تو ایک گدھے پر چڑھ کر آئے گا اور کہے گا کہ ہم خدا ہیں۔ ہماری خدائی کو مانو بہت خلقت اس کے ساتھ ہو جائے گی۔ جو اس کو نہ مانے گا تو بارش بند کر دے گا اور گدھا اس کا ستر باغ کا ہوگا اور سوکوس پر لید کرے گا اس کے آگے دخان کا پہاڑ چلے گا وغیرہ وغیرہ۔ اور یا جوج ماجوج آئیں گے تو پانی سب دریاؤں کا پی جائیں گے کچھ نہ چھوڑیں گے بلند مکان پر کھڑے ہو کر تیر آسمان پر چلائیں گے اور وہ خون آلود آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔ جس طرح ہماری کتابوں میں لکھا ہے۔ اگر اس طرح نہ آئیں تو ہم نہیں مانیں گے۔“ بھائی صاحب میں تم کو ایک جواب مختصر دوں گا۔ (۱۷ تا ۲۵)

اس سوال میں آپ نے بعض فقرے ایسے درج کئے ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں اور صرف جہلاء کے دھوکہ دینے کو یوں ہی لکھ مارے ہیں وہ یہ کہ سوکوس پر لید کرے گا۔ اس کے آگے دخان کا پہاڑ چلے گا۔ یہ مرزائی جماعت کے گھر کی بنائی ہوئی باتیں ہیں تاکہ ریل کو گدھا بنانے میں کام آئیں۔ دخان تو قریب قیامت کے ایک علیحدہ علامت ہے۔ جیسا کہ دَابُّ الارض قال اللہ تعالیٰ فارنقب یوم تأنی السماء بدخان مبین ۝ یغشی الناس هذا عذاب الیم ۝ وہ ایک ایسا دھواں ہوگا جو مشرق و مغرب تک زمین کو آسمان تک پھیر لے گا اور چالیس دن رہے گا اور خلقت کو بہت تنگ کرے گا جیسا کہ لفظ عذاب الیم اس پر

دولت کر رہا ہے۔ اس کی پوری تفصیل تفسیروں اور حدیثوں میں ہے۔ آپ کا اس کو ریل کا دھواں بنانا کیسا خلاف آیت اور حدیث ہے۔ آیت اس کے عذاب الیم ہونے کی گواہی دے رہی ہے اور حدیث سب زمین و آسمان پر کر لینے اور چالیس دن رہنے کی کیا آپ کے مقرر شدہ دھواں میں بھی یہ وصف ہیں۔ ہرگز نہیں آیت وحدیث کے منکر کا حکم آپ بخوبی جانتے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ گدھا اس کا ستر باغ کا قند آور ہوگا۔ یہ بھی برخلاف حدیث ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال ینخرج الدجال علی حمار اقمر ما بین اذنبہ سبعون باعاً ترجمہ: لکھ گا دجال اوپر گدھے سفید کے جو میان ہر دو کانوں اس کے ستر باغ فاصلہ ہوگا (رواہ الترمذی فی مشکوٰۃ شریف) اس حدیث سے یہ بھی صاف معلوم ہوا کہ دجال کے گدھے کا سفید رنگ ہوگا کیونکہ اقمر سخت سفید رنگ کو کہتے ہیں۔ پس یہ حدیث بھی ریل کے گدھا بنانے کی مانع ہوئی۔ کہ وہ سیاہ رنگ ہوتی ہے۔ مگر اندھوں کے آگے سیاہ و سفید برابر ہے۔ پھر اس سوال کا جواب جو لکھا ہے وہ بعینہ مصداق سوال گندم جو اب چنا کا ہے۔ وہ بھی ریت میں ڈالا ہوا۔ آپ کی درہم برہم عبارت کے سوال کا پہلا فقرہ یہ ہے۔ مسیح اور مہدی کا ابھی کوئی نشان نہیں آیا۔ جواب یہ لکھا کہ قوم نصاریٰ جو دجال ہیں یہی مسیح اور مہدی کے آنے کے نشان ہیں۔ اور ان کے دجال ہونے کی یہ دلیل گذاری کہ زمین و آسمان وغیرہ سب ان کے تابع ہیں جیسے آپ کی عبارت ”پانی آگ پہاڑ و بارق آسمان زمین باد اشیاء پتھر چھٹی حیوان جن انسان نباتات وغیرہ زیر حکم ہیں۔“ سو گندارش ہے کہ پانی وغیرہ سب کا تابع ہونا دجال کے کسی آیت وحدیث سے ثابت نہیں۔ البتہ زمین و آسمان کی

۱۔ شاید آپ کہیں کہ ریل میں فرسٹ کلاس کی گاڑی سفید ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھی دو نقش لازم آتے ہیں۔ ایک تو گدھے ہزار ہا ٹھہرے اور دوسرے مرزا صاحب سوری فرسٹ کلاس کے کرنے سے خود دجال بن گئے۔

تبعہ داری بعض باتوں میں ثابت ہے۔ اگر بالفرض مانا بھی جائے تو پھر نصاریٰ میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ پانی یا آگ یا پہاڑ کو نصاریٰ اپنی طرف بلائیں تو چلے آئیں مینہ برسانا یا انگوری جہان ان کے اختیار میں ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ ان کے زیرِ حکم ہوتی تو جابجا نہریں بڑی تکلیف اٹھا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ کبھی ایسی سخت بارش آتی ہے کہ ان کی سڑکیں و نہریں بالکل خراب کر دیتی ہے۔ آپ کی ایسی بودی باتوں کو تو مظلومانِ مکتب بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خدا را از رہ انصاف ذرا ان حدیثوں کی طرف تو غور کیجئے جو رسالہ کے اول دہال کے بارہ میں نقل کی گئی ہیں۔ کیا ان سے دہال ایک شخص واحد ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟ حدیث میں آتا ہے کہ ہو رَجُلٌ نہ کہ ہو قومٌ اگر آپ کو حدیث کی سمجھ نہیں آتی تو یہاں آکر سمجھ جائیں کہ دین کے لئے شرم اچھی نہیں۔ پھر تعجب یہ ہے کہ آپ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۶ کی صفحہ ۶ پر ان کو دہال بنا کر پھر اسی صفحہ کی سطر اوپر نصاریٰ کو یہ جوج ماجوج بناتے ہیں۔ لکھتے ہو ”سین یا جوج اور ماجوج کی قوم تو یہی ہے۔ اچھا دہال کہاں گیا دہال تو معلوم ہے پادری صاحبان اور آریہ ہیں اور کل اقوام ان کی قوم کے بہرہ تھی ہے۔“ سچ ہے کہ جھوٹے گواہ کی زبان سے کبھی کچھ نکلتا ہے کبھی کچھ۔ آپ کا یہ صرف زبانی دعویٰ ہے یا کوئی آیت حدیث بھی ہے۔ ہرگز نہیں (نعوذ باللہ من ذلک) (الملفوظات) پھر فقرہ اگر آئے گا تو اور رنگ ہو جائے گا۔ ”کا جواپ جو آپ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ دیکھو ہے اور آگ اور کئی کارخانہ کی مشینیں قسم قسم چلا رہے ہیں۔ اور یعنی تار برقی دیکھو کہ ملک کی جاسوسی کر رہی ہے اور دوائی کا کام بھی دیتی ہے اور پادری صاحبان کو دیکھو کیسے علم نکالے ہیں انجنینیں بنا کر وعظ شروع کئے ورفا حشہ عورتوں کو جو کنواری ہوں اور شکیدہ ہمراہ لے کر خلیق اللہ کو وعظ کرنے اور عمدہ عمدہ راگ سنانا وغیرہ وغیرہ وارے آپ کی لیاقت و حماقت مسیح موعود کے زمانہ کی عجب شان دکھائی ہے کیوں نہ ہو چونکہ آپ کے مسیح مرزا قادیالی ٹھہرے تو رنگ بھی ایسا ہی چاہیے

آپ نے اس فقرہ کا مطلب ہرگز نہیں سمجھا سائل کا مقصود تو یہ ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ دینداری کی رونق و اسلام کا روپ زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک عہد سب مال دنیا سے بہتر ہوگا۔ اور طرح طرح کی برکت دیکھو حدیث طویلہ کی بعض عبارت کا ترجمہ جو پہلے گذر چکی ہے۔ پس اس دن کھائے گا ایک گروہ ایک انار سے اور سایہ پکڑیں گے اس کی چھال میں اور برکت دی جائے گی دودھ میں یہاں تک کہ ایک اونٹنی دودھ کی البتہ کفایت کرے گی جماعت کثیر کو آدمیوں میں سے اور گائے دودھ کی کفایت کرے گی قبیلہ کو آدمیوں میں سے اور ایک بکری دودھ کی البتہ کفایت کرے گی تھوڑی سی جماعت کو آدمیوں میں سے نیز احادیث صحیحہ میں وتكون الملل كلها ملة الاسلام وترقع الاسود مع الابل والنمار مع البقر والذئباب مع الغنم ويلعب الصبيان مع الحيات۔ ترجمہ: سب دین ایک دین اسلام کا ہو جائے گا۔ اور چریں گے شیر ساتھ اونٹوں کے اور چیتے ساتھ گائیں کے اور بھیڑیے ساتھ بکریوں کے اور کھلیں گے لڑکے ساتھ سانپوں کے۔ چونکہ زمانہ حال میں یہ رنگ موجود نہیں۔ آپ کے مرزا صاحب مسیح موعود نہیں بن سکتے۔

فقرہ ۳: وہ بادشاہی دنیا کی ہمراہ لائے گا، ملک فتح کرے گا، کفار کو تہ تیغ کرے گا پھر اس کے متعلق آپ آخری ورق پر لکھتے ہیں کہ ”بادشاہی دو قسم ہے ایک روحانی جیسے حضرت رسول اللہ ﷺ اور سب اولیاء اللہ ہیں۔ دوسری دنیاوی جسمانی اور مسیح موعود کے جسمانی پادشاہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں صرف روحانی پادشاہ ہوں گے۔ جیسے مرزا صاحب تھے۔“ افسوس صد افسوس کہ آپ حضرت ﷺ کو بھی ظاہری بادشاہ قرار نہیں دیتے۔ کیا آپ کو آیات قتال و جہاد سب بھول گئیں جنگ احد و جنگ حنین وغیرہ جن کا شاہد قرآن کریم ہے یہ بھی یاد نہ رہے کیا جنگ کرنا ظاہر بادشاہوں کا کام نہیں۔ یہ بیت بھی یاد نہیں کہ۔

خراج آورش حاکم روم وری خراجش فرستاد کہری وکی
 شاید آپ کے خیال میں ہوگا کہ آنحضرت ﷺ بھی مرزا صاحب کی طرح کسی نصاریٰ کے
 باجدار ہوں گے۔ ویسا ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی ظاہری باطنی بادشاہ ہوں گے دیکھو الفاظ احادیث
 صحیحہ یکون حکماً عادلاً ویکسر الصلیب ویقتل الخنازیر و یضع الجزیة۔
 حاکم عادل ہونا ظاہری بادشاہوں کا لقب ہے یا نہیں؟ صلیب کا توڑنا اور جزیہ کا لینا یا معاف
 کرنا ظاہری بادشاہی کے متعلق ہے یا نہیں؟ بالفرض اگر ظاہری بادشاہ نہ بھی ہوں تو وہ
 علامات جو آگے مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کا ظہور تو ان کے زمانہ میں ضرور ہے۔ کیا مرزا
 صاحب کے زمانہ میں ان سے ایک علامت بھی تھی ہرگز نہیں۔ پھر کیسے مرزا مسیح موعود بنے۔
 فقرہ ۴: دخال آئے گا گدھے پر چڑھ کر آئے گا اور کہے گا کہ ہم خدا ہیں ہماری
 خدائی مانو۔ بہت خلقت اس کے ساتھ ہو جائے گی جو اس کو نہ مانے گا تو بارش بند کر دے گا۔
 دخال کا آنا و گدھے پر چڑھنا اور ربوبیت کا مدعی ہونا اور اکثر یہود کا اس کے تابع ہو جانا اور
 اس کے حکم سے بارش کا برسنے اور انگور پلوں کا اگنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسا پہلی
 حدیثوں میں دیکھ چکے ہو۔ پس جن کو آپ دخال بنا رہے ہو چونکہ ان میں یہ باتیں موجود
 نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ دخال نہیں یہ آپ کا صرف خیالی پلاؤ ہے۔ پھر حدیث صحیح کے منکر کا
 حکم آپ کو اچھی طرح معلوم ہے، بیان کی حاجت نہیں۔

فقرہ ۵: "یا جوج ماجوج آئیں گے تو پانی سب دریاؤں کا پی جائیں گے کچھ نہ
 چھوڑیں گے بلند مکان پر کھڑے ہو کر تیرا آسمان پر چلائیں گے اور وہ خون آودہ آئیں گے
 وغیرہ وغیرہ۔" یا جوج ماجوج آپ نے نصاریٰ کو مقرر کیا ہے۔ اور آسمان پر تیر مارنے کے
 بارے میں یہ لکھا ہے کہ مرفی کے انڈوں میں چوٹیں گھنٹہ تک حیوان پیدا کرنا اور پیکاری کے

ذریعہ سے عورتوں کے رحم میں منی ڈال کر حاملہ کرنا ایسے کام تیر مارنے تقدیر الہی میں ہیں۔
 یہ آسمان کو تیر مارنے نہیں تو کیا ہے۔ آپ کے اس سوال کے جواب پر یہ مقولہ خوب صادق
 آتا ہے۔ "مگر تو ڈھٹیا داند کھوتے دا بچ گیا سنگ۔" یہ خیال آپ کا کیسا مخالف قرآن
 و حدیث کے ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قالوا یاذا القرنین ان یا جوج وما جوج
 مفسدون فی الارض فهل نجعل لک خرجا علی ان نجعل بیننا و بینہم
 سدا۔ ذرا اس آیت کی تفسیر دیکھیں اور ان کا حلیہ و فساد مفصل مطالعہ فرمائیں۔

یا جوج ماجوج کا بلند مکانوں پر پھرتا اور پانی کا پی جانا اور زمین والوں کو قتل کرنا پھر آسمان کی
 طرف تیروں کا پھینکنا اور خون آودہ واپس آنا یہ سب احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حدیث
 طویلہ مروی ہے، عن نواس بن سمعان جو پہلے نکھی ہے، ذرا غور سے دیکھیں۔ اور جو
 آپ نے آسمان پر تیر پھینکنے کی تاویل پیکاری سے لی ہے۔ یہ تو کوئی اجہل بھی نہیں ماننا جیسا
 کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ اور جو لکھا ہے "کہ ایسے کام تیر مارنے تقدیر الہی ہیں۔" کیا انسان
 تقدیر کو بدل سکتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ پہاڑ اپنے مکان سے دور ہو سکتا ہے۔ مگر تقدیر
 ہرگز نہیں بدلتی۔ آپ منکر بالقدیر ٹھہرے حالانکہ ایمان بالقدیر فرض ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک
 الاعتقاد)

سوال "بعضہ کہتے ہیں کہ نشان مہدی تو اکثر آگئے ہیں۔ اب مہدی آجائے گا یہ
 اہل رائے کے نزدیک کیسا پوچ سوال ہے صرف بلا مغز کیونکہ نشان اور گواہ حاضر ہو گئے۔

مختصر اچھو حلیہ بیان کیا جاتا ہے۔ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ ان میں سے بعض کے قد کی مقدار ایک باشت
 کی ہیں اور بعض بہت بلند چنانچہ حدیث میں ہے ایک قسم کا ان میں سے قد شش درشت درز کے ہے جو لا یت شام
 میں ہوتا ہے اور اس کا طول ۲۰ انچ ہے۔ اور بعض کا طول و عرض برابر ہے اور بعض کے کان ایسے لمبے ہوتے ہیں کہ
 ایک سے فرش اور دوسرے سے لحاف پڑتے ہیں۔ ۱۳

مدعی ابھی کوئی نہیں دعویٰ کیا۔“

افسوس آپ کی حالت پر کہ یہ بھی نہیں سمجھا کہ علامت و شرط چیز سے پہلے ہوتی ہے۔ کیا علامات قیامت جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ وہ قیامت سے پہلے آئیں گی یا قیام قیامت کے وقت۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اقتربت الساعة وانشق القمر انشق قمر کو کتنی مدت گذر چکی ہے۔ شاید آپ نے بادل بھی کبھی نہیں دیکھے جو بارش کا نشان ہے۔ کیا وہ آتے ہی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ پھر جو آپ نے طاعون کو دایۃ الارض کہا ہے۔ کون سی آیت اور کون سی حدیث آپ کی سند ہے یا صرف من بھاتی گپ ہے؟ قال اللہ تعالیٰ واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابة من الارض نکلہم ان الناس کانوا بآياتنا لا یوفون۔ ترجمہ: جب واقع ہوگا قول آدمیوں پر ہم نکالیں گے واسطے ان کے ایک جانور زمین سے جو بات کرے گا ساتھ ان کے یہ کہ انسان ہماری آیات قدرت کے ساتھ یقین نہیں لاتے۔ تفسیروں میں آیا ہے کہ وہ ایک جانور ہے طول اس کا ساٹھ (۶۰) گز ہوگا چار پاؤں بال زرد باریک جیسا کہ پتھری کے بچے ہوتے ہیں۔ دو پر بڑے ہوں گے کوئی اس سے بھاگ نہ سکے گا نہایت روشن ہوگا۔ ابن زبیر صاحب فرماتے ہیں کہ سر اس کا گائے کی مانند ہوگا۔ بین العانی میں ہے کہ آنکھ اس کی خاک کی مانند کان مانند فیس سیٹ گائے پہاڑی رنگ مانند پنگ گردن مانند شتر مرغ سینہ مانند شیر پہلو مانند یوز پاؤں مانند شتر مرغ مانند ذنب۔

حدیث میں آتا ہے کہ وہ مسجد حرام سے نکلے گا۔ آدمی دیکھتے ہوں گے تین روز کے بعد اس کا ثلث باہر نکلے گا عصائے موسیٰ وخاتم سلیمان اس کے ہاتھ میں ہوں گے۔ جس کو عصا لگائے گا اس کا منہ سفید ہوگا اور کافروں کی آنکھوں کے درمیان خاتم سلیمان لگائے گا۔ ان کے منہ سیاہ ہو جائیں گے۔ پس تمام دنیا میں کوئی آدمی نہ رہے گا مگر سیاہ یا

سفید منہ والا کسی کو نام سے نہ بلائے گا۔ سفید منہ کو بھتی کر کے بلائیں گے اور سیاہ منہ کو دوزخی۔ (تفسیر سید الدیور)۔ فرمائیے آپ کے دایۃ الارض میں یہ وہ صفیں موجود ہیں؟ ہرگز نہیں۔ صرف دعویٰ بلا دلیل ہے۔ وعن عبد اللہ ابن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان اولی الایات خروج الشمس من مغربہا خروج الدابة علی الناس ایہما ما کانت قبل صاحبہا فالأخری علی اثرہا قریباً (رواہ مسلم)۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ طلوع الشمس و خروج دابة قریب قریب ہوگا۔ یعنی جب ایک ہوگا دوسرا اس کے پیچھے جلدی ہوگا کچھ دیر نہ ہوگی۔ پس آپ کا دایۃ تو نکلا مگر طلوع شمس مغرب سے نہ ہوا۔ شاید آپ کے شہر میں ہوا ہوگا اگر آپ یہ دعویٰ کرو کہ طلوع شمس من المغرب ہو چکا ہے پھر پس چونکہ بعد طلوع ہو جب یفلق باب التوبہ دروازہ توبہ کا بند ہو گیا تو پھر آپ کا ایمان لانا مرزا کے ساتھ بے سود ہوگا۔ العیاذ باللہ من ہذہ المہوات والوہیات

سوال ”مہدی اور مسیح آخر الزمان آیا تو وہ بادشاہی لائے گا اور کفار کو بزدل و تلواریں تیغ کر کے مسلمان کرے گا۔ اور مہدی اور ہے اور عیسیٰ اور۔“

پہلے دو فقرہ کی نسبت آگے لکھا گیا ہے۔ اخیر فقرہ کے جواب میں آپ نے لکھا ہے۔ ”حدیث لا مہدی الا عیسیٰ۔ سب قضیہ جات کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ جب حدیثوں کی تحقیق نہ ہو یہ جاہلی ہے۔“ آفریں آپ کی عقل اور آپ کے انصاف پر۔ چندین احادیث صحیحہ کو چھوڑ کر ایک حدیث ضعیف پر جو قابل تاویل بھی ہو عمل کرنا اسی کا نام تطبیق ہے زیادہ تعجب تو یہ ہے کہ سب قرآن واحادیث مشہورہ کی تاویل کر لیتے ہو۔ اس حدیث میں تاویل کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ سچ ہے کہ صاحب الغرض معجون۔

عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں تو آگے حدیثیں لکھ چکے ہیں۔ اب امام مہدی کے بارہ میں بھی چند حدیثیں لکھی جاتی ہیں۔

عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لا تذهب الدنيا حتى يملك العرب رجلا من اهل بيتي يواطى اسمه اسمي (رواه الترمذي وادوارد) وفي رواية له لو لم يبق من الدنيا الا يوم لطول الله ذلك اليوم حتى يبعث فيه رجل من اهل بيتي يواطى اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابي يملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا وعن ام سلمة قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول المهدى من عترتي من اولاد فاطمة (رواه الادوارد) وعن ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ المهدى مني اجلى الجبهة اقنى الانف يملأ الارض قسطا وعدلا كما ملئت ظلما وجورا يملك سبع سنين (رواه الادوارد)

پس ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ امام مہدی سید ہوگا اور اس کا نام محمد ہوگا اور اس کے والد کا نام عبد اللہ۔ پس اس سے بخوبی واضح ہوا کہ امام مہدی نہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں، نہ غلام احمد قادیانی بلکہ ایک شخص مجتہد ہے باقی رہی حدیث لا مہدی الا عیسیٰ علیہ السلام جس پر آپ کا بڑا زور ہے۔ اول تو یہ حدیث ضعیف ہے۔ نقاد ان حدیث میں محمد ابن جزری وغیرہم نے اس کی تضعیف کی ہے۔ پس آیات واحادیث صحیحہ کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہو۔ شیخ محمد اکرم صابری نے اس حدیث کو اپنی کتاب اقتباس الانوار میں کلام مخدوف پر حمل فرمایا ہے یعنی لا مہدی بعد المہدی المشہور الذی ہو من اولاد محمد وعلی علیہم السلام الا عیسیٰ۔ بلکہ مرزا صاحب کے ایک شعر سے بھی ان کا دوہونا ثابت ہے۔ وہ یہ ہے۔

مہدی وقت وعیسیٰ دوراں ہر دوراں شہسوار می بنم

شاید آپ پھر اس عقیدہ سے پھر گئے ہوں۔ جیسا کہ پہلے عیسائیوں کو دجال اور ریل والہ الارض بنا کر آخر عیسائیوں کو یا جوج طاعون کو دایہ الارض قرار دیا ہے۔ انہوں نے ایسے نام معقول اعتقاد پر اور جو لکھا ہے۔ ”جب حدیثوں کی تطبیق نہ ہو یہ جاہلی ہے۔“ صاحب آپ تطبیق کے معنی جانتے ہو۔ لفظ کی کتابت تو اصل رسالہ میں تحقیق بہ حرف تا لکھتے ہو، معنی بھی ویسے ہی جانتے ہوں گے۔ سنئے اصولیین کا قاعدہ ہے کہ جب دو حدیثیں آپس میں متعارض ہوں تو پہلے ان کی تاریخ معلوم کی جاتی ہے اگر یقیناً معلوم ہو جائے کہ یہ اول فرمائی ہے تو اول کو منسوخ، ثانی کو ناسخ مقرر کیا جاتا ہے اور عمل آخر پر ہوتا ہے۔ مگر اس جگہ یہ بات متحقق نہیں اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو ان کی قوت و ضعف کی طرف خیال کیا جاتا ہے تو یہی پر عمل ہوتا ہے اور ضعیف کو چھوڑا جاتا ہے جیسا کہ ماخوذ فیہ۔ اگر قوت و ضعف میں دونوں برابر ہوں تو پھر بموجب کلیہ اذا تعارضتا تساقطا دونوں کو چھوڑ کر قول صحابہ و اجماع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ پس یہ کلیہ ہمارا مددگار آپ کو جھٹلا رہا ہے بالفرض لا مہدی الا عیسیٰ کو اگر صحیح بھی مانا جائے تو پھر بھی مرزا صاحب کو مفید نہیں کیونکہ جب ارادہ مثیل کا ابن مریم سے بشہادت آیات قرانیہ متمنع ہوا تو پھر وہی عیسیٰ بن مریم جو نبی وقت تھا، مہدی بنا، مرزا صاحب کو کیا فائدہ! احادیث نزول عیسیٰ اور ظہور دجال متواترۃ المعنی ہیں مسلمان کو ایمان ان کے ساتھ ضروری ہے ہرگز ہرگز کسی کے دھوکے میں نہ آنا چاہیے۔ فاللہ خیر حافظا وهو ارحم الراحمین۔

اور دیکھئے مرزا صاحب کا دھوکہ چونکہ شیخ محمد اکرم صابری صاحب اقتباس الانوار کو مرزا صاحب اپنی تالیف ایام النسخ فارسی کے صفحہ ۱۸ پر اپنے دعویٰ کی تائید کے لئے بایں صفت موصوف کرتے ہیں ”شیخ محمد اکرم صابری کہ از اکابر صوفیاء متاخرین بودہ اند“ صرف اسی قدر نقل کرتے ہیں کہ ”و بعضی بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از

ہمیں بروز است مطابق اس حدیث لامہدی الاعیسیٰ ابن مریم۔ "بعد اس کے شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہذا "واین مقدمہ بغایت ضعیف است" حذف کر دیتے ہیں۔ تاکہ ہمارے دعویٰ کی تردید محمد اکرم صاحب کے ہی قول سے نہ ہو جاوے۔

شیخ محمد اکرم صاحب کا قول ہم بعینہ نقل کرتے ہیں۔ شیخ محمد اکرم صابری رحمۃ اللہ علیہ اقتباس الانوار کے صفحہ ۵۲ پر بروز نزول کی تضعیف فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔ و بعضی برائند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است مطابق اس حدیث لامہدی الاعیسیٰ ابن مریم و این مقدمہ بغایت ضعیف است۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۷۲ پر لکھتے ہیں۔ یک فرقہ بر آں زفت اند کہ مہدی آخر الزماں عیسیٰ بن مریم است و این روایت بغایت ضعیف است زیرا کہ اکثر احادیث صحیح و متواتر از حضرت رسالت پناہ ﷺ و رود یافتہ کہ مہدی از بنی فاطمہ خواہد بود و عیسیٰ بن مریم با وقتہ اگر وہ نماز خواہد گذار و جمیع عارفان صاحب تمکین بر این متفق اند چنانچہ شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ در فتوحات کی مفصل نوشتہ است کہ مہدی آخر الزماں از آل رسول ﷺ من اولاد فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر شو۔ انہی۔

یہی تو سراسر دھوکہ ہے، اپنے مطلب کی عبارت اس میں سے لے لی اور اپنے دعویٰ کی تردید کی عبارت چھوڑ دی۔ دو سوال جو اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور جواب کے منتظر ہو۔ سوال یہ ہے کہ "سورت ام الکتاب کہ وہ کل مجموعہ ہی قرآن کریم کے کل مقاصد کا اور عظمت الہی و امر ذوالہی اور بندہ کے لئے دعاؤں کا اور حاجات کا مکمل فوٹو ہے اور نمازوں میں کم از کم چالیس مرتبہ بقدر تعداد رکعات دن میں دعا مانگتے ہو اس میں جو اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم۔ اور انعمت علیہم سے مراد کل تھابیر سے مراد نبی اور رسول مراد لیتے آئے ہیں اور تم بھی لیتے ہو اور رسول کریم ﷺ

بھی مراد لی ہے اور عقل بھی یہی ادراک کرتا ہے کیا اس میں جو انعام وحی اور الہام کا مستقیم راستہ والوں پر اور انعمت علیہم گروہ کے لوگوں پر نازل ہوا اور یہی سرچشم ہدایت اور انعمت مقصود اصل اس گروہ کا ہے۔ کیا تم اس امر کو اپنی حاجات اور مقصود سے خارج کر کے دعا مانگتے ہو فھو منتظر مکس۔"

سوال کی عبارت کسی کجی اور بے ڈھنگی ہے کہ بچے بھی دیکھ کر ہنستے ہیں یہ سوال مرزا صاحب کی جانب سے اور اس کا جواب پیر صاحب (پیر مہر علی شاہ) کی جانب سے سیف چشتیان کی میں موجود ہے وہ بعینہ نقل ہوتا ہے۔

سوال: "اگر بروز معنوں کے روح سے بھی کوئی شخص نبی اور رسول نہیں ہو سکتا تو پھر اس کے کیا معنی کہ اٰھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔" اقول: اس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ! بتا ہم کو ان لوگوں کا سیدھا راستہ جن پر تو نے انور کیا ہے یعنی ہم بھی ان کی مانند کتاب آسمانی کی ہدایت کے مطابق تیری عبادت والے سیدھے راستے پر چلنے سے تیری حب و انس و رضا و لقا کو پالیں۔

اس کا یہ معنی نہیں کہ ہم بھی انبیاء و رسل گذشتہ کا مقام نبوت و رسالت حاصل کر لیں یا بہ سبب کمال اتباع کے ان کے لقب مخصوص کے مستحق بن جائیں کیونکہ نبوت و رسالت مع لوازم اپنے کے القاب ہوں یا احکام خاصہ، ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (۲۵۰) سے تعلق رکھتے ہیں یعنی موبہوبی ہیں نہ کسی۔ اور بہ سبب اتباع کے اگر القاب خاصہ اور احکام خاصہ مل سکتے تو خلفاء اربعہ اور حسنین اور اولیاء و مہمضان اللہ علیہم بڑا استحقاق رکھتے تھے۔ حضرت عی کریم اللہ علیہ باوجود شان الت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ کے فرماتے ہیں۔ الا وانی لست بنبی ولا یوحی الی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکاشفات و اخبارات حقہ جن پر تاریخ اور کتب سیر شاہد ہیں وحی نہیں کہا

گیا اور نہ ان کے سبب سے ان کو نبی کہلانے پر جرأت ہوئی بلکہ جب دیکھا کہ ہمارے مکاشفات و اخبارات اور بیان حقائق و معارف قرآنیہ کے باعث ہم کو نبی اور موسیٰ الیہ سمجھیں گے تو جھٹ ان کے غیر واقعی خیال کا ازالہ فرمایا اور تنبیہا کلمہ الا کے ساتھ کہا کہ الا وانی لست بنبی ولا یوحی الیّ۔ خیال فرمائیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہما و حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما باوجود مکاشفات و الہامات و اخبارات حقہ نبوت کے مدعی نہ ہوئے تو پھر مرزا صاحب باوجود الہامات باطلہ جن کے بطلان کی خود ان کی پیشین گوئی ہا کا ذہبہ صد شاہد ہیں کیسے مدعی نبوت بن سکتے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک دو پیشین گوئی بطور استنبہا لکھی جاتی ہیں۔

پیشین گوئی متعلقہ ڈپٹی آفٹم:

یہ پیشین گوئی مرزا جی نے ۵ جون ۱۸۹۳ء کو امرتسر میں عیسائیوں کے مباحثہ پر اپنے حریف مقابل مسٹر آفٹم کی نسبت کی تھی، جس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

”آج رات کو مجھ پر کھلا ہے وہ یہ ہے کہ جب کہ میں نے بہت تضرع اور اجتنال سے جناب الہی میں دعا کی کہ تو اس امر میں فیصلہ کراور ہم عاجز بندے ہیں تیرے فیصلہ کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ تو اس نے مجھے یہ نشان بشارت کے طور پر دیا ہے کہ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عدل و اجماع اختیار کر رہا ہے اور عاجز انسان کو خدا بنا رہا ہے وہ انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک مہینہ لیکر یعنی پندرہ ماہ تک ہادیہ میں گرایا جاویگا اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے کو خدا مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آئے گی بعض اندھے سو جا کھے گئے جاویں گے اور بعض انگڑے چلے لگیں گے اور بعض بہرے سننے لگیں گے۔“ (بک مقدمہ صفحہ ۱۸۸) پھر فرماتے ہیں۔ ”میں حیران تھ کہ اس بحث

میں کیوں مجھے آنے کا اتفاق پڑا۔ معمولی بحثیں تو اور لوگ بھی کرتے ہیں اب یہ حقیقت کھلی کہ اس نشان کے لئے تھا۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی لکھی یعنی وہ فریق جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ پندرہ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے سزائے موت ہادیہ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں، مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسہ ڈال دیا جاوے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ صمد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا، ضرور کریگا، ضرور کریگا، زمین و آسمان ٹل جائیں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔“

(حوالہ مذکور)

اس پیشین گوئی کا مضمون بالکل صاف ہے یعنی ڈپٹی آفٹم جس نے مسیح کو خدا بنایا ہوا ہے اگر مرزا جی کی طرح موحّد و مسلم نہ ہوا تو عرصہ پندرہ ماہ میں مر جا ریگا اور ہادیہ میں گرایا جاویگا، مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ اسلام اگرچہ اپنی حقیقت میں ایسے مکاشفات کا محتاج نہیں تاہم مرزا جی نے مخالفین سے اسلام پر دھبہ لگوا دیا۔ اس پیشین گوئی کے متعلق مرزا جی نے جو حیرت انگیز چال کیاں کی ہیں ان کی تردید اس پیشین گوئی کے الفاظ ہی سے ظاہر ہے۔ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اپنے رسالہ ”الہامات مرزا“ میں دو تردید لکھی ہے کہ جس سے بڑھ کر مصلحت نہیں اور یہ پیشین گوئی مع نظر اس رسالہ سے نقل کی گئی ہے۔

اس چٹھی کا جو خالص صاحب محمد علی خان رئیس مالیر کو لکھنے نے آفٹم والی پیشین گوئی کے خاتمہ پر بھیجی تھی اس جگہ پر نقل کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمانوں پر صداقت پیشین گوئیوں مرزا جی کی بخوبی ظاہر ہو جاوے اور مرزا جی کے بیت اللہ میں حلف اٹھانے کا دھوکا نہ کھائیں۔

السلام علیکم! آج ۷ ستمبر ہے اور پیشین گوئی کی میعاد مقررہ ۵ ستمبر ۱۸۹۴ء تھی۔ گو پیشین گوئی کے الفاظ کچھ ہی ہوں لیکن آپ نے جو الہام کی تشریح کی تھی وہ یہ ہے۔ میں اس وقت اقرار کرتا ہوں کہ اگر یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی یعنی وہ فریق جو خدا کے نزدیک جھوٹ پر ہے وہ ۱۵ ماہ کے عرصہ میں آج کی تاریخ سے پہلے موت پاویں گے۔ میں نہ پڑے تو میں ہر ایک سزا کے اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ مجھ کو ذلیل کیا جاوے، روسیہ کیا جاوے، میرے گلے میں رسو ڈال دیا جائے، مجھ کو پھانسی دیا جاوے، ہر ایک بات کے لئے تیار ہوں اور میں اللہ جل شانہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ زمین و آسمان مل جاویں پر اس کی باتیں نہ ٹلیں گی۔ اب کیا آپ کی پیشین گوئی آپ کی تشریح کے موافق پوری ہوگئی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ عبد اللہ آختم اب تک صحیح و سالم موجود ہے اور اس کو ہزائے موت پاویں میں نہیں گرایا گیا۔ اگر یہ سمجھو کہ پیشین گوئی الہام کے الفاظ کے بموجب پوری ہوگئی جیسا کہ مرزا خدا بخش صاحب نے لکھا ہے اور ظاہری معنی جو سمجھے گئے تھے وہ ٹھیک نہ تھے۔ اول تو کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جس کا اثر عبد اللہ آختم صاحب پر پڑا ہو دوسری پیشین گوئی کے الفاظ یہ ہیں۔ اس بحث میں دونوں فریقوں میں سے جو فریق عدا جھوٹ کو اختیار کر رہا ہے اور سچے خدا کو چھوڑ رہا ہے۔ اور عاجز انسان کو خدا بنارہا ہے۔ وہ انہیں دنوں مباحثہ کے لحاظ سے یعنی فی دن ایک ماہ تک یعنی ۱۵ ماہ تک پاویں میں گرایا جاویگا اور اس کو ذلت پہنچے گی بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور جو شخص سچ پر ہے اور سچے

خدا کو مانتا ہے اس کی اس سے عزت ظاہر ہوگی اور اس وقت جب پیشین گوئی ظہور میں آوے گی بعض اندھے سوچا کھ کئے جاویں گے، بعض لنگڑے چلنے لگیں گے، بعض بہرے سننے لگیں گے۔ پس اس پیشین گوئی میں ہاویہ کے معنی اگر آپ کی تشریح کے بموجب نہ لئے جاویں اور صرف ذلت اور رسوائی بجائے تو بے شک ہماری جماعت ذلت اور رسوائی کے ہاویہ میں گر گئی۔ عیسائی مذہب اسی حالت میں سچا سمجھا جاوے۔ اگر یہ پیشین گوئی سچی سمجھی جائے جو خوشی اس وقت عیسائیوں کو ہے وہ مسلمانوں کو کہاں! (مسلمانوں کو تو نہیں بلکہ مرزا ابور کو۔ سوائے) شرمندگی اور بڑی شرمندگی ہوئی۔ پس اگر پیشین گوئی کو سچا سمجھا جاوے تو عیسائیت ٹھیک ہے کیونکہ جھوٹے فریق کو رسوائی اور سچے کو عزت ہوگئی۔ اب رسوائی مسلمانوں کو ہوئی۔ میرے خیال میں اب کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر کوئی تاویل ہو سکتی ہے تو یہ بڑی مشکل کی بات ہے کہ ہر پیشین گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ لڑکے کی پیشین گوئی میں تقاول کے طور سے ایک لڑکے کا نام بشر رکھا وہ مر گیا تو اس وقت بھی غلطی ہوئی۔ اب اس معرکہ کی پیشین گوئی کے اصلی مفہوم کے نہ سمجھنے نے تو غضب ڈھا دیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ احد میں فتح کی بشارت دی گئی تھی۔ آخر شکست ہوئی تو اس میں ایسے زور سے اور قسموں سے معرکہ کی پیشین گوئی نہ تھی اور اس میں لوگوں سے غلطی ہوگئی تھی اور آخر جب مجتمع ہو گئے تو فتح ہوئی۔ کیا کوئی ایسی نظیر ہے کہ اہل حق کو بالمقابل کفار کے ایسے صریح وعدے ہو کر اور معیار حق و باطل ٹھہرا کر ایسی شکست ہوئی ہو مجھ کو تو اب اسلام پر شبہ پڑنے شروع ہو گئے، لیکن الحمد للہ! کہ اب تک جہاں تک غور کرتا ہوں اسلام بالمقابل دوسرے ادیان کے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ کے دعاوی کے متعلق تو بہت ہی شبہ ہو گیا۔ پس میں نہایت بھرے دل سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اگر فی الواقعہ سچے ہیں تو خدا کرے میں آپ سے علیحدہ نہ ہوں۔ اور اس زخم کے لئے کوئی مرہم عنایت فرمائیں جس سے تشفی کلی ہو باقی جیسے کہ

لوگوں نے پہلے ہی مشہور کیا تھا کہ اگر یہ پیشین گوئی پوری نہ ہوئی تو آپ یہی کہہ دیں گے کہ ہاویہ سے مراد موت نہ تھی۔ الہام کے مفہوم سمجھنے میں غلطی ہوئی برائے مہربانی بدلائل تحریر فرمائیں ورنہ آپ نے مجھ کو ہلاک کر دیا ہم لوگوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ (لوگوں کی پروا نہ کرو خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ سنت) میں برائے استفادہ نہایت دلی رنج سے یہ تحریر کر رہا ہوں۔ (راقم محمد علی خان)

پس اسلام کا خدا خود حافظ ہے اور خود ہی اس کی حقیقت مخالفین کو ہر زمانے میں لاجواب کر رہی ہے اور کرے گی۔ قادیانی صاحب نے، جو بصورت دوست مگر بمعنی اسلام کے دشمن تھے، جہالت کی وجہ سے اسلام کی بیج کئی کر دی تھی مگر الحمد للہ کہ علمائے اسلام نے اس کا تذکرہ کر لیا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے سچ کہا ہے۔

ترا اثر دبا گر بود یار غار ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار

اور مخالفین سے آنحضرت ﷺ کے شان میں وہ وہ کفریات بکوائے کہ خدا نہ سنائے بلکہ جریدہ عالم پر ان کو بوجہ تحریری ہونے ان کے ثبت کرادیا۔ الحمد للہ والہمیزہ کہ اللہ میں شکر بحسب وعدہ ﴿إِنَّا لَنَحْنُ فَزَاكُمُ الَّذِي كُنَّا لَكُمْ لِحَافِظُونَ﴾ (حجر: ۹۰) کے ہمیشہ اس کو پیشین گوئیوں میں ناکامیابی دیتا رہا تاکہ عوام کا انعام اس کو بوجہ صداقت پیشین گوئی کے کتاب و سنت کے بیان میں سچا نہ سمجھ لیں بلکہ یہ جان لیں کہ یہ شخص قرآن و سنت کا مخرف ہے۔ مرزا احمد بیگ اور اس کے داماد مرزا سلطان احمد کے آسمانی منکوحہ کے پیشین گوئی کی نسبت ناکامیاب ہونا خود مشہور ہے۔ مرزا صاحب نے کہا کہ سب خلافت مجھے قبول کرے گی یہ مرا بھی پوری نہ ہوئی اگر عیسیٰ موعود ہوتا تو یہ الہامات کیونکر چھوٹے پڑتے۔ اہل انصاف کو تو یہی دلائل اس کے مسخ کاذب ہونے پر کافی ہیں۔ آگے سردار خان تیرا ایمان مان نہ مان۔

پھر جو آپ نے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔ ”اب صوفیان زمانہ کا یہ حال ہوا کہ خود بھی اور مریدوں کو نا دلی اور چہل کاف، گنج العرش و دلائل الخیرات تسبیح و تہلیل درود بلا معنی پڑھا کر اور

نمازوں کو جلد چٹ کر دیا کرو وظیفہ کا وقت نہ گذرے اگر کوئی غیر قوم در اکل مانگے تو خاموش رہو۔“

سبحان اللہ اب وہ زمانہ بھی آگیا کہ لوگ تسبیح و تہلیل و درود شریف پڑھنے سے مانع ہو رہے ہیں اور ان کے پڑھنے والوں کو برا مانتے ہیں۔ سچ ہے کہ

خیالات نادان خلوة نشین مبہم میکند عاقبت کفر دین

شاید یہ لوگ فضائل درود شریف و تسبیح و تہلیل سے لاعلم ہیں قال اللہ تعالیٰ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں حضرت (ﷺ) پر اسے ایمان والے لوگوں بھی درود بھیجو حضرت پر اور سلام بھیجو سلام بھیجنا۔ وقال النبی ﷺ من صلی علی مرۃ صلی اللہ علیہ عشر مرۃ۔ ترجمہ: فرما یا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص درود بھیجے مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار۔ احادیث میں فضائل درود کے بے شمار ہیں پس درود ایک ایسا عمل ہے جو سب اعمال سے افضل ہے اور ذات حق خود بخود اس عمل کو کر رہی ہے اور اس کے فرشتے بھی کرتے ہیں اور مومنوں کو بصیغہ امر حکم فرمایا ہے جو وجوب کے لئے ہوتا ہے اور دلائل الخیرات شاید آپ نے کبھی نہ دیکھی ہوگی وہ اول سے آخر تک قسم قسم کے درود شریف ہیں اور دعا گنج العرش سب کی سب تہلیل ہے کوئی وظیفہ ایسا نہیں جو تہلیل و تسبیح و درود شریف سے خالی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف میں فرماتا ہے وسبحوا بحمد ربہم یعنی وہ لوگ تسبیح پڑھتے ہیں ساتھ حمد رب اپنے کے۔ اور تسبیح کا امر فرمایا ہے فسبح بحمد ربک۔ تہلیل کے معنی شاید آپ نہ جانتے ہوں گے جو افضل الذکر لا اللہ الا اللہ ہے۔ قال النبی من قال لا اللہ الا اللہ دخل الجنة وقال النبی کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان علی المیزان سبحان اللہ والحمد للہ ولا اللہ

الا للہ واللہ اکبر۔ پس وظیفہ درود تسبیح و تہلیل قرآن وحدیث سے ثابت ہے ان کی اہانت کرنے والا کافر ہے۔ پت اوئے واقدر کی جانے پت اوئے جنت کا تا۔ قدر گل بلبل بداند قدر زرد از در کری۔ قدر سرگین جعل داند قدر وہ دگری۔

پھر جو لکھا ہے۔ ”اگر کوئی غیر قوم دلائل مانگے تو چپ رہو۔“ افسوس آپ کے انصاف پر اصرار صوفی نہ ہوتے تو آپ کے غیر قوم کے دلائل کون رو کرتا اور مرزا صاحب کو کون ہار دیتا کیا صوفی پیر مہر علی شاہ صاحب کا مرزا صاحب کے دعویٰ کی تردید کے لئے تشریف لانا اور مرزا کا سات دن گھر سے نہ نکھنا آپ بھول گئے ہو یا ضَمُّ بَنَکُم غُصَّی ہو رہے ہو پھر اسی صوفی نے اس قوم کے دعاوی کی بیخ کنی کے لئے کتاب چشتیائی ایسی بنائی کہ سب کے ناک کان کاٹ ڈالے اور ستیاناس کر دیا کہ آج تک اس کے جواب کے بارے میں بہت ہاتھ پاؤں مارے اور سرگردانی کی مگر خاک ہاتھ آئی آخر ایسی حسرت میں مرزا صاحب خاک میں مل گئے کیا یہی چپ رہنے کے معنی ہیں؟ منصف آپ جیسے ہی چاہیں۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پا کاں زند
پھر آپ نے صفحہ ۳۴ پر لکھا ہے۔ کہ ”جب تم ہم کو اپنے دل میں حقیر ذلیل شمار کرتے ہو تو ہم را وہم والہا مات قرآن مجید کی طرف دوڑتا ہے تو اس بحر عظیم میں ہم کو غوطہ لگاتا پڑتا ہے آخر وہاں سے نکل موتی ہاتھ آئے۔“ اے

چونکہ آپ نے قرآن دانی اور اس سے نکل موتی نکالنے کا دعویٰ کیا ہے اور صوفیوں کے بارہ میں صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے۔ کہ ”قرآن کو پڑھنے کے وقت جنت منتر تنتر کر کے خُرت ٹھپ دیا کرتے ہیں۔“ اب وہی صوفی کئی سوال متعلقہ معانی قرآن پیش کرتے ہیں۔ ایک نہیں بلکہ سب جماعت مرزا سیہ جمع ہو کر ان کا جواب دو اور الہام سے نکل موتی نکال کر پیش کرو۔

پہلا سوال: قال اللہ تعالیٰ والقمر قدرناہ منازل اس کے متعلق منازل

اور علیٰ ہذا القیاس آیت کریمہ ہو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ مع بیان ہر ایک منزل کے ساتھ ہر ایک اس کے اسماء الہیہ میں سے چھتین ہر اسم و ہر ایک سورۃ متناسبہ بمنازل بمعہ حروف اوائل جن کی سورتیں بلحاظ تکرار ۳۷ بحسب تعداد الایمان بضع و سبعون شعبۃ ہیں اور اتقالات قمر بالمزلة بحسب تہیث وترتیب و تسدیس مع احکامہا لکھیں اور نیز ۲۸ منازل کی وجہ تخصیص عندا محققین کیا ہے اور عندا الجہو رکھا؟ اور نیز ہر برج کے لئے ۲ منازل اور ثلث منزل ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اگر ہر برج کیلئے منازل میں سے عدد صحیح ہوتا یا مکور تو عالم کنون میں بقانون ذلک تقدیر العزیز العظیم کیا قاحت اور نقصان تھا؟ پھر منازل صحیحہ اور مغلطہ من الکسور مختلفہ المزاج بالتفصیل بیان فرمائیں مثلاً ثریا کے لئے مزاج خاص ہے۔ اور (برج) حمل نے اس سے ثلث لیا ہے۔ جب ثور کے لئے دو منزلیں اور ثلث چاہیے تھا تو ایک منزلہ و ہر اں صحیحہ اور دو ثلث ثریا کے جن کے ساتھ یقینہ کا ثلث اضافہ کرنے سے دو منزلیں تمام ہوئیں پھر یقینہ سے باقی ماندہ ثلث لیا گیا علیٰ ہذا القیاس۔ جب تک یہ مذکور مع منزل احدى المزاج اور مختلفہ المزاج مع احکامہا التخصیص کے نہ جانیں جس کے بغیر ہر برج کا مثلاً الوجود ہونا نہیں معلوم ہو سکتا تو آپ والسماء ذات البروج اور والقمر قدرناہ منازل اور ذلک تقدیر العزیز العظیم کو کیا سمجھیں گے علیٰ ہذا القیاس۔ وان يوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدون کو کو اکب مذکور یعنی سبع سیارہ میں سے چھوٹے روز والا قمریٰ و مقدارہ بسیر الثوابت ستہ و ثلاثون الف ستہ مما تعدون۔ یوم ذی المعارج باصطلاح قرآن کریم مقدار اس کا پچاس ہزار سال اور یوم اسم رب کا مقدار یک ہزار سال۔ پس ضرب کیا جائے حاصل ضرب ایام کو اکب ثابتہ کا بیچ ایام دراری سبع کے بیچ مجموعہ کے جو حاصل ہے ہر برج اور حاصل ضرب ۳۶۰ فی نفسہ سے مثلاً عدد اس مجموعہ کا ۲۷۶۰۰ ہے جس میں عدد ایام کو اکب مذکورہ کے ضرب کرنے سے معنی تقدیر

الکواکب معلوم ہو سکتا ہے بغیر اس کے آپ معنی ذلک تقدیر العزیز العظیم ہرگز نہیں سمجھ سکتے صرف ترجمہ دانی اور چیز ہے۔

دوسرا سوال: قولہ تعالیٰ فاردت ان اعیبھا اور فاردنا ان یبدلھما ربھما افراد اور جمعیت ضمیر کی وجہ قصص کیا ہے؟ اور نیز قولہ تعالیٰ فاردنا ان یبدلھما ربھما سے افراد ربک ان یبدلھما یا افراد ربھما ان یبدلھما بادی نظر میں مناسب معلوم ہوتا ہے اس قول باری تعالیٰ کو افراد ربک ان یبلغا اشدھما وایضا قولہ تعالیٰ انما امرہ اذا اراد شئنا ان بقول لہ کن فیکون میں بدر کی تعقیب وجہ بیان کریں مع ان المحقق انہ لا افتتاح القول کما لا افتتاح لمعلوم لعلمہ تعالیٰ فی حدث الا ظہور المکون لعالم الشهادة بعد ان کان غیبا فی علمہ تعالیٰ۔ جواب دہی میں آپ کی قرآن دانی ظاہر ہو جائے گی۔

تیسرا سوال: قال تعالیٰ وکل شی احصیناہ فی امام مبین۔ قال الشیخ بن عربی الطائی قدس سرہ فانہ الحق المبین والصادق الذی لا یمین وبمثل هذا لیاختر یحکم الزاجر ولهذا یصب ولا یخطی وبمضی ما یقول ولا یبطلی اذا استبطاء لا زاجر عند السؤال فما هو من اولئک الرجال حال السؤال ما یحکم بہ المستول ان وقع منه الثوانی الی الزمن الثانی فسد حالہ ولم یصدق مقالہ خذ لک امر التفیق..... لا یکون لہ مکث مخلولہ انتقالہ و ورودہ زوالہ ومن ذلک نزول الملک علی الملک لیس الملک الا من خدمہ الملک الملک لا ینزل معلما وانما ینزل حنما فان الرحمن علم القرآن انظر الی هذه التکملة المحمدیة تنبہ لہذہ المنزلة العلیة فاسلک فیہا سواء السبیل ولم تجنم الی تاویل فعرس فی احسن مقبل فی خفض عیش وظل ظلیل انی ان قال هو ابن الاما المبین

لابل ابوہ کائن بائن راجل قاطن استوطن الخیال وافتش الکتاب واستطاء اللسان بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ فہذ الامام المبین یموی امہات العلوم یبلغ عدد مائۃ الف نوع من العلوم تسعة وعشرین الف نوع وقسمائتہ نوع قال لوط لوان لی بکم قوۃ او اوی الی رکن شدید فکان عندہ الرکن الشدید ولم یکن یعرفہ فان النبی قال یرحم اللہ اخی لوطا لقد کان یاوی الی رکن شدید ولم یعرفہ وعرفتہ عائشۃ وحفصۃ فلو عرفت ایہا المخاطب علم ما کانتا علیہ المعرفة معنی هذه الآية.

آیت مذکورہ کے متعلق حضرت شیخ صاحب کی تفسیر کا مطلب و نیز دوسری آیت وحدیث کے تحت میں جو لکھا گیا ہے اس کا حاصل بیان فرمائیں؟ نیز آیت پہلی سے انہیں موارد بعد نظر ان کے جو بمقابلہ ہر ایک کے ایک صفت ممکنات کے ہے اور نظر ان القرآن اور نظار فی التشریع اور نظار من النار اور ایک لاکھ انیس ہزار چھ سو علم کا صرف نام ہی بتائیں مگر خیال رہے کہ آپ جیسوں کا تاویلی ڈھکوسلہ نہیں یہ عم الرحمن ہے جو بغیر انبیاء واکمل اولیاء صلوات اللہ والسلام علیہم وحقہم من ان کے دوسرے کا حصہ نہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء اخر دعوتنا ان الحمد للہ رب العلمین اللہم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین امین۔

آخر جو لکھا ہے۔ "اے صاحبان اب نور دین کو بھی نہ جانے دو۔" حضرت نور دین تو خود مذہب دین بین ذلک کا مصداق ہے۔ اس کی سوانح عمری پر خیال کرنے سے خوب روشن ہو جاتا ہے ایسے آدمی کا اقتدار بے قائدہ ہے۔ دوسرے چونکہ آپ کا شمس من مغرب طلوع ہو کر غروب بھی ہو گیا ہے تو پھر آپ کا نور دین پر ایمان لا نا مردود اور دوسروں کو

ترغیب دینا ہے سود۔ والسلام علی من اتبع الهدی برسواں بلاغ باشد بس۔

خادم العلماء والفقرات فقیر محمد ضیاء الدین اوصلائی مراتب الیقین سیالوی

بتاریخ ۱۳ ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ اختتام یافت

اعتراف

ہماری طرف سے حقائق معارف پناہ فضائل و کمالات دستگاہ جناب حضرت پیر صاحب
میر علی شاہ مسند آرا گوڑہ کافی و شافی جواب ترغیر فرما چکے ہیں اور ان کا بھی اب تک کوئی
جواب نہیں۔ فقیر نے بھی جو کچھ لکھا ہے ازراہ ہمدردی لکھا ہے اور جہاں کہیں کوئی فقرہ پیر
صاحب کی کتاب سے لکھا ہے وہاں نام درج کر دیا ہے۔

خلاصۃ علامات ظہور مسیح موعود و مہدی معہود و مہتہ باحادیث صحیحہ متواترۃ بالمعنی

ضمیمہ

قال الله تعالى ما اناکم الرسول فخلدوه وقال النبی ﷺ اتبعوا

السواد الاعظم فانہ من شد شد فی النار

خصوصیات زمانہ مسیح:

۱..... ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیونکہ مال کی مسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ مگر
یہ چودہویں صدی کے مسیح خود ہی چندہ کے محتاج ہیں کبھی بحیلہ منارہ سازی اور بہ بہانہ
تصفیف اور کبھی بہ حجت مسافر نوازی۔

۲..... مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا تو زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ بہت متمول اور
تو مگر ہوں گے۔ آج دنیا کی تمام اقوام میں سے زیادہ مفلس اور غریب مسلمان ہیں۔ زکوٰۃ
دہندگان نہایت ہی قلیل ہیں۔

۳..... باہم بغض اور عداوت جاتی رہے گی۔ سب میں اتحاد اور محبت کا رشتہ مستحکم ہو جائے
گا۔

۴..... زہریلے جانور کی زہر جاتی رہے گی وحوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔ آدمی کے
بچے سانپ اور بچھو سے کھیں گے ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ بھیڑ یا بکری کے ساتھ چرے گا۔
۵..... زمین صلح سے بھر جائے گی۔

۶..... زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر اور اپنی برکت لٹا دے اس دن ایک انار کو ایک
گروہ کھائے گا اور انار کے پھل کو بنگہ سا بنا کر اس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ دودھ میں
برکت ہوگی یہاں تک کہ دودھار اونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو اور دودھار گائے ایک
برادری کے لوگوں کو اور دودھار بکری ایک کنبہ کے شخصوں کو کفایت کرے گی۔

۷..... گھوڑے ستے بکھیں گے کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔ تیل گراں قیمت ہو جائیں گے کیونکہ
تمام زمین کاشت کی جائے گی۔

۸..... خداوند تعالیٰ ان کے زمانہ میں تمام دینوں کو مٹو کر دے گا۔ صرف دین اسلام باقی رہے
گا۔ اور اسلام کی ایسی رونق ہوگی کہ تمام دنیا اور دنیا بھر کے ممال متعارف سے ایک جہدہ کرنا اچھا
معلوم ہوگا۔

سیرت مسیح:

۱..... عیسیٰ علیہ السلام جامع دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عصر پڑھیں گے پھر اہل دمشق کو
ساتھ لے کر طلب دجال میں نہایت سیکنہ سے چلیں گے، زمین ان کے لئے سمٹ جائے
گی۔ ان کی نظر قلعوں کے اندر اور گاؤں کے اندر تک اثر کر جائیگی۔

۲..... جس کا فروان کی سانس کا اثر پہنچے گا وہ فوراً مر جائے گا۔

۳..... یہ بیت المقدس کو بند پائیں گے دجال نے اس کا محاصرہ کر لیا ہوگا اس وقت نماز صبح کا

وقت ہوگا۔

۴..... ان کے وقت میں یا جوج ماجوج خروج کریں گے تمام خشکی و تری پر پھیل جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے۔

۵..... وہ دین اسلام کے لئے لوگوں سے جنگ و قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے۔

۶..... وہ قال کو بابلد پر قتل کریں گے اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو دکھائیں گے۔

۷..... اُمرہ پتھریلی زمین کو کہہ دیں کہ تو شہدین کو روانہ ہو تو اسی وقت شہدین جائے گی۔

۸..... زمین پر چالیس پینتالیس سال تک قیام فرمائیں گے۔

۹..... روضہ مقدس حضرت ﷺ میں مدفون ہوں گے۔

حلیہ عیسیٰ (علیہ السلام):

۱..... قد درمیانہ رنگ سرخ و سپید، لباس زردی مائل، ان کے سر سے باوجود ترند کرنے کے پانی کے قطرے موتیوں کے دانہ کی مثل چمکتے ہوں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے میں شب معراج میں ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔ قیامت کے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ اس کا حضرت ابراہیم کے سپرد ہوا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر حضرت عیسیٰ پر اس کا تعفیہ رکھا گیا۔ انہوں نے کہا قیامت کے آنے کی خبر تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں ہاں خداوند تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے وہ قال نکلے گا میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو پکھننے لگے گا جیسے رانگ پکھل جاتا ہے۔ (یہ حدیث سند احمد میں ہے) اب مرزائی جماعت سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا شب معراج میں اس معاہدہ کے بیان کرنیوالے مرزاجی ہی تھے اور اُمر عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے نزول بروزی بصورت قادیاںی سے خبر دی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے نزول بروزی

بصورت قادیاںی سے خبر نہیں دی چنانچہ آپ کا مرعوم ہی کیوں نہ خبر دے۔ ناظرین ذرا غور و انصاف فرمائیں کہ انصاف خیر الاوصاف ہے، لیکن

کے بدیدہ انکار گر نگاہ کند نشان صورت یوسف دہد بنا خوبی

اگر چشم ارادت نظر کند درد یو فرشتہ اش نما ید چشم محبوبی

علامات ظہور مہدی: ۱..... دارقطنی میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ مہدی معبود کے ظہور کے لئے دو ایسی علامتیں ہیں جو ابتداء پیدائش آسمان و زمین سے کبھی واقعہ نہیں ہوئیں وہ یہ ہیں کہ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہوگا اور نصف رمضان میں کسوف آفتاب ہوگا۔ ان للمہدی ایتان لم تکونا منذ خلق السموات والارض بنخسف القمر فی اول لیلۃ من رمضان وتنکسف الشمس فی نصف منه (الحدیث) اور جو ۱۳۱ھ میں رمضان شریف میں چاند گرہن و سورج گرہن ہوا تھا وہ ان تاریخوں کے موافق نہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ ان سن کی جنتریوں میں موجود ہے۔ اس لئے وہ قادیاںی صاحب کے مہدی ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی۔

۲..... قریب ظہور امام مہدی کے دریائے فرات کھل جائے گا اور اس میں سے ایک سونے کا پہاڑ ٹھاہر ہوگا۔

۳..... آسمان سے ندا ہوگی الا ان الحق فی ال محمد۔ اے لوگو حق آل محمد میں ہے۔

شناخت مہدی کی علامات:

۱..... آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کرتا اور تلوار اور علم ہوں گے۔ یہ نشان بعد آنحضرت ﷺ کے کبھی نہ نکلا ہوگا اس پر لکھا ہوا ہوگا بیعة للہ بیعت اللہ کے واسطے ہے۔

۲..... امام مہدی کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا۔ اور اس میں سے ایک پکارنے والا پکارے گا ہذا المہدی خلیفۃ اللہ یعنی یہ مہدی خلیفہ خدا کا ہے، اس کا اتباع کرو۔

۳..... ایک سوکھی شاخ زمین میں لگائیں گے تو بری ہو جائے گی اور اسی وقت برگ و بار لائے گی۔

۴..... کعبہ کے خزانہ کو نکال کر تقسیم کر دیں گے۔

۵..... دریائے کے لئے یوں پھٹ جائے گا جیسا کہ بنی اسرائیل کے لئے پھٹ گیا تھا۔

۶..... ان کے پاس تابوت سیکند ہوگا جسے دیکھ کر یہود ایمان لائیں گے۔

۷..... امام مہدی اہل بیت نبوی سے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ المہدی من عترتی من ولد فاطمة اور اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث ابوداؤد میں ہے۔ قادیانی صاحب نے اپنے اشتہار میں لکھا ہے کہ مہدی موعود کے فاطمی ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ صاحب ضرورت تو اس لئے ہوئی کہ خبر صادق علیہ السلام نے خبر دی ہے۔ آپ فرمائیے معنی بچہ ہونے کی کیا ضرورت تھی۔

۸..... ان کا مولد مدینہ طیبہ ہے۔ (رواہ نعیم بن حرم اللہ وجہ)

۹..... مہاجر یعنی ان کے ہجرت کی جگہ بیت المقدس ہوگی۔

۱۰..... حلیہ ان کا گندم گول رنگ، کم گوشت، میانہ قد، کشادہ پیشانی، بلند بینی، کمان ابرو، دونوں ابروئیں فرق، سیاہ چشم سرگیں، دانت سفید روشن اور جدا جدا، داہنے رخسار پر خال سیاہ، چہرہ نورانی ایسا روشن جیسا کوکب درزی، ریش پرانہ کشادہ، ران عربی وضع، اسرائیلی بدن، زبان میں لکنت جب بات کرنے میں دیر ہوگی تو ران چپ پر ہاتھ ماریں گے، کف دست میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی ہوگی، یہ سب احادیث صحیحہ سے لئے گئے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ پیشین گوئی اور ایسی ہی مسیح موعود والی اور دجال شخص کی ان سب میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل طور پر حلیہ بیان فرمایا ہے، جس میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو، گویا یہ پیشین گوئی درپیشین گوئی ہے یعنی غلام احمد قادیانی یا امثال اس کے مسیح موعود یا مہدی معبود ہونے کا

دعوئی کریں گے اور بالخصوص غلام احمد قادیانی دجال شخص کا منکر ہوگا۔ گویا آپ نے پہلے ہی مفصل حلیہ بیان فرمانے سے ان کی تکذیب پر علامات بیان فرمادیئے ہیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر ایسے ایسے خلل اندازوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اور اندیشہ نہ ہوتا تو بیان میں اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ ضرورت کی وجہ تو یہی ہے کہ یہ مدعیان امت مرحومہ کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ فسبحان اللہ من جعلہ صلی اللہ علیہ وسلم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ اپنی کمال خیر خواہی سے یہ بیان تفصیلی فرمایا ہے۔ ہذا هو الحق لما ذا بعد الحق الا الضلال والہادی هو اللہ المتعال۔ پس چونکہ علامات مذکورہ بالا جو احادیث صحیحہ متواترہ بالمعنی سے ثابت ہیں اب تک ظہور میں نہیں آئیں تو بنا بریں قادیانی کا دعوئی مسیح موعود اور مہدی معبود ہونے کا باطل صریح اور افتراء محض ہے۔ اہل اسلام کو آیت کریمہ ما اتاکم الرسول کو مدنظر رکھ کر اس کے دھوکہ سے بچنا ضروری ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدی ویبغ غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جہنم وساءت مصیرا۔ ترجمہ: جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس سے پیچھے کے ظاہر ہوا اس کے لئے راستہ سیدھا اور پیروی کرے مؤمنین کے مخالف راستہ کو اعتقاد اور عمل میں چھوڑیں گے ہم اس کو اس امر میں جو وہ اس کو دوست رکھتے ہیں یعنی دائرہ کفر و ارتداد میں داخل کریں گے اور ڈالیں گے ہم اس کو دوزخ میں اور وہ بری جگہ رہنے کی ہے۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جو شخص دیدہ و دانستہ احادیث صحیحہ نبویہ واجماع امت مرحومہ کے عمل و اعتقاد میں مخالفت کرے تو اس کے لئے حکم ارتداد و کفر ہے نعوذ باللہ منہا۔ اگر کسی شخص کو زیادہ تحقیق کی خواہش ہو تو کتاب سیف چشتیائی مصنفہ اس احققین و رئیس المدققین پیر صاحب گوڑوی مطالعہ کریں تا کہ قادیانی کی دھوکہ بازی اور کمر سازی پر پوری پوری اطلاع پائیں۔

وما علینا الا البلاغ واللہ یمہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔